

طالع مسکینہ

اسلام راہی ایم اے



بحیرہ قلزم سے تین میل کے فاصلے پر عسیر اور صنعا شہروں کے درمیان چار عرب قبائل بنو دیا نیر، بنو عمون، بنو عمالقہ اور بنو قباہ صحرا کے اندر خمیر زن تھے۔ یہ سب قبائل حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد تھے اور صحرا کے اندر ان کے خیمے دُور دُور تک پھیلے ہوئے تھے۔ خیموں سے باہر جگہ جگہ قبائل کے بھیڑ بکریوں، گھوڑوں اور اونٹوں کے ریوڑ بیٹھے تھے۔ اس وقت فجر کی زردی سرخی میں ڈھل رہی تھی، اس لیے کہ مشرقی کوہ ساروں کی چوٹیوں کے پس منظر میں سورج طلوع ہو رہا تھا۔ صحرائی پرندے اپنے اشیانوں سے نکل کر روزی کی تلاش میں اُڑنے لگے تھے۔ ایسے میں ریت کے ایک بلند اور ٹھنڈے ٹیلے پر چند عرب جوان بیٹھے کسی اہم مسئلے پر گفتگو کر رہے تھے کہ ان میں سے ایک جوان مغرب کی طرف دیکھتے ہوئے فوراً کھڑا ہو گیا اور غور سے اس طرف دیکھنے لگا جہاں کچھ فاصلے پر دھول دار ٹلگے سے دھبے دکھائی دے رہے تھے۔

اچانک اس جوان نے خوشی و مسرت میں چلاتے ہوئے اپنے ساتھیوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ”اے رفیقانِ عزیز! اُٹھ کر مغرب کی طرف دیکھو، کوئی کاروان آ رہا ہے۔ بخدا میرا دل کہتا ہے یہ بنو اودم کے سوا کوئی اور نہیں۔ کیوں کہ وہی تجارت کی غرض سے مسہ کی طرف گئے تھے۔“

عامر بن نفیرہ نے اُن کی گفتگو میں دل چسپی لیتے ہوئے کہا۔ ”کیا غیر معمولی واقعہ پیش آیا ہے اور کون سا اثر تم لوگوں کی بے عزتی کا باعث بنا ہے۔“

مخزوم بن کہلان نے کہا۔ ”اس غیر معمولی واقعہ کا باعث بنوعمون کے سردار عدی بن کعب کا بیٹا سراقہ بن عدی ہے۔ وہ بد شکل ہے اس لیے اپنا چہرہ ہر وقت نقاب کے ڈھانک رکھتا ہے۔ اس کے علاوہ وہ دہلا پتلا ہونے کے علاوہ گونا گویا بھی ہے اور کسی سے گفتگو نہیں کر سکتا لیکن اس کے باوجود ان مقابلوں میں اس نے چاروں قبائل کے چیدہ چیدہ جوانوں کو زیر کر کے رکھ دیا۔ ان میں ہم پانچوں بھی شامل ہیں اس نے تیغ زنی، گھڑ سواری اور نیزہ بازی میں سب کو عبرت خیز شکست دی ہے۔ جب وہ مقابلہ کرتا ہے۔ تو کسی آتش افروز عفریت اور پلکتے شعلوں کی طرح حملہ آور ہوتا ہے۔ وہ صحرائی لومڑی کی طرح ہوشیار چالاک ہے اور بے زین گھوڑے کو خوب ہانکنا جانتا ہے۔ وہ عجیب سا سحر خیز مجاہد اور طلسماتی شخصیت کا مالک ہے۔ وہ سورج کی ترچھی کرنوں کی طرح اپنے عمل کی ابتدا کرتا ہے اور شرگ کے کھیل یا دم کے منحوس پرندے کی طرح اپنے مقابل کو پچھاڑ کر رکھ دیتا ہے۔ یوں لگتا ہے۔ اس کی کارکردگی کے پس پردہ کوئی ساحر کام کر رہا ہو۔“

مخزوم بن کہلان نے ذرا رک کر پھر کہا۔ ”ہم آپ کے پاس اس لیے آئے ہیں کہ شاید آپ کے قبیلے میں کوئی ایسا جوان ہو جو سراقہ بن کعب کو زیر کر سکے۔ آپ کی آمد سے قبل ہم ایک ٹیلے پر بیٹھ کر اسی موضوع پر گفتگو کر رہے تھے۔“

عامر بن نفیرہ نے کہا۔ ”تم لوگ جانو میرا اپنا کوئی بیٹا نہیں۔ میری دو ہی بیٹیاں ہیں۔ مگر ہاں میرے قبیلے میں ایک ایسا جوان ہے جو سراقہ بن عدی کو حرب و ضرب کے ہر عمل میں پچھاڑ کر رکھ دے گا۔ اس جوان کو میں نے اپنا بیٹا بنا رکھا ہے۔ میری بیوی اسے اپنے گے بیٹے اور میری بیٹیاں اسے اپنے گے بھائی کی طرح پسند کرتی ہیں۔ وہ میرے گھر میں بڑا مقبول و عزیز ہے اس لیے کہ میرا کوئی بیٹا نہیں۔ اس کا نام نفیل بن حبیب ہے اس کا باپ فوت ہو چکا ہے اور وہ اپنی ماں زہرہ بنت کلاب اور ایک دس سالہ بہن جندلہ بنت حبیب کے ساتھ رہتا ہے۔ اس کا خیمہ ہمیشہ میرے خیموں کے پاس نصب ہوتا ہے

اس کے چاروں ساتھی بھی اُٹھ کر مغرب میں اس طرف دیکھنے لگے تھے جدھر موصول اُترتی نظر آرہی تھی۔ اصل میں یہ وہ تجارتی شاہراہ تھی جو یمن سے تہام، جدہ، تبوک، ایلمہ اور کوہ طور کے پاس سے ہوتی ہوئی مصر کی طرف چلی گئی تھی۔ اب ان کے سامنے ایک کاروان نمودار ہوا تھا اور اونٹوں کی پُنجواب گھنٹیاں صحرا کی رگ و پے میں سنسنی و جستجو بھیلانے لگی تھیں۔ اس عرب جوان کا اندازہ درست ہوا۔ وہ کاروان واقعی بنوادم کا تھا کیوں کہ وہ نزدیک آکر اس جگہ خیمہ زن ہونے لگے تھے۔ جہاں پہلے سے چار قبائل پڑاؤ کیے ہوئے تھے۔

بنوادم بھی حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد سے تھے اور پہلے سے وہاں خیمہ زن چاروں قبائل کے رشتہ دار بھی تھے۔ اس عرب جوان نے پھر اپنے ساتھیوں کو مخاطب کر کے کہا۔ ”او بنوادم کے سردار عامر بن نفیرہ سے اس معاملہ میں گفتگو کرتے ہیں۔“ پانچوں ساتھی ریت کے ٹیلے سے اُتر کر ادھر کا رُخ کر رہے تھے جہاں بنوادم پڑاؤ کر رہا تھا۔

وہ پانچوں بنوادم کے سردار عامر بن نفیرہ کے خیمے کے سامنے آکر۔ عامر بن نفیرہ اس وقت اپنے خیمے سے باہر اپنی بیوی اور بچیوں سے گفتگو کر رہا تھا۔ انہیں دیکھتے ہی اس کی بیوی اور بیٹیاں خیمے کے اندر چلی گئیں۔ وہ جوان اپنے ساتھیوں کے ساتھ آگے بڑھا اور عامر بن نفیرہ سے پرتاک مصافحہ کرتے ہوئے اس نے کہا۔

”میں بنو مدیانہ کا مخزوم بن کہلان ہوں۔ بنو مدیانہ، بنوعمون، بنو عالملقہ اور بنو تباب یہاں پہلے سے خیمہ زن ہیں۔ ہم یہاں آپ کو خوش آمدید کہتے ہیں۔ میں اور میرے ساتھی ایک اہم مسئلہ پر گفتگو کرنا چاہتے ہیں۔“

عامر بن نفیرہ نے وہیں اپنے خیمے کے سامنے بیٹھتے ہوئے کہا۔ ”بیٹھو! کہتم کیا کہنا چاہتے ہو۔“

وہ پانچوں بیٹھ گئے پھر اس جوان نے کہا۔ ”ہم چاروں قبائل پچھلے دس روز سے یہاں خیمہ زن ہیں۔ معمول کے مطابق اس بار بھی یہاں آپس میں تیغ زنی، نیزہ بازی اور گھڑ دوڑ کے مقابلے ہوتے رہے لیکن اس بار ایک غیر معمولی واقعہ پیش آیا ہے جو ہم سب کی بے عزتی کا باعث بنا ہے۔“

ٹھہر ٹھہرویں اسے بلاتا ہوں۔

عامر بن فیہرہ زور زور سے پکارنے لگا۔ "نفیل! نفیل! ذرا میری طرف آؤ بیٹے!"
تھوڑی دیر بعد ایک جوان ان کی طرف آتا دکھائی دیا۔ جب وہ قریب آیا تو ان سب
نے دیکھا۔ وہ نخل بلند کی طرح دراز قامت، خوب مضبوط، کڑا اور دہرے جسم کا جوان تھا
اس کی آنکھوں میں کسی دوسرے کی سی خوشحالی تھی۔ اس کی پیشانی پر مہمت اور جندہ بخت
بلند رفتوں کے حصول اور کرشمہ سازی کی مہر عالم تاب کی سی روشنی و چمک تھی۔ اس کی
آنکھوں سے اٹھتی بے دغان روشنی دلوں میں تردد، ذہن میں غلبان اور فکر وطن پیدا کرنے
کے علاوہ پیغام موت دے رہی تھی۔ اس نے آتے ہی جب سب کو سلام کیا تو یوں لگا گویا
اس کی آوازیں رعد کی بلاخیزی اور سمندر کا غروش ہو۔ عامر بن فیہرہ کے پاس آکر اس
نے اپنی بھرپور شور آوازیں پوچھا۔ "مجھے بلایا ہے آپ نے؟"

عامر بن فیہرہ نے کہا۔ "بیٹھ جاؤ ہمارے لیے ایک کٹھن کام آں پڑا ہے۔"

قبل اس کے کہ عامر بن فیہرہ کچھ کہے نفیل بن حبیب کی ماں زہرہ بنت کلاب اور ابن
جندلہ بنت حبیب بھی وہاں آگئی تھیں۔ انہیں دیکھتے ہوئے عامر بن فیہرہ کی بیوی اور دونوں
بیٹیاں بھی باہر نکل کر زہرہ اور جندلہ کے پاس آکھڑی ہوئی تھیں۔ عامر بن فیہرہ نے ایک گہری
نگاہ ان پر ڈالی پھر اس نے نفیل بن حبیب سے سراقتہ بن کعب سے متعلق وہ تمام گفتگو کر دی
جو مخزوم بن کلمان نے کہی تھی۔

نفیل بن حبیب نے چند ثانیوں تک کچھ سوچا پھر اس نے غور سے اپنے قبیلے کے
نمردار عامر بن فیہرہ کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "مجھے بلا کر یہ داستان کہنے سے آپ کی کیا
غرض ہے؟"

عامر بن فیہرہ نے کہا۔ "میں چاہتا ہوں تم بنوعمون کے سردار عدی بن کعب کے
بیٹے سراقتہ بن عدی سے مقابلہ کرو۔ میرا دل کہتا ہے تم جیت جاؤ گے اور ان مہزوں کے
اندر ہمارے قبیلے کی خوب شہرت و ناموری ہوگی اور ہم بڑے فخر کے ساتھ عامر بن
فیہرہ کہتے کہتے رک گیا۔ کیونکہ بنوعمون کا سردار عدی بن کعب، بنو مدیانہ کا سردار ہلال بن

حبیب، بنو علقہ کا سردار مضا بن بشر اور بنو قلاب کا سردار محارب بن حسن سامنے سے
مردار ہوئے تھے۔ شاید وہ چاروں اس سے ملنے آ رہے تھے۔ ان چاروں نے قریب آ
کر عامر بن فیہرہ کو سلام و خوش آمدید کہا۔

عامر بن فیہرہ نے اٹھ کر ان سب سے مصافحہ کیا۔ پھر وہ چاروں بھی سب کے
ماتحت وہاں نگلی ریت پر بیٹھ گئے تھے۔ بنو مدیانہ کے سردار ہلال بن اہیب نے عامر بن فیہرہ
کو مخاطب کر کے پوچھا۔ "تمہارا مصرحانا کیا رہا؟"

عامر بن فیہرہ نے کہا میں اور میرا قبیلہ وہاں گرم مصالحہ، روغن بسان، مرقا اور
کھالیں لے کر گئے تھے جن سے ہم نے خوب نفع کمایا ہے۔

اس بار بنو قلاب کے سردار محارب بن حسن نے پوچھا۔ "کیا ہمارے آنے سے قبل
کسی اہم موضوع پر گفتگو ہو رہی تھی؟"

عامر بن فیہرہ نے کہا۔ "ہماری گفتگو کا موضوع عدی بن کعب کا بیٹا سراقتہ بن عدی
تھا۔ بنوعمون کے سردار عدی بن کعب نے چونکے ہوئے پوچھا۔ "میرا بیٹا؟ لیکن کس لحاظ سے؟"
عامر بن فیہرہ نے مخزوم بن کلمان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"یہ جوان مجھے بتا رہا تھا کہ تمہارے بیٹے نے تیغ زنی، نیزہ بازی اور گھڑ دوڑ میں چاند
نفل کے جوانوں کو زیر کر کے رکھ دیا ہے۔ ہم نے باہم مل کر فیصلہ کیا ہے کہ اب میرے قبیلے کا
ایک جوان تمہارے بیٹے سراقتہ سے مقابلہ کرے گا۔"

عدی بن کعب نے چونک کر پوچھا۔ "وہ جوان کون ہے اور کہاں ہے کیا میں اس
سے مل سکوں گا؟"

عامر بن فیہرہ نے اپنے سامنے نفیل بن حبیب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "وہ
جوان یہ آپ کے قریب بیٹھا ہے۔ اس کا نام نفیل بن حبیب ہے۔"

عدی بن کعب نے پوچھا۔ "اے جوان! اپنے باپ کو بلاؤ تاکہ اس سے تمہارے مقابلے
کی گفتگو ہو۔" عامر بن فیہرہ نے کہا۔ "اس کا باپ مرچکا ہے۔ میں ہی اس کے باپ کی جگہ ہوں۔
قریب ہی کھڑی نفیل کی ماں نے بلند آوازیں کہا۔ "میں زہرہ بنت کلاب اس کی ماں ہوں"

اور اسے مقابلے کی اجازت دیتی ہوں۔“

عدی بن کعب نے نفیل بن حبیب کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ”میرا بیٹا بشکل ہے اس لیے ہر وقت اپنے چہرے پر نقاب ڈالے رکھتا ہے۔ کاش وہ گونگا اور اکبرے بدن کا جواہر نہ ہوتا تو میں اپنے صحرائی قبائل میں اسے ایک ناقابلِ تسخیر جوان بنا کر سامنے لاتا۔ پھر بھی میں نے اس کی تربیت پر بڑی محنت اور سعی کی ہے۔ اے جوان! اگر تم نے میرے بیٹے سراقہ کو ہرا دیا تو قسم مجھے ابراہیم واسمعیل کے رب کی میں تمہیں موعودہ اور فرہ نسل کی بکریاں انعام میں دوں گا۔“

عامر بن نفیر نے کہا۔ ”اے کعب کے بیٹے عدی! اگر تمہارا بیٹا سراقہ جیت گیا تو اسے دسی ہی سو بکریاں دوں گا جن کا وعدہ تم نے نفیل سے کیا ہے۔ اگر تمہیں کوئی اعتراض نہ ہو تو یہ مقابلہ آج ہی سہ پہر کو ہو گا۔“

عدی بن کعب نے کہا۔ ”مجھے منظور ہے۔ پھر عدی نے نفیل کو مخاطب کر کے کہا۔ ”اے جوان! اپنی پوری تیاری سے آنا۔ میرا بیٹا دلا تیرا ضرور ہے لیکن اپنے حملوں میں آندھی اور طوفان مچتا ہے۔“

نفیل نے کہا۔ ”فیصلہ تو مقابلے کے میدان میں ہو گا کہ کیسے فتح و زینت اور سکون و فرحت نصیب ہوتی ہے۔ ربِ سموات وارض نے ہمیشہ مجھے سعادت و بقا سے نوازا ہے اس میدان میں بھی وہ میرا بھرم میری عزت رکھے گا۔“

عامر بن نفیر نے نفیل بن حبیب کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ”نفیل! نفیل! تم اپنے خیمے میں جا کر آرام کرو بیٹے! اس طرح تمہیں سفر کی تھکاوٹ سے نجات مل جائے گی اور تم اپنے آپ کو مقابلے کے لیے مستعد پاؤ گے۔“ نفیل اٹھا اور اپنی ماں بہن کے ساتھ وہ اپنے خیمے کی طرف چلا گیا۔ مخدوم بن کملان بھی اپنے ساتھیوں کے ساتھ اٹھ کر وہاں سے چلا گیا۔ تاہم قبائل کے پانچوں سردار وہیں بیٹھ کر باہم گفتگو کرنے لگے تھے۔



(اسی روز سہ پہر کے قریب بنو اودوم، بنو قات، بنو عمون، بنو علقہ اور بنو مدیاندہ)

مردود عورتیں، بچے اور بوڑھے ایک کھلے میدان میں جمع ہو رہے تھے۔ مقابلے کے منتظرین نے میدان کے اندر لکڑی کے دو کھونٹے پیلے سے گاڑ رکھے تھے۔ شاید پہلے نیزہ بازی کا مقابلہ ہونا تھا۔ لوگوں کے جھوم کے اندر سے نفیل اور سراقہ اپنے گھوڑے پر سوار ہوئے اور میدان میں اڑکے۔ دونوں کے گھوڑے سفید اور خوب توانا تھے۔ میدان میں گھسے ہوئے کھونٹوں کے دونوں جانب لوگوں کا خوب جھوم ہو گیا تھا۔ نفیل اور سراقہ دونوں مقابلے کے لیے تیار تھے اور قبیلہ بنو قات کے اس بوڑھے کی طرف دیکھ رہے تھے جو کھونٹوں کے پاس کھڑا تھا اور جس کے ہاتھ میں سفید رنگ کی جھنڈی تھی۔ جونہی اس بوڑھے نے جھنڈی بلند کی نفیل اور سراقہ دونوں نے اپنے گھوڑوں کو ایڑ لگا دی تھی۔ دونوں کے دائیں ہاتھیں نیزے تھے اور بائیں ہاتھ میں انمول نے اپنے گھوڑوں کی لگام پکڑ رکھی تھی۔ کھونٹوں کے قریب آکر اچانک نفیل نے اپنے گھوڑے کی زین سے ٹکٹا ہوا دوسرا نیزہ بھی اپنے بائیں ہاتھ میں تھام کر دونوں نیزوں کو کھونٹوں کی سیدھ میں سیدھا کر لیا۔ پھر اپنے گھوڑے کو ایک سخت مہمیز لگائی۔ اس کا گھوڑا سراقہ سے کچھ آگے نکل گیا اور نفیل اپنے دونوں نیزوں سے دونوں کھونٹوں کو اکھیر لے گیا تھا۔

ایک ہی وقت میں دو مختلف نیزوں سے دو کھونٹوں کو اکھیر لینا انتہائی مشکل کام تھا جسے نفیل نے کر دکھایا تھا۔ سراقہ بن عدی نفیل کی اس کارگزاری پر شرمندگی محسوس کر رہا تھا جب کہ ارد گرد کھڑے لوگ بلند آوازوں میں نفیل کو داد دے رہے تھے تھوڑی دیر بعد کھڑوٹ کا مقابلہ شروع ہوا۔ جہاں سے مقابلہ شروع ہونا تھا وہاں اور جس جگہ ختم ہونا تھا وہاں ایک ایک منصف سرخ جھنڈی لیے کھڑا تھا۔

جب مقابلہ شروع ہوا تو دونوں گھوڑے تقریباً ساتھ ساتھ بھاگ رہے تھے۔ سراقہ اپنے گھوڑے کو مہمیز پر مہمیز لگا رہا تھا۔ شاید وہ یہ مقابلہ جیت کر اپنا پلہ برابر کرنا چاہتا تھا لیکن جونہی وہ آگے نکلنے کی کوشش کرتا نفیل بھی اپنے گھوڑے کو ایڑ لگا کر اسے میز کر دیتا۔ جس جگہ مقابلہ ختم ہونا تھا اس سے ذرا فاصلے پر نفیل نے اپنے گھوڑے کو پے درپے پاؤں کی کئی ٹھوکریں دے ماریں۔ گھوڑا منہ نہاتا، نتھنے پھٹ پھٹاتا اور کنوٹیاں بدلتا ہوا طوفان

ہو گیا تھا۔ سراقہ کے گھوڑے سے کئی گز آگے بچل کر نفیل نے مقابلہ بحیثیت لیا۔

دونوں گھوڑے چونکہ سرپٹ دوڑ رہے تھے اس لیے وہ اس جگہ سے کافی آگے بچل گئے۔ جہاں مقابلے کی انتہا تھی۔ نفیل اور سراقہ دونوں نے اپنے گھوڑوں کو روکنے کی کوشش نہ کی تھی۔ مقابلہ دیکھنے والے لوگ اب پیچھے رہ گئے تھے۔ اس موقع پر نفیل کے ذہن میں نہ جانے کیا سمائی کہ وہ اپنا گھوڑا سراقہ کے قریب لایا۔ پھر ہاتھ بڑھا کر اس نے سراقہ کو اس کے گھوڑے سے اچک لیا اور اسے اپنے ایک ہاتھ میں فضا میں خوب بلند کیا پھر صحرا کی ریت پر اسے پٹخ دیا۔ سراقہ بے چارہ کوئی مزا حمت نہ کر سکا۔ وہ بری طرح ریت پر گر ا اور اس کے چہرے سے نقاب اُتر گیا۔

نفیل نے جب ریت پر گرے ہوئے سراقہ کی طرف دیکھا تو وہ دنگ رہ گیا۔ سراقہ مرد نہیں لڑتی تھی۔ اس کی عیا بھی کھل گئی تھی اور اس کا سینہ اور گردن نکلی ہو گئی تھی۔ نفیل نے دیکھا اس کی گردن سرخ مونگے جیسی تھی۔ اس کی گہری نیلی آنکھوں میں طغیان نشاط طراوت گل اور دیائے جھیل کا سماں تھا۔ اس کا انتہائی خوب صورت چہرہ انار کے تانہ رس کی طرح تروتازہ و پُرکشش تھا۔

اس بنتِ مہتاب لڑکی کے لبہ منگوں پر ہلکا سا تبسم نمودار تھا۔ اس کے اس تبسم سے اس کا گوہر نایاب اور حسنِ صدف جمال اور گہرا ہو گیا تھا۔ اس موقع پر اس کے چہرے پر بنتِ حوا کی پوری طلسم آ لئی چھا گئی تھی۔ اس زہرو جمال لڑکی نے صرف ایک لمحہ نفیل کی طرف دیکھا۔ پھر اس کی نگاہیں شرم و حجاب میں آپ ہی آپ جھک گئی تھیں۔

نفیل اپنے گھوڑے سے اُترا اور اس الف لیلی شہزادی، زمینی خُلد کی حورِ محبسہ رنگ و رعنائی لڑکی کو مخاطب کرتے ہوئے پوچھا۔ ”کیا تم سراقہ کی جگہ آئی ہو یا تم ہی سراقہ ہو؟“ اس لڑکی نے ندامت میں اپنی گردن جھکاتے ہوئے کہا۔ میرے باپ کے ہاں کوئی لڑ

نہیں۔ میں ہی اس کا لڑکا اور لڑکی ہوں۔ اس نے بڑوں کی طرح میری پردوش کی ہے۔ ان نے مجھے بد شکل اور گونگا مشور کر رکھا تھا تاکہ نہ کوئی میری شکل دیکھے نہ ہی مجھ سے مخاطب ہو۔ میں نے بڑے بڑے سوراؤں کو ان مقابلوں میں شکست دی ہے لیکن آپ مجھ سے جیت گئے ہر

میں اپنی شکست تسلیم کرتی ہوں۔“

نفیل نے پوچھا۔ ”کیا تمہارا نام سراقہ ہی ہے؟“

اس مرموز چہان کے حریری پیکر نے لمحہ بیل اور ایک لمبائی ترقیل و ترقم میں کہا۔ ”میرا اصل نام نبطیہ بنتِ عدی ہے۔ میرا نام سراقہ میرے باپ نے مشہور کر رکھا ہے۔“

نفیل چند ثانیوں تک کمال حیرت و ہمدردی سے نبطیہ کو دیکھتا رہا پھر اس نے بڑی غمگساری میں کہا۔ ”کیا تم میرے ساتھ تیغ زنی کا مقابلہ بھی کر دو گی؟“

نبطیہ نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ ”میں واپس لوگوں میں جا کر کہہ دوں گی کہ میں نے شکست تسلیم کر لی ہے۔ میں آپ سے مقابلہ نہیں کر سکتی۔ آپ ایک طوفان ہیں۔ میں ہوا کا ایک نرم جھونکا میرا آپ کا کیا مقابلہ۔“

نبطیہ ذرا کی پھر اس نے منرت کرنے کے انداز میں نفیل سے کہا۔ ”اے بنو آدم کے حوادث و جرات مندی کے فرزند! میرا لڑا زار رہنے دینا۔ اگر لوگوں کو خبر ہو گئی کہ میں لڑکی ہوں، تو بہت سہ باتیں اُٹھیں گی اور جن جوانوں سے میں نے مقابلہ جیتے ہیں وہ میرے باپ سے تکرار کریں گے کہ ان کا مقابلہ ایک لڑکی سے کرنا کر ان کی توہین کی گئی ہے۔“

نفیل نے ویسی ہی ہمدردی میں کہا۔ ”اٹھو! اپنے چہرے پر نقاب ڈال لو اور چلی جاؤ۔ میں اپنی موت تک تمہارا لڑا زار رہی رکھوں گا۔“

نبطیہ نے اپنے چہرے پر نقاب ڈال لیا اور اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر واپس چلی گئی۔ نفیل بھی اپنے گھوڑے پر سوار ہوا اور اس کے پیچھے پیچھے ہولیا۔ واپس جا کر نبطیہ نے اشاروں سے اپنے باپ کو بتایا کہ وہ اپنی شکست تسلیم کرتی ہے۔ عدی بن کعب نے بڑی فرخندگی سے اس کی شکست کا اعلان کر دیا۔ بنو آدم کے جوان نفیل کو اپنے کندھوں پر اٹھائے واپس اپنے خیموں کی طرف لے جا رہے تھے۔



رات ہو گئی تھی۔ برشے کے رگ و پے میں تاریکی گھس گئی تھی۔ آسمان پر کھنشاں کا دودھیا آنچل بکھر گیا تھا۔ بے داغ نیلگوں آسمان ستاروں سے سج گیا تھا۔ نفیل اپنے خیمے میں

عامر بن نہرو کو خاموش ہوجانا پڑا کیونکہ نیچے سے باہر لوگوں کا شور و غوغا بلند ہونا شروع کیا جاتا۔ سب گھبرا کر اٹھ کھڑے ہوئے اور نیچے سے باہر آئے۔ انہوں نے دیکھا لوگ ادھر ادھر لماگ دوڑ کر رہے تھے۔ ایک جوان بھاگتا ہوا عامر بن نہرو کے پاس آیا اور اپنی پھولی سانسوں میں س نے کہا۔ ” سردار! قبیلوں کے جو جوان مچھلیاں پکڑنے سے سمندر کنارے گئے تھے وہ ایک بڑی خبر لائے ہیں، ان کا کہنا ہے حبشہ کے بادشاہ نجاشی نے ایک ہزار شکریہ پر حملہ کرنے کے لیے روانہ کیا ہے۔ یہ لشکر مین کے ساحل پر ننگہ انداز ہونے کے بعد اسی طرف آ رہا ہے۔ کیونکہ انہوں نے ہمارے جوانوں کو اس طرف بھاگتے دیکھا ہے۔“

”اگر نجاشی کا شکر ادھر کا رخ کر رہا ہے۔ پھر میں اس کے سپہ سالاروں سے بات کرنا ہوگی تاکہ وہ ہمارے کسی قبیلے کو نقصان نہ پہنچائیں۔ آؤ ہلال بن اہیب، مضاض بن بشر اور غارب بن جن کو ساتھ لے کر ان سے بات چیت کرتے ہیں نفیل، نفیل! تم بھی ہمارے ساتھ آؤ۔ اگر کسی جنگ کی صورت بن گئی تو تم اپنے قبائل کے متحدہ لشکر کے سالار ہو گے۔“

نفیل نے غور سے بنطیق کی طرف دیکھا۔ زہرہ بنت کلاب کے اس فیصلے پر بنطیق کے چہرے پر آرزو انگیز طراوت، ہونٹوں پر کلابی ہنسنے اور اس کی بڑی بڑی گہری آنکھوں میں

نفیل نے گردن جھکاتے ہوئے کہا: ”ایسا فیصلہ کرنا تو میری ماں کا کام ہے۔“

عدی بن کعب نے کہا - "اے بہن! میرا کوئی بیٹا نہیں۔ یہ میری بیٹی ہے اس کا نام نبطیہ ہے میں اسے ہی سراقہ کے نام سے اپنا بیٹا مشورہ کر رکھا تھا۔ اسی سے آج نفیل کا مقابلہ تھا نفیل جو مکہ مقابلہ حریث چکا ہے لہذا میں اسے نبطیہ سے شادی کی پیشکش کرتے آیا ہوں۔"

عامر بن نفیر نے خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ "اس پیشکش و قبولیت پر میں تم دونوں طرفین کو مبارک باد دیتا ہوں۔ میں نے سب قبائل کے سردار کو بتا دیا ہے کہ عدی بن کعب کا سراقہ نام کا لڑکا اصل میں لڑکی ہے اور اس کا نام بنطیہ ہے۔ وہ اپنے اپنے قبیلوں کے ازواج کو سمجھا دیں گے جو بنطیہ سے ہارتے رہے ہیں تاکہ وہ کوئی شورش کھڑی نہ کریں گے۔"

نفیل! نفیل! تم سنو، عدی بن کعب اپنے وعدے کے مطابق تمہیں سو کمبیاں دے گا، او

زینم کی جھلک اور گری ہو گئی تھی۔ نفیل، عامر بن نمیر اور عدی بن کعب چلے گئے۔

زہرہ بنت کلاب بنطیہ کا ہاتھ پکڑ کر دوبارہ خیمے میں لائی۔ نفیل کی بہن جندلہ بنت حبیب نے بنطیہ کا دوسرا ہاتھ پکڑ رکھا تھا۔ تینوں چرمی چادر پر آکر بیٹھ گئیں۔ پھر جندلہ نے بنطیہ کے کندھے پر ہاتھ رکھتے اور خوشی میں چپکتے ہوئے کہا: "اے میری بہن! ہمارے پاس ایک اور نیا خیمہ بھی ہے جو اس بار اخی مصر سے خرید کر لائے ہیں۔ جب تمہاری شادی ہو جائے گی تو ہم اپنے لیے دو خیمے نصب کریں گے۔"

پھر چانک جندلہ اٹھ کھڑی ہوئی خیمے کے اس کونے میں گئی جہاں کھانے کی اشیاء اور برتن رکھے ہوئے تھے۔ جب وہ لوٹی تو اس کے ہاتھ میں اونٹ کی بڑی سے بنی ہوئی ایک پلیٹ تھی جو غیر سے بھری ہوئی تھی۔ جندلہ نے پلیٹ بنطیہ کے سامنے رکھتے ہوئے کہا: "یہ بہت اچھا اور میٹھا پیئر ہے۔ انھی نے یہ مصر سے خریدا تھا، کھائیں بہت لذیذ ہے۔" بنطیہ نے شرمیلی سی آواز میں کہا: "میں اکیلی نہیں کھاؤں گی۔ آپ دونوں بھی کھائیں۔" زہرہ اور جندلہ نے بھی اس کا ساتھ دیا اور تینوں ہنسی خوشی پیئر کھانے کے علاوہ آپس میں خوشگفتگو بھی کرنے لگی تھیں۔



تھوڑی دیر بعد قبائل کے ان خیموں کے شہر سے جنوب کی سمت ایک جبار لشکر نمودا ہوا۔ پانچوں قبائل کے سردار، نفیل بن حبیب اور چند دیگر جدیدہ جدیدہ جوان بھی وہاں خیموں سے باہر کھڑے تھے۔ لشکر نزدیک آکر رک گیا پھر ان میں سے دو درمیانی عمر کے آدمی اپنے چنا محافظوں کے ساتھ اپنے گھوڑے دوڑاتے ہوئے ان کے بالکل قریب آئے اور ان میں سے ایک نے انہیں مخاطب کرتے ہوئے پوچھا: "تم لوگ کون ہو اور کس غرض سے یہاں خیمہ زن ہو؟" یہ کوئی لشکر ہے اور ہمارے مقابل ہونا چاہتا ہے۔

نوادوم کے سردار عامر بن نمیر نے بڑی جرات مندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا: "ہم پانچ عرب قبائل یہاں خیمہ زن ہیں۔ ہم خانہ بدوش ہیں اور جگہ جگہ جہاں چراگاہیں ہیں وہاں خیمہ زن ہونا ہمارا پیشہ ہے لیکن تم لوگ کون ہو؟"

اس اجنبی نے پھر کہا: "میں حبشہ کے بادشاہ نجاشی کا سپہ سالار ہوں۔ میرا نام ابو مصحم ہے۔ پھر اس نے اپنے دائیں طرف اپنے گھوڑے پر سوار اپنے ایک ساتھی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا: "یہ میرے لشکر کا نائب سالار ابو مکیموم ابراہم الاشتر ہے۔ ہم یمن پر حملہ آور ہو کر آئے ہیں اور تم لوگوں کو ہماری اس معاملے میں مدد کرنا ہوگی۔ ہم ابھی اور اسی وقت یمن کے بی شرم و شجاعت کی طرف روانہ ہوں گے۔ اگر تم لوگوں نے ہمارا ساتھ دیا تو سب سے پہلے ہم تم کو آدھ ہوں گے۔ تمہارے جوانوں اور بوڑھوں کو قتل کر دیں گے اور تمہاری عورتوں اور بچوں کو زندہ کر لیں گے۔ اگر تم لوگوں نے ہمارا ساتھ دیا تو ہماری فتح کی صورت میں ہمیں ماسلہ ہونے والا ہے۔ فائدہ میں تم لوگ بھی حصہ دار ہو گے۔ اس کے علاوہ ہم تمہارے قبائل کو کھانے پینے کی اشیاء مہیا کرنے کے بھی پابند ہوں گے۔ تمہارے ہر دشمن سے ہم تمہاری حفاظت کریں گے۔ اب بتاؤ، تم کیا کہتے ہو؟"

نفیل بن حبیب غصے میں ابو مصحم سے کچھ کہنا چاہتا تھا کہ عامر بن نمیر نے اسے روک دیا۔ بڑی نرمی سے اس نے ابو مصحم کو مخاطب کر کے کہا: "جو شرائط تم نے کہی ہیں۔ ان شرائط پر ہم راضی ہوں۔ تمہارے دینے کو تیار ہیں۔ ہم تمہارے حلیف بن کر رہیں گے۔"

ابو مصحم نے کہا: "تو پھر کوچ کی تیاری کرو۔ ہم ابھی یہاں سے صنعا کی طرف روانہ ہوں۔" پانچوں قبائل کے سردار، نفیل اور دیگر جوان واپس اپنے خیموں کی طرف لوٹ گئے۔

نفیل اپنے خیمے میں داخل ہوا تو بنطیہ کا باپ اور بنو مملوک کا سردار عدی بن کعب اس کے ساتھ تھا۔ بنطیہ، زہرہ اور جندلہ جو خیمے میں کچھ چرمی چادر پر بیٹھی ہوئی تھیں، ان کے دل کو دیکھ کر کھڑی ہو گئیں۔ عدی بن کعب نے انہیں بیٹی بنطیہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: "بنطیہ! بنطیہ! میری بیٹی! حبشہ کے بادشاہ کا سالار ابو مصحم اور اس کا نائب ابراہم الاشتر تمہیں پر حملہ آور ہونے کے لیے اس ساحل پر آ رہے ہیں۔ ہم دونوں ان سے کرا رہے ہیں۔ ان کے ساتھ ایک جبار لشکر ہے۔ انہوں نے ہمیں اس جنگ میں تعاون

۵۔ اس کی ایک آنکھ خراب تھی اس لیے اسے الاشتر کہتے تھے۔

لے روز حبشہ کے جنرل ابو صم اور ابو یکیم نے عربوں کے ساتھ مل کر یمن کے مرکزی شہر صنعاء
بلد کے اُسے فتح کر لیا اور پھر چند ہی روز کی خونی جنگوں کے بعد وہ پورے یمن پر قابض ہو
ئے۔ انہوں نے مختلف شہروں میں اپنے والی مقرر کیے اور خود اپنے لشکر کے ساتھ صنعاء میں قیام
یا۔ پانچوں عرب قبائل بھی شہر سے باہر نیمہ زن تھے۔ وہ اس بات کی توقع رکھتے تھے کہ حبشہ کے
لشکر کا سالار انہیں یمن کی فتح سے ہاتھ آنے والے مال غنیمت میں سے ان کا حصہ دے گا لیکن
عہد نے انہیں کچھ دینے سے صاف انکار کر دیا تھا۔

ابو صم نہایت جابر اور سنگدل انسان تھا۔ اس نے یمن فتح کرنے کے بعد وہاں کے باشندوں
بلم و تشدد شروع کر دیا۔ کسی کی جان، کسی کا مال اور کسی کی عزت ابو صم کے ہاتھوں محفوظ نہ تھی
منے وہاں کے رؤسا کو لوٹ کر محتاج اور غریب کو ذلیل و رسوا کر کے رکھ دیا۔ وہ شخص کو
اس کے سامنے آتا، بچھو کی طرح کاٹ کھاتا تھا۔ یمن کے اندر اس نے خاک و خون، آتش و آہیں
ت و درموائی اور موت و غلاب کا کھیل کھیلنا شروع کر دیا تھا۔

ایک روز جب کہ شام رات میں ڈھل گئی تھی۔ جاڑے کی سرد و خشک ہوائیں طوفانی
لی اختیار کر گئی تھیں۔ غلمتِ شب اپنے پورے شعور و ہوش میں بھیل گئی تھی اور سحر و شبنم کی
برگوشیاں شروع ہو گئی تھیں، نفیل اپنے خیمے میں بیٹھا اپنی ماں اور بہن کے ساتھ محو گفتگو رات
غلمت میں خیمے کے باہر سے کسی نے اُسے پکارا۔ نفیل! نفیل!

نفیل اٹھ کر باہر آیا۔ اس نے دیکھا خیمے سے باہر وہاں ایک جوان کھڑا تھا اس
ماں زہرہ اور بہن جملہ بھی خیمے کے دروازے پر کھڑی ہوئی تھیں۔ اس جوان نے نفیل
دیکھتے ہی کہا۔

”آپ کو سردار عامر بن نہرہ نے بلایا ہے۔ میں بنو عموں سے ہوں۔ پانچوں قبائل
لے سردار بنو عموں کے سردار عدی بن کعب کے خیمے میں جمع ہیں۔ حبشہ کے لشکر کا نائب
مالد ابہرہ اور اس کا ایک ساتھی مدیان بھی وہاں ہیں۔ وہ کسی اہم مسئلہ پر گفتگو کرنا چاہتے
ن۔ لہذا انہوں نے آپ کو بلایا ہے۔“

نفیل مڑ کر اپنی ماں سے کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ زہرہ نے اسے مخاطب کرتے ہوئے

کرنے کو کہا ہے۔ بصورت دیگر وہ ہمارے خیموں کو لوٹ لیں گے اور عورتوں بچوں پر قبضہ
کے جوانوں کو قتل کر دیں گے۔ اے میری بیٹی! کچھ خبر نہیں کہ کب حبشہ کے اس سالار کے
ہمارے قبائل کی ٹھن جائے اور جنگ کی صورت اختیار کر جائے۔ گو عامر بن نہرہ ان سے تمنا
کرنے کا عہد کر چکا ہے پھر بھی اختلاف کی صورت نکل سکتی ہے اور وہ ہمارے ساتھ آواز
ہو سکتے ہیں۔ ایسی صورت میں میری نسبت نفیل کا خیمہ تمہارے لیے زیادہ محفوظ ہوگا۔ جب
دیکھو کہ ایسے حالات پیدا ہو رہے ہیں تو تمہیں اجازت ہے تم فوراً اپنا خیمہ چھوڑ کر نفیل
پاس آ سکتی ہو۔ آج سے تم نفیل کی امانت ہو۔ حبشہ کے اس لشکر سے ہماری جان چھوٹ
تو یں تم دونوں کی شادی کرادوں گا۔ اب آؤ چلیں، یہاں سے کوچ ہو رہا ہے۔

عدی بن کعب کی گفتگو سے نبیطہ کے قلب و نظر میں خوشی اور شہم ماہ و انجم
تا بانی بھیل گئی تھی۔ خوشی، اطمینان اور سکون میں اس کی حالت دامن آسمان کے نقشِ دہ
صبح آنندی کی تمہید جیسی ہو گئی تھی۔ وہ اپنے باپ کے ساتھ جانے کے لیے خیمے سے باہر
ہی چاہتی تھی کہ زہرہ بنت کلاب نے اس کا بازو پکڑتے ہوئے عدی بن کعب سے کہا
”اے میرے بھائی! کیا آج کی رات نبیطہ میرے پاس نہیں رہ سکتی۔ آج سے
میرے گھر کا سکون و اطمینان اور عصمت و حرمت ہے۔“

عدی بن کعب نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ”اے میری بہن! نبیطہ اب نفیل کی امانت
میں ہے۔ تم جب چاہو اسے اپنے خیمے میں رکھو۔ اب مجھ سے اجازت لینے کی بھی ضرورت نہیں۔ تم
رکھو۔ میں اب جاتا ہوں کہ کوچ کی تیاریاں مکمل کروں۔“

عدی بن کعب مڑا اور چلا گیا۔ نفیل نے اپنی ماں کو مخاطب کر کے کہا۔
اپنا خیمہ اکھیر کر سامان سمیٹ لیں اور کوچ کی تیاری کریں۔“
چاروں حرکت میں آئے اور کوچ کرنے کے لیے نفیل اور نبیطہ خیمہ اکھٹرنے لگے
جب کہ زہرہ اور جملہ اپنے خیمے کا اثاثہ سمیٹنے لگی تھیں۔



سب عرب قبائل نے حبشہ کے اس لشکر کے ساتھ وہاں سے شرق کی طرف گنا

کہا۔ ”ہواؤ بیٹے! لیکن جلدی آجانا اور سنو آتی دفعہ بظہیر کو بھی ساتھ لے آنا۔ وہ آج پورا ادھر آئی ہی نہیں۔“

نفیل نے اس جوان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ”تم جاؤ میں آتا ہوں۔“ وہ جوان چلا گیا۔ نفیل اپنے خیمے میں آیا۔ جلدی جلدی اس نے نیتہ پہنی سر پر خود جھایا۔ کمرے بندھی چرمی مٹی میں اپنی تلوار اور خنجر درست کیا۔ پھر ماں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ”اے میری ماں! اہل مشبہ سے اب مجھے خطرے کی بو آنے لگی ہے۔ تاہم تم فکر مند ہیں جلدی لوٹ آؤں گا۔“

نفیل تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا خیمے سے باہر نکل گیا۔ زہرو اور جندلہ اسے جاتا رہیں۔ جب رات کی تاریکی میں وہ اُن کی نگاہوں سے اوجھل ہو گیا تو وہ پہلے کی طرح بستروں میں گھس گئی تھیں۔

نفیل جب بظہیر کے باپ عدی بن کعب کے خیمے میں داخل ہوا تو وہاں قبائل کے سردار کے علاوہ حبشہ کے لشکر کا نائب سالار ابو کیسوم اور اس کا ایک معرستہ بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ عامر بن فہر کے اشارے سے نفیل کو اپنے پاس آکر بیٹھنے کو کہا انھوں نے اس کے پہلو میں جا کر بیٹھ گیا۔

عدی بن کعب کا چہرے کا وہ خیمہ بہت بڑا تھا اور موٹے چمڑے کی چادروں کا اسے خیمے کو کئی کمروں میں بدل دیا گیا تھا۔ اس وقت یہ سب لوگ اس خیمے کے ایک میں جمع تھے۔ نفیل جب عامر بن فہر کے پاس بیٹھ گیا تو ابرہہ نے اپنے سامنے بیٹھے قبائل کے سرداروں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ”کیا اب میں اپنی گفتگو کا آغاز کروں؟“ عامر بن فہر نے بولتے ہوئے کہا۔ ”ہاں اب تم اپنا مدعا کہہ سکتے ہو ہمیں نفیل بن کا انتظار تھا اور وہ آگیا ہے۔“

ابرہہ نے ایک نگاہ سب پر ڈالی پھر وہ کہہ رہا تھا۔ ”میرے جلیسو! تم لوگ اس صحرا کی عزت و حرمت ہو۔ ابو محم نے فحش کے میں تمہیں اپنا شریک بنانے کا وعدہ پورا نہ کر کے انتہائی قبیح فعل کیا ہے۔ میں اسے تم

بنا ہوں کہ وہ میرا ہم وطن ہے۔ جس طرح ان دنوں وہ میں کے لوگوں پر مظالم کر رہا ہے ایسے ہی کل وہ تمہارے ساتھ بھی سلوک کرے گا۔ تم خانہ بدوش عرب بحرین مچھلی کی طرح آزاد اور تروش شام و سحر کی طرح خود رو ہو۔ وہم وادہام کا پجاری ابو محم یہاں لوگوں پر ظلم و تشدد و عصمتوں کی تنخیر کے علاوہ کچھ نہیں کر رہا۔

صحرا کے فرزندو! اگر تم لوگ میرا ساتھ دو تو ہم سب مل کر ابو محم اور اس کے مامیوں کو نیست و نابود کر کے رکھ دیں گے۔ لشکر میں میرے بھی بے شمار حامی ہیں لیکن بحیثیت سالار کے اس کا لشکریوں پر رعب و خوف ہے۔ میں اکیلا کچھ نہیں کر سکتا۔ میں تمہاری مدد کا محتاج ہوں۔ کیا اس نیک کام میں تم میرا ساتھ دو گے؟

سب عرب سردار خاموش رہے۔ نفیل نے بولتے ہوئے پوچھا۔ ”اس امر کی کیا ضمانت ہے کہ کل کو تم بھی ابو محم جیسے نہ ہو جاؤ گے؟“

ابرہہ نے پوچھا۔ ”تم کس مذہب کے ماننے والے ہو؟“ نفیل نے کہا۔ ”ہم دین ابراہیمی کے پیروکار ہیں۔“

ابرہہ نے جھٹ کہا۔ ”تو پھر میں بھی آج سے اس دین کے ماننے والوں میں شامل ہوتا ہوں اور اپنے اس دین کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں ہمیشہ تم لوگوں کے لیے مخلص و ناصر اور حامی، مددگار و معین بن کے رہوں گا۔“

عرب سردار چند ثانیوں تک سرگوشیوں میں گفتگو کرتے رہے پھر عامر بن فہر نے بولتے ہوئے کہا۔ ”ابرہہ! ہم تمہارا ساتھ دینے کو تیار ہیں۔ ابو محم سے جان چھڑانا اب ہم نے اپنے لیے ایک فرض بنا لیا ہے۔“

ابرہہ نے بے پناہ خوشی اور اطمینان کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ ”تو پھر یہ کام آج ہی ہو گا۔“

ابرہہ رکا پھر نفیل کی طرف دیکھتے ہوئے اس نے کہا۔ ”تمہارے قبیلے کا سردار عامر بن فہر تمہارے یہاں آنے سے قبل تمہاری بہت تعریف کر چکا ہے۔ ابو محم پر قابو پانے کے لیے یقیناً تم مرکزی کردار ادا کر سکتے ہو۔“

سکتی ہوں۔“

عدی بن کعب نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ”اے میری بیٹی! اب تم نفیل کی امانت ہو۔ میرے بجائے اس کا تم پر زیادہ حق ہے۔ ایسی اجازت اب وہی تمہیں دے سکتا ہے۔“

نبطیہ نے اس بار بڑی جاہت بڑے پیار اور نہایت میٹھی نگاہ سے نفیل کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ ”کیا آپ مجھے اپنے ساتھ اس مہم میں شامل کریں گے؟“

نفیل نے کچھ کہنے کے بجائے اپنی مسکراہٹ پر قابو پاتے ہوئے نفی میں سر ہلا دیا۔

نبطیہ نے بھرپور احتجاج کرتے ہوئے پوچھا۔ ”لیکن کیوں؟“

نفیل نے کہا۔ ”کسی لڑکی کو اس مہم میں شامل ہونے کی اجازت نہیں ہے۔“

نبطیہ نے چونکا دینے والے انداز میں کہا۔ ”اس سے پہلے جب سراقہ کی حیثیت سے میں سب مقابلوں میں حصہ لیا کرتی تھی اس وقت تو میں لڑکی نہ تھی اب اس مہم کے لیے میں لڑکی ہو گئی ہوں۔“

نفیل نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔ ”اس وقت اور بات تھی۔ بس تم اس مہم میں شامل نہ ہوگی یہ میرا فیصلہ ہے۔“

نفیل کے سامنے نبطیہ بچاری خاموش ہو کر رہ گئی۔ نفیل نے اس بار عدی بن کعب کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ ”آپ نے مجھے روکا تھا۔ کیا آپ کچھ کہنا چاہتے ہیں؟“

عدی بن کعب نے نہایت محبت و شفقت میں کہا۔ ”میں نے تمہیں اس لیے روکا تھا بیٹے! کہ اس مہم میں احتیاط سے حصہ لینا۔ اب تم زہرہ بنت کلاب کے گھر کا چاندنی نہیں ہو بنو عمول کے سردار عدی بن کعب کے گھر کا نجم السحر بھی ہو۔ اب تم میرے گھر کے بھی بیٹے اور نبطیہ کی آخری امید ہو۔ اس مہم میں کامیاب رہنے کی صورت میں ہو سکتا ہے ابراہم تمہاری کارگزاری سے خوش ہو کر یمن کی حکومت میں تمہیں کسی اچھے عہدے کی پیش کش کرے۔“

نفیل نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ ”ابراہم اگر ابو محم سے بھی زیادہ برآباد ہو اچھا اس کا کیا علاج ہوگا؟“

ابراہم فرار کا پھر کہا۔ ”آج آدھی رات کے وقت تم اپنے دو ہزار کے قریب جنگجو جوان تیار رکھنا۔ میرا یہ ساتھی میان تمہیں لینے آئے گا اور تمہاری راہنمائی بھی کرے گا جس جگہ یہ کہے گا اس جگہ تم اپنے مسلح ساتھیوں کو چٹانوں کی اوٹ میں بٹھا دینا۔ ابو محم ہم اپنے لشکر کے اندر غیمے میں ہی رہتا ہے۔ چند یوم تک وہ صنعاء کے محل میں منتقل ہو جائے گا۔ پھر اس پر قابو پانا ہمارے لیے دشوار و ناممکن ہو جائے گا۔ اپنے ساتھیوں کو بتا دینا کہ اور ضرورت کے وقت میں فضا میں جلتے ہوئے پردوں کا ایک تیر چھوڑوں گا۔ جب دکھائی دے تو فوراً ابو محم کے غیمے کے قریب جمع ہو جائیں اس سے آگے کیا کرنا ہوگا وہ انہیں سمجھا دیں گے۔“

ابراہم نے اس بار عرب سرداروں کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ ”کیا میری یہ ج آپ لوگوں کو منظور ہے؟“

عامر بن تہیرہ نے ایک بار نگاہوں ہی نگاہوں میں سب کی تائید حاصل کی پھر نے کہا۔ ”ہم اس سے اتفاق کرتے ہیں اور پوری طرح تمہارے ساتھ ہیں۔“

ابراہم اپنے ساتھی میاں کے ساتھ اٹھتے ہوئے بولا۔ ”میں اب جاتا ہوں رات کے وقت میں ایک مخصوص جگہ پر تمہارے قبائل کے سالانہ نفیل بن حبیب کا انتظار کروں گا۔“

اسے لینے آئے گا اور وہاں تک پہنچا دے گا۔ ابراہم اپنے ساتھی کے ساتھ باہر نکل گیا۔

عرب سردار بھی اٹھ کر عدی بن کعب کے غیمے سے باہر نکل گئے۔ نفیل جب آ

تو عدی نے اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ”تم ابھی بیٹھو بیٹے!“

نفیل پھر اپنی جگہ پر نہ جم گیا۔ عدی بن کعب نے غیمے کے اندرونی دروازے

طرف دیکھتے ہوئے پکارا۔ ”نبطیہ! نبطیہ! یہاں آ جاؤ بیٹی! سب لوگ جا چکے ہیں۔ ار صوف میں اور نفیل ہی ہیں۔“

نبطیہ فوراً غیمے کے اس کمرے میں داخل ہو گئی۔ گلتا تھا وہ دروازے پر ٹپکتے کے پیچھے ساری گفتگو سن رہی ہو۔ وہ آکر اپنے باپ عدی بن کعب کے پاس بیٹھتی ہوئی

”اے میرے باپ! جس مہم کے لیے نفیل کو تیار کیا گیا ہے کیا میں بھی اس میں ش

عدی بن کعب نے ایسی کے لیے میں کہا۔ شکل و صورت سے تو ایسا نہیں لگتا۔ بہر حال دلوں کے بھید اور باطن کی خبر تو وہ ربِ قدیر و کبیر ہی رکھتا ہے۔

نفیل کھڑا ہوتا ہوا بولا۔ میں اب چلتا ہوں۔

نبطیہ نے جھٹ کہہ دیا۔ کیا ہمارے خیمے میں اس قدر عیس ہے کہ آپ کا یہاں بیٹھنا کو دل نہیں کرتا۔

نفیل نے کہا۔ ایسی بات نہیں۔ یہ خیمہ تو تمام قبائل کے خیموں سے وسیع و عریض ہے مجھے رات کی ہم کے لیے جا کر تیاری بھی کرنی ہے۔ اس لیے جا رہا ہوں۔

نبطیہ نے اپنے باپ کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ بابا! میں بھی ان کے ساتھ جاؤں رات کو جیسا یہ اپنی ہم پر چلے جائیں گے تو میں ان کی ماں اور بہن کے پاس رہوں گی۔ وہ میری ضرورت محسوس کریں گی۔

عدی بن کعب نے بخوشی کہہ دیا۔ جاؤ بیٹی!

نفیل اور نبطیہ دونوں مسکراتے ہوئے خیمے سے باہر نکل گئے۔ پھر وہ دونوں ہاتھ میں ہاتھ ڈالے دودھ و دھنک ایستادہ خیموں کے بیچوں بیچ گزرتے ہوئے اس طرف جا رہے تھے جہاں نفیل کا قبیلہ اودم مغربی حصے کی طرف خیمہ زن تھا۔



شور و ہنگامہ سے خالی رات صبح کی تلاش میں بھاگتی جا رہی تھی۔ ہر طرف تریاق آمیز خلوت کی سہمی خاموشی اور فرحتِ بخش و شیریں سکون تھا۔ نفسِ فردوسِ شاد سے صدیوں کی گرد کے زمزمے گاتے کسی مسافر کی طرح اپنی مقررہ منزلوں کی طرف رواں تھے۔ عکسِ امِ کمکشان انتظاماتِ مشعیت اور دنیا کی بے ثباتی پر ہلکے ہلکے مسکرا رہی تھی۔ ٹھنڈی سرد ہوائیں رات کی گھمبیر خاموشی میں چٹانوں سے ٹکرا کر سائیں سائیں کر رہی تھیں۔ ایسے آسیمہ و دمر آسیمہ ماحول میں نفیل اور ابرہہ کا گھر سا جتنی مدیاں ایک سیاہ چٹان کے پاس نمودار ہوئے۔

مدیاں نفیل سے کچھ کمنا چاہتا تھا کہ چٹان کے ایک حصے کی طرف سے ابرہہ نمودار ہوگا اور سرگوشی میں اس نے کہا۔ تم دونوں عجلت پر آئے ہو۔ میں نے پتہ کر لیا ہے۔ ابو صحم

نے اپنے خیمے سے گانے بجاتے والی عورتوں کو فارغ کر دیا ہے اور اب وہ گہری نیند سو رہا ہوگا۔ اب اس پر قابو پانا ہمارے لیے آسان اور سہل ہو جائے گا۔ اس کے خیمے پر صرف دوپہرے وار ہوتے ہیں جنہیں ہم آسانی سے مٹم کر کے اندر داخل ہو سکتے ہیں۔

ابرہہ ذرا کا پھر اس نے نفیل کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ نفیل! نفیل! اس وقت میرے پانچ ہزار جاندارانِ چٹانوں کے پیچھے مستعد و تیار کھڑے ہیں کسی بھی ہنگامی صورت میں وہ بدترین حالات پر قابو پانے کو تیار ہیں۔ مدیاں! مدیاں! تم اپنے ساتھیوں کے ساتھ اندر چلے جاؤ۔ میں اور نفیل اپنی ہم کا آغاز کرتے ہیں تم فضا میں میرے اشاروں کے منتظر رہنا۔ مدیاں وہاں سے چلا گیا۔ ابرہہ آگے بڑھا اور نفیل کا ہاتھ تھامتے ہوئے اس نے کہا۔ میرے ساتھ آؤ۔ اپنے کام کی ابتدا کریں۔ دونوں چٹانوں کے اندر ہی اندر مشرق کی طرف بڑھنے لگے۔

چٹانوں سے نکل کر جہاں ہموار میدان شروع ہوتا تھا ابرہہ بیٹھ گیا اور نفیل کا ہاتھ پکڑ کر اسے بھی بٹھاتے ہوئے اس نے کہا۔ سنو نفیل! ہمیں یہاں سے رنگ کر آگے بڑھنا ہوگا۔ دونوں زمین پر لیٹ گئے اور سانپ کی طرح رینگتے ہوئے آگے بڑھنے لگے۔ تھوڑی دیر آگے جا کر ابرہہ پھر رگ گیا اور ایک بڑے خیمے اس نے اشارہ کرتے ہوئے اس نے کہا۔ وہ سامنے والا بڑا خیمہ ابو صحم کا ہے۔

دونوں پھر خیموں کے بیچوں بیچ آگے بڑھنے لگے۔ سارے لشکر کی اپنے اپنے خیموں میں گہری نیند سوئے ہوئے تھے اور باہر تیز ٹھٹھرا دینے والی ہوائیں چل رہی تھیں۔ ابرہہ نے پھر نفیل کے کان میں سرگوشی کرتے ہوئے کہا۔ نفیل! نفیل! تم خیمے کے دونوں پہرہ داروں سے نمٹ لینا میں اندر داخل ہو کر ابو صحم کا کام تمام کر دوں گا۔

ابو صحم کے خیمے سے نزدیک جا کر انہوں نے دیکھا خیمے سے باہر آگ کا لاٹو روشن تھا اور وہاں دو محافظ پہرہ دے رہے تھے۔ وہ دونوں کھڑے ہو گئے۔ محافظانِ دونوں کو دیکھ کر چونکے لیکن نفیل نے آگے بھاگ کر ان پر حملہ کر دیا۔ ابرہہ بھاگتا ہوا خیمے کے

اندرا داخل ہو گیا۔ باہر تلواریں ٹکرانے کی آوازیں سن کر ابو محم جاگ اٹھا تھا۔ جب ابراہیم خیمے میں داخل ہوا تو ابو محم اپنے بستر کے قریب کھڑا تھا۔

ابراہیم آگے بڑھ کر اس پر اپنی تلوار برسانا چاہتا تھا کہ خیمے کے اندر سے دو جوان نمودار ہوئے۔ تفصیل نے آگے بڑھ کر ابراہیم پر حملہ آور ہونے والے دونوں جوانوں کو ہنوت کے گھاٹے اتار دیا۔ ابراہیم کو اب موقع مل گیا اس نے فوراً اپنی تلوار برسائی اور ابو محم کا کام تمام کر دیا۔ اور دو گروہ کے خیموں میں ابھی کوئی پہل نہ ہوئی تھی۔ ابراہیم تیزی سے باہر آیا اور خیمے سے باہر جلتے الاؤ سے ایک آتشی تیر کو آگ دکھا کر اسے فضا میں چلا دیا۔ پھر وہ دوبارہ خیمے میں آیا اور انتہائی مسنونیت سے اس نے نفیل کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”آج تم نے میری جان بچا کر مجھ پر ایسا احسان کیا ہے جس سے میں کبھی بھی سبکدوش نہ ہو سکوں گا۔ مجھے خبر نہ تھی ابو محم رات کے وقت خیمے کے اندر بھی محافظ رکھتا ہے۔ اگر تم بروقت پشت کی طرف سے ان پر حملہ آور نہ ہوتے تو یقیناً آج ابو محم کی جگہ میری اپنی گردن کٹ گئی ہوتی۔“

نفیل نے کہا ”تم نے مجھ پر اعتماد جو کیا تھا اور شخص مجھ پر اعتماد کرتا ہے اس کی خاطر تو میں اپنی جان بھی لگا دیتا ہوں۔“

ابراہیم نے آگے بڑھ کر نفیل کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا ”میں ایک عمدہ معاد پر لشکر میں تمہیں اپنا نائب مقرر کرتا ہوں۔“

نفیل نے کہا ”میں تو خانہ بدوش ہیں۔ اپنے ریوڑ کے لیے چراگاہوں کی تلاش کے علاوہ ہم کبھی مصر، کبھی شام اور کبھی مکہ میں ہوتے ہیں پھر یہ ذمہ داری کیوں سنبھال سکوں گا۔“

ابراہیم نے بڑی شفقت سے کہا ”تم یہاں کہیں بھی جاؤ یہ عمدہ تمہارے لیے خالی پڑا رہا کرے گا اور اس کا معاوضہ بھی تمہیں باقاعدگی سے ملتا رہا کرے گا۔“ ابراہیم رکا پھر تعجب سے اس

نے نفیل کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا ”تم لوگوں کے مصر اور شام جلنے کی وجہ تو سمجھ میں آتی ہے لیکن تم مکہ کیا کرنے جاتے ہو۔ میں نے سنا ہے وہاں چند نخلستانوں کے علاوہ ریت ہی ریت ہے۔“

”وہاں سے تم لوگوں کو کیا ملتا ہو گا۔“

نفیل کچھ کہنے والا تھا کہ ابراہیم کا ساتھی مدیان خیمے میں داخل ہوا اور اسے مخاطب کرتے ہوئے اس نے کہا ”پانچ ہزار ہمارے لشکر اور دو ہزار عرب یہاں پہنچ گئے ہیں۔“

ابراہیم نے گہری سوچ میں ڈوبنے کے بعد کہا ”مدیان! مدیان! دو ہزار عربوں کو اس خیمے کے ارد گرد لگا دو۔ وہ ہمارے محافظوں کا کام کریں گے۔ اپنے جوانوں سے کہو وہ اپنے

لشکر میں جگہ جگہ پھیل جائیں اور یہ بات مشور کرنا شروع کر دیں کہ آج رات ابراہیم اور ابو محم میں تلخ گفتگو ہوئی۔ ابراہیم کا موقف تھا کہ ہمیں یمن میں ہی نہ پڑا رہنا چاہیے بلکہ ارد گرد کے اور

علاقوں پر بھی حملہ آور ہو کر ان پر قبضہ کرنا چاہیے تاکہ ہمارے لشکریوں کو اور مال ہاتھ آئے اور وہ خوشحال ہو جائیں۔ لیکن ابو محم نے اس تجویز سے اتفاق نہ کیا جس کے نتیجے میں بحث تلخی سے

ٹکڑا رہا۔ آخر کار جھگڑے کی صورت اختیار کر گئی۔ ابو محم نے ابراہیم پر حملہ کر دیا لیکن مقابلے میں ابو محم مارا گیا اور اب لشکر کا سالار ابراہیم ہے۔ سب لوگوں کے کانوں میں یہ باتیں ڈالتے

رہو۔ تم دیکھو گے ہمارے لشکر ہمارے خلاف محاذ آرائی کی بجائے ہم سے اتفاق و تعاون کر لے گے۔ اور سنو مدیان کچھ لوگ شہر کے اندر بھی بھجوا دو۔ وہاں شہر کا نظم و ضبط درست رکھنے کے

لیے جو ہمارا دس ہزار کا لشکر پڑا ہے۔ اس کے جوانوں تک بھی یہ بات صبح ہونے سے پہلے پہلے پہنچ جانی چاہیے تاکہ آنے والی صبح سے ہم ایک نئے عزم کے ساتھ آغاز کر سکیں۔“

مدیان باہر نکل گیا۔ ابراہیم نے پھر نفیل کی طرف دیکھتے ہوئے کہا ”ہاں تو تم یہ کہتے کہتے روک گئے تھے کہ تم مکہ کیا کرنے جاتے ہو۔ اب اپنی بات مکمل کرو۔“

نفیل نے کہا ”مکہ میں خدا کا ایک گھر ہے جسے ہمارے بزرگ نبی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے حضرت اسمعیلؑ نے مل کر اپنے رب کی رضا مندی سے تعمیر کیا تھا۔ گویہ گھر

بہت قدیم سے ہے اور اسے حضرت آدمؑ نے تعمیر کیا تھا لیکن طوفانِ نوحؑ میں اس کے آثار ختم ہو گئے۔ پھر اپنے رب کی طرف سے نشاندہی پر پھر اسی جگہ یہ گھر حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسمعیلؑ کے ہاتھوں تعمیر ہوا۔ مصر و شام، یمن و فلسطین اور دیگر دور دراز کے علاقوں سے لوگ اس

گھر کی زیارت اور اس کا طواف کرنے حاضر ہوتے ہیں۔ ہم بھی وہاں اس گھر کا طواف کرنے جلتے ہیں اور وہاں اہل مکہ سے تجارت بھی کر لیتے ہیں۔ دُور دُور کے رہنے والے لوگ اس

گھر کا احترام کرتے ہیں اور اس کی طرف اٹھنے چلے آتے ہیں۔
 ابرہہ نے پھر پوچھا۔ ”اور اس گھر کی دیکھ بھال کون کرتا ہے؟“
 نفیل نے کہا۔ ”اس گھر کا ایک متولی ہے جو اس کی دیکھ اور صفائی کا خیال رکھتا ہے۔“

ابرہہ نے دل چسپی لیتے ہوئے کہا۔ ”آج کل اس گھر کا متولی کون ہے؟“
 نفیل نے کہا۔ ”ان دنوں اس گھر کا متولی عبدالمطلب ہے۔“ یہ شخص انتہائی خوب صورت، دراز قد اور اعلیٰ شخصیت کا مالک، اس کا تعلق قبیلہ قریش سے ہے جو ہماری طرح حضرت اسمعیلؑ کی اولاد ہیں۔
 ابرہہ نے گری دل چسپی ظاہر کرتے ہوئے پھر پوچھا۔ ”اس کا نام عبدالمطلب کیوں ہے۔ کیا وہ کبھی مطلب نام کے آدمی کا غلام تھا۔“

نفیل نے کہا۔ ”مطلب اس کے چچا کا نام تھا۔“
 ابرہہ نے مسرت سے پوچھا۔ ”کیا وہ اپنے چچا کا غلام تھا؟“
 نفیل نے کہا۔ ”ایسی بات نہیں ہے۔ وہ کسی کے غلام نہیں رہے۔ اصل میں ان کے باپ کا نام عمرو تھا جو زیادہ تر ہاشم کے لقب سے پہچانے جاتے ہیں۔ عربی میں ہاشم روٹی کا چورا بنانے کو کہا جاتا ہے۔ اس کا اسم فاعل ہاشم ہے یعنی روٹی کا چورا کرنے والا۔ عمرو کو ہاشم کا یہ خطاب ملنے کا سبب یوں ہے کہ ایک بار مکہ میں سخت قحط پڑا۔ لوگ بالکل نادار ہو گئے۔ غربت و افلاس نے ان کا برا حال کر دیا۔ انہیں کہیں سے بھی خوراک میسر نہ آتی تھی۔ عمرو کو لوگوں کی حالتِ ناز پر ترس آیا، اپنی دولت لے کر شام کا سفر کیا اور وہاں سے بہت سی روٹیاں خرید کر بوریوں میں بھر کر اور اونٹوں پر لاد کر مکہ لائے۔ یہاں پہنچ کر انہوں نے کئی روز تک لوگوں کی دعوت کی۔ روٹیوں کا چورا بنایا اور وہی اونٹ جن پر روٹیاں لائی گئی تھیں انہیں ذبح کر کے بڑی بڑی دیگیوں میں بچوایا اور دیگیں بڑی بڑی صحنوں میں اُٹ کر روٹیوں کا چورا ان میں ملا کر شریک بنایا اور اہل مکہ کو خوب سیر کر کے کھلاتے رہے اسی سبب سے ان کا نام ’ہاشم‘ مشہور ہو گیا۔“

نفیل بن حبیب ذرار کا۔ اپنے خشک ہونٹوں پر اس نے زبان پھیری۔ پھر وہ دوبارہ کہہ رہا تھا۔ ”یہی ہاشم ایک بار تجارت کی غرض سے شام جا رہے تھے کہ راستے میں انہوں نے یثرب میں قیام کیا۔ وہاں بازار میں ان کی نظر ایک ایسی لڑکی پر پڑی جن کی حرکات و سکنات سے شرافت و فراست ٹپکتی تھی اور حسن و جمال میں بے نظیر تھی۔“

ہاشم کے معلوم کرنے پر پتہ چلا کہ اس لڑکی کا نام سلمیٰ ہے اور اس کا تعلق بنو نجار سے ہے۔ ہاشم نے لڑکی کے والدین کو اس سے شادی کی درخواست کی جو قبول ہوئی اور سلمیٰ سے آپ کا نکاح ہو گیا۔ ہاشم اپنی بیوی کو ساتھ لے کر شام کی طرف روانہ ہوئے مگر اتفاق سے غزوہ کے مقام پر آپ کا انتقال ہو گیا۔ اس وقت سلمیٰ اُمید سے تھی اور اس کے بطن سے لڑکا پیدا ہوا جس کا نام انہوں نے شیبہ رکھا۔ اس لڑکے نے تقریباً آٹھ برس یثرب میں اپنی والدہ کے پاس پرورش پائی۔ پھر جب ہاشم کے بھائی مطلب کو ان واقعات کا علم ہوا تو انہوں نے یثرب پہنچ کر اپنے بھتیجے کی تلاش شروع کی۔“

نفیل نے نظر بھر کر ابرہہ کی طرف دیکھا وہ بڑا متاثر دکھائی دے رہا تھا۔ نفیل کہنا چلا گیا۔ سلمیٰ کو جب مطلب کی آمد اور بھتیجے کو تلاش کرنے کی اطلاع ہوئی تو اس نے انہیں بلا بھیجا۔ مطلب کو اپنے ہاں تین دن یہاں رکھا۔ ان کی خدمت و عمارت کی اور چوتھے روز شیبہ کو ان کے ہمراہ روانہ کر دیا۔

جب مطلب مکہ میں داخل ہوئے تو یہ ان کا نو عمر بھتیجا اونٹ پر ان کے پیچھے بیٹھا ہوا تھا۔ لوگوں نے سمجھا مطلب کوئی غلام خرید کر لایا ہے۔ لہذا اس بچے شیبہ کو جو ان کا بھتیجا تھا عبدالمطلب کہنا شروع کر دیا۔ تب سے وہ شیبہ کے بجائے عبدالمطلب کے نام سے مشہور ہیں۔ اور یہی آج کل کعبہ کے متولی ہیں۔“

نفیل بن حبیب خاموش ہو گیا۔ ابرہہ چند ثانیوں تک گردن جھکائے کچھ سوچتا رہا۔ پھر اس نے غور سے نفیل کی طرف دیکھا اور کہا۔ ”اگر مکہ کے کعبہ سے بھی بڑا کوئی معبد صفاہ شہر میں تعمیر کیا جائے اور لوگوں کو کہا جائے کہ وہ کعبہ کے بجائے اس نئے معبد کا طواف و زیارت کریں تو مقامی لوگوں کا کیا رویہ ہوگا۔“

نفیل نے خشکیوں نگاہوں سے ابرہہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا: "کعبہ پیغمبروں کا تعمیر کردہ بیت اللہ ہے۔ اس کے بجائے کسی اور عمارت کا طواف و زیارت کرنے کے بجائے لوگ موت کو ترجیح دیں گے۔"

ابرہہ نے ہنس کر ملتے ہوئے کہا: "میں تو یونہی پوچھ رہا تھا، تم سنجیدہ ہو گئے۔ آؤ میرے خیمے میں چلتے ہیں۔" ابرہہ اور نفیل خیمے سے باہر آئے اور دو ہزار عرب مسلح جوانوں کے ساتھ وہ خیموں کے اس شہر کے جنوبی حصے کی طرف جا رہے تھے۔

○

اکلا روز ابرہہ کے لیے نئی صبح کے آغاز کے ساتھ شروع ہوا۔ اس کے حامیوں نے خیمہ خیمہ گھوم کر ابوجحم کو بنام کیا اور ابرہہ کو بالا و برتر ظاہر کیا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ لشکر میں کسی ایک سپاہی نے بھی ابرہہ کے خلاف اور ابوجحم کی حمایت میں کوئی آواز بلند نہ کی۔ ایک طرح سے سارے لشکر نے ابرہہ کی اطاعت کو اپنی گردن کا جوا بنالیا تھا اور ابوجحم کو ماضی کی یاد اور گزرے فریب کی طرح بھلا دیا گیا تھا۔

ابرہہ نے عرب قبائل کو خوب نوازا، خدک اور مال و زر سے ان کی خوب مدد کی کیوں کہ ان کے سالار نفیل بن حبیب کے باعث ہی تو وہ ابوجحم کو قتل کر کے خود لشکر کا سالار بن بیٹھا تھا۔ مقامی لوگوں کی مدد سے ابرہہ نے قریبی پہاڑوں سے سرخ رنگ کا پتھر منگو کر ایک معبد تعمیر کرنا شروع کر دیا اور خوب صورتی کے لیے اس میں سرخ و سفید، زرد و سیاہ پتھروں کا استعمال کیا گیا۔

جب یہ معبد تیار ہو گیا تو ابرہہ نے اسے سونے چاندی سے مٹی اور جواہرات سے مزیں کیا۔ دروازوں پر سونے کے پترے اور کیل لگوائے۔ دیواروں پر اتنی زیادہ کیتوری ملی کہ ان کا رنگ سیاہ ہو گیا۔

اس معبد کے اندر ایک بہت بڑا باقوت نصب کیا جس نے اس معبد کو اور زیادہ پراسار بنا دیا تھا اور پھر اس نے شہر شہر یہ اعلان کر دیا کہ آئندہ کوئی شخص بھی مکہ میں حج کرنے نہیں جائے گا بلکہ صنعا میں اس معبد کا احترام و طواف کیا کرے گا۔ اس اعلان سے عرب قبائل میں اس

کے خلاف نفرت پھیل گئی۔ نفیل نے بھی ابرہہ کے پاس آنا جانا ترک کر دیا تھا۔ ابرہہ نے یہ معبد صنعا شہر سے باہر بنوایا تھا۔ یہ ایک عالی شان عمارت تھی اور اس سے قریب ہی اس نے اسی سرخ پتھر سے اپنے رہنے کے لیے ایک محل بھی بنوایا تھا۔

ایک روز ابرہہ اسی معبد میں بیٹھا تھا کہ اس نے اپنے دیرینہ مہراز اور غلص میان کو طلب کیا۔ تھوڑی دیر بعد جب میان اس کے سامنے آکر بیٹھا تو ابوجحم نے بے چینی سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا: "اے میان تم نے دیکھا ہمارے سختی سے حکم دینے کے باوجود کوئی بھی ابھی تک ہمارے اس بتائے ہوئے معبد کے طواف کو نہیں آیا جب کہ لوگوں کے گروہ درگروہ اور کافران کے کاروان کعبہ کا حج کرنے مکہ کا رخ کر رہے ہیں۔ کیا اس میں ہماری سبکی اور بے عزتی نہیں ہے؟"

میان نے گہری سوچ اور فکر کے بعد کہا: "آپ اس معبد کی شان و شوکت اور بڑھانے کے علاوہ اسے پراسرار بنائے لوگ خود بخود اس کی طرف بھاگے چلے آئیں گے۔ مکہ کے کعبہ کو خدا کے دربار گنہگاروں نے تعمیر کیا تھا اس لیے وہ لوگوں کی توجہ و احترام کا مرکز ہے ابوجحم نے چونکہ کہ میان کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا: "کیسے اسے پراسرار بناؤں اور اس کی شان و شوکت میں اور اضافہ کروں۔ جو کچھ کر سکتا تھا کر چکا۔"

میان نے کہا: "اول تو معبد کے لیے محافظ و بہریدہ مقرر کریں جو اس کی حفاظت کریں در صفائی کا خیال رکھیں۔ اس کے علاوہ مصر سے ماہر جادوگر منگو کر اس معبد میں رکھیں جو یہاں میرا عقل کارنامے سرانجام دیں۔ اس طرح معبد کی حیثیت ایک طلسم کدہ کی سی ہو جائے گی۔ اس کے لیے لوگوں کے دلوں میں عزت و احترام اور کسی حد تک خوف و لرزہ طاری ہو گا۔ وہ اس طلسم کدہ میں اپنی متین اور نذرانے لے کر آئیں گے اور یوں کعبہ کی طرف جانے والے کا رخ اس طرف مڑ جائے گا۔"

ابوجحم نے خوش ہوتے ہوئے کہا: "تم نے بالکل درست کہا۔ میں آج ہی معبد کے لیے محافظ مقرر کرتا ہوں اور کل سے مصر کی طرف اپنے آدمی روانہ کر دوں گا جو وہاں سے ماہر جادوگر اپنے ساتھ لے کر آئیں اور اس معبد کو طلسم کدہ میں بدل کر اس کی عزت و شان میں

اضافہ کریں۔ میں ان جادوگروں کے لیے بیش بہا تحائف روانہ کر دوں گا اور انہیں ہلالِ مالامال کر دوں گا۔

دونوں ایک طرح سے مطمئن ہو گئے۔ پھر ابوکیسوم میدان کے ساتھ اس معبد سے کمر اپنے عمل کی طرف جا رہا تھا۔



فضاؤں میں تاریکی خوب گہری ہو گئی تھی۔ رات اپنا آنچل دراز کرتی جا رہی تھی، اس کی ماں زہرہ بنت کلاب اور بہن جندلہ اپنے خیمے سے باہر جلتے ہوئے اس پاس بیٹھتے تھے کہ نبطیہ بھاگتی ہوئی وہاں آئی اور نفیل کے پاس بیٹھتے ہوئے اس نے پوچھا ”آپ نے کچھ سنا؟“

نفیل نے غور سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ”کیا مطلب ہے تمہارا نبطیہ نے اپنے دونوں ہاتھ الاؤ کی جلتی آگ پر پھیلاتے ہوئے کہا۔ ”ہمارے قتلے میں ابوکیسوم نے جو معبد بنایا ہے اس میں کسی نے گندگی و نجاست پھیلاؤ نفیل نے کہا۔ ”اس کی مجھے خبر ہے۔ یہ کام میرے قبیلے کے آدمیوں نے اور ایسا انہوں نے میری اور سردار عامر بن فہرہ کی رضامندی سے کیا ہے۔“

نبطیہ نے پھر کہا۔ ”ابھی ابھی ابوکیسوم کے کچھ آدمی ہمارے خیموں میں ہوئے ہیں اور وہ اس سلسلے میں سردار عامر بن فہرہ سے پوچھ گچھ کر رہے ہیں۔ وہ تھے۔ انہوں نے معبد کی صفائی تو کر دی ہے لیکن ہمیں وہ آدمی چاہئیں جنہوں نے نجاست پھیلائی ہے۔“

نفیل غصے میں زخمی سانپ کی طرح اپنی جگہ پر کھڑا ہو گیا اور شور مچاؤ میں اس نے کہا۔ ”ابوکیسوم ہماری آزادی میں فعلل ڈال رہا ہے۔ اگر حالات ایسے آ تو ہم بے جھجک و بے درنگ اس کے خلاف بغاوت کر دیں گے۔ نبطیہ! نبطیہ! ہمیں بیٹھو، میں تھوڑی دیر تک آتا ہوں۔“

نبطیہ نے فکر مندی سے پوچھا۔ ”آپ کہاں جائیں گے؟“

نفیل نے کہا۔ ”میں فدا ابوکیسوم کے معبد تک جاؤں گا۔“

اس بار زہرہ بنت کلاب نے نفیل کو بڑے پیار اور شفقت سے سمجھانے کے انداز میں کہا۔ ”ایسا کوئی بھی قدم نہ اٹھانا بیٹے! جس سے تم کسی مصیبت و دشواری میں گرفتار ہو جاؤ۔ پہلے تم پر میری اور جندلہ کی ذمہ داری تھی اب نبطیہ کی ذمہ داری بھی تم پر ہے۔“

نفیل نے وہاں سے ہٹتے ہوئے کہا۔ ”تم فکر مند نہ ہو ماں! میں جلدی لوٹ آؤں گا۔“

نفیل وہاں سے ہٹ گیا۔ زہرہ، نبطیہ اور جندلہ اسے پریشانی سے جانا ہوتا دیکھ رہی تھیں۔ نفیل سیدھا ابوکیسوم کے معبد کے قریب آیا۔ اس نے دیکھا معبد کی صفائی کر دی گئی تھی اور حسب معمول وہاں چار محافظ پہرہ دے رہے تھے۔ دو معبد کے سامنے اور دو محافظ پشت کی طرف ٹھل رہے تھے۔ نفیل معبد کی پشت پر گیا۔ پھر وہاں وہ زمین پر لیٹ گیا اور رنگ رنگ کر آگے بڑھنے لگا۔ ایک پہرے دار کے قریب جا کر نفیل طوفانی یم یم کی طرح اٹھ کھڑا ہوا۔ ایک عجیب سی حریفانہ کشش میں اس نے پہریدار کو دبوچ لیا۔ اس کا منہ اس نے اپنے ہاتھ سے بند کر دیا پھر کمر سے خنجر نکال کر اس پر پے در پے وار کر کے اسے ڈھیر کر دیا۔

ایک پہرے دار کو ختم کرنے کے بعد نفیل نے اس کی لاش معبد کی دیوار سے ہٹا کر ایک طرف ڈال دی۔ دوسرا پہرے دار پکڑ کاٹ کر لٹا تو وہ نفیل کو اپنا ساتھی ہی سمجھا لیکن جب قریب آیا تو اسے شک ہوا کیونکہ نفیل کا لباس اس کے ساتھی سے نہ ملتا تھا۔ اس نے دھاڑتی ہوئی آواز میں پوچھا، ”کون ہو تم؟“

نفیل نے بے دھڑک معبد کی اونچی اور قطار در قطار ستونوں والی چھت دار راہداری میں داخل ہوتے ہوئے بے پروائی سے کہا۔ ”مجھ سے تمہیں کوئی خطرہ نہیں۔ میں معبد دیکھنے آیا ہوں۔“

پہرے دار نے گرجتی ہوئی آواز میں کہا۔ ”اس وقت تم معبد کے اندر نہیں جاسکتے لوگوں کو صرف دن کے وقت اندر جانے کی اجازت ہے۔“

پہرے دار کی بات سنی آن سنی کر کے نفیل جب اس ستونوں والی راہداری میں داخل ہو گیا تو پہریدار اس کے پیچھے بھاگا۔ نفیل نے اپنی پوری بیداری اور دانش مندی سے کام لیا اور ایک

مصدقہ ستون کے پیچھے چھپ کر کھڑا ہو گیا۔ پہرے دار جب اس کے پاس سے گزرنے لگا تو اس نے کسی بھوکے درندے کی طرح اس پر چھلانگ لگا دی اور اسے اپنے نیچے بڑی طرح دھکیلا۔ اس کا گلا گھونٹ کر اس کا خاتمہ کر دیا۔ اس کی لاش بھی نفیل نے گھسیٹ کر ایک طرف ڈال دی۔ اب نفیل معبد میں داخل ہوا۔ اس نے دیکھا جگہ جگہ دیواروں کے ساتھ شعلیں لہ رہی تھیں۔ نفیل نے ایک شعلہ لے لی اور معبد کی کھڑکی اور روشن دانوں کے راستے اوپر بڑھ کر اس نے معبد کی کھڑکی کی چھت کو تین جگہ سے آگ لگا دی۔ پھر وہ نیچے اترا اور شعل سے جگہ جگہ آگ لگانی شروع کر دی۔

نفیل نے جو معبد کی کھڑکیوں، دروازوں اور دیواروں پر کھڑکی کے کیے ہوئے کام کو آگ لگا دی تھی وہ تھوڑی دیر بعد خوب بھڑک اٹھی اور وہاں سے اٹھتے ہوئے شعلے اب عمارت سے باہر دکھائی دینے لگے تھے۔ چھت کی آگ بہت زیادہ بھڑک اٹھی تھی۔ لیکن ابھی تک آگ چھت کو پھاڑ کر باہر نہ نکلی تھی۔

معبد کے سامنے والے پریداروں نے جب عمارت کے اندر سے آگ کے شعلے اٹھتے دیکھے تو وہ پریشانی اور بدحواسی میں دونوں ایک ساتھ اندر داخل ہونے کے لیے بھاگے۔ نفیل ان دونوں پر گری نظر رکھے ہوئے تھا۔ جب وہ دونوں بھاگتے ہوئے معبد میں داخل تو نفیل اپنی تلوار سونٹ کر ان کی طرف بھاگا اور ان پر حملہ کر دیا۔ تھوڑی دیر تک آگ لگے معبد میں تین تلواریں آپس میں ٹکرائیں پر جلد ہی نفیل نے ان دونوں پریداروں کو موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔

معبد کی آگ اب خوب بھڑک اٹھی تھی۔ پریداروں کے وہ ساتھی بھی جاگ اٹھے۔ جو نیموں میں سوئے ہوئے تھے اور رات کے کچھلے حصے میں پہرہ دینا تھا ان کی تعداد آٹھ تھی۔ نفیل نے جب دیکھا کہ اب معبد نے بڑی طرح آگ پکڑ لی ہے اور یہ آگ اب بجھائی نہیں جاسکتی تو واپس جانے کے لیے معبد سے نکلا۔ ان آٹھ پریداروں نے نفیل کو دیکھ لیا اور وہ اسے لٹکاتا ہوئے اس کے پیچھے بھاگے۔ نفیل اپنی تلوار سونٹ کر ان سے مقابلہ کرنے کے لیے جم کر کھڑا ہو گیا تھا۔ اچانک قریب سے لگاتار کئی تیر چلے اور نفیل کی طرف بھاگتے ہوئے تین پہرے دار زہر

پر گر کر لوٹنے لگے تھے۔

ان کے دوسرے ساتھی سرسبز سے ہو کر ادھر ادھر کوئی آڑ تلاش کرنے کی فکر میں تھے کہ ایک بار پھر کیے بعد دیگرے تیر چلے اور باقی پریداروں میں سے چار اور زمین پر گر کر لوٹنے لگے آخری پہرے دار دشنام انداز میں وہاں سے بھاگ گیا تھا۔

نفیل اب اس طرف بھاگا جس طرف سے تیر برسائے گئے تھے۔ وہ چند قدم ہی اہٹے بڑھا تھا کہ سامنے پتھروں کی ایک آڑ سے نبطیہ نمودار ہوئی اور آگے بڑھ کر اس نے نفیل کا ہاتھ تھامتے ہوئے کہا۔ ”میں جانتی ہوں آپ مجھ سے بہت کچھ کہیں گے۔ لیکن یہاں رکنا انتہائی خطرناک ہے آئیے بھاگ چلیں۔“

نفیل نے منہ سے کچھ نہ کہا اور چپ چاپ اس کے ساتھ بھاگ کھڑا ہوا۔ اپنے خیموں کے قریب آ کر وہ دم لینے کو ایک چٹان پر بیٹھ گئے۔ نفیل نے نبطیہ کی طرف دیکھتے ہوئے حیرت زدہ آواز میں پوچھا۔ ”نبطیہ! نبطیہ! تم وہاں کیسے معبد کے پاس پہنچ گئیں؟“

نبطیہ نے بڑے پیار سے کہا۔ ”میں سمجھ گئی تھی کہ آپ معبد کی طرف یوں ہی نہیں گئے آپ کے پیچھے پیچھے میں بھی مسلح ہو کر ادھر آگئی تھی۔ میں نے ارادہ کر لیا تھا کہ جب تک آپ کو خطرہ نہ ہوا اپنے آپ کو ظاہر نہ کروں گی۔ جب آٹھوں پریدار آپ کی طرف بڑھے تو مجھے فکر ہوئی کہ مجھے یقین تھا کہ ان آٹھوں پر بھی آپ قابو پالیتے لیکن ایسی صورت میں دیر ہو جاتی اور کئی دیگر لوگ بھی وہاں آپ کو دیکھ لیتے اور معبد کو آگ لگانے کا مجرم قرار دے دیتے اس لیے میں نے ان پر تیر چلا کر ان کا خاتمہ کر دیا۔ میں نہیں چاہتی تھی کہ آپ ان کے ساتھ الجھ کر زیادہ دیر وہاں رکھیں۔ ایسی صورت میں وہاں خطرات ہی خطرات تھے۔“

نفیل نے کہا۔ ”تم نے مجھے بچا کر مجھ پر بہت بڑا احسان کیا۔ ان آٹھ پہرے داروں کے ساتھ الجھ کر واقعی میں خطرات میں گھر سکتا تھا۔“

نبطیہ نے جذبات میں ڈوبی اور رو دینے والی آواز میں کہا۔ ”خدا کے لیے مجھے یہ احساس نہ دلایا کہ میں نے آپ پر کوئی احسان کیا ہے۔ یہ میرا فرض تھا۔ قدرت، حالات وقت اور ہمارے مال باپ ہمیں ایک دوسرے کے حوالے کر چکے ہیں۔ میری حفاظت آپ

کا اور آپ کی حفاظت میرا فرض ہے اور میں نے اپنا فرض ادا کیا ہے۔“

نفیل نے بات کا رخ بدلتے ہوئے کہا۔ کیا تم اپنے بابا کو تباہ کر آئی تھیں۔“

نبطیہ نے کہا۔ ”نہیں۔ جب میں آپ کے ہاں سے اٹھ کر اپنے خیمے میں آئی تو بابا کے پاس آپ کے قبیلے کے سردار عامر بن فہیرہ بیٹھے کسی اہم موضوع پر گفتگو کر رہے تھے۔ اگر میں انہیں تباہ دیتی تو بات بڑھ جاتی وہ مجھے ادھر نہ آنے دیتے اور آپ کی حفاظت کے لیے کئی جوانوں کو اس طرف روانہ کر دیتے جس سے ممکن تھا ابوبکیوم کے لشکریوں کے ساتھ ہمارا ٹکرا ہو جانا جو ہر صدمت میں ہمارے لیے نقصان دہ ہوتا اس لیے میں بابا کو تباہ بغیر ہر چوری اور اکیلے ہی آپ کی طرف چلی گئی۔“

نفیل نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔ ”وہ دونوں اب بھی آپ میں محو گفتگو ہوں گے اور چل کر انہیں اپنی کارگزاری بتاتے ہیں۔“ نبطیہ بھی کھڑی ہو گئی اور دونوں اپنے خیموں کی طرف چل دیئے تھے۔



اپنے نئے بیٹے ہوئے چھہرے محل میں سویا ہوا ابوبکیوم ایک دم ہڑبڑاسا کر اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ کسی نے اسے جگایا تھا۔ جب وہ اٹھ کر بیٹھا تو اس نے دیکھا اسے جگانے والا اس کا شیر و صلاح کار میدان تھا۔

ابوبکیوم نے پریشانی اور استفسار سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ ”کیا ہوا تم نے مجھے اس وقت کیوں جگا دیا۔“

میدان نے بوکھلائی ہوئی آواز میں کہا۔ ”معبد کو کسی نے آگ لگا دی ہے۔ میں یہی آپ کو بتانے آیا تھا۔ آگ لگانے والے کو بہت تلاش کیا گیا لیکن ناکامی ہوئی۔ وہ پریداروں کو بھی موت کے گھاٹ اتار گیا ہے۔ صرف ایک زندہ بچا ہے اور اس کا کہنا ہے۔ آگ لگانے والا اکیلا اور تنہا تھا۔“

ابوبکیوم کے چہرے پر مردنی اور مایوسی سی چھا گئی تھی جلدی جلدی جوتے پہن کر وہ باہر بھاگا۔ میدان اس کے پیچھے پیچھے تھا۔ جب وہ دونوں محل سے نکل کر معبد کے پاس آئے

تو انہوں نے دیکھا معبد جل کر راکھ ہو چکا تھا اور آگ اب کھیتی جا رہی تھی۔ پتھر کی دیواریں سیاہ ہو کر زمیں پر گر دی ہوئی تھیں۔ ابوبکیوم نے لمبی سانس کھینچتے ہوئے کہا۔

”آہ! کس قدر محنت سے میں نے یہ معبد تعمیر کرایا تھا۔ میری ساری محنت رائیگاں گئی۔ یقیناً میں کے مقامی باشندوں یا خانہ بدوش عربوں نے اسے آگ لگائی ہے کیونکہ میں انہیں کعبہ کی بجائے اس معبد کا حج اور طواف کرنے کو تو کہہ رہا تھا۔“

میدان نے بھرپور غصے کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ ”کیا ہمیں ان عربوں کے ساتھ انتقامی کارروائی نہ کرنی چاہیے۔ انہوں نے معبد کو آگ لگا کر انتہائی قبیح فعل کیا ہے جس کی سزا انہیں ضرور ملنی چاہیے۔ ورنہ وہ ہمارے خلاف اس سے کوئی بڑی کارروائی بھی کر سکیں گے۔“

ابوبکیوم نے چند ثانیوں کے فکر کے بعد کہا۔ ”ان پر سختی نہیں کی جاسکتی۔ ابو محمد نے ان پر سختی کی اور میں نے خانہ بدوش عربوں کے ساتھ مل کر ابو محمد کو قتل کر کے حکومت اس سے چھین لی۔ اگر میں نے بھی سختی کی تو لشکر سے کوئی نہ کوئی میرے خلاف اٹھ کھڑا ہوگا اور میں نہیں چاہتا کہ میرا انجام ابو محمد جیسا ہو۔ میں اس جڑ کو ہی کاٹ دوں گا جس کی بنا پر انہوں نے معبد کو آگ لگائی ہے۔ میں ان کے کعبہ کو گرا دوں گا۔ پھر ویسا ہی ایک معبد صنعاء میں تعمیر کروں گا کہ دوسرے دن دیک سے لوگ آئیں اور اس کا احترام و طواف کریں۔“

یمن پر قبضہ کرنے کے بعد جو اچھی ہمارے ہاتھ لگے تھے۔ ان میں سے کچھ میں کعبہ کو گرانے میں استعمال کروں گا۔ لوہے کی موٹی موٹی زنجیروں کا ایک ایک سیرا کعبہ کے ستونوں کے ساتھ اور دوسرا سیرا ہاتھیوں سے بانٹھ کر انہیں ہانک دیا جائے گا۔ اس طرح پوری عمارت یک مشت زمین بوس ہو جائے گی۔ یہ عربوں کے لیے بہت بڑی سزا ہوگی اور آئندہ یہاں بننے والے کسی بھی معبد کو وہ آگ نہ لگائیں گے۔ میں انہیں سزا دینے میں اب دیر نہ کروں گا۔ میں زیادہ سے زیادہ تین دن بعد یہاں سے کوچ کروں گا۔ ان خانہ بدوش عربوں کو بھی میں اپنے ساتھ لے کر جاؤں گا تاکہ وہ اپنی آنکھوں سے اپنے کعبہ کی بربادی اور سماری کا منظر دیکھ سکیں۔“ ابوبکیوم اور میدان دونوں مڑے اور اپنے محل کی طرف چلے گئے۔

شام ہونے والی تھی۔ سورج غروب ہونے کے قریب تھا۔ بحیرہ قرم کی طرف

سے اٹھنے والے بادلوں کے بڑے بڑے ٹکڑے شفق رنگ میں ڈوبنے لگے تھے۔ مغرب میں قرہ لہریں اٹھنے لگی تھیں۔ ہر شے پر گویا ظلمات کا شہود ہونے لگا تھا۔ نفیل اپنی ماں اور بہن کے اپنے خیمے میں بیٹھا تھا کہ منہم شعلہ جمال اور اوس میں بھگے گل تر کی طرح حسین مبطیعہ خیمے میں داخل اور بڑے پیار سے نفیل کی طرف دیکھتے ہوئے اس نے اپنی شہد و شیریں آوازیں کہا۔

”آپ ذرا باہر جائیں۔ باہر بابا اور دوسرے چادوں قبیلوں کے سردار کھڑے ہیں ابوبکیوم نے آپ پانچوں قبائل کے سردار کو بلایا ہے۔ میرا اندیشہ ہے اس نے معبد میں لگنے والا آگ سے متعلق گفتگو کرنے کے لیے بلایا ہوگا۔ آپ گفتگو میں احتیاط برتیں۔ اس سے بھگڑنے اور الجھنے کی بھی ضرورت نہیں۔“

نفیل نے جلدی جلدی اپنی عید کے نیچے فڑہ پہن لی پھر سر پر خود کھڑکھڑا کر اس نے عامہ بازو لیا اور اپنی تلوار اور خنجر کی بیٹی وہ کمر سے باندھ کر اپنے خیمے سے باہر آیا۔ عامر بن فہر نے اس کی بازو دیکھتے ہوئے کہا۔

”ہم سب کو ابوبکیوم نے بلایا ہے۔ آؤ ذرا اس کے پاس چلیں۔“ نفیل منہ سے کچھ کہے بغیر چپ چاپ اس کے ساتھ ہوا۔



ابوبکیوم کا ایک آدمی خانہ بدوش قبیلوں کے پانچوں سرداروں اور نفیل کی راہنمائی کرتا ہوا اس کمرے میں لایا جس میں پہلے سے ابوبکیوم اور مدیان بیٹھے شاید انہی کا انتظار کر رہے تھے۔ ابوبکیوم اور مدیان نے سب کا پر تپاک خیر مقدم کیا اور اچی اپنی جگہ سے اٹھ کر آگے بڑھ کر ہوئے ان سے مصافحہ کیا۔ جب سب نشستوں پر بیٹھ گئے تو ابوبکیوم نے سب کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

”میں کعبہ پر حملہ کرنے کا ارادہ کر چکا ہوں۔ تین دن بعد میں یہاں سے کوچ کروں گا۔ اور کعبہ کو مسمار کر کے ویران کھنڈ کر دوں گا۔ تمہارے پانچوں قبائل بھی میرے ساتھ ہوں گے“ نفیل کا رنگ غصے اور غضب کے مارے کسی آہن گمر کی بھیجی کی طرح گرم مڑخ ہو گیا۔ تھا۔ وہ کچھ کہنے والا تھا کہ عدی بن کعب نے اس کا پاؤں دبا کر اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا نفیل نے بڑی شکل سے اپنے آپ پر قابو پایا اور خاموش رہا۔

آخر عامر بن فہر نے ابوبکیوم کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ”ابے ابوبکیوم! تو اپنے اس ارادے سے باز رہ کعبہ اسی خدا کا گھر ہے جس نے ابراہیمؑ کو ایمان، سمسونؑ کو شہ زوری، لقمانؑ کو حکمت، موسیٰؑ کو مہابت، ایوبؑ کو مبرذ عزیمت، یوسفؑ کو جمال، یحییٰؑ کو خود آگاہی، سلیمانؑ کو سطوت اور عیسیٰؑ کو سچائی عطا کی۔ وہی اندھیروں کو اجالے کی بشارت دیتا ہے کعبہ اسی خدا نے نادیہ کا عزت و حرمت والا گھر ہے۔ مجھے خدشہ ہے اگر تم نے اس پر حملہ کیا تو تم پر بڑا غضب اور قہر کا عذاب نازل ہوگا۔ میں ایک بار پھر تم سے کہتا ہوں اپنے اس ارادے سے باز رہ ورنہ تیری حالت آنے والی اقوام کے لیے جبرت خیزی کی شکل اختیار کر لے گی۔“

ابوبکیوم نے بڑے غرور و تفاخر میں کہا۔ ”میں کسی غلاب، کسی تہرے ڈرنے والا نہیں ہوں۔ میں جو ارادہ کر چکا ہوں اس پر ضرور عمل کروں گا۔ اگر کعبہ خدا کا گھر ہے تو میں دیکھتا ہوں وہ کیسے اپنے گھر کی حفاظت کرتا ہے کیونکہ ہر گھر کا مالک اس کی دیکھ بجال اور حفاظت کا ذمہ دار ہوتا ہے میں نے تمہیں صرف یہ بتانے کے لیے بلایا ہے کہ اس حملے میں تم لوگ بھی میرے ساتھ ہو گے کیا تم میں سے اس بارے میں کبھی کو کوئی اعتراض ہے۔“

اس بار نفیل نے انتہائی غصے کی حالت میں کہا۔ ”ہم درو مندان کعبہ اس حملے میں کیوں کو شامل ہو سکتے ہیں۔ وہاں ہم حج کو جاتے ہیں۔ کعبہ کا طواف کرتے ہیں پھر ہم کیونکر تمہارے ساتھ مل کر اس پر حملہ کریں۔ کعبہ ہمارے لیے ایک اساطیری اور مقدس وجود رکھتا ہے۔ ہم دین ابراہیمی کے ماننے والے ہیں اور ابراہیمؑ نے ہی اپنے رب کے حکم پر اس گھر کی تعمیر کی تھی اور اپنے رب سے اپنی اولاد میں ایک نبی برپا کرنے کی بھی دعا کی تھی میں سمجھتا ہوں اس نبی کے ظہور کا وقت آگیا ہے تاکہ وہ تم سے خدا کے گھر کی حفاظت کرے۔ ہم کعبہ پر اس حملے میں تمہارا ساتھ نہ دیں گے۔“

ابوبکیوم نے تیز لنگھ ہوں سے نفیل کی طرف گھورتے ہوئے کہا۔ ”تم لوگ اس لمحے میں حتمہ مت لینا۔ لیکن تم لوگ میرے ساتھ چلو تاکہ تم اپنی آنکھوں سے کعبہ کی بربادی دس اس کی مسماری کا عبرت خیز نظارہ کر سکو۔“

نفیل کچھ کہنے والا تھا لیکن عامر بن فہر نے پہلے بولتے ہوئے کہا۔ ”ہم تمہارے

ساتھ ضرور وہاں تک چلیں گے۔ میں کوئی اعتراض نہیں۔“

ابو یکیموم نے کہا۔ ”تم لوگوں نے دانشمندی کا ثبوت دیا ہے۔ اب تم لوگ جاسکتے ہو۔“ پانچوں قبائل کے سردار اور نفیل اٹھ کر باہر نکل گئے تھے۔

ابو یکیموم سے گفتگو کرنے کے بعد سب عدی بن کعب کے خیمے میں داخل ہوئے بنطیہ وہاں کھڑی شایدا بنی کا انتظار کر رہی تھی۔ انہیں دیکھتے ہی وہ خیمے کے دوسرے حصے کا طرف بھاگ گئی تھی۔ سب وہاں چڑے کے اس بڑے خیمے میں پریشان و متفکر بیٹھ گئے تھے۔ بنطیہ پر دے کے پیچھے رہ کر انہیں دیکھنے لگی تھی۔

خیمے میں چند ثانیوں تک دوپہر کی باد جیسا تکلیف دہ سکوت چھا یا رہا۔ پھر نفیل نے سب سرداروں قبائل کو مخاطب کرتے ہوئے گفتگو کا آغاز کیا۔

”اے اکابر قبائل! اے دو دلدان کعب! ابو یکیموم نے ایک قبیح فعل کا ارادہ کیا ہے۔ ۱۔ تم کبر و گزیدہ نے عتاب جنہم کو آؤاندی ہے۔ اس نے کعب پر حملہ آور ہونے کا ارادہ کر کے ہمارے اسلحہ کے قلع میں خمر گھونپ دیا ہے۔ ہماری قدیم رسومات پر لاث ماری ہے۔ کعب ہمارے لیے عروس کاٹنا ہونے کے علاوہ ایک اساطیری وجود رکھتا ہے۔ آپ لوگ میرا ساتھ دیں نہ دیں میں وقت و تقاد کی دسترس کو کاٹ کر ابو یکیموم کے خلاف بغاوت کھڑی کروں گا۔ میں اسے تباہی کا گام کی بصیرت دیار کے اس پار تک نہیں جاسکتی۔“

نفیل چند ثانیے رک کر سوچتا رہا۔ پھر اس نے گہری گھمیر مگر کسی قدر غمزدہ سی آواز میں کہہ گویں کسی جھیلے کا سردار نہیں۔ کسی پرمیلاں نہیں چلتا پھر بھی اے فرزند ان کعب! میں آج ہی ہمارے سے کوچ کر جاؤں گا۔ میں صحرائے عرب میں پھیلے خانہ بدوش قبائل کو تلاش کروں گا۔ میں ابو یکیموم کے خطرے سے آگاہ کروں گا۔ ہو سکتا ہے خانہ بدوش قبائل ابو یکیموم کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں اور وہ اپنے اس غلیظ ارادے سے باز رہے۔ میرا رب بڑا رافع و رازق اور جلیل و جبار۔ وہی نفرت و بدی کی اس طاقت کے خلاف ہماری مدد کرے گا۔ وہی بارش، برکا، مینہ و باران ہے۔ وہی دل کو تھپک، من کو سک و دیا ہے اور اسی کو ہم الغیاث والامان کہہ کر پکارا ہیں۔ اسی سب کی راہ میں ابو یکیموم کے خلاف میں بغاوت و سرکشی کھڑی کروں گا۔ میں ۱۔

خون کے آخری قطرہ تک کعبہ کی حفاظت کے لیے اس کے خلاف جنگ کروں گا۔ آپ لوگوں سے اتنا س ہے میرے بعد میری ماں اور بہن کا خیال رکھنا۔“

نفیل جب خاموش ہوا تو عدی بن کعب نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ ”واشد! تو اکیلا اور تنہا نہیں ہے۔ میں آج رات ہی تمہاری شادی اپنی بیٹی سے کر کے تمہیں بوعون کا سردار بنانے کو تیار ہوں۔ بخلا وہ بخوشی تمہیں قبول کر لیں گے۔“

نفیل نے کہا۔ ”نہیں ایسا نہیں ہو سکتا، میں پہلے کعبہ کی حفاظت کا سامان کروں گا۔ پھر اپنی شادی سے متعلق سوچوں گا۔“

عمر بن فیزیہ نے کعبہ کے بیٹھ کر نفیل کو گلے لگاتے ہوئے کہا۔ ”اے فرزند ارجمند! تم اپنے آپ کو تنہا اور اکیلا کیوں محسوس کرتے ہو۔ ہم اپنے قبائل کے جوانوں پر مشق تمہارے لیے ایک لشکر تیار کریں گے۔ اس لشکر کے ساتھ تم صحرائیں سوچاؤ۔ ہم خفیہ اور پوشیدہ طور پر تمہیں ہر چیز مہیا کریں گے۔ جب ابو یکیموم کعبہ پر حملہ آور ہونے کے لیے یہاں سے کوچ کرے تو تم اس کے لشکر پر شب خون مارنے کا سلسلہ شروع کر دو۔ گو اس کے لشکر کی تعداد اس قدر زیادہ ہے کہ تم اس کا کچھ بھی بگاڑ نہ سکو گے لیکن ہو سکتا ہے اس دلدان دوسرے کئی قبائل بھی اٹھ کھڑے ہوں۔ اور ابو یکیموم کے راستے میں مزاحمت کھڑی کرنے میں کامیاب ہو جائیں۔ ہم تمہیں کم از کم پانچ ہزار مسلح جوان مہیا کر دیں گے۔ ان کے ساتھ تم آج ہی یہاں سے کوچ کر کے صحرا کے اندر پناہ سوچاؤ۔ پھر ہو سکتا ہے ابو یکیموم ہماری نگرانی شروع کر دے اور تم کچھ نہ کر سکو۔“

دوسرے قبائل کے سرداروں نے بھی عمر بن فیزیہ کے اس فیصلے کی بھرپور حمایت کی۔ نفیل نے اپنی جگہ پر کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔ ”میں اپنی ماں اور بہن سے مل لوں۔ اتنی دیر تک آپ لوگ میرے ساتھ کام کرنے والے جوانوں کو تیار کریں۔ میں آج رات ہی انہیں لے کر ہاں سے کوچ کر جاؤں گا۔“

نفیل کی اس رائے سے سب نے اتفاق کیا اور عدی بن کعب کے علاوہ سب لوگ کھڑے خیمے سے باہر نکل گئے تھے۔

نفیل اپنے خیمے میں داخل ہوا۔ اس کی ماں اور بہن چڑھے کی چادر پر لحاف اوڑھ بیٹھی تھیں۔ ان دونوں کے سامنے مٹی کی انگلیٹھی رکھی تھی جس میں آگ جل رہی تھی اور نہ سردی سے بچنے کی خاطر اپنے ہاتھ اس آگ پر پھیلا رکھے تھے۔ وہ چپ اور خام تھیں۔ شاید بڑی بے چینی سے وہ نفیل کا انتظار کر رہی تھیں۔ نفیل کو دیکھتے ہی زہرہ بنت کلاب کھڑی ہو گئی اور والہاء انداز میں اس نے کہا۔

”شکر ہے تو آگیا میرے بچے! تم نے بہت دیر کر دی۔ میں بہت پریشان رہی تھی۔“

نفیل نے اپنی ماں کے پہلو میں انگلیٹھی کے پاس بیٹھتے ہوئے کہا۔ ”میں پھر جا رہا ہوں!“ زہرہ بنت کلاب نے پریشان ہو کر پوچھا۔ ”اب اس وقت کہاں جا رہے ہو؟“ نفیل نے اپنی ماں کو ابرہہ سے گفتگو اور عدی بن کعب کے خیمے میں ہونے والے سے متعلق تفصیل سے بتایا۔ نفیل جب خاموش ہوا تو اس نے دیکھا زہرہ کلاب حزن و غم جو اس کی جامد و ساکت تصویر بنی بیٹھی تھی۔

نفیل نے اپنی ماں کی طرف دیکھتے ہوئے بھرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔ ”اے ماں! کیا تمہیں میرے اس فیصلے سے دکھ ہوا ہے۔ اے میری ماں! ابو کیسوم نفرت و بدی کو ہے وہ کعبہ کو گرانے چاہے۔ کعبہ ناموس کبریا ہے اس کی حفاظت ہمارا فرضِ اولین ہے اے مادرِ عزیز! تالیکیوں کے اندر بھٹکے ہوؤں کو راہ دکھانے کے لیے کوئی اور یہ دیا تیرے ہی خیمے کا کیوں نہ ہو۔ کوئی تو ہو جو لوہا ملین الہیہ اور قوانین کے قدرت کی کے لیے پکارے جانے پر لبیک کہے اور لبیک کہنے والا تمہارا پنا بٹیا ہی کیوں نہ ہو۔“

اے میری ماں! یہ باتیں یوں ہی سحرقی رہیں گی اور دن یوں ہی شام سے فصل خزاں اور فصل بہار کی رتیں آتی جاتی رہیں گی لیکن کعبہ کی حفاظت جیسے نیک اور پرازہ مواقع بار بار نصیب نہیں ہوتے۔ ابو کیسوم کعبہ کو گرانے اور آگ لگانے چاہے۔ ماں! کیوں نہ تیرا بیٹا وقت کی سمن میں کسی نئے حلقے اور تاریخ کی کھیتی میں کسی نئے اضافہ کرے۔ لوگ اس نیک کام کے صلہ میں ہمارا نام مستقبل میں لکھے جانے والے

میں محفوظ رکھیں گے چشمِ یزدان و ملک میں ہم ترانہ توحید بن کر ابھریں گے۔“

زہرہ بنت کلاب نے نفیل کو شفقت و محبت میں اپنے ساتھ لپٹاتے ہوئے کہا۔ ”اے فرزندِ عزیز! تو ایک صفا کیش و مہر مند بیٹا ہے۔ میں تمہارے فیصلوں سے مکمل طور پر اتفاق کرتی ہوں۔ تم تو میرے اکلوتے بیٹے ہو۔ قیس ابراہیم کے رب کی اگر میرے سینکڑوں بیٹے ہوتے تو بھی میں انہیں ناموس کبریا پر قربان کر کے فخر محسوس کرتی۔ اے فرزند! میں بخوشی تمہیں اپنے ساتھیوں کے ساتھ یہاں سے کوچ کرنے کی اجازت دیتی ہوں۔“

نفیل کچھ کہنے والا تھا کہ خیمے میں عدی بن کعب اور نبطیہ دونوں باپ بیٹی داخل ہوئے۔ زہرہ بنت کلاب اٹھی اور آگے بڑھ کر اس نے پیار سے نبطیہ کو اپنے ساتھ لپٹا لیا تھا۔ عدی بن کعب نے نفیل کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

”نفیل! نفیل! میرے بیٹے! جس مہم کی تم ابتدا کر رہے ہو کعبہ کا رب تمہیں اس میں کامیابی عطا کرے۔ نبطیہ بھی تمہارے ساتھ رہ کر ابو کیسوم کے خلاف جنگ میں حصہ لینے کے لیے جہاد کر رہی تھی لیکن فی الحال میں نے اسے روک دیا ہے۔ تمہاری غیر موجودگی میں یہ تمہاری ماں اور بہن کے پاس رہا کرے گی بیٹے! نبطیہ اب تمہاری ہے۔ میری طرف سے تم دونوں کو اجازت ہے تم دونوں دن کے اُجالے اور رات کی تاریکی میں جب چاہو ایک دوسرے سے مل سکتے ہو۔“

نبطیہ بڑے شوق و اندھاں سے نفیل کو دیکھ جاتی تھی۔ عدی بن کعب نے اپنی گفتگو جاری رکھتے ہوئے کہا۔ ”تم اپنی ماں بہن اور اپنے ریوڑ کے متعلق فکر مند نہ ہونا۔ میں ان سب کی حفاظت و کفالت کر دوں گا۔ آداب چلیں۔ اپنے خیموں کے مغرب میں سب سردارانِ قبائل مسلح جوانوں کے ساتھ تمہارا انتظار کر رہے ہوں گے۔ زہرہ بنت کلاب نے آگے بڑھ کر نفیل کی پیشانی کو چومتے ہوئے کہا۔ ”جاؤ میرے فرزند! اس زہم خیز و شرمین خدا کرے تم سحر کاوند بن کر ابھرو۔“

نفیل نے آگے بڑھ کر پیار سے اپنی بہن جہادہ کے سر پر ہاتھ پھیرا۔ پھر وہ عدی بن کعب کے ساتھ خیمے سے باہر نکل گیا تھا۔ نبطیہ بے چاری کسی تابندہ صدف اور کھیتوں میں مگ

کمر کی طرح چُپ اور اُداس کھڑی اسے نیچے سے باہر جاتا ہوا دیکھ رہی تھی۔ جب کہ نفیل گھوڑے لے کر اس کی نگاہوں سے اوجھل ہو گیا تھا۔

نفیل کو لے کر عدی بن کعب خمیموں کے اس شہر کے مغرب میں آیا۔ وہاں پہچانوں کے بچوں بیچ قبائل کے پانچ ہزار مسلح جوان اپنے گھوڑوں کے ساتھ کھڑے تھے۔ ان عامر بن فہیرہ کے علاوہ قبائل کے دیگر سردار بھی تھے۔

عامر بن فہیرہ دوسرے سرداروں کے ساتھ نفیل کے قریب آیا اور اس کے گھوڑے کی گردن پر ہاتھ پھیرتے ہوئے اس نے کہا۔ ”حبیب کے بیٹے! میں نے یہ قبائل کے پانچ مسلح سردار تمہارے لیے جمع کر دیے ہیں تم ان کے ساتھ یہاں سے کوچ کر جاؤ۔ اس لشکرِ پاس کم از کم دس یوم کی خوراک کا بندوبست بھی ہے۔ وقت ضرورت ہم تمہیں ان جوانوں کے لیے خوراک و سامان مہیا کرتے رہا کریں گے۔ اب تم یہاں سے کوچ کر جاؤ۔ ان مسلح جوانوں کا زیادہ دیر رگنا بھی پرانہ خطر ہے۔ ابوکیوم کو اگر اطلاع ہوگئی تو وہ فوراً ہمارے خلاف کاروا کرے گا۔ ابوکیوم اس صحرا میں خیمہ کی بھٹیاں گرم کر رہا ہے اور یہ بھٹیاں خود اس کی فات کو جلا کر رکھ دیں گی۔ اگر ہم اسے کعبہ پر حملہ کرنے سے نہ بھی روک سکے تو بھی مجھے اُمید کہ ابراہیم کا خدا جو رب سموات وارض ہے اپنے گھر کی امانت اور بے حرمتی برداشت نہ کرے گا۔ اور ابوکیوم اور اس کی قوم پر ایسا عذاب نازل کرے گا جو ان کے مالی نسلوں کے لیے عبرت سامان ہوگا۔ جاؤ اب کوچ کر جاؤ، خداوندِ شفیق و شکور تمہاری نصرت و مدد کرے“

نفیل اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر ان پانچ ہزار مسلح جوانوں کے اندر آیا اور بلند آواز میں انہیں مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ”اے جوانانِ جنود! میں تمہارا سالار نفیل بن حبیب سے مخاطب ہوں۔ اُو اپنے خدا کے نام کی سربلندی کے لیے یہاں سے کوچ کریں۔“

نفیل کی پکار پر سب جوان اپنے گھوڑوں پر سوار ہو گئے اور نفیل انہیں لے کر اندھ میں مغرب کی سمت روپوش ہو گیا تھا۔

○

تیسرے روز ابوکیوم نے ایک جراثش کر کے ساتھ صنعار سے کوچ کیا۔ اس کے

نواختی بھی تھے جن کی مدد سے وہ کعبہ کی عمارت کو بیک وقت گرانا چاہتا تھا۔ یمن کی حفاظت کے لیے اس نے اپنے رفیق کار مدیان کو لشکر کا ایک حصہ دے کر صنعار میں چھوٹا اور خود وہ پانچوں عرب قبائل کو لے کر بحیرہ قلم کے ساتھ ساتھ تیزی سے مغرب کی طرف بڑھنے لگا تھا یمن کے کوہستانی سلسلے سے نکل کر جب وہ صحرا میں داخل ہوا تو اس وقت سورج غروب ہو گیا تھا اور فضاؤں میں تاریکی پھیل گئی تھی۔ اس تاریکی میں صحرا کے اندر سے اچانک نفیل اپنے لشکر کے ساتھ نمودار ہوا اور ابوکیوم کے دود و در تک پھیلے ہوئے لشکر کے پچھلے حصے پر اس نے شبِ خون مارا۔

نفیل اپنے لشکر کو ابوکیوم کے پچھلے حصے میں اندر تک گھستا چلا گیا تھا اور اس کے ساتھی عرب اور اونٹوں کے مدی خواں بھی اسی کی طرح شعلہ پیرا بن کر دشمن پر ٹوٹ پڑے تھے۔ صحرا کے اس حصے میں ایک شورشِ محشر برپا ہو گئی تھی۔ نفیل کی راہنمائی میں خانہ بدوش عربوں کے حملوں میں ایک عجیب سا ثبات و دوام تھا۔ وہ گولے سے طوفان بن کر چھا گئے تھے اور یوں پھیر گئے تھے گویا کوئی چشمِ یزدان و ملک کا عزیز المامی تو قتل کے زیر اثر غلتموں کے کوہستانوں اور غاروں کے اندھروں کو منور کرنے کو اُترا ہو۔

نفیل کی راہنمائی میں خانہ بدوش عرب زور و زور سے اپنے رب کا نام لے لے کر بے زنجیر طوفانی پھری موجوں اور شوبیدہ سروجنوں خیز آندھی کی طرح حملہ آور ہو رہے تھے۔ ان کی آوازیں گرج کی طرح وزنی اور تلواریں چمکتے شعلوں کی طرح ابھر رہی تھیں۔

جب تک ابوکیوم سنبھل کر لشکر کے اس حصے کی مدد کو پہنچا اس وقت تک نفیل اس کے سینکڑوں جوانوں کو کاٹ کر اپنے ساتھیوں کے ساتھ سسکیاں بھرتے بے نشان جھونکوں کی طرح صحرا کے اندر غائب ہو گیا تھا۔ لگتا تھا کوئی نوری جھڑپا ہو جو اپنا کام کر کے خاموش ہو گیا ہو یا کوئی سپنوں کی کہر اور پراسرار سایہ ہو جو اندھیرے کی چھاتی میں تحلیل ہو گیا ہو۔

ابوکیوم کے لشکریوں نے تھوڑی دُور تک صحرا کے اندر نفیل کا تعاقب کیا۔ لیکن جب وہ اسے نہ پاس کے تو مایوس و نامراد واپس لوٹ گئے۔ ابوکیوم نے کسی اور شبِ خون سے بچنے کے لیے وہاں اپنے لشکر کو پڑاؤ کرنے کا حکم دے دیا تھا۔ پانچوں خانہ بدوش

عرب قبائل بھی ابویکسوم کے لشکر کے شمال میں حمیہ نسل ہو گئے تھے۔ ابویکسوم نفیل کے اور کامیاب شب خون پرتلما کر رہ گیا تھا۔
 "نبطیہ تقریباً بھاگتی ہوئی نفیل کی ماں کے حمیہ میں داخل ہوئی اس وقت نفیل کی ماں زہرہ بنت کلاب اور بہن جندلہ اپنے حمیہ میں افسرہ اور پریشان بیٹھی تھیں۔ انہیں یہ خبر ہو گئی تھی کہ ابویکسوم کے لشکر پر نفیل کے چھاپہ مارا ہے لیکن انہیں کسی نے یہ نہیں بتایا تھا کہ ام شب خون کا کیا بنا اور نفیل اس وقت کہاں ہے؛ نبطیہ کو دیکھتے ہی دونوں ماں بیٹی اٹھ کر ہوئی تھیں۔ شاید انہیں نبطیہ سے کسی ابھی خبر سننے کی امید تھی۔

اس موقع پر نبطیہ کے چہرے پر سحر کے لہجہ جیسی رونق تھی۔ زہرہ کے قریب آکر انہوں نے سکون آفرین اور حلاوت سے معمور آوازیں کہا۔ "اے میری ماں! بابائے کچھ جوان نفیل شب خون سے متعلق معلومات حاصل کرنے کے لیے بھیجے تھے۔ انہوں نے واپس آکر بابا بتایا ہے کہ نفیل نے ابویکسوم کے لشکر پر کامیاب شب خون مارا ہے اور وہ ابویکسوم کے سینکڑوں لشکریوں کو کاٹ کر صحرائی بھیلوں میں غائب ہو گیا ہے۔

جندلہ کے ہونٹوں پر گہری مسکراہٹ پھیل گئی تھی اور وہ خوشی میں آگے بڑھ کر بڑے سے لپٹ گئی تھی۔ زہرہ بنت کلاب کے چہرے پر سکون ہی سکون پکھر گیا تھا۔ اس نے بڑھ کر نبطیہ کی پیشانی چھوتے ہوئے کہا۔

"اے میری بیٹی! ابراہیم کا رب تمہیں اور نفیل کو سلامت خوش رکھے۔ مجھے ہے کہ میرا بیٹا ابویکسوم کے قلبِ کافر پر ضرب لگانے میں کامیاب رہا ہے۔ کاش اب یہ مشرقی، مغربی اور شمالی صحرائے کلاب اب تک جاگ چکے ہوتے تو ابویکسوم کو کعبہ کی طرف سے روک دیتے۔ جنوب سے شمال تک نواز، نوقارہ، نوقارہ، نوکانہ، بنو ہمدان، بنو بنو حنیفہ، بنو ہذیل، بنو جیلہ، بنو تمیم، بنو عبد القیس، بنو کبر وائل، بنو لخم، بنو طے، بنو کلب، بنو تروخ، بنو سلیم، بنو ثقیف اور دیگر کئی اہم جیسے خانہ بدوش قبائل صحرائے عرب میں انہیں خیموں کے ساتھ یوں بڑے ہیں جیسے آسمان پر ستارے۔ اگر یہ سب اٹھ کھڑے ہوں تو ہر طرح ستارے آسمان کو روشن و منور کر دیتے ہیں اسی طرح یہ بھی ابویکسوم کی تاریکی و بدی کو مٹا

بن۔ کاش درمندان کعبہ ابھی تک ایک ہو کر ابویکسوم کے لیے سد راہ بن چکے ہوتے۔ زہرہ بنت کلاب چند ثانیوں میں پھر اس نے نبطیہ سے کہا۔ "تم آج رات یہیں رہو بیٹی! نفیل کی جگہ میں تمہاری موجودگی میرے لیے سکون کا باعث ہے۔"

نبطیہ نے خوش ہوتے ہوئے کہا۔ "میں خود بھی بابا سے کہہ کر آئی ہوں میں رات یہیں ہوں گی۔ تینوں حمیہ کے اندر مٹی کی گلیٹھی میں جلتی آگ کے پاس بیٹھ کر ابویکسوم کی وجہ سے رونما ہونے والے حالات پر گفتگو کرنے لگی تھیں۔

دوسرے روز صبح ہی صبح ابویکسوم نے اپنے لشکر اور عرب قبائل کے ساتھ وہاں سے کوچ کیا۔ دوپہر کے قریب جب کہ وہ صحرائے تھامر کے اندر سے گزر رہے تھے۔ اچانک ریت کے ٹیلوں کے اندر نفیل اپنے لشکر کے ساتھ نمودار ہوا اور ابویکسوم کے لشکر پر حملہ کر دیا۔ ابویکسوم اس بار اپنے لشکر کے پچھلے حصے میں تھا۔ اس نے یہ احتیاط اس غرض سے کی تھی کہ اگر نفیل حملہ آور ہو تو اس سے نمٹا جاسکے لیکن اس موقع پر نفیل نے دانشمندی کا ثبوت دیا اور وہ پچھلے حصے کے بجائے اس کے لشکر کے اگلے حصے پر حملہ آور ہوا۔ اس بار بھی اس نے ابویکسوم کے سینکڑوں لشکریوں کو کاٹ کر رکھ دیا۔ صحرائی ریت خون آلود اور ابویکسوم کے لشکریوں میں خوف و ہراس پھیل گیا تھا۔

ابویکسوم کے لشکر میں کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو خانہ کعبہ پر اس حملہ کے سخت خلاف تھے۔ لہذا جب نفیل ان پر شب خون مارتا یا حملہ آور ہوتا تو وہ دل و جان سے اس کا مقابلہ نہ کرتے بلکہ احتیاطاً پیچھے ہٹ جاتے تھے۔

نبیل ابویکسوم کے لشکر پر کاری ضرب لگانے کے بعد جب واپس ہوا تو ابویکسوم کے انتہا پسند لشکریوں نے اس کا تعاقب کیا لیکن ریت کے بڑے بڑے اور قدیم ٹیلوں پر مشتمل صحرائے کعبہ کے لیے اجنبی تھا جب کہ نفیل اس صحرائے راستوں سے خوب واقف تھا۔ جس کے نتیجے میں یہ تعاقب بھی ناکام رہا اور نفیل ایک بار پھر کامیاب ضرب لگانے کے بعد اپنا آپ بچا کر بچ گیا تھا۔ ابویکسوم کے پاس موائے اپنے مرنے والے لشکریوں کی لاشوں پر آہیں بھرنے اور تھملانے کے کچھ نہ تھا۔ نفیل تو اپنا کام کر کے جا چکا تھا۔

ابو کیوم کے بڑھتا رہا یہاں تک کہ اس نے طائف کے کوہستانی سلسلے میں جاتیہ
نفیل کے حملوں اور شب خون سے محفوظ رہنے کے لیے اس نے یہاں ایک ترکیب چلی پڑ
کا میاب رہی۔ اس نے کوہستانی سلسلے میں چاروں طرف اپنے لشکر کے کچھ حصے پھیلا دیے
جن میں کندھیں کے ماہر بھی شامل تھے جنہیں ابو کیوم نے ہدایت کی کہ جب نفیل حملہ آور ہو
اس پر کندھیں کھینک کر ہر حالت میں اسے زندہ گرفتار کیا جائے اور یہی ہوا۔

نفیل جب ابو کیوم کے لشکر پر حملہ آور ہونے کو آیا تو گھات میں بیٹھے ہوئے ابو کیوم
لشکر کے مختلف حصے نفیل اور اس کے ساتھیوں پر ٹوٹ پڑے۔ کوہستان طائف میں یہ
ہولناک جنگ تھی۔ قریب تھا کہ نفیل ابو کیوم کے لشکریوں کو مار مار کر بھگا دے کہ ابو کیوم
ایک لشکر کو نفیل کے قریب جانے کا موقع مل گیا اور اس نے نفیل پر کندھیں کھینک کر اسے
لیا۔ نفیل اپنے گھوڑے سے گر گیا۔ اس کا گرنہ تھا کہ اس کے ساتھی خانہ بدوش عرب اپنا
بچانے کی خاطر بھاگ گئے۔ ابو کیوم کے ساتھیوں نے نفیل کو لوہے کی بھاری اور وزنی را
میں جکڑ لیا تھا۔

ابو کیوم نے وہیں لشکر اور قبائل کو پڑاؤ کرنے کا حکم دیا تھا۔ جب ابو کیوم کا
نصب ہو گیا تو نفیل بن حبیب کو اس کے سامنے پیش کیا گیا جس وقت نفیل اس کے خیمے پر
ہوا۔ اس وقت ابو کیوم اپنے سنہری تخت پر بیٹھا ہوا تھا۔ ابو کیوم کے سپاہیوں نے نفیل کو اس
سامنے لا کھڑا کیا۔ اس وقت وہ زنجیروں میں جکڑا ہوا تھا پھر بھی ابو کیوم کے آگے پیچھے
دائیں بائیں اس کے محافظ کھڑے تھے کہ مبادا نفیل اس پر حملہ کر دے۔

ابو کیوم چند تانیوں تک غور سے زنجیروں میں جکڑے نفیل کی طرف دیکھتا رہا
اس نے بڑے نرم لہجے میں پوچھا۔ "اے خانہ بدوش محسن! میرے کس فعل و عمل نے تمہارے
خلاف بغاوت و سرکشی کرنے پر آمادہ کیا۔"

نفیل نے اسے کھا جانے والے انداز میں دیکھتے ہوئے شوریلی غصیل آواز میں کہ
"کیا تمہارا یہ ارادہ ہی تمہاری تباہی و بربادی کا پیش خیمہ نہیں کہ تم کعبہ پر حملہ آور ہو رہے
خدا کا گھر ہے۔" ابو کیوم نے پھر نرم و دھیمے لہجے میں پوچھا۔

یہی تم سمجھتے ہو۔ اس طرح دن کے وقت حمد آمد ہو کر اور رات کو شب خون مار کر تم
اس ارادے سے باز رکھ سکتے ہو؟ ہرگز نہیں۔ تمہارے ساتھ کل پانچ ہزار مسلح جوان ہیں اور
برے لشکر کا تیمول حصہ بھی نہیں ہے۔ تم نا حق میرے خلاف صرف آرا ہوئے ہو میں اگر
بتاؤ تمہاری گردن اٹا سکتا تھا لیکن میں ایسا نہیں کروں گا۔ تم میرے محسن ہو۔ ابو محسن کے
نعل تم میری جان بچا چکے ہو۔ میری موجودہ عزت و عظمت سب تمہاری وجہ سے ہے۔ اس
نیم میرے خلاف کیسی بھی سخت اور بھیانک کاروائی کرو، میں تمہاری جان نہ لینے پر مجبور
ن کہ تم میرے محسن ہو۔ اب تم اس وقت تک میرے ساتھ ایک امیر کی تیشیت سے رہو گے۔
یہ تک میں اپنے کام کی تکمیل نہیں کر لیتا۔ اس کے بعد میں تمہیں رہا کر دوں گا اور تم آزاد
کے جہاں چاہے جاسکو گے۔

ابو کیوم کہتے کہتے رُک گیا کیونکہ اس کا ایک محافظ خیمے میں داخل ہوا اور اپنی مکر کو
ب غم کرتے اور سر کو جھکاتے ہوئے اس نے کہا۔

"اے آقا! ہمارے جوانوں نے ایک ایسے آدمی کو پکڑا ہے جو اپنی باتوں سے مثبتہ
تا ہے۔ وہ اس وقت خیمے سے باہر کھڑا ہے۔ اس کے ساتھ اس کے اہل خانہ اور کچھ
دوسرے لوگ بھی ہیں۔ کہیں یہ دوسرے عرب قبائل کا جاسوس نہ ہو اور ہمارے لیے کوئی
مصلحت نہ کھڑی کر دے۔ جو عام آدمی کی سمجھ سے بالا ہیں۔"

ابو کیوم نے کہا۔ "اس کے ساتھیوں کو باہر ہی رہنے دو اس اکیلے کو میرے
میں لاؤ۔"

وہ محافظ باہر چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ اپنے ساتھ ایک ایسے عرب کو لایا جو
تریں چالیس سال کے قریب ہو گا۔ قد لمبا اور جسم خوب بھرا ہوا تھا۔

ابو کیوم نے ایک غلط نگاہ اس پر ڈالی اور غصیلے لہجے میں اس نے اس اجنبی سے
پوچھا۔ "تم کون ہو؟ کہاں سے آئے ہو اور کیوں ہمارے لشکر کے گرد منڈلا رہے تھے؟"

اس اجنبی نے اپنے لہجے کی بھرپور سنگینی میں کہا۔ "میرا نام حوث بن حسن ہے
بن نجران سے آ رہا ہوں اور مکہ میں مستقل آباد ہونے کو جا رہا ہوں۔ میرے ساتھ میرے

ابنِ خانہ کے علاوہ کچھ اور لوگ بھی ہیں اور ہمارے ساتھ ہمارے گھر کا اثاثہ بھی ہے۔
ابو کیوم نے پوچھا: تم نجران چھوڑ کر مکہ کے رگیزاروں میں کیوں آباد ہونا
ہو؟ — حرث نے بڑی دلیری سے باکی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا: ”اے ابو
نجران کے کاہن اور منجم ان دنوں یہ کہنے لگے ہیں کہ عنقریب عرب میں ایک نبی کا ظہور
ہے۔ یہود و نصاریٰ کے علماء بھی توریت و انجیل کی بنیادیں دیکھ دیکھ کر اس آرز
نہی کی نبوت کی خبریں دینے لگے ہیں۔ نجران کے ایک منجم نے قہارے ابو کیوم تمہارا
بھی پیش گوئی کر دی ہے، اس نے کہا ہے کہ ابو کیوم ہلاک ہو گا اور اس کا لشکر
کا شکار ہو گا اور یہ واقعہ بھی اس آنے والے نبی کے ظہور کی ایک نشانی ہو گی۔ اس من
یہ بھی کہا ہے کہ بعد ازاں حبشہ کی حکومت یمن سے ختم ہو جائے گی اور یہ بھی اس آنے
رسول کی ایک نشانی ہے۔“

ابو کیوم نے نفیل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حرث سے کہا: ”کیا اس بو
طرح جس کا نام نفیل بن حبیب ہے، تم بھی دین ابراہیمی کے ماننے والے ہو۔“ حرث نے
”تہیں میں صائبی ہوں۔ ہم حضرت شیتؑ اور حضرت اخنوخؑ (اور لیں) کے پیرو
ہمارا مذہب الہامی ہے۔ ہمارے ہاں سات وقت کی نماز اور ایک قمری مہینے کے بعد
ہم مرنے والے کا جنازہ بھی پڑھتے ہیں۔ ہمارے ہاں خانہ کعبہ کی بہت عظمت و حرمت
لیکن اب صائبیوں میں ایک عیب داخل ہو گیا ہے کہ وہ مسیح سیارہ (سات ستار
کی پرستش کرنے لگے ہیں۔ یہ شرک ہے اور ان کا یہ شرک بھی اس آنے والے نبی کی ایک
ہے تاکہ وہ آئے اور انہیں اس شرک سے پاک کرے۔“

ابو کیوم چند ثانیوں تک سر جھکائے سوچتا رہا۔ پھر اس نے اپنے محافظوں
طرف دیکھتے ہوئے غضب ناک حالت میں کہا: ”اسے لے جاؤ اور اسے اس کے اہل
ساتھیوں سمیت قیدیوں کی حیثیت سے اپنے ساتھ رکھو۔ اگر میں کعبہ کو مسمار کرنے پر
ہو گیا تو اس کی گردن اڑا دوں گا اور اگر میں ایسا کرنے میں ناکام رہا تو یہ آزاد ہو
حرث نے زنجیروں میں جکڑے ہوئے نفیل بن حبیب کی طرف اشارہ کرتے

چھا۔ یہ کون جوان ہے جس کا نام نفیل بن حبیب پکارا گیا ہے؟
ابو کیوم نے کہا: ”یہ میرا محسن بھی ہے لیکن اس نے میرے خلاف بغاوت و سرکشی
کے لئے زنجیروں میں بے بس ہے۔ اس نے پانچ ہزار خانہ بدوش عربوں کو ساتھ لے کر میرے
نہر پر حملے کیے اور شب خون مارے ہیں۔ یہ مجھے کعبہ پر حملہ کرنے سے باز رکھنا چاہتا ہے لیکن انہی اس
دشمن میں آج یہ گرفتار ہو کر میرے سامنے ہے۔“
حرث نے کہا: ”یہ تو جوان خوش قسمت اور سعادت مند ہے۔ اے ابو کیوم! تو بارگیا نفع مند
کا میاب ہی نفیل بن حبیب ہے۔“

ابو کیوم کا اشارہ پا کر دو محافظ حرث کو باہر لے گئے۔ ابو کیوم نے دودو دوسرے محافظوں
مخاطب کر کے کہا: ”نفیل کو بھی یہاں سے لے جاؤ۔ اسے میرے قریب ہی خیمے میں رکھو اور
بے پردہ لگا دو۔ اس کی زنجیریں اتار دو اور خیمے میں اس کے پاؤں اور دونوں ہاتھ پشت
باندھ دو تاکہ یہ جھگٹنے نہ پائے اسے کھانے کا چھہ کھانے دو اور ہر طرح سے اس کا خیال رکھو۔
ن کی حیثیت ایک مہمان کی ہو گی۔“

دو محافظ جب نفیل بن حبیب کو وہاں سے لے جانے لگے تو باہر سے ایک محافظ پھر
مد آیا اور ابو کیوم سے اس نے کہا: ”باہر خانہ بدوش عرب قبائل کے سردار ایک غریب خاتون
نفیل کی ماں ہے اور وہ لڑکیاں جن میں سے ایک نفیل کی منسوبہ اور ایک بہن ہے وہ سب نفیل
میتا چاہتے ہیں۔ ابو کیوم اپنے تخت سے اٹھ کھڑا ہوا اور محافظوں سے کہا: ”نفیل کو باہر لے
و اور ان لوگوں سے ملنے دو۔“

محافظ نفیل کو باہر لائے نفیل نے دیکھا وہاں پانچوں خانہ بدوش قبائل کے سرداروں
ع علاوہ اس کی ماں زہرہ بنت کلاب، بہن جندلہ اور منسوبہ نبطیہ بھی تھیں۔ نبطیہ کی حالت قابل
یقینی احساس کے چہرے سے لگتا تھا جیسے وہ ابھی نفیل کی حالت پر پھوٹ پھوٹ کر رو رہے
تھے۔ زہرہ اور جندلہ دونوں بھاگ کر نفیل سے لپٹ گئیں۔ اتنی دیر میں ابو کیوم بھی اپنے خیمے
کو باہر نکل آیا۔ عامر بن فہر نے بڑی جرات مندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ابو کیوم سے کہا:
”اے ابو کیوم! نفیل بن حبیب کو چھوڑ دے۔ اسے اپنے انتقام کا نشانہ نہ بنا۔“

اس نے تمہارے خلاف جو کچھ کیا ہے۔ یہ اس کے ضمیر کی بکار، اس کے ایمان کی تنبیہ اور اس مذہبی جذبات کا تقاضا تھا۔ اگر اسے کچھ ہو گیا تو قبائل کے لوگ بھڑک اٹھیں گے۔ گورنر پر وہ تمہارا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے اور اپنا ہی نقصان اٹھائیں گے لیکن اس کے دودھلے نام تم بھی بچ نہ سکو گے۔ اسے چھوڑ دو۔ یہ ہماری آنکھ کا تارا اور وہ سامنے کھڑی بنیض نام کا منسوب ہے۔ جو بچاری اس کی حالت دیکھ کر صحرائی طرح خاموش ہے لیکن اندر ہی رہی ہے۔“

ابو کیسوم نے بڑی خوش طبعی سے کہا۔ ”اے بنو آدم کے سردار! تم فکر مند میرے پاس اسیر ہونے کے باوجود آزاد ہے۔“

اس موقع پر نفیل کی ماں زہرہ بنت کلاب کچھ کہنا چاہتی تھی کہ ابو کیسوم اسے کرتے ہوئے پہلے ہی بول اٹھا۔ ”اے خاتون! تو صرف نفیل کی ماں ہی نہیں میرے لیے قابل احترام ہو۔ تم مطمئن ہو کہ اپنے جیسے میں چلی جاؤ۔ نفیل کی حالت میرے ہاں ایک مہمان کی سی ہوگی۔ میں اگر اسے نقصان پہنچانا چاہوں تو بھی نہیں پہنچا سکتا۔ اس لیے میرا محسن ہے۔ میری موجودہ شان و عظمت اسی کے دم سے ہے۔ اس نے ابو محم سے میرا بچائی۔ یہ اس وقت تک میرے پاس رہے گا جب تک میں اپنے ارادے کی تکمیل نہیں کر کعبہ کی ساری کے بعد یہ آزاد ہوگا جہاں چاہے رہے کوئی اس سے تعرض نہ کرے گا۔“

ابو کیسوم کے اشارے پر محافظ نفیل کو لے گئے۔ نفیل کی ماں، بہن، بنیضہ اور قبائل واپس جا رہے تھے۔

نفیل کو ایک خیمے میں بند کر کے اس پر دو محافظوں کا پہرہ لگا دیا گیا تھا۔ لہٰذا زنجیریں جن میں وہ بندھا ہوا تھا کھول دی گئی تھیں اور اب اس کے ہاتھ پاؤں رسیوں باندھ دیئے گئے تھے۔

سورج غروب ہونے کے بعد جب شام رات میں ڈھل گئی تو ابو کیسوم کے ایک آدمی نفیل کے لیے کھانا لے کر آیا۔ اس نے کھانے کے برتن خیمے کے اندر بیت اور نفیل کی رسیاں اس نے کھول دیں۔ نفیل جب بیٹھ کر کھانا کھانے لگا تو ابو کیسوم کا

کھانے کے ساتھ بڑی رازداری کے ساتھ نفیل کو مخاطب کر کے بولا۔

”اے حبیب کے بیٹے! ابو کیسوم کے لشکر میں کچھ ایسے لوگ بھی جو ابو کیسوم کے کعبہ جملہ اور ہونے کے خلاف ہیں۔ میں بھی ان لوگوں میں سے ایک ہوں۔“ پھر اس نے اپنے اس کے اندر سے ایک بڑا چمکدار خنجر نکالا اور اسے نفیل کے سامنے ریت میں دباتے ہوئے نے کہا۔ تم کھانا کھا لو تو میں پہلے کی طرح تمہارے ہاتھ پاؤں رسیوں سے باندھ کر چلا جاؤں

اب بعد میں جب تم دیکھو کہ لوگ سو گئے ہیں تو۔۔۔۔۔

وہ کہتے کہتے خاموش ہو گیا۔ کیونکہ باہر پہرہ دینے والے ایک محافظ نے اندر جھانکا تھا۔

زرا ایک نظر نفیل کو دیکھ کر واپس چلا گیا تھا۔ اس نے دوبارہ رازداری سے کہنا شروع کیا۔

میں کہہ رہا تھا جب تم دیکھو گے کہ لوگ سو گئے ہیں تو اس خنجر سے اپنی رسیاں کاٹ لینا۔

م لوگوں نے تمہارے کچھ آدمیوں سے رابطہ قائم کیا تھا۔ اگر تم بھاگنے میں کامیاب ہو جاؤ تو شمال مشرق کے رخ پر لشکر کے خیموں سے دو فرلانگ دور تمہارے دو آدمی تمہارے انتظار میں کھڑے ہوں گے۔ اب اس خیمے سے نکل کر وہاں تک پہنچنا تمہارا کام ہے۔ اگر تم وہاں تک پہنچ جاؤ تو اپنے دو آدمیوں کو مدد سے تم دوبارہ اپنے لشکر میں شامل ہو سکتے ہو جو شمال مشرق میں یہاں سے پانچ میل کے فاصلے پر گھات لگائے بیٹھا ہے۔“

نفیل نے پانی پینے کے بعد مٹی کا پیالہ ریت پر رکھتے ہوئے کہا۔ ”تم فکر نہ کرو“

اب میں یہاں سے نکل کر اپنے ساتھیوں تک پہنچنے کا سامان کر لوں گا۔ میں تمہارا مشکور ہوں کہ تم ابو کیسوم کے لشکر ہی ہو کہ میرے قرار کا اس قدر سامان کر رہے ہو۔“

نفیل کھانا کھا چکا تھا۔ لہٰذا اس نے برتن سمیٹتے ہوئے کہا۔ ”میں اب جاتا ہوں“

آدھی رات کے قریب اپنا عمل شروع کرنا۔

وہ اٹھا اور پہلے کی طرح اس نے نفیل کے ہاتھ پاؤں باندھ دیئے اور برتن اٹھا کر ہلا گیا۔ نفیل تھوڑی دیر تک بیٹھ کر کچھ سوچتا رہا پھر وہ سوچتا رہا پھر وہ پہلو کے بل ریت پر لیٹ گیا تھا۔

نفیل سویا نہ تھا، جاگتا رہا۔ آدھی رات کے قریب وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔ ریت زیر

بندھے ہوئے اپنے ہاتھ وہ اس جگہ لایا جہاں خنجر دبا ہوا تھا۔ اس نے خنجر نکال کر اپنے دو پاؤں میں پکڑا اور اس سے اس نے وہ رسیاں کاٹ دی تھیں جن سے اس کے ہاتھ بندھے ہوئے تھے۔ اچھٹکھٹے ہی اس نے فی الفور اپنے پاؤں کی رسیاں بھی کاٹ دیں۔ پھر اس نے خنجر لباس میں اڑس لیا اور خیمے کے دائیں حصے میں وہ ریت بٹا ہٹا کر ایک نالی کی صورت بنالگا۔ تھوڑی دیر تک وہ اس کام میں لگا رہا۔ یہاں تک کہ وہ نالی کو خیمے کے بیرونی حصے لے گیا۔ خیمے کا پردہ ہٹا کر باہر نکلنے کے بدلے وہ اس نالی میں لیٹ گیا اور خیمے کے دروازے بجائے اس نے دائیں پہلو سے نالی کے ذریعے اپنا سر باہر نکالا۔

اس نے دیکھا اس طرف کا پہرے دار ایک چھریا بیٹھا ہوا تھا۔ سردی کے لیے اس نے اپنے آپ کو موٹے اونٹنی کیل سے خوب ڈھانپ رکھا تھا۔ نالی میں لیٹے لیٹے نفیل نے ادھر ادھر کا جائزہ لیا۔ پھر وہ سانپ کی طرح رینگتا ہوا خیمے سے باہر باہر ہر سمت ہر سو خاموشی اور سکوت طاری تھا ریت پر رینگتے ہی رینگتے نفیل ان چلا گیا جدھر اس پہرے دار کی پشت تھی۔

قریب جا کر نفیل اٹھا پھر کرسی جھوکے اور تھکار کے طالب چپتے کی طرح وہ اس پر چھپٹ پڑا۔ ایک ہاتھ سے اس نے پیریدار کا گلا دبا لیا تھا اور دوسرے سے اس نے ریت پر ٹپا کر اس کی چھاتی پر اپنا گھسٹا رکھ کر اپنے قابو میں کر لیا تھا۔

جب پیریدار ختم ہو گیا تو نفیل نے اس کی تلوار اور ڈھال پر قبضہ کر لیا۔ اس لاش کو اس نے پتھر کی ٹپک دے کر اس طرح بٹھا دیا۔ گویا وہ زندہ ہوا اور پتھر کی ٹپک کو پہرہ دے رہا ہو۔

نفیل نے اس پہرے دار سے چھپنی ہوئی اس کی تلوار اور ڈھال کچھ سوچتے ہوئے اس کی لاش کے قریب ہی رکھ دی۔ دوبارہ وہ زمین پر لیٹ گیا اور خیمے کے اس طرف دوسرے پیریدار کی طرف بڑھا۔ اس پر بھی نفیل اس کی پشت پر سے چھپٹا اور پہلے پہر کی طرح اس کا گلہ گھونٹ کر اس کا بھی انجام کر دیا۔ اس کی لاش گھسیٹ کر نفیل نے خیمے جگہ ڈال دی جہاں وہ خود لیٹا ہوا تھا۔ پھر وہ دوسرے پیریدار کی تلوار اور ڈھال لے کر

کے اندر ہی اندر چھپتا چھپتا شمال مشرق کی طرف بڑھنے لگا۔ ابوکیوم کے لشکر کے چاروں طرف لشکر کے کچھ حصے کسی متوقع شائبہ خون سے نمٹنے کے لیے جاگ رہے تھے۔ نفیل ان لشکروں کی نگاہوں سے بچتا ہوا شمال مشرق کی طرف خیموں کے اس شہر سے باہر نکل گیا۔

نفیل ابھی خیموں سے تھوڑی دور ہی گیا تھا کہ اس کے پیچھے بھاگنے اور فرار ہو جانے کا شور و ہنگام اٹھ کھڑا ہوا۔ نفیل شمال مشرق کی سمت بھاگ کھڑا ہوا۔ ابھی وہ تھوڑا ہی آگے گیا ہو گا کہ اسے اپنے پیچھے گھوڑے کے نتھنے پھر پھرانے کی آوازی سنائی دیں۔ وہ فوراً حرکت میں آیا۔ ایک ٹپک کی ریت ہٹا کر اس نے اپنا پورا جسم ریت میں چھپا لیا۔ سانس لینے کو اس نے صرف اپنی ناک باہر رہنے دی تھی۔

تھوڑی دیر بعد پیچھے آنے والے سوار اس کے پاس سے گزرے وہ تعداد میں دو تھے۔ ان میں سے ایک نے اپنے ساتھی کو مخاطب کر کے کہا۔ "وہ اس طرف تو ہے ہی نہیں۔ ہم یوں ہی محو میں بہک رہے ہیں۔ اس وقت تک وہ بھاگ کر ضرور اپنے ساتھیوں میں جا رہا ہو گا۔ بڑا چالاک اور موٹا رہے، دیکھو دو محافظوں کا خاتمہ کر کے فرار ہو گیا۔"

دوسرے نے کہا "یہ سب کچھ ابوکیوم کی غلطی کے باعث ہوا ہے۔ اب وہ پھر ہم پر شب خون مارنے کا سلسلہ شروع کر کے ہمارا خون خشک کرنا شروع کر دے گا۔ ابوکیوم کو چاہیے تھا کہ اس کا خاتمہ کر دیتا۔"

پہلے نے پھر کہا۔ "خاتمہ کیسے کر دے یہ ابوکیوم کا حق ہے۔ اگر قتل کرے تو ممکن نش کہلائے کیونکہ اس نفیل ہی کے باعث تو ابوکیوم کو اقتدار نصیب ہوا۔ فردنا ابوکیوم اس کا کام تمام کر دیتا۔"

دو فوجی سوار باتیں کرتے ہوئے آگے نکل گئے۔ نفیل اسی طرح ریت میں اپنا آپ چھپائے پڑا رہا۔ وہ سوار جب کافی دور نکل گئے تو نفیل کو اپنے بائیں ہاتھ دو انسانی میوے دکھائی دیئے جو چند قدم ادھر ادھر چلتے پھر ٹھٹھک کر رک جاتے۔ ان میووں کی حرکات و سکنات سے پتہ چلتا تھا کہ وہ کسی کی تلاش میں ہیں۔

نفیل نے اپنے کان ریت سے باہر نکال لیے۔ تھوڑی دیر بعد ان کی آواز اس کے کانوں میں پڑی۔ ایک، دوسرے نے دوسرے سے کہا: ”نفیل کو اب تک یہاں پہنچ جانا چاہیے تھا۔ یہ جو سوار سے تلاش کرتے پھر رہے ہیں۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ نفیل اب کیسے موم کی امیری سے رہا ہو کہ بھاگ چکا ہے۔“

دوسرے ہیولے نے کہا: ”ہمیں تھوڑی دیر اور رک کر یہاں انتظار کرنا چاہیے ہو سکتا ہے نفیل پہنچے ہیں کامیاب ہو جائے۔“

پہلے ہیولے نے خدشہ ظاہر کرتے ہوئے کہا: ”اگر نفیل کو تلاش کرنے والوں کی نظر پر پڑ گئی تو ہم دھریے جائیں گے۔ اگر ہم پکڑے گئے تو اب کیسے ہم ہمارے ساتھیوں کی جبت کے لیے ہمیں فوراً مصلوب کر دے گا۔ نفیل کو وہ اس لیے مصلوب نہیں کرتا کہ نفیل اس کا محسن ہے۔ اوروہ اب ہم کے ہاتھوں اس کی جان بچا چکا ہے۔“

دوسرے ہیولے نے تسلی دینے کے انداز میں کہا: ”تم گھبراؤ مت، ہمیں نفیل کو ساتھ لے کر جانا چاہیے۔ ہم صبح تک یہاں اس کا انتظار کریں گے اور سورج طلوع ہونے سے تھوڑی دیر قبل یہاں سے بھاگ جائیں گے، ہو سکتا ہے اس وقت تک نفیل یہاں آجائے۔ یہ بھی ممکن ہے دشمن کی تلاش سے بچنے کے لیے وہ وقتی طور پر کہیں چھپ گیا ہو، یا اس نے اپنے آپ کو ہماری طرح کہیں ریت کے کسی ٹیلے کے پیچھے چھپا لیا ہو۔ تم فکر مند نہ ہو۔ میرا دل کہتا ہے کہ ہم نفیل کے ساتھ لے کر جائیں گے۔ رہا ہونے کے بعد اگر وہ اپنے لشکر میں واپس نہ پہنچ سکا تو اس کی غیر حاضری سے ہمارے ساتھی دل برداشتہ ہو جائیں گے اور پھر وہ منتشر ہو کر اپنے اپنے قبیلے کو واپس جانا شروع ہو جائیں گے۔“

ان کی گفتگو سن کر نفیل ریت سے باہر نکل آیا۔ اپنی تلوار اور ڈھال سنبھال کر ابھی وہ کھڑا ہونے ہی لگا تھا کہ صحرا کے اندر سے پھر گھوڑے کے نتھنے پھر پھیلنے کی آواز سنائی دی۔ وہ دونوں ہیولے جو نفیل کے ساتھی تھے ریت پر لیٹ گئے اور رینگتے ہوئے ایک ٹیلے کی اوٹ میں ہو گئے۔ نفیل سمجھ گیا کہ جو دو سوار اسے تلاش کرنے کی خاطر آگے نکل گئے تھے وہ اب واپس آ رہے ہیں لہذا وہ رینگتا ہوا آگے بڑھا اور اس جگہ آ کر جہاں سے وہ دونوں سوار پہلے گزرے تھے۔ زمین پر

لیٹے بیٹے اس نے اپنے آگے ریت کا ایک ڈھیر لگا لیا اور اس کی اوٹ میں وہاں لیٹ گیا۔ دونوں سوار آپس میں باتیں کرتے ہوئے جب نفیل کے پاس سے پاس سے گزرے، تو نفیل اٹھ کھڑا ہوا اور بھاگ کر اس نے پچھلے سوار پر چھلانگ لگا کر اسے دبوچ لیا۔ جب تک اگلا سوار سنبھل کر اپنے پیچھے آنے والے ساتھی کی مدد کرتا، نفیل نے اسے اپنی تلوار سے کاٹ کر نیچے پھینک دیا تھا اور گھوڑے پر اس نے قبضہ کر کے اس کی لگام سنبھال کر رکابوں میں اپنے پاؤں جمالیے تھے۔ اتنی دیر تک دوسرے نے نفیل پر حملہ کر دیا تھا۔

نفیل نے بڑی آسانی سے اس کا دار اپنی تلوار پر روکا پھر اس نے طوفانی انداز میں اس پر اپنی تلوار سے پے درپے حملے کر کے شروع کر دیئے تھے۔ اچانک نفیل کی تلوار اس کے پہلو پر گر گئی اور اسے کاٹتی ہوئی نکل گئی تھی۔ اس کی لاش گھوڑے سے نیچے گر گئی تھی۔ نفیل نے نیچے آ کر دونوں گھوڑوں کی باگیں پکڑ لیں اور اس طرف گیا جہاں دونوں ہیولے غائب ہوئے تھے پھر اس نے دھیمی آواز میں انہیں پکارتے ہوئے کہا۔

”میرے رفیقو! دونوں باہر آ جاؤ۔ میں نفیل بن حبیب ہوں۔ یہاں اب رکنا خطرے سے خالی نہیں، آؤ بھاگ چلیں۔“

وہ دونوں ہیولے ایک ٹیلے کے پیچھے سے نمودار ہوئے اور بھاگ کر ایک سٹا نفیل سے لیٹ گئے۔ ان میں سے ایک نے کہا: ”ہمیں یقین تھا آپ یہیں کہیں ہوں گے اور وقتی طور پر دشمن کی تلاش سے بچنے کی خاطر چھپ گئے ہوں گے۔“

نفیل نے پوچھا: ”کیا تمہارے پاس سواری ہے؟“ اس بار دوسرے نے کہا: ”ہمارے پاس اونٹ ہے جسے ہم ایک میل پیچھے شمال مشرق میں صحرا کے اندر گھٹنا باندھ کر بٹھا آئے ہیں۔“

نفیل زقند لگا کر ایک گھوڑے پر سوار ہو گیا اور دوسرے گھوڑے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اس نے کہا: ”تم دونوں اس دوسرے گھوڑے پر سوار ہو جاؤ۔ یہاں اب زیادہ دیر رکنا تھا ہے۔“ وہ دونوں فوراً دوسرے گھوڑے پر سوار ہو گئے پھر انہوں نے اپنے گھوڑوں کو ایڑ لگا کر ہانک دیا اور تھوڑی دیر بعد وہ صحرا کے اندر گھوڑوں کو شمال مشرق کے رخ پر تیزی سے

دوڑا رہے تھے۔



ظلمتِ شب ختم ہو گئی تھی۔ سورج خاصہ چڑھ آیا تھا۔ عدی بن کعب اپنے خیمے میں داخل ہوئے۔ بطنیہ دروازے کے قریب ہی کھڑی تھی۔ شاید وہ اسی کا بڑی بے چینی و بے قراری سے انتظار کر رہی تھی۔ اپنے باپ کو دیکھتے ہی بطنیہ نے پوچھا۔ ”بابا! بابا! کیا آپ نفیل سے مل کر آ رہے ہیں۔ وہ ابوکیوم کی اسیری میں کیسے ہیں؟“

عدی بن کعب نے کہا۔ ”تو خوش قسمت ہے بیٹی! تیرا نفیل اب ابوکیوم کا اسیر نہیں رہا۔ کچھل شب اس نے وہ ریشاں کاٹ دی جن میں اس کے ہاتھ پاؤں جکڑے ہوئے تھے۔ جس خیمے میں وہ بند تھا اس پر دو محافظ پہرہ دے رہے تھے۔ نفیل نے نہ جانے اپنی رت یاں کیسے کاٹنے کے بعد ان دونوں محافظوں کو بھی ختم کر دیا اور بھاگ گیا۔ اب وہ ابوکیوم کی اسیری میں نہیں ہے۔ ابوکیوم اس کے بھاگ جانے پر سخت پریشان ہے۔ میری بیٹی! تو خوش قسمت ہے کہ تو نفیل جیسے فرزندِ صحران کی منسوب ہے۔ وہ ایک مصفا کیش اور ہمنزندِ جوان ہے۔ کعب کی حفاظت میں جو وہ ابوکیوم سے برسرِ پیکار ہے۔ خدا اسے اس نیک کام کا اجر دے گا۔“

خوشی میں بطنیہ کا خوشبو سے بھرا ہوا جسم مہک سا اٹھا تھا۔ وہ چُپ تھی لیکن اس کی خوشی و خوشبو کی طرح محسوس کی جاسکتی تھی جو اس کے چہرے، اس کی آنکھوں اور جسم کے ہر حصے سے پھوٹتی طراوت انگیز آرزوؤں سے عیاں تھی۔ پھر بطنیہ نے چپکے ہوئے کہا۔ ”بابا! کیا یہ ابھی خبریں ان کی ماں اور بہن کو بھی سنا دوں؟“

عدی بن کعب نے بڑی شفقت اور اُسن و محنت میں کہا۔ ”ضرور میری بیٹی! ضرور تو ابھی وہاں جا اور انہیں یہ خبر سنا تا کہ وہ دونوں ماں بیٹی نفیل کی اسیری پر غمزدہ و افسردہ نہ ترک کر دیں۔ نفیل کی اسیری پر تو انہوں نے کھانا تک ترک کر دیا ہے۔“

بطنیہ کسی متوحش صحرائی غزال کی طرح تڑارے بھرتی باہر بھاگ گئی۔ عدی بن کعب ہاں

کھڑا ہو کر اسے پیار سے دیکھ جاتا تھا۔

ابوکیوم کی اسیری سے رہا ہونے کے بعد نفیل نے پھر اس کے لشکر پر حملے شروع کر دیئے تھے۔ ابوکیوم پر پہلا اور اچانک حملہ اس نے صحرائے تھامہ اور طائف کے درمیان کیا اور دوسرا حملہ اس نے اس کے لشکر کی پشت پر طائف کے کوہستانوں میں کیا۔ گو ابوکیوم کے لشکر کی تعداد اس قدر زیادہ تھی کہ نفیل اس کی پیش قدمی کو روکنے اور اسے کعب پر حملہ آور ہونے سے باز نہ رکھ سکا تاہم اس نے ابوکیوم کے لشکر میں خوف و ہراس ضرور پھیلا دیا تھا۔

نفیل کا خیال تھا کہ اس کی دیکھا دیکھی صحرائے عرب میں پھیلے ہوئے ان گنت قبائل ابوکیوم کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں گے۔ اور ابوکیوم کو کعب پر حملہ کرنے سے باز رکھا جاسکے گا لیکن ایسا نہ ہو سکا اور ابوکیوم اپنے لشکر کے ساتھ مکہ کے قریب پہنچ گیا۔ ان نتائج سے نفیل بن حبیب بڈل سا ہو گیا اور اس نے اپنے سارے ساتھیوں کو اپنے اپنے قبیلے میں چلے جانے کا حکم دے دیا تھا۔

جس وقت ابوکیوم اپنے لشکر کے ساتھ طائف اور مکہ کے درمیان غکاظہ کے پہاڑوں میں آگے بڑھ رہا تھا ابوکیوم کا ایک افسر اپنا گھوڑا دوڑاتا ہوا اس کے قریب آیا۔ اس وقت ابھی سورج طلوع نہ ہوا تھا اور فضاؤں میں ابھی اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ ابوکیوم کے اس افسر نے مسکراتے ہوئے ابوکیوم سے کہا۔

”اے آقا! میں آپ سے ایک خوش خبری کہنے آیا ہوں۔ نفیل بن حبیب نے اپنے ساتھیوں کو منتشر کر دیا ہے اور اپنے آپ کو اس نے ہمارے حوالے کر دیا ہے۔ شاید وہ یہیں روکنے میں کامیاب نہ ہو کر ول برداشتہ ہو گیا ہے۔ وہ اس وقت اپنے گھوڑے سمیت ہماری گرفت میں ہے اور میں نے اسے نہتا کر کے اس پر محافظ مقرر کر دیے ہیں۔“

ابوکیوم نے خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ ”اس پر کڑی نگاہ رکھو، مکہ اب تھوڑی ہی دور ہے۔ میں وہاں پڑاؤ کر کے اسے طلب کروں گا۔“

وہ افسر واپس لوٹ گیا تھا۔ تھوڑی ہی دیر بعد سورج طلوع ہو گیا اور پھر ابوکیوم مکہ پہنچ گیا۔ وہاں اس نے پڑاؤ کیا۔ اہل مکہ کے بھیڑ مکیوں اور اڈوں کے ریوٹل پراس

نے قبضہ کر لیا۔ پھر اس نے نفیل بن حبیب کو طلب کیا۔ ابویسوم اپنے عملِ نمانجیہ میں اپنے نہری تخت پر بیٹھا تھا کہ نفیل کو اس کے سامنے پیش کیا گیا۔ ابویسوم نے کسی قدر مسکراتے ہوئے مگر طنز بہ انداز میں پوچھا۔ ”کیا تم میرے لشکرِ ثرب خون مار کر اور جیلے کرتے کرتے تھک گئے ہو جو تم نے خود اپنے آپ کو میرے حوالے کر دیا؟“ نفیل نے بڑی بے باکی سے کہا۔ ”مجھے اس کا اعتراف ہے کہ میں تم سے کعبہ کی حفاظت کرنے میں ناکام رہا ہوں۔ تم اب مجھے مصلوب کر دو۔ میں اسے اپنی ناکامی کی سزا سمجھ کر قبول کر لوں گا۔“

ابویسوم نے کہا۔ ”نہیں، تمہیں کوئی مصلوب نہیں کر سکتا تم اب بھی میرے محسن ہو تم آزاد اور باوقار طور پر زندہ رہو، میں نے تمہاری ساری خطاؤں کو معاف کیا اور سزا۔“

ابویسوم کہتے کہتے خاموش ہو گیا کیوں کہ اس کا ایک محافظ خیمہ میں داخل ہوا اور اس سے کہا۔ ”اے مالک! عبدالمطلب نام کا ایک شخص آپ سے ملنے آیا ہے جس کعبہ کو ہم سمار کرنے آئے ہیں وہ اس کا متولی دنگران ہے۔“

ابویسوم (ابرہہ) نے کہا۔ ”اے اندلاؤ۔“ تھوڑی دیر بعد ابویسوم کے خیمے میں ایک نہایت وجہمہ و خوب رو، جہیم و حمیم دراز قد اور سرخ رنگ کا شخص اندر داخل ہوا۔ جس کے چہرے سے فصاحت و بلاغت اور آنکھوں سے حلیم الطبعی و شرافت عیاں تھی۔ یہ آنحضرتؐ کے دادا شیبہ بن ہاشم (عبدالمطلب) تھے۔

اندر داخل ہوتے ہی عبدالمطلب کی نظر حبیب نفیل بن حبیب پر پڑی تو انہوں نے چونک کر پوچھا۔ ”تم یہاں؟“ پھر آگے بڑھ کر انہوں نے نفیل سے مصافحہ اور کہا۔ ”تم کعبہ کی حفاظت کے لیے ابویسوم کے لشکر پر جو بخون مارتے رہے ہو اس کی سب داستانیں میں تمہارے قبیلے کے لوگوں سے سُن چکا ہوں۔ بخدا تمہاری شرافت تمہاری نجابت کا یہی تقاضا تھا۔ ایسا کر کے تم نے عربوں میں اپنی عزت اور بڑھالی ہے۔“

پھر عبدالمطلب ابویسوم (ابرہہ) کے خیمے میں تنگی زمین پر بیٹھ گئے۔ نفیل بن حبیب بھی ان کے پہلو میں بیٹھ گیا۔ ابویسوم (ابرہہ) عبدالمطلب کی شخصیت سے اس قدر متاثر ہوا کہ اپنے نہری تخت سے اتر کر وہ بھی زمین پر بیٹھ گیا اور بڑے احترام کے ساتھ اس نے عبدالمطلب سے کہا۔ ”میں نے سلسلہ تم عربوں کے قاضی اور قریش کے سردار ہو۔“ عبدالمطلب نے بڑی بے اعتنائی سے کہا۔ ”تم نے جو کچھ سنا ٹھیک سنا ہے۔“ ابویسوم (ابرہہ) نے پوچھا۔ ”تم کس غرض سے میرے پاس آئے ہو؟“ عبدالمطلب نے کہا۔ ”اہل مکہ کے جن حانوں پر تم نے قبضہ کر لیا ہے ان میں میرے بھی دو سواؤٹ ہیں، وہ مجھے واپس کر دو۔“

ابویسوم (ابرہہ) نے برا فروختہ ہو کر کہا۔ ”جب میں نے آپ کو دیکھا تو میرے دل میں آپ کے لیے انتہائی عزت و احترام پیدا ہوا لیکن تم نے ایک حقیر مطالبہ کر کے اس عزت کو ختم کر دیا ہے۔ میں تو تمہارے دین کے کعبہ کو نیست و نابود کرنے آیا ہوں اور تمہیں اپنے اونٹوں کی پٹری ہے۔ میں سمجھتا تھا تم مجھ سے یہ التجا کرو گے کہ میں کعبہ کو سمار کر لوں عبدالمطلب نے کہا۔ ”اونٹ میرے ہیں اس لیے مجھے ان کی فکر ہے جس کا کعبہ ہے وہ خود اس کی فکر و حفاظت کر لے گا۔“

ابویسوم نے بکتر و فخر میں کہا۔ ”ٹھہرا خدا کعبہ کو میرے ہاتھ سے نہیں بچا سکتا۔“ عبدالمطلب نے کہا۔ ”تمہیں اختیار ہے جو چاہو کرو۔ لیکن یاد رکھو میرا خلع اپنے گھر کی حفاظت ضرور کرے گا۔ کیا تم نے نہیں سنا اسکندریہ کی جنگ میں جب کہ وہ اہل میں مقیم تھا کعبہ کی مقدس سرزمین پر حملہ آور ہونے کا ارادہ کیا تھا لیکن جس روز اس نے ادھر کا رخ کرنا تھا اس سے ایک روز قبل موت نے اس کو نوا کر دیا۔ تم نے سنا ہوگا نبو جبرہم کے اسراف اور نالمانے جو ایک دوسرے کو پندرتے تھے دورانِ حج اس گھر میں بدکاری کا ارادہ کیا تو ان دونوں نے چہرے مسخ ہو گئے اور دونوں پتھر کے ہو گئے اور اہل مکہ نے ان دونوں کے پتھر کے جسموں کو اٹھا کر ایک کو کوہِ صفا اور دوسرے کو مردہ پر پھینک دیا۔ یہ بت اب بھی وہاں دیکھے جاسکتے ہیں۔ اسی کعبہ کے احترام کو پامال کرنے پر میرے خدا نے نبو جبرہم، نبو عما قتر

اور نوح زادہ کو ذلیل و رسوا کیا۔ تم بھی اس فعل بد سے باز رہو۔ شاید تمہارے آخری دن اُسکے میرا خداتم پر کسی اور قوم کو مسلط کرنے والا ہے۔

ابوکیوم نے کہا۔ ”تو پھر اپنے خدائے دعا کو کہ وہ اپنے کعبہ کو میرے حملے سے بچائے
عبدالطلب نے کہا۔ ”وہ خود بھی تم پر ایسا عذاب نازل کرے گا جیسا اس نے تو
لوہ پر سدوم و غمودہ شہروں میں کیا۔ جس طرح اس نے عاد و مود پر سخت آندھی اور جھکڑوں کا
عذاب نازل کیا۔ میرا خدا وہی تو ہے جس نے ابراہیمؑ کی خاطر نمرود اور موئےؑ کی خاطر فرعون کو
وفا کیا۔ وہ مالک القاب اور ذو القوتۃ المتین ہے۔ اس نے طوفانِ نوح کی صورت میں تو
جیسے فتنان و فتنہ گروں کو اس زمین سے پاک کیا۔

اسے رفیقِ ابلیس! یہاں کسی کو ثبات و دوام نہیں آج اگر ہماری زبان چپ ہو
تو کیا ہوا وہ قادرِ یزید جو خدائے حق وائس اور عرش و فرش ہے وہ تجھے نابود و معدوم و مذہب
و فنا کر دے گا۔ میرا رب اسیر صبح و شام نہیں وہ اس مقدس شہر کے لوگوں کو دل زندہ اور دم گرم
نہ ہونے دے گا۔ اور پھر اے ابوکیوم! جیسا کہ پرنے کا ہن اور منجی آسمانی صحائف اور کتب
کے حوالے سے یہ بتاتے آ رہے ہیں کہ مکہ ہی اللہ کے اس آخری نبیؐ کی جلّے پیدائش ہے جو
خاص و عام اور فخر معجز کلام ہوں گے۔

عبدالطلب جب خاموش ہوئے تو ابوکیوم نے ان سے کہا۔ ”جاؤ چلے جاؤ
اؤنٹ تمہیں مل جائیں گے۔“

عبدالطلب نے نفیل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ”میں نے سنا ہے، یہ تو
اسیری میں ہے۔ اسے رہا کر دے، میں تجھے ضمانت دیتا ہوں کہ آئندہ یہ تمہارے لینے خط
اور نقصان نہ ہو گا۔ یہ کعبہ کی حفاظت و حرمت کے لیے ساری جدوجہد کرتا رہا
اب ہم کعبہ کی حفاظت اس کے مالک کے سپرد کرتے ہیں، وہی تجھے اس گھر کی بے حرمتی
کی سزا اور تمہارے اس فعل بد کی مکافات دے گا۔ میں اس کی ماں سے وعدہ کر کے آ
کہ اسے ساتھ لیتا آؤں گا، اسے چھوڑ دے۔“

ابوکیوم (ابراہیم) نے بغیر کسی ہچکچاہٹ کے کہہ دیا۔ ”تم نفیل کو اپنے ساتھ

کہتے ہو۔ یہ اب آزاد ہے، اس سے کوئی باز پرس نہ کی جائے گی۔“

عبدالطلب نفیل کے کہے کے ابوکیوم (ابراہیم) کے خیمے سے باہر نکل گئے۔ انہوں نے
بھاس خیمے کے قریب ہی وہ فوجی کھڑے تھے جن سے کعبہ کی عمارت کی عمارت کرنے کا کام لینے
لیے ابوکیوم (ابراہیم) ساتھ لایا تھا۔ ان میں جو سب سے بڑا اور کوہ پیکر ہاتھی تھا اس
نام محمود تھا۔

نفیل نے عبدالطلب سے کہا۔ ”آپ ذرا رکیے مجھے ان ہاتھوں کے ہاتھ بھی اپنا فرض
رہنے دیجئے۔“ عبدالطلب رُک گئے۔ نفیل سب سے بڑے ہاتھی محمود کے پاس گیا اور اس
کاٹان میں کہا۔

”تو جہاں سے آیا ہے وہیں صحت و سلامتی کے ساتھ لوٹ جا۔ کیوں کہ تو اس وقت خدا کے
الائین (محفوظ شہر) میں ہے۔ ابوکیوم (ابراہیم) تجھ سے کعبہ کو گرنے کا کام لینا چاہتا ہے۔
بہ خدا کا گھر ہے اور اس کے ماننے والوں کو مامون و عزیز ہے۔ اگر تو نے اس متبدل و متغیر فعل
محضہ لیا تو خدا کے سامنے جواب دہ ہو گا۔ اس گھر کی عظمت و حرمت کی بدولت رفعتوں کا
مولِ عظمتوں کی تحییر اور کشفِ اغراض کی رونق و فروغ ہو چکا ہے۔ ابوکیوم (ابراہیم) کعبہ پر حملہ
رہنے والا ہے اور نیزایمان ہے ایسا کرنے سے قبل وہ تاریخ کے قافلے میں گولوں کے اندر اٹنی ریت
لہروں کے پراسرار لہروں کے پراسرار موج میں بکھر جانے والی اذانِ شکر کی طرح منتشر و پراگندہ ہو
ئے گا۔ قبل اس کے کہ وہ کعبہ کو مسمار کرے قضا کا فرشتہ اس پر نازل کرے گا اور اس کی حالت
عاد و مود اور ابل سدوم و غمودہ سے بھی ہولناک و بدترین ہوگی۔“

نفیل نے ہاتھ میں پکڑا ہوا محمود ہاتھی کا ٹان چھوڑ دیا اور پیچھے ہٹ کر کھڑا ہو گیا
جی بھی ذرا زمین پر بیٹھ گیا۔ نفیل کے ہونٹوں پر گہری اطمینان بخش مسکراہٹ کھیل گئی تھی۔
نفیل جب واپس عبدالطلب کے پاس آیا تو اس نے دیکھا، وہاں پانچوں عرب قبائل
مردانوں کے علاوہ اس کی ماں، بطنیہ اور جندلہ بھی کھڑی تھیں۔ زہرہ بنت کلاب نے آگے
بڑھ کر نفیل کو لپٹا لیا اور اسے پیار کرنے لگی۔ جندلہ بھی بھاگ کر بھائی سے لپٹ گئی تھی بطنیہ
کی اہل بار آگے بڑھی اور نفیل کا بازو تھامتے ہوئے اس نے کہا۔ ”میں آپ کو آپ کی رہائی پر

مبارک باد دیتی ہوں۔

نفیل نے محسوس کیا آج نبطیہ کی آواز پھوار، رنگ، ترانہ، شہد و شکر اور سیر و غمر کی طرح مسحور کن تھی اور اس کے ہاتھوں کا لمس صبح آزادی کی تمہید کی طرح نشاطِ آفرین و صلاحتِ سحر کی طرح پُر سرور تھا۔ آج نبطیہ کے چہرے پر شعلہ سینائی کی سی چمک اور خوشی و مرقوم حقائق کی سی رونق تھی۔ وہ اپنے قلب و نظر سے متبسم و شاداب تھی۔

نفیل ابھی تک اسی کے خیالوں میں کھویا ہوا تھا کہ عبدالمطلب نے اسے غافل ہوئے کہا۔ نفیل! نفیل! تم اپنے قبائل کو لے کر ان سامنے والے پہاڑوں پر چڑھ جاؤ میں اہل مکہ کو جا کر متنبہ کرتا ہوں کہ وہ بھی پہاڑوں پر چڑھ کر اپنے آپ کو محفوظ کر لیں، مجھے یقین ہے ابوکیوم (ابرہہ) کے کعبہ پر حملہ آور ہونے سے قبل ہی اس پر کوئی آتش و عفریت اور عذاب ٹوٹے گا کہ یہ اپنے فعل بد کے متعلق سوچنا تک بھول جائے گا۔

عبدالمطلب مکہ شہر کی طرف چلے گئے سبب کہ نفیل اپنی ماں، بہن، نبطیہ اور سردارانِ قبائل کے ساتھ اس طرف جا رہا تھا جہاں ان کے قبیلے خیمہ زن ہوئے تھے۔

نفیل اپنے قبائل کے ساتھ پہاڑوں پر چڑھ گیا۔ عبدالمطلب شہر میں آئے مکہ کی ایک بڑی جماعت کے ساتھ وہ کعبہ میں داخل ہوئے اور اس کا پر وہ پکڑ کر ڈر و زاری اور عاجزی و اکساری سے دعا کی کہ اسے پروردگارِ عالم! تو اپنے گھر کی خود حفاظت کر، میں بے بس ہو گیا ہوں۔

اس کے بعد یہ لوگ شہر میں منادی کرنے لگے کہ متوقع عذاب سے بچنے کی خاطر پہاڑوں پر چڑھ جائیں۔ یوں عبدالمطلب بھی اہل مکہ کے ساتھ پہاڑوں پر چڑھ گئے۔ ابرہہ نے اپنے حملہ کی ابتداء کی۔ انہوں نے ہاتھیوں کو آگے بڑھانے کے محمود ہاتھی کو اٹھانا چاہا لیکن وہ اٹھنے کا نام ہی نہ لے رہا تھا۔ نفیل بانوں نے اسے آہنی گرنہ ناک میں لوہے کا آنکڑا ڈال کر کھینچا مگر وہ انچی جگہ سے ہلاتک نہیں۔ جب انہوں نے اس کی طرف چلنا چاہا تو فوراً اٹھ کر چل پڑا۔ شام کی طرف چلنا چاہا تو بھی چل پڑا۔ مشرق کی طرف تب بھی اٹھ کھڑا ہوا۔ لیکن جب اسے کعبہ کی طرف بڑھایا جاتا تو قدرہ برد بھی آگے نہ بڑھتا تھا

اس اثنا میں سمندر کی طرف سے پرندوں کے غول کے غول آتے دکھائی دیئے۔ یہ پرندے پر بادھ جب قریب آئے تو لوگوں نے دیکھا، ہر پرندے نے چنے کے دانے کے برابر تین کنکر اٹھائے ہوئے تھے، دو کنکر اپنے پاؤں میں اور تیسرا چوچے میں۔ گلتا تھا گویا امن کی پیاس بجھ گئی ہو اور کوئی تہر آلود طوفان پیدا ہو گیا ہو۔

ان پرندوں نے ابرہہ کے لشکر پر سنگ باری شروع کر دی اور ان کی آن میں اس کے لشکر کو مٹاتے ہوئے گھاس پھوس کی طرح پس کر رکھ دیا۔ صرف وہی لوگ بچے جو کعبہ پر حملے کے خلاف تھے۔ ابرہہ کے صرف ایک کنکر لگا جس کے اثر سے اس کے جسم میں کچھ ایسا زہر پھیل گیا کہ اس کا سارا جسم ٹکڑے ٹکڑے ہو کر گر گیا اور وہ واصلِ جہنم ہوا۔ اہل مکہ اور خانہ بدوش عرب قبائل پہاڑوں سے یہ سارا منظر دیکھ رہے تھے۔ محمود ہاتھی بچ گیا اور واپس یمن چلا گیا۔

ابرہہ اور اس کے لشکر کی تباہی اور خانے کے بعد طوفانی بارش ہوئی اور اس قدر پانی برساکہ سیلاب کی سی صورت حال پیدا ہو گئی۔ یہ پانی ابرہہ کے تباہ شدہ لشکر کی لاشیں بہا کر سمندر کی طرف لے گیا۔ اس طرح وہ میدانِ پہلے کی طرح صاف ستھرا ہو گیا۔

خانہ بدوش عرب قبائل نے ابرہہ کے لشکر کی تباہی پر رات بھر جشن منایا اسی جشن میں انہوں نے نفیل اور نبطیہ کی شادی کر دی۔ اگلے روز شکرانے کے طور پر انہوں نے کعبہ کا طواف کیا چہرہ آزادی اور امن کے گیت گاتے ہوئے یمن کی طرف کوچ کر رہے تھے۔



مراکش کا طوفان

اسلمیٹا ہے



تل کیا۔
مراکش کے یعقوب المنصور کی طرف سے مقرر غرناطہ، اشبیلیہ اور قرطبہ کے حاکموں نے ان دونوں بادشاہوں کی یلغار کو روک کر انہیں اپنی سرحدوں سے باہر نکالنا چاہا لیکن انہیں اکامی ہوئی اور الفانسیو ششم اور سینکو اول نے مسلمانوں کے ایک وسیع علاقے میں تباہی مچا دی۔ مسلمانوں کا وہ کاروان ان ہی لوگوں پر مشتمل تھا جو اس جنگ سے متاثر ہوئے تھے اور بے گھر ہو کر اجتماعی طور پر پناہ کی خاطر اشبیلیہ شہر کا رخ کر رہے تھے۔ اس کاروان نے لوہتان قرطبہ کی طرف سے آنے والے دریائے آنا کو عبور کیا اور دریا سے فدا ہٹ کر رات بسر کرنے کے لیے انہوں نے پڑاؤ کیا تھا۔

سورج جس وقت غروب ہو رہا تھا اور شام کی سیاہی غالب آرہی تھی دو سوار اس پڑاؤ میں داخل ہوئے۔ پڑاؤ کے لوگوں سے کسی کے متعلق پوچھتے ہوئے وہ پڑاؤ کے اندر اس جگہ آئے جہاں ایک بوڑھا الاؤ کی آگ پر بھی کھانا تیار کر رہا تھا اور اس کے قریب ہی ایک جوان اپنے گھوڑے کو کھریا کر رہا تھا۔ آنے والے وہ دونوں اجنبی سوار اپنے گھوڑوں سے اتر گئے۔ ان دونوں نے اپنے چہروں پر نقاب ڈال رکھے تھے۔ ان میں سے ایک بھاری بھکم اور عمر لگتا تھا جب دوسرا ڈبلا پتلا نو عمر سا لڑکا تھا۔

وہ دونوں الاؤ کی آگ پر کھانا تیار کرنے والے بوڑھے کے پاس آئے اور بھاری بھکم نے اُسے مخاطب کر کے پوچھا۔ ہم بنو عمیر کے سردار اور شلب کے قلعہ دار صریم بن طریف سے ملنا چاہتے ہیں، کیا وہ یہاں ہیں؟

اس بوڑھے نے کھانا تیار کرنا بند کر دیا اور ان دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے اُس نے پوچھا۔ میرا نام قسطوں ہے اور میں صریم کا چچا ہوں، کہو تم دونوں اس سے کیوں ملنا چاہتے ہو؟

اس نے کہا۔ میں فریڈیزوی کا سترو کی طرف سے آیا ہوں، کیا آپ اُسے جانتے ہیں؟ — بوڑھے نے کہا۔ وہی کا سترو نا جس نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ وہ شلب میں کچھ عرصہ میرے پاس رہا بھی ہے میں اسے خوب جانتا ہوں وہ پرنسپل کے سینکو اول

دوبتا سورج شام کے ماتمی سایوں کو اپنی آخری جھلک دکھاتا ہوا غروب ہونے کو تھا۔ جاٹے کی لمبی ٹھٹھری رات کی ابتدا ہونے والی تھی۔ پیڑوں میں شام کا بسیرا کرنے کے لیے پندے فضائل میں تیرتے چلے جا رہے تھے۔ ہسپانیہ میں بطلیوش شہر سے اشبیلیہ کی طرف جانے والی شاہراہ پر مسلمانوں کا ایک بہت بڑا کاروان اشبیلیہ کے رخ پر سفر کر رہا تھا۔ اس کاروان میں ہزاروں عورتیں، بوڑھے اور بچے شامل تھے جن کی حفاظت کے لیے مسلح جوانوں نے ایک حصار سا بنا رکھا تھا۔

اندلس کی شمالی ریاستوں قشتالیہ اور لیون کے عیسائی حکمران الفانسیو ششم اور پرنسپل کے نصرانی بادشاہ سینکو اول نے مل کر مسلمان علاقوں پر یلغار کر دی تھی۔ یہ وہ دور تھا جب شمالی اندلس نصرانیوں کے قبضے میں تھا اور جنوبی اندلس پر مراکش کے نیکدل اور غیبہ حکمران یعقوب المنصور کی حکومت تھی جس کا دلا لحکومت مراکش تھا۔

الفانسیو ششم نے حملہ آور ہو کر مسلمانوں کے شہر وادی آرا، کلپرا، ابن اور مغاسلہ کو روند کر ان پر قبضہ کر لیا۔ دوسری طرف پرنسپل کے بادشاہ سینکو اول نے ٹورس، لودیس، تویر اور شلب پر حملہ آور ہو کر ان پر قبضہ کر لیا تھا۔ دونوں نے مسلمان آبادی کو بے دریغ

کے عمدہ اور جری شمنواروں میں سے ہے۔“

آنے والے نے پھر کہا۔ ”کاسترو نے اپنا مسلمان ہونا راز میں رکھا ہوا تھا۔
سینکو کو اس کی خبر ہو گئی اور اس نے کاسترو کو غذا اور باغی قرار دے دیا ہے۔ کاسترو
جان بچانے کی خاطر اپنے چند جاں نثاروں کے ساتھ مغرب کے کومتافوں میں رہ پڑا
چکے ہیں جب کہ سینکو اس کی تلاش میں ہے۔“

بوڑھے نے کہا۔ ”مجھے اس کی حالت سن کر دکھ ہوا ہے۔“ گھوڑے کو کھریا
والا اپنے کام کے ساتھ ساتھ ان کی گفتگو بھی سن رہا تھا۔ فوار نے پھر پوچھا۔ ”کیا کار
نے کبھی آپ سے کوئی وعدہ کیا تھا۔“

بوڑھے قسطن نے چند لمحوں کے تفکر کے بعد کہا۔ ”ہاں اس نے میرے ساتھ
رکھا تھا کہ وہ اپنی اکلوتی بیٹی میرے بھتیجے صریح بن طریف سے بیاہ دے گا۔ اس نے اپنی بیٹی کا
بھی بتایا تھا۔ بھلا سا نام تھا۔ ہاں یاد آیا اس کا نام فوطہ تھا اور سنو! تم نے یہ تو بتایا ہی نہ
کہ کاسترو کی بیوی اور بیٹی کہاں ہیں؟“

فوار نے کہا۔ ”کاسترو اکثر مسلمان تاجروں سے ملتا رہتا تھا۔ ان کے ساتھ
کالین دین تھا۔ ان کے اخلاق و اطوار سے متاثر ہو کر اس نے اسلام قبول کر لیا۔ اس
بیوی اور بیٹی نے بھی اس کا ساتھ دیا اور وہ دونوں بھی مسلمان ہو گئیں لیکن افسوس جب کہ
کامسلمان ہونا ظاہر ہو گیا اور اسے باغی اور فلاح قرار دے دیا گیا تو وہ روپوش ہو گیا۔
کی بیوی اور بیٹی بھی گمنامی اور روپوشی کی زندگی بسر کرنے لگیں۔ اس دوران کاسترو
بیوی اچانک بیمار ہو کر فوت ہو گئی۔“

بوڑھے قسطن کی گردن غم اور دکھ سے جھک گئی۔ کھریا کرنے والے فوجان
باندھ رک گئے۔ ان دونوں اجنبیوں نے پہلی بار غور سے اس جوان کی طرف غور سے دیکھا
وہ کومتافوں کے پتھروں کی طرح سنگین اور کسی ناقابلِ سیخ قلعہ کے برجوں کی طرح مض
تھا۔ اس کے چہرے پر سادگی، متانت اور اہمیت کی گرائی تھی۔ اس کی عقاب کی سی
نگاہوں میں گہرے جھٹس اور گردن میں لیتے طوفان تھے۔ اس نے کھردرے کپڑے کی عبا پہن

تھی جو جگہ جگہ سے خون آلود اور پٹی ہوئی تھی۔

بوڑھے قسطن نے اپنی گردن آہستہ آہستہ اُدپر اٹھاتے ہوئے پھر پوچھا۔ ”اور میری
بیٹی فوطہ اس وقت کہاں ہے؟“

فوار نے کہا۔ ”میرا نام طریف ہے میں کاسترو کے جاں نثاروں میں سے ہوں اس
نے مجھے کہا تھا کہ میں اس کی بیٹی فوطہ کو آپ کے حوالے کر آؤں۔ کیونکہ وہ آپ کی امانت ہے
اور پھر کاسترو روپوشی کی زندگی بسر کرتے ہوئے اپنی بیٹی کی حفاظت بھی نہ کر سکتے تھے۔
میں فوطہ کو لے کر پہلے شلب گیا وہاں سے خبر ہوئی کہ سینکو نے مسلمانوں کے اس شہر پر
حملہ آور ہو کر اسے فتح کر لیا ہے۔ پھر میں لوگوں سے پوچھا اور آپ کو تلاش کرتا ہوا ادھر
نکل آیا۔“ پھر طریف نے اپنے دبلے پتلے ساتھی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

”میرے ساتھ یہ فوطہ ہی ہے۔ ساتھ ہی اس نے فوطہ کو مخاطب کر کے کہا۔
”اے بیٹی! اب تو اپنی منزل پر پہنچ چکی ہے۔ اب اپنے چہرے سے نقاب ہٹا دو۔“

طریف کے کہنے پر وہ فوراً حرکت میں آئی اور اس نے اپنے چہرے سے نقاب
ہٹا دیا۔ قسطن اور گھوڑے کو کھریا کرنے والے جوان نے دیکھا اس کا گلابی جوان جسم لعل
بدنشاں کی طرح حسین تھا۔ اس کی گہری آنکھوں میں لہروں کی تڑپ اور ایک آنکھیں سحر
تھا۔ فوطہ نے ایک بار اپنی چمکیلی آنکھوں سے اس جوان کو دیکھا جس کے ہاتھ کھریا کرتے
ہوئے ٹک چکے تھے پھر اس نے قسطن کی طرف دیکھتے ہوئے سلام کہا۔

قسطن نے بڑی شفقت سے اس کے سلام کا جواب دیا پھر وہ کھڑا ہوا اور پیار
سے فوطہ کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے اس نے کہا۔ ”آؤ بیٹی! آگ کے پاس بیٹھ جاؤ۔
سردی ہو گئی ہے۔“

فوطہ کے تھکے تھکے چہرے پر مسکراہٹ نمودار ہوئی اور وہ آگ کے لاد کے پاس
بیٹھ گئی۔ طریف بھی آگے بڑھا اور آگ کے پاس بیٹھتے ہوئے اس نے تھوڑی دیر قبل گھوڑے
کو کھریا کرنے والے جوان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ”اگر میں غلطی پر نہیں تو یہی صریح بن
طریف ہیں۔“

بڑھے قسطن نے دبی دبی مسکراہٹ میں کہا: ”تمہارا اندازہ درست ہے۔ یہ صریم بن طریف ہے۔“

فوطہ تڑپ کر صریم بن طریف کی طرف دیکھنے لگی تھی نہ اتنی دیر تک صریم خود اگر کے الاؤ کی طرف بڑھا اور مصافحہ کے لیے اپنا ہاتھ اگے بڑھاتے ہوئے اس نے کہا: ”میں ہی بن طریف ہوں اور اس لئے پٹے اور اجڑے کاروان میں تم دونوں کو خوش آمدید کہتا ہوں۔“

طریف نے گرم جوش سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا: ”میں ابھی یہاں سے کوچ کر گیا تاکہ واپس جا کر کاسترو کو یہ بتا سکوں کہ فوطہ اپنی منزل پر بحفاظت پہنچ گئی ہے۔ آپ اس کاروان کی منزل کیا ہے تاکہ روپوشی کی زندگی سے چھٹکارا حاصل کر کے کاسترو اگر کبھی اپنا سے ملنا چاہیں تو میں انہیں بتا سکوں کہ فوطہ کہاں ہے؟“

صریم نے طریف کے قریب ہی بیٹھتے ہوئے کہا: ”فی الحال ہمارا رخ ایشیلیہ کی طرف ہے۔ اس کاروان کو بحفاظت وہاں پہنچا کر میں پھر ان علاقوں کی طرف ہلٹوں گا۔ میرے ساتھ ہزار مسلح جوان ہیں جن کے ساتھ میں اس کاروان کی حفاظت کر رہا ہوں۔ میں ان کے ساتھ پورا گا اور دشمن کے علاقے میں دور دور تک اندر گھس کر میں ان کے لیے خوراک فراہم کروں گا میں انہیں کسی قسم میں نہ چھوڑوں گا۔ انہیں ضرورت کی ہر شے مہیا کروں گا۔ یہاں تک پہنچتے سینکڑوں کے لشکر کا ایک حصہ تین بارہم پر حملہ آور ہو چکا ہے۔ وہ چاہتے ہیں کہ ہمارا مال ہماری عورتیں ہم سے چھین کر لے جائیں لیکن میں نے ہر بار انہیں مار دیا ہے۔ یہ کاروان اب محفوظ ہے کیوں کہ میں نے ارد گرد چاروں طرف آدمی پھیلا رکھے ہیں جو دشمن کے حملہ آور ہونے سے قبل ہی مجھے ان کے آنے کی اطلاع کر دیتے ہیں۔“

طریف نے دیکھ کر پوچھا: ”سینکڑوں کی اس تباہی اور بربادی کا مسلمانوں کی طرف سے اب کیا رد عمل ہو گا؟“

صریم نے کہا: ”شلب کے قاضی عید بن عروان پہلے ہی مراکش روانہ ہو چکے ہیں وہ امیر یعقوب المنصور سے سارے حالات کہیں گے۔ دیکھیں پھر وہ کیا رد عمل ظاہر کرتے ہیں کیوں کہ قرطبہ، ایشیلیہ اور غرناطہ کے حاکم تو الفاسقا اور سنیکو کے سامنے مجبور ہو چکے ہیں

میں نے اپنی پوری قوت سے دفاع کیا۔ اس کے باوجود دونوں نصرانی حکمران مسلمانوں کے ب وسیع علاقے پر قابض ہو چکے ہیں۔ انہوں نے مسلمانوں کا خون بیکار پانی کی طرح بہایا اور اس کا حساب بہر حال انہیں دینا ہو گا۔“

چند ثانیوں تک خاموشی طاری رہی پھر طریف نے اس سکوت کو توڑتے ہوئے پوچھا: ”آپ لوگ گھر کے کتنے افراد ہیں؟“

اس بار قسطن نے غمزہ سی آواز میں کہا: ”میں ہیں اور صریم۔ میری اپنی کوئی اولاد نہیں۔ بوی چند برس قبل فوت ہو گئی تھی۔ صریم کے ماں باپ آج سے دس پندرہ برس لے اس فانی دنیا سے کوچ کر گئے تھے۔ یہ اس وقت چھوٹا ہی تھا۔ میں نے ہی اسے پالا۔ اب یہ میری پونجی اور میری ساری کائنات ہے۔“

طریف اٹھ کھڑا ہوا اور صریم کی طرف دیکھتے ہوئے اس نے کہا: ”مجھے اب اذیت دیں۔ میں جاتا ہوں۔ فوطہ بیٹی آپ کو آپ کے پاس پہنچا کر میں اپنا فرض ادا کر چکا ہوں۔“

صریم نے بھی کھڑے ہوتے ہوئے کہا: ”اتنی جلدی کیوں رات یہاں گزار کر مجھ سے کوچ کر جانا۔“

طریف نے کہا: ”دن کے وقت میرا سفر کرنا خطرناک اور مشکوک ہو گا کوئی مجھ سے پوچھ سکتا ہے کہ کون ہوا اور کہاں سے آئے ہو۔ میں رات ہی رات اپنے سفر بستر محفوظ کر کے کسی محفوظ مقام پر پہنچ جاؤں گا۔ کاسترو میرے انتظار میں سخت نشان ہوں گے۔ میں انہیں بہت جلد یہ اطلاع پہنچانا چاہتا ہوں کہ فوطہ بیٹی جن امانت تھی ان کا پاس پہنچ چکی ہے اور اب وہ محفوظ ہے۔“

صریم نے کہا: ”اچھا بیٹھو پھر کھانا کھاؤ۔ طریف نے شکر گزار انداز صریم سے کہا: ”آپ یقین کیجئے میں اور فوطہ دونوں کھانا کھا چکے ہیں۔ بلکہ میرے اور ہر گھوڑے کی خیرین اب بھی اشیاء خوردنی سے بھری ہوئی ہیں۔“

صریم نے مصافحہ کے لیے اپنا ہاتھ طریف کے ہاتھ میں دے دیا اور خوش کن انداز

قسطوں ایک طرف ہٹ گیا۔ فوطہ وہاں بیٹھ کر جپاتیاں پکانے لگی۔ حریم بھی اٹھا۔
یہ کاغڈ اس نے اپنے گھوڑے کے قریب باندھا۔ پہلے اس نے غریبن اور زین سے بندھا
ترادر دوسری اشیاء کھول کر فوطہ کے قریب رکھ دیں۔ پھر وہ گھوڑے کی زین اُتارنے
کا تھا۔

کھانا تیار کرنے کے بعد فوطہ نے اپنے گھوڑے کی غریبن کھول کر اس میں سے بنیر،
نک اور تازہ پھل، روغنی روٹیاں اور خشک گوشت نکال کر آگ کے پاس رکھا اور صریم کی
ن دیکھتے ہوئے اس نے طائرس فروس کی سی جپتی آواز میں کہا: ”کھانا کھائیں۔“

قسطوں اور صریم جب فوطہ کے قریب کھانا کھانے کو بیٹھے تو ایک عورت وہاں آئی
ن کہ ساتھ چار بچے بھی تھے۔ اس نے صریم کی طرف دیکھتے ہوئے کہا: ”اے کاروان کے امیر!
یہ شہر اس جنگ میں کام آجکا ہے۔ اب میں ایک بیوہ ہوں۔ میرے یہ چاروں بچے آج
رح سے بھوکے ہیں۔ میں شرم کے باعث کسی سے کچھ مانگ نہ رہی تھی۔ آپ کے پاس کچھ
مانے کو ہو تو دیں کہ میں ان بچوں کو بہلا سکوں۔“

صریم نے ہاتھ میں پکڑا ہوا لقمہ رکھ دیا۔ اس نے عورت سے اس عورت اور اس کے
بچوں کی طرف دیکھا۔ پھر اس نے اپنے اور قسطوں کے سامنے رکھی کھانے کی سب چیزیں رومال
بن باندھیں اور اس عورت کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا: ”یہ لے جاؤ اور آرام سے اپنے بچوں
لے ساتھ بیٹھ کر کھاؤ۔“

اس عورت نے وہ گھڑی لے لی پھر اس نے کیکپاتی آواز میں پوچھا: ”اے امیر! آپ
نے سب کچھ تو مجھے دے دیا، اب آپ تینوں کیا کھائیں گے؟“

صریم نے اپنی آنکھوں میں اُٹانے والے آنسو پونچھتے ہوئے کہا: ”جن ربّ عظیم نے
مہاری خوراک کا بندوبست کیا ہے، وہ ہمارے رزق کا انتظام بھی کرے گا۔ وہ رازق ہے
سب کچھ دیکھ رہا ہے۔ وہ ہمیں بھوکا نہ مرنے دے گا تم جاؤ اور بچوں کو کھانا کھلاؤ۔“
وہ عورت چلی گئی۔ فوطہ عجیب طرح سے صریم کو دیکھ رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں
موٹے موٹے آنسو بھرے ہوئے تھے اور ان آنسوؤں میں صریم کے لیے ہمدردی، محبت،

اس نے کہا: ”میں شب کے اس پھیلتے اندھیرے میں آپ کو خدا حافظ کہتا ہوں!“
بوڑھا قسطوں بھی کھڑا ہو گیا اور طریم سے مصافحہ کرتا ہوتے کہا: ”اپنے
سردار کا ستروے میرا سلام کنا۔ اسے کنا فوطہ اب محفوظ ہے اور تمہارا انتظار کر رہا
میری طرف سے اسے یہ بھی کنا جب بھی موقع ملے فوراً ہماری طرف بھاگ آئے۔“ فوطہ
کھڑی ہوئی تھی۔ طریم نے پیار اور شفقت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔ اپنے
پر سوار ہوا اور وہاں سے کوچ کر گیا تھا۔

قسطوں، حریم اور فوطہ پھر آگ کے لاؤ کے پاس بیٹھ گئے۔ قسطوں جب
جپاتیاں پکانے لگا تو حسین فوطہ نے اسے مخاطب کرتے ہوئے اپنی پھول برساتی
کا ترن لیے اور موسم بہار کے پرندوں جیسی دلکش آوازیں کہا: ”اے غم! آپ؟
میں خود آپ کو کھانا تیار کر کے دیتی ہوں۔“

قسطوں نے بڑے پیار سے کہا: ”تم سفر سے تھکی ہوئی ہو بیٹی! آرام کرو۔
روز کا کام ہے۔“

پری رُخ اور گل اندام فوطہ نے خستگی اور بچاری میں پوچھا: ”آرام کر
لیے تو مہمان کو کہا جاتا ہے۔ کیا میں آپ دونوں کے پاس مہمان ہوں؟“

قسطوں نے تڑپ کر کہا: ”نہیں میری بچی! تم مہمان نہیں ہو۔ پہلے ہم گھر
تھے اب تین ہیں۔ بیٹی! تم عارضی نہیں ہمیشہ کے لیے ہمارے ساتھ رہنے کو کافی ہو۔
تم دونوں کی شادی کرادوں گا۔ حریم بہت اچھا اور نیک ہے۔ یہ تمہیں خوش رکھے گا
باپ کو حریم کی عادات اور اس کی شجاعت و جرات مندی جنوں کی حد تک پسند تھی
فوطہ کے جھکے مڑے چہرے پر اُمید کی نئی روشنی اور لال سرخ ہونٹوں پر کبر
عود کر آئی تھی۔ اپنی شادی کا سن کر اس کی گردن جھک گئی تھی۔ اس کا بھرا بھرا جسم
تھا اور چہرے پر کنوارپنے کی ساری تازگی جمع ہو گئی تھی لیکن جلد ہی فوطہ نے اپنے آ
لیا اور کہا: ”اگر میں اس گھر کی فرد ہوں تو پھر اُٹھیے۔ میں خود آپ دونوں کے
تیار کروں گی۔“

جاہت اور احترام کے جذبات ٹٹاٹھیں مار رہے تھے۔ پھر فوطہ نے اپنے آنسو پونچھے اور فرما سے کہا۔ ”اگر آٹا ہو تو میں اور روٹیاں پکا دوں“

قسطون نے جذبات میں ڈوبی آواز میں کہا۔ ”یہی آٹا تھا جو پکا لیا۔ اب ہمارے ہاں کچھ نہیں۔ الحمد للہ کھانے کی سب چیزیں اسے مل گئیں جو ہم سے زیادہ ضرورت مند اور حقدار تھا۔ وہ رزق ہمارے لیے نہ تھا جس کا تھا اسے مل گیا۔ ہمارے پاس پیٹ بھرنے ایک اور طریقہ بھی ہے۔“

قسطون نے آگ کے قریب پڑی ہوئی ایک گٹھری کے اندر سے خشک اور پتھر طرح سخت دو روٹیاں نکالیں اور صمیم سے کہا۔ ”آؤ کھا لو بیٹے! ہماری اصل خوراک تو ہے۔ خدا کی قسم اس عورت کے ساتھ تم نے کاروان کا امیر ہونے کا حق ادا کر دیا ہے۔ فوطہ اپنی آنکھوں سے بہتے آنسو پونچھ رہی تھی۔ قسطون خشک روٹی کے ٹکڑوں کو منہ میں لے کر جبا ناہی چاہتا تھا کہ تین گھوڑوں کو اپنے گھوڑوں کو سر پر ڈال دیتے ہو۔ آگے اور لاؤ کے قریب رک کر وہ اپنے گھوڑوں سے اتر گئے۔

قسطون نے انہیں دیکھ کر خشک روٹی کا ٹکڑا واپس گٹھری میں ڈال دیا اور پریشانی کی حالت میں وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ صوم بھی تیزی سے ان کی طرف لپکا۔ ایک سوار نے وہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ”اے امیر! اپنے کاروان کی خیر منائیے۔ یہاں سے شمال دریلے آندے کے کنارے دشمن کا ایک لشکر خمیر زن ہے۔ یہ وہی لشکر ہے جو دوران ہم پر بار بار حملہ آور ہوتا رہا ہے۔ پہلے اس لشکر کی تعداد پانچ چھ ہزار ہوتی تھی لیکن شاید ان کو ملک پہنچ گئی ہے۔ ان کی تعداد اب دس ہزار سے کسی صورت کم نہ ہوگی۔ صمیم نے بیتاب ہو کر پوچھا۔ ”وہ لشکر یہاں سے کتنی دور ہوگا؟“

آنے والے نے کہا۔ ”وہ یہاں سے دس میل کے فاصلے پر ہوگا۔ اس لشکر کے اس قدر مال و متاع، نقدی، خوراک اور خیمے ہیں جن کا کوئی شمار تک نہیں۔ وہ اپنے ہزار ساتھیوں کو اپنے اس سامان کی حفاظت کے لیے چھوڑیں گے اور آٹھ ہزار کے ساتھ آج ہی رات کے قریب ہم پر شب خون ماریں گے۔“

صمیم نے ایک جوش اور جذبے میں کہا۔ ”جب تک آدھی رات ہوگی تب تک کون زندہ رہے گا اس کا فیصلہ میرا رب ہی کرے گا۔ میں ابھی اور اسی وقت یہاں سے کوچ کر دوں گا اور ان پر پہلے ہی حملہ کر دوں گا۔“

پھر صمیم نے قسطون کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ”اے عم! آپ نے دیکھا خداوند رحیم و مہربان ہماری ہی نہیں پورے کاروان کی خوراک اور ان کے لیے خیموں کا بند و بست کر رہا ہے۔ کاروان کی عورتیں کھلی فضا میں اور ننگے آسمان تلے تاریک سرد ٹھنڈی راتوں میں اپنے بچوں کو آگ کے الاؤ کے پاس سلا کر ساری ساری رات جاگتی ہیں۔ ایسے میں اگر بارش ہو جائے تو ہم میں سے ہر کوئی سردی اور ٹھنڈ کا شکار ہو کر رہ جائے۔ پھر جنوب کی طرف منہ کر کے اور اپنے منہ پر اپنے دونوں ہاتھ جا کر صمیم زور زور سے پکارنے لگا۔

”سنعار! سنعار! میرے پاس آؤ، جلدی کرو۔“

تھوڑی دیر بعد ایک صلح جو ان بھاگتا ہوا آیا اور صمیم کے سامنے کھڑے ہوتے ہوئے اس نے پوچھا۔ ”اے امیر! خیرت ہے، آپ نے مجھے آواز دی۔“

صمیم نے ان تینوں سواروں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ”یہ ابھی ابھی خبر لائے ہیں کہ دشمن کا ایک دس ہزار کا لشکر یہاں سے دس میل شمال میں دریائے آندے کے کنارے خمیر زن ہے اور وہ آدھی رات کے وقت ہم پر شب خون مارے گا۔ میں انہیں اس کا موقع دیے بغیر پہلے ہی ان پر حملہ آور ہو جاؤں گا۔ تم تین ہزار ساتھیوں کو میرے لیے علیحدہ کر دو، میں ان کے ساتھ دشمن پر شب خون ماروں گا۔ تم کاروان میں ہی رہو۔ ہمارے پاس دو ہزار صلح جو ان رہ جائیں گے ان کے ساتھ تم اپنے کاروان کی حفاظت کرو۔“

سنعار نے کہا۔ ”اول تو میں بھی آپ کے ساتھ چلتا ہوں۔ اگر آپ مجھے کاروان میں چھوڑنا چاہتے ہیں تو چار ہزار ساتھی آپ لے جائیں۔ میرے پاس ایک ہزار ہی کافی ہیں اس لیے کہ اس لشکر کے سپاہیوں میں کسی سے کوئی خطرہ نہیں اگر ہوا بھی تو لشکر میں ان رگت عورتیں ایسی ہیں جو تلوار کا فن خوب جانتی ہیں اور ضرورت کے وقت دفاعی خدمات انجام دے سکتی ہیں۔“

مریم

مریم نے فیصلہ کن انداز میں کہا - ”نہیں تم تین اور دو کی نسبت ہی رکھو جلدی کرو میں انہیں نیند کی حالت میں ہی جالینا چاہتا ہوں۔“

مریم ذرا رکا پھر اس نے فوطہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے سنعار سے کہا - ”لو لڑکی کا نام فوطہ ہے۔ یہ فرانسسیسی ہے اور سینکو کے سردار کا سترہویں بیٹی ہے جو اسلما قبول کر چکا ہے۔ یہ مسلمان ہے اور میری منسوب ہے۔ بابا! تمہیں تفصیل سے اس کے متنا بتا دیں گے۔ میرے بعد اس کا خیال رکھنا کہ یہ نووارد ہے۔“

سنعار نے خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہا - ”میں اپنی بہن کی خوب دیکھ بھال کر لگا۔ پھر سنعار وہاں سے چلا گیا۔ دشمن کی اطلاع لانے والے تینوں سوار بھی اس کے ساتھ گئے تھے۔ مریم اپنا جنگی لباس پہن کر اپنے آپ کو مسلح کرنے لگا۔ قسطن کے ساتھ آگ کے پاس بیٹھی فوطہ اسے ہمدردی اور تحس سے دیکھ رہی تھی۔ وہ مریم سے بہت کچھ چاہتی تھی پراجنیت کی دیواروں کے باعث خاموش اور چپ تھی۔ تھوڑی دیر بعد اپنے تین ہزار سواروں کے ساتھ شمال کی طرف کوچ کر گیا تھا۔

تھوڑی دیر کی اور جنگ کے بعد سچے سچے پرتگالی اپنی جانیں بچانے کی خاطر دریا کے کنارے کنارے شمال کی طرف بھاگ کھڑے ہوئے۔ مریم نے ان کا تعاقب کر کے سب کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ پھر وہ دشمن کے پٹاؤ میں آیا۔ پہلے ان کے خیمے اکھڑے پھر سارا سامان انہی کے جانوروں پر لا کر وہ اپنے لشکر کے ساتھ اپنے کاروان کی طرف کوچ کر گیا تھا۔

پچھلے ہر کے جان کی مدھم رنڈی میں مریم اپنے کاروان میں داخل ہوا۔ مریم کا ساتھی سنعار جو کس تھا اندر اپنے دو ہزار ساتھیوں کے ساتھ اپنے کاروان کی حفاظت کے لیے متعدد تھا۔ اپنے لشکر کے واپس آنے کی اطلاع پاتے ہی کاروان کے سب بوڑھے، بچے اور عورتیں جاگ اٹھیں تھے اور اپنے لشکر کا استقبال کرنے لگے تھے۔

قسطن اور فوطہ بھاگتے ہوئے مریم کے پاس آئے وہ اس وقت کاروان کے وسط میں سامان کے ڈھیر لگا رہا تھا۔ قسطن نے مریم کو گلے لگاتے ہوئے کہا - ”اے فرزند میرا!

جوان رات کے سینے پر چاندنی کا آنچل دور دور تک پھیل گیا تھا۔ تاروں رات شبنم کے آنسو بہاتی بھاگ رہی تھی۔ پرتگال کے بادشاہ سینکو اول کا دس ہزار کا جس نے آج رات کے بعد مسلمانوں کے کاروان پر شب خون مارنا تھا دریائے آند کنارے خیمہ زن تھا۔ لشکریوں نے اپنے ہتھیار کھول رکھے تھے اور وہ آرام کر رہے اچانک رات کے سینے کے دیوان گوشوں میں ایک شور ایک طوفان اٹھ کھڑا ہوا۔ پرتگالی سپاہی جو ہتھیار کھول کر آرام کر رہے تھے ایک دم اٹھ کر اوجھڑا دھڑلے لگے تھے وہ بڑی طرح شور اور دوا دلا کرنے لگے تھے۔ اس لیے کہ مغرب کی طرف سے مریم نے اپنے تین ہزار سواروں کے ساتھ ان پر شب خون مار دیا تھا۔ مسلمان بے آندھی بے تحاشہ طوفان اور تباہ کن عذاب کی طرح دشمن کے اندر تک گھس آئے ہر طرف انہوں نے شکست و ریخت اور فنا کی تحریریں ثبت کرنا شروع کر دی تھیں۔

تم نے تمہیں سے ایسا ہی سلوک کیا جس طرح میں تم سے امید رکھتا تھا۔ تو اپنے ساتھ اس قدر لے آیا ہے کہ اب یہ کاروان بھوک اور بارش و سردی سے محفوظ رہ سکے گا۔

قسطوں جب خاموش ہوا تو فوطہ شرماتے شرماتے صریم کے سامنے آئی۔ اس گردن جھکی ہوئی تھی۔ پھر اس نے حیات بخش رنگ برساتی اپنی آواز میں کہا۔ ”خدا اکبر اور توفیق دے کہ آپ ایسے بھلے ہوئے قانونوں کے ناخدا بن کر ان کی حفاظت و کفالت کرتے رہیں۔ آپ کی فتح پر میں آپ کو مبارکباد دیتی ہوں۔“

صریم نے غور سے فوطہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ”تم مجھے مبارکباد کیوں دیتی کیا میری فتح تمہاری فتح نہیں ہے۔ حسین فوطہ کا چہرہ تمہارا اٹھا۔ اس کے لال سرخ ہونے گری پر سکون مسکراہٹ بکھر گئی اور منہ سے کچھ کہنے کے بجائے اس نے اثبات میں گردن کاروان کے وسط میں خمیوں، خوراک کی بوریوں، سامانِ حرب و ضرب اور سامان کے ڈھیر لگا دیے گئے تھے۔ پھر لوگوں میں خیمے اور ایک ہفتہ کی خوراک بانٹ دی گئی کھانے کی دوسری اشیاء محفوظ کر لی گئی تھیں۔ صبح تک لوگوں میں خیمے اور خوراک تقسیم رہی۔ پھر فجر کی نماز کے بعد صریم اپنے کاروان کو لے کر اشمیلیہ کی طرف کوچ کر گیا تھا۔ کاروان کا سارا سامان ان گھوڑوں اور خچروں پر لاد دیا گیا تھا جو دشمن سے حاصل ہوتے تھے۔“



مراکش کے قصر الجباز میں افریقہ و اندلس کا حکمران اپنے اراکینِ سلطنت کے ساتھ ہوا تھا کہ اس کے سامنے ایک ایسے شخص کو لایا گیا جس کی داڑھی خوب گھنی اور سفید تھی، چلی تھی، قد خوب نکلتا اور رنگ تانبے کی طرح دھک رہا تھا۔ آنے والے نے ایک نانا یعقوب المنصور کی طرف دیکھا۔

یعقوب المنصور کا رنگ کھلتا گئی، چہرہ قدرے لمبوتر لیکن خوش نما۔ آروشن و سرنگیں، منہ کا دھانہ فراخ، داڑھی گول اور جسمانی اعضاء خوب قوی و مضبوط۔ قصر الجباز میں داخل ہونے والے وہ بزرگ یعقوب المنصور سے کچھ کہنا چاہتے ہی

یعقوب المنصور نے خود ہی انہیں مخاطب کر کے کہا۔ ”میرے حاجب عبداللہ بن یعقوب بتایا ہے کہ آپ اندلس میں شلب شمر کے قاضی ہیں۔ کیا آپ کو مجھ سے کوئی کام ہے؟“ اس آنے والے نے اپنی سنگتی آنکھیں المنصور کے چہرے پر گاڑ دیں پھر اس نے ایک کرب اور دھک میں کہا۔ ”ہاں، میں ہی شلب کا قاضی ہوں۔ اسے المنصور! میں تمہیں اس گڈریہ کی داستان سنانے آیا ہوں جو درختوں کی ٹھنڈی چھاؤں تلے عموماً ستراحت رہا اور بھیڑیے اس کے ریوڑ کو بھنبھوڑتے رہے، میں تمہیں اس باغبان کا قصہ کہنے آیا ہوں جس کے رقیب اس کے باغ میں صرف خاردار درختوں کی آبیاری کرتے رہے اور درخت درخت خشک ہوتے اور کٹتے رہے۔ میں تمہیں اس ناخدا کی کہانی سنانے آیا ہوں جس کی شتی میں لوگ چھید کرتے رہے اور وہ چوہہ تھامے اوگلتا رہا۔“ وہ درار کے پھر غضب ناک لہجے میں انہوں نے کہا۔

”اے المنصور! میں شلب کا قاضی عدید بن عروان ہوں۔ میں تمہیں قشتالیہ و لیون کے الفانوشتم اور پرتگال کے سینکواؤل کی خونریز داستان کہنے آیا ہوں۔ انہوں نے مسلمان علاقوں پر حملہ آور ہو کر تیری قوم کا دامن تار تار کیا۔ انسانیت کا منہ لوچا۔ اپنی بدطبعی خود سری اور منتقم مزاجی میں باؤلے گئے کی طرح ہزاروں مسلمانوں کو کاٹا۔ وہ دونوں تباہی کی آگ اور فنا کی تحریریں بن کر ٹوٹے۔ مسلمانوں کو انہوں نے موت کی مٹی میں نیلا م کیا۔ ان کے سر پر موت بن کر کھیلے اور انہیں پکھری داستانوں کے اوراق کی طرح منتشر کر دیا۔ ان دونوں نے مل کر ہمارے شہر، دادی آلا، کلپرا، رین، معاسلہ، نودس، تو مر، شلب اور ایسے ہی کئی دیگر شہروں پر قبضہ کر لیا ہے۔ انہوں نے ہر ذی عزت کو بے عزت کیا۔ ہر اس لڑکی کو انہوں نے بے آبرو کیا جو ان کے ہاتھ لگی۔ اے غافل انسان! تو یہاں بے خبر بیٹھ رہے۔ مجھے کچھ ہوش نہیں کیا تو اپنی اس غفلت، اس کوتاہی کا جواب یہاں اپنے عوام کو دے گا یا قیامت کے دن اپنے رب کو۔ اے گناہ گار انسان! تو کیا منہ لے کر اپنے رب کا سامنا کرے گا؟“

ناگاہ المنصور کا ایک فوجی افسر اٹھا اور اپنی تلوار کے دتے پر ہاتھ لے جاتے ہوئے اس

نے انتہائی غصے اور غضب میں شلب کے قاضی عدید بن عرفان کو مخاطب کر کے کہا: ”گستاخ اور تیری زبان دراز ہے، کیا تو نہیں جانتا تو کس سے کن الفاظ میں مخاطب ہے یا رکھ تو۔“

اس فوجی افسر کو رک جانا پڑا کیوں کہ اس دوران المنصور کے قاضی القضاء ابو جعفر احمد بن مضاع اٹھ کھڑے ہوئے اور اس فوجی افسر کی طرف دیکھتے ہوئے انتہائی غصے اور قہر کی حالت میں کہا۔

”تو احمق اور جاہل ہے مجھے خبر نہیں شلب کا یہ قاضی ایک فریادی کی حیثیت آیا ہے اور ایک فریادی کو ہر بات کہنے کی اجازت ہے۔ اب تک جو کچھ اس نے کہا ہے حق اور سچ ہے۔“

قاضی القضاء ابو جعفر حجب خاموش ہوئے تو المنصور نے اس فوجی افسر کی طرف دیکھتے ہوئے اپنی پوری قہرمانیت میں کہا۔ ”اپنی جگہ پر بیٹھ جاؤ ورنہ تمہاری تلوار سے تمہاری گردن ہی کاٹ دی جائے گی۔ شلب کا قاضی ہر بات کہنے کا حق رکھتا ہے۔ الفاظ اور سینکھنے اگر ہمارے علاقوں میں تباہی کی آگ اور بربادی کا دھواں پھیلا رہے تو ایسے سخت الفاظ تو کچھ بھی نہیں، خدا کی قسم یہ قاضی اس امر کا حق بھی رکھتا ہے کہ ہمارے مندر پر مار کر ہمیں غفلت کی نیند سے بیدار کرے۔ یہ اس بات کا بھی حق رکھتا ہے کہ ہمارے لیے اسے بھی سخت اور بدترین الفاظ استعمال کرے۔ تم بیٹھ جاؤ ورنہ اس نے اپنی بات مکمل کرنے

وہ فوجی شرمندہ اور نجل سا ہو کر بیٹھ گیا۔ شلب کے قاضی عدید بن عرفان۔ پھر کہنا شروع کیا۔ ”آہ الفانسا اور سینکھو سرخ شعلوں کے قوس اور کالی آندھی کی طرح اس علاقوں میں داخل ہوئے۔ بڑے بڑے امراء اور قریبین مسلمانوں کے گلوں میں چلنے کے بانہ کھرا نہوں نے انہیں دریائے تاجہ میں چھینک دیا، ماڈوں، بہنوں اور بیٹیوں کے سر سے دوپٹے نوچ کر انہیں بے آبرو اور ذلیل کیا گیا۔ وہ اپنے رب کے ساتھ ساتھ المنصور اچھے بھی مدد کو پکارتی تھیں لیکن وحشی بھیڑیوں کے سامنے کوئی اُن کی فریاد

اسپین میں کچھ کمپلڈ بھی جمع ہوئے تھے۔ وہ فلسطین جا کر اسلام کے رحل عظیم صلاح الدین کے خلاف لڑنا چاہتے تھے لیکن جب صلاح الدین نے فلسطین میں سے عیسائیوں کو نکال دیا تو وہ اسپین میں ہی رک گئے۔ انہوں نے الفانسا اور سینکھو سے بھی بڑھ کر مسلمانوں پر مظالم ڈھاتے ہیں۔

جنگ میں متاثر ہونے والے ہزاروں مسلمان بوڑھے، عورتیں اور بچے بطلیموس کے مشرق میں جمع ہوئے تھے۔ ٹمپلر اور سینکھو کے کچھ شکاری چاہتے تھے کہ ان لکھ پٹے مسلمانوں پر حملہ آور ہو کر انہیں کوئیں امدان کی لوکیوں کو اٹھا کر لے جائیں لیکن بھلا ہو غور کے سردار اور شلب کے قلعہ دار صریم بن طریف کا، ٹمپلر تین ہزار مسلمانوں کے اس کاروان حملہ آور ہوئے اور تینوں بار اس شیر دل فرزند نے انہیں شکست دی اور انہیں بھگا کر مسلمان عورتوں کی حفاظت کی۔ اس کے پاس صرف پانچ ہزار سپاہی ہیں۔ اگر اس کے پاس بڑا لشکر ہوتا اور اسے رسد کمک فراہم کی جاتی تو وہ شلب پر سینکھو کا قبضہ نہ ہونے دیتا۔“

قاضی عدید بن عرفان چند ثانیوں کے لیے رے کے پھر انہوں نے فریاد کرنے والی شہنائی جیسی پُرسوز آواز میں کہا۔ ”آہ دشمن نے ہمارے رشتہوں کی زنجیریں کاٹ دیں۔ وہ آسیباؤ کاٹنے دار جھار یوں کی طرح مسلمانوں پر وارد ہوئے اور تلوار، چالاک اور دغا سے کام لے کر انہوں نے جہاں سوزی اور تباہ کاری کا کھیل کھیلا۔ شیر دل کی آماجگاہ میں گیدڑ، عقابوں کے نشیمیں گرہ اور بھیڑیوں کے بھٹ میں لڑھکیاں گھس آئی ہیں۔ کوئی تو ہو جو آخری تلوار اور نجات دہندہ بن کر

لے ٹمپلر اپنے ابتدائی دور میں ایک مذہبی جماعت تھی۔ اس کی بنیاد ۱۱۱۸ء میں رکھی گئی۔ اس کا مرکز یروشلم تھا۔ اس جماعت کا مقصد یروشلم کے عیسائی زائرین کی حفاظت کرنا تھا۔ بعد میں یہ فوجی تنظیم کی شکل اختیار کر گئی۔ سلطان صلاح الدین ایوبی نے ۱۱۸۶ء میں جب یروشلم فتح کیا تو انہوں نے قبر میں کو اپنا مرکز بنالیا۔ ان میں سے کچھ ٹمپلرز انڈس اور لندن جا کر آباد ہو گئے۔ لندن کا یہ علاقہ آج بھی ٹمپلرز کے نام سے مشہور ہے۔ تیرھویں صدی کے آخر میں اس دہشت اور انتہا پسند تنظیم کا خاتمہ ہو گیا۔

اٹھے دشمن سے مسلمانوں کے آنسوؤں، ان کے خوں کا حجاب لے اور مجھے ستاروں کو اور
کی مشن واپس دلائے۔

قاضی عدید کی گردن اندر جھک گئی اور روتی آواز میں انہوں نے کہا۔ ”کاش
تقدیر کے ترکش کا تیر بن کر اٹھتا۔ مسلمانوں کے اُونگھتے ضمیر کو جھجھوڑتا۔ ان کی کوتاہیوں
کفارہ ادا کرتا۔ ان کی خستگی و بچارگی دُور کرتا اور دفاع کا آخری بند باندھ کر ان کی
حفاظت کرتا۔ اپنی عظیم قوم کی سطوت و عظمت بحال کرتا۔“

قاضی عدید رُک گئے۔ پھر انہوں نے اپنا جھکا چہرہ آہستہ آہستہ اُپر اٹھایا اور
المنصور کی طرف دیکھتے ہوئے انہوں نے سراپا التجا بن کر کہا۔ ”میں نے جو کتنا تھا کہہ چکا۔ اب
میرے لیے جو بھی سزا تجویز کی جائے میں اس کے لیے حاضر ہوں۔“

قاضی عدید بن عروان جب خاموش ہوئے تو قصر الحجاز گہری خاموشی میں ڈوب
گیا۔ قاضی القضاۃ ابو جعفر احمد بن مضار کا تب الفضل، وزیر اور سپہ سالار ابو یحییٰ ابو
یعقوب المنصور کا بیٹا اور حاجب عبداللہ بن یعقوب اور کا تب شکر ابو الحسن بن مغنیہ
بڑی جستجو اور فکر مندی سے یعقوب المنصور کی طرف دیکھ رہے تھے۔

یعقوب المنصور کے چہرے پر کبھی غصے کبھی تفکرات کے آثار نمودار ہوتے رہتے
پھر انہوں نے قاضی عدید بن عروان کی طرف دیکھتے ہوئے بے چین شراروں کے خروش جیسے
آواز میں کہا۔

”اے میری قوم کے محسن! میرے بزرگ! ہم افانسا اور سینکو کی آتش فشاں
خون ریزی کو روکیں گے۔ جو تباہی کی آگ، خاموشی کا اندھیرا اور وحشت و بربریت کی
ستم آرائیاں اندلس کے مسلمانوں کے لیے اکٹھی کی ہیں، ان کا رخ ہم ان ہی کے علاقوں کی
طرف موڑ دیں گے۔ انہوں نے صرف ہمارا رحم اور محبت دیکھی ہے۔ ان پاگل کتوں نے ہمارا غم
اور انتقام نہیں دیکھا۔ واللہ! ہم ان پر اپنے رب کا قہر اور وقت کی قضا بن کر نازل
ہوں گے۔“

یعقوب المنصور ذرا رُک کے پھر انہوں نے اپنی پوری شد و مد سے کہا۔ ”ہم اپنے

شکر کے ساتھ اندلس کے مسلمانوں کے لیے تاریک اُفق پر امید کی کرن بن نمودار ہوں گے۔
یشم کی ساری کبھی ہم درست کریں گے۔ ہم اپنی سطوت کی بکھری داستانوں کے اوراق
جمع کریں گے اور افانسا و سینکو پران کا یوم حجاب بن کر نازل ہوں گے۔

میرے بزرگ! آپ بے فکر رہیے ہم اندلس کے مسلمانوں کو بے رحم حالات
کے حوالے نہ کریں گے۔ سینکو اور افانسا سے ہم ان کے شرر غنڈا اور اپنے بھائیوں کی آزادی
و تحفظ کے سہرائی کی قیمت وصول کریں گے۔ ہم اس گناہ عباد کو بھی فراموش نہ کریں گے
بن کا نام آپ نے صریح بن طریف بتایا ہے۔ اس نے اگر ہماری ماٹل اور بیٹیوں کی حفاظت
کی ہے تو بھلا ہم اسے اس کا خوب صلہ دیں گے۔ چھ برس قبل یرشلم سے ہمارے برادر
عزیز صلاح الدین کا پیغام آیا تھا۔ اس نے ہم سے عیسائی دنیا کے خلاف فلسطین کی حفاظت
کرنے کے لیے مدد طلب کی تھی۔ افسوس اس وقت بھی اندلس کے حالات پر آشوب تھے اور
ہم اپنے اس بھائی کی کوئی خدمت نہ کر سکے تھے۔ ہم کل ہی یہاں سے اندلس کی طرف روانہ
ہوں گے۔“

پھر یعقوب المنصور کھڑے ہو گئے اور اپنے بیٹے اور حاجب عبداللہ بن یعقوب کی
طرف دیکھتے ہوئے انہوں نے کہا۔ ”عبداللہ! عبداللہ! قاضی عدید بن عروان کے قیام
و طعام کا بندوبست کرو۔ کل یہ ہمارے ساتھ ہی روانہ ہوں گے۔“ یعقوب المنصور مڑے اور
قصر الحجاز کے دوسرے حصے کی طرف چلے گئے۔



صلح الدین کی طرف ابو الحارث بن عبدالرحمن مدو کا پیغام لے کر یعقوب المنصور کے پاس
پاس آیا تھا۔ وہ ایک اعلیٰ درجہ کا شاعر اور نہایت ذہین اور قابل انسان تھا۔ اس نے بڑی
مہارت سے یعقوب المنصور جیسے فاضل اور باجروت کے سامنے کامیابی سے صلاح الدین
کا پیغام پیش کیا۔

ہوں گا۔ میں رات کے وقت الفانوی کی سرحدوں کے اندر چھاپے ماروں گا اور اس کا روانہ کے لیے خوراک اور ضرورت کی دوسری اشیاء حاصل کروں گا۔ میں ابھی یہاں سے —
 صریم کہتے کہتے رک گیا۔ کیوں کہ کاروان میں اس کا نائب سناہ اس کی طرف آ رہا تھا۔
 اس کے ساتھ ایک اور جوان بھی تھا جو صریم کے لیے اجنبی تھا۔ قریب آ کر سناہ نے اپنے ساتھی
 جان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے، یہ آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔

اس اجنبی جوان نے صریم سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔ میں اہل ایشیلیہ کی طرف
 سے آپ کے لیے خوراک اور ضروریات کا دوسرا سامان لے کر آیا ہوں۔ سامان کی یہ پہلی کھیپ
 ہے۔ اہل ایشیلیہ بڑی فراخ دلی سے آپ کے کاروان کے لیے عطیات جمع کر رہے ہیں۔ دو
 ایک روز تک اور سامان آپ کے کاروان میں لایا جائے گا۔

اس کے علاوہ آپ کے لیے ایک اور خوشخبری بھی ہے۔ امیر یعقوب المنصور اپنے لشکر
 کے ساتھ مراکش سے اندلس میں داخل ہو چکا ہے۔ ان کا ہر اول لشکر ایشیلیہ شہر کے جنوب
 میں خمیر زن ہوا۔ اب کاروان کے پاس اپنے خیمے تھے اور چند مفتول کی خوراک بھی ہو
 ابو کبریں۔ انہوں نے آپ کو بلایا ہے۔ تھوڑی دیر تک امیر یعقوب المنصور بھی اپنے لشکر
 کے ساتھ ایشیلیہ پہنچنے والے ہیں۔ میں ایشیلیہ کا محاسب ہوں۔ مجھے ہر اول لشکر کے سالار
 ابو کبر نے بلایا تھا اور میں ان سے مل کر آ رہا ہوں۔ وہ بڑی بے چینی سے آپ کا انتظار کر رہے
 ہیں۔ ان کے ساتھ شلب کے قاضی عید بن عروان بھی ہیں۔ انہوں نے بھی آپ کو فی الفور
 بلایا ہے۔

صریم نے اپنا گھوڑا کھولا اور قسطن کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ اے عم! میں تھوڑی
 دیر تک آتا ہوں، امیر یعقوب المنصور کا لشکر یہاں پہنچ گیا ہے۔ انہوں نے مجھے بلایا ہے۔
 صریم ایشیلیہ کے محاسب اور سناہ کے ساتھ مہر لیا۔ صریم جب اپنے کاروان کے
 جنوب میں آیا تو اس نے دیکھا وہاں اشیاء خوردنی، مکبلوں اور خیموں کے ڈھیر لگے ہوئے
 تھے۔ کھانے کی اشیاء اس قدر تھیں کہ وہ کاروان کے لیے کم از کم تین ماہ کے لیے کافی تھیں۔ صریم
 کے ہونٹوں پر گہری مسکراہٹ بکھر گئی اور اس نے سناہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ سناہ!

مہمانوں کا وہ کاروان جس کی حفاظت صریم بن طریف کر رہا تھا، ایشیلیہ شہر
 شمال میں خمیر زن ہوا۔ اب کاروان کے پاس اپنے خیمے تھے اور چند مفتول کی خوراک بھی ہو
 پھر بھی صریم کا روانہ کے لیے فکر مند تھا کہ چند یوم بعد جب خوراک کا ذخیرہ ختم ہو جائے گا
 کاروان کو پھر دشواری اور بے چارگی کا سامنا ہوگا۔

دوسرے روز صبح کے بعد جب قسطن اور فوطہ اپنے خیمے سے باہر چلے
 کے الاؤ کے پاس بیٹھے تھے اور فوطہ شام کا کھانا تیار کر رہی تھی، صریم خیمے کے اندر
 وہ اپنے جنگی لباس میں تھا اور پوری طرح مست تھا۔ اس کی طرف دیکھتے ہوئے قسطن
 دودھ مندی سے پوچھا۔ کہاں جا رہے ہو بیٹے!

صریم نے دودھ میں ڈوبی اور بھاری آواز میں کہا۔ اے عم! اس کاروان میں ہزار
 عورتیں، بوڑھے اور بچے ہیں جو مجھے اپنی تمام تر توجہ کا مرکز سمجھتے ہیں۔ کاروان میں ادب
 کی خوراک باقی نہیں۔ جب وہ بھی ختم ہو گئی تو کاروان کی حالت قابلِ رحم ہوگی۔ قبل از
 یہ کاروان بھوک و افلاس اور بے بضاعتی کا شکار ہوئے ہیں پہلے ہی اس کی بہتری کے
 کچھ کر لینا چاہتا ہوں۔ میں اپنے پانچ ہزار مسلح ساتھیوں کے ساتھ بھی یہاں سے

سنا رہا تھا! تم یہ سامان لانے والے سارے جوانوں کے ساتھ مل کر ساری چیز کا روان میں بازو دو۔ میں امیر منصور کے ہراول شکر میں جاتا ہوں۔ میں نے پہلے ارادہ کیا تھا کہ میں اپنے ساتھ ان کے ساتھ الفانسو کی سرحدوں کے اندر گھس کر پھلے ماروں گا اور کاروان کے لیے غلامی ضروریات پوری کروں گا۔ پر اب اس کی ضرورت نہیں رہی، صریم اپنے گھوڑے پر سوار ہوا اور جنوب کی طرف بڑھ گیا۔

صریم ایشیہ شکر کے جنوب میں خمیر زن امیر یعقوب المنصور کے ہراول شکر میں داخل ہوا۔ لشکریوں سے پوچھتا ہوا وہ ہراول کے سالار ابوبکر کی ابوکر کے خیمے کی طرف بڑھا۔ یہ امیر منصور کے وزیر بھی تھے خیمے سے باہر پہرہ دینے والے جوان سے صریم نے جب اپنا نام کہا اور ابوبکر سے ملنے کی خواہش ظاہر کی تو وہ بھاگتا ہوا خیمے کے اندر چلا گیا اس کا ایک دوسرا ساتھی بھی تیزی سے آگے بڑھا اور صریم کا گھوڑا لے کر اس نے ایک طرف باندھ دیا۔

تھوڑی دیر بعد خیمے کے دروازے پر دو آدمی نمودار ہوئے۔ ان میں سے ایک لشکر کے قاضی عدید بن عروان اور دوسرے ہراول کے سالار ابوبکر تھے۔ صریم نے دیکھا وہ اچھے تھے لیکن قد کاٹھ میں لمبے، خوب مضبوط اور توانا لگتے تھے۔ داڑھی سفید و سیاہ تھی اور اپنے پورے جنگی لباس میں تھے۔

ابوبکر نے اپنے دونوں بازو پھیلاتے ہوئے صریم کی طرف دیکھتے ہوئے کہا: "امیر میری قوم کے فرزند عزیز! تم یوں اجنبیوں اور پردیسوں کی طرح میرے خیمے سے باہر کیوں کھڑے ہو۔ قاضی عدید تمہاری اس قدر تعریف کر چکے ہیں کہ تم سے ملنا بھی اب ایک سعادت محسوس ہو رہا ہے۔"

صریم بھاگ کر آگے بڑھا اور ابوبکر سے بغل گیر ہو گیا۔ بعد میں وہ قاضی عدید عروان سے ملا۔ پھر وہ دونوں اسے خیمے کے اندر لے گئے۔

خیمے میں بیٹھ کر وہ کسی گفتگو کا آغاز کرنا ہی چاہتے تھے کہ باہر شکر میں قمر نے نرسنگوں کی آوازیں گونجنے لگی تھیں۔ ابوبکر فوراً اٹھ کھڑے ہوئے اور صریم کی طرف دیکھا۔

انہوں نے کہا: "امیر منصور اپنے لشکر کے ساتھ پہنچ گئے ہیں۔ یہ قمر نے ان ہی کی آمد پر یکے جا رہے ہیں۔"

تینوں خیمے سے باہر نکل کر جنوب میں آئے۔ انہوں نے دیکھا امیر منصور کا لشکر قریب تھا۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے لشکر وہاں پہنچا اور اپنے ہراول کے ساتھ خمیر زن ہونے لگا تھا۔ لہذا اور قاضی عدید، صریم کو لشکر کے اندر لے گئے جہاں امیر منصور اپنے لشکر کو خمیر زن نے متعلق ہدایات دے رہے تھے۔

ابوبکر اور قاضی عدید کو دیکھتے ہی وہ اپنے گھوڑے سے اتر گئے اور باری باری ان دن کے علاوہ انہوں نے صریم سے مصافحہ کیا۔ وہ سوالیہ کیفیت میں صریم کی طرف دیکھ رہے تھے کہ ابوبکر نے برکتے ہوئے کہا۔

"اے امیر! یہ صریم بن طریف ہے، وہی صریم بن طریف جس کی تعریف قاضی دیکرتے رہے ہیں۔"

امیر منصور چند ساعتوں تک بڑی شوق اور مسکراہٹ میں صریم کی طرف دیکھتے رہے انہوں نے آگے بڑھ کر صریم کو اپنے ساتھ لٹاتے ہوئے کہا: "اے اندلس کے فرزند مہربان! تم نے الفانسو اور سینکو کے ہاتھوں بے گھر

نے والی عورتوں کی عصمت کی حفاظت اور بوڑھوں، بچوں کی جان کی حفاظت کر کے سے دل میں اپنے لیے ایک بیٹے جیسی محبت اور شفقت پیدا کر لی ہے۔

اسے طریف کے بیٹے! تم اپنے کاروان پر حملہ آور ہونے والے دشمن کو باؤلے کی طرح مار مار کر قتل کر رہے۔ خدا کی قسم! مایوسی کے اس اندھیرے میں تم نے اپنی ن آشام تلوار سے جو اپنے مسلمان بھائی بہنوں کی حفاظت کی، میرا مران اور باخرب میں اس کا کردار کا صلہ ضرور دے گا۔ شاید الفانسو اور سینکو نے یہ سمجھ لیا تھا کہ اندلس کے مخالف کا کوئی پڑمان حال نہیں۔ یہ ان کی بھول تھی۔ ہم اپنے رب کی نصرت کے ساتھ ان مایوسی کی گھٹا اور تلوار کی تیزی بن کر انہیں مسلم علاقوں کی طرف بڑھنے سے روکیں، اسے طریف کے فرزند عزیز! یہ تو کہو تمہارا کاروان اس وقت کہاں ہے؟

صریم نے کہا - "اے امیر محترم! میرا کاروان اشبیلیہ شہر کے شمال میں خیمہ زار قدرت نے ہماری خوب مدد کی، میرے کاروان کے پاس کوئی خیمہ نہ تھا اور خوراک بڑی تھی، اس وقت اشبیلیہ کی طرف آنے کے لیے ہم دریائے آند کے کنارے پڑاؤ کیے ہوئے صریم نے فلاں لڑک کر کہا - اچانک رات کے پہلے جھٹے میں میرے کچھ ساتھی بڑے دشمن کا ایک دس ہزار کا لشکر شمال میں دریائے کنارے خیمہ زن ہے - ان کے پاس ہم خوراک کا بہت بڑا ذخیرہ تھا - وہ رات کے پچھلے جھٹے میں ہم پر شب خون مار کر ہماری عورتیں چھین کر لے جاتا چاہتے تھے لیکن میں نے ان کے اس کمرہ عزم کو پورا میں نے رات کے پہلے جھٹے میں ہی اپنے تین ہزار جانوروں کے ساتھ آگ بھڑک ہم نے دشمن کے دس ہزار لشکریوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا - ان سے ہمیں اپنے خیمے اور خوراک کی ایک بڑی مقدار ہاتھ میں لگی، جو اب میرے کاروان کے ساتھ ہیں - کاروان کے لوگ جہاں سخت سردی میں پہلے کھلے آسمان تلے گزارہ کرتے تھے اب وہ اپنے اپنے خیموں میں رہتے ہیں - میں نے ارادہ کر لیا تھا کہ لفافہ نوکی سر اندر چھاپے مار کر کاروان کے لیے خوراک کا انتظام کرتا رہوں گا - لیکن اہل اشبیلیہ ایسا نہیں کرنے دیا اور انہوں نے اپنے بے گھر بھائیوں کی خوب مدد کی ہے - آپ آگئے ہیں تو میں ایک طرح سے مطمئن اور بے فکر ہو گیا ہوں -"

امیر منصور نے درمندی سے کہا - "اگر اہل اشبیلیہ ایسا نہ کرتے تو انہیں اس جرم کی سزا دیتا -"

امیر منصور کا خیمہ نصب ہو گیا تھا لہذا وہ صریم، ابو بکر اور قاضی عبدیہ اپنے خیمے کی طرف چلے گئے تھے -



سورج غروب ہو چکا تھا - فضاؤں میں تاریکی کے گہرے سائے پھیل چکے تھے صریم امیر منصور سے ملنے کے بعد جب اپنے خیمے کے پاس آیا تو اس نے دیکھا وہاں

کے پاس فوطہ لٹائی بیٹھی تھی - صریم اس کے پاس آ کر بیٹھ گیا اور جی مگر ہمدردی میں ڈوبی اڑ میں اس نے پوچھا - "عم کہاں گئے ہیں؟"

فوطہ نے ایک پیار بھری میٹھی نگاہ صریم کے چہرے پر ڈالی پھر اس نے اپنی تھوڑی آواز کہا - "اشبیلیہ سے کچھ اور سامان آگیا تھا اس کی تقسیم کے لیے سنعار انہیں بلا کر لے گیا ہے سامان آپ کی موجودگی میں آیا تھا اس میں سے ہم تینوں کا حصہ سنعار ہمارے جیسے میں رکھوا ہے - اس سامان میں شہد، گھی، زیتون، کاتیل، پنیر، انجیر، گندم کا آٹا، شہر، شکر اور کھانے دیگر اشیاء کے علاوہ تو شک، مکمل اور گرم چادریں شامل ہیں -"

صریم نے اٹھتے ہوئے کہا - "تم یہیں الاؤ کے پاس ہی بیٹھو، میں عم کو ساتھ لے کر ہوں -"

فوطہ نے تڑپ کر کہا - "آپ بیٹھیے! عم سارا کام نپٹا کر آئیں گے - آپ پہلے کھانا میں پھر کہیں جائیں -"

صریم نے کہا - "عم کے آنے پر کھٹے بیٹھ کر کھاتے ہیں -"

فوطہ نے پیار سے کہا - "میں انہیں کھانا کھلا چکی ہوں -"

صریم دوبارہ الاؤ کے پاس بیٹھ گیا اور کہا - "اچھا لاؤ کھانا -"

فوطہ کلارچ بھرنے والی ہرنی کی طرح اٹھی اور کھانے کی ساری اشیاء بھاگ بھاگ کر صریم کے سامنے رکھ دیں - پھر خود بھی اس کے پاس بیٹھتے ہوئے اس نے شہد بھری اڑ میں کہا - "کھائیے -"

صریم نے غور سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا - "تم بھی تو کھاؤ -"

فوطہ نے گہرے دل سے کہا - "میں بعد میں کھاؤں گی -"

صریم نے کھانے کی اشیاء پیچھے ہٹاتے ہوئے کہا - "تو پھر میں بھی تمہارے ساتھ میں کھاؤں گا -"

فوطہ نے مسکراتے ہوئے کہا - "اچھا میں آپ کے ساتھ کھاتی ہوں - دونوں الاؤ کے پاس بیٹھ کر خاموشی سے کھانا کھانے لگے تھے -"

کھانے کے بعد فوطہ نے برتن سمیٹ لیے اور دوبارہ صریم کے پاس آکر بیٹھ گیا۔ دونوں چند ثانیوں تک خاموش رہے پھر صریم نے اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا: "فوطہ! تم اس خیمہ دار زندگی سے بیزاری تو نہیں محسوس کر رہی ہو۔ کاش اس بے سُر کی حالت کے بجائے تم شلب میں میرے پاس آتیں تو میں تمہیں کسی شے کی کمی محسوس نہ ہو۔ صریم چند ثانیوں تک خاموش رہا پھر اس نے ڈوبتی آواز میں کہا:۔

"شلب میں دشمن کے ہاتھوں اپنا سب کچھ لٹا چکنے کے بعد میں اپنے متعلق کسی خوش فہمی میں مبتلا نہیں ہوں۔ میرے سامنے فی الحال ڈوبتے سورج کی آواز نکال رہی جیسی تاریکیاں ہیں تاریکیاں ہیں۔ افانسا اور سینک کے ساتھ شاید اب ہماری صبر آنا جنگوں کی ابتداء ہو جائے۔ ایسے منجمد اور بے کیف ماحول میں شاید تم یہ محسوس اپنے باپ سے جدا ہو کر تم نے میری طرف آنے کی غلطی کی ہے۔ کاش میں اس حالت کے لوگوں کے بے گھر ہونے سے قبل ہی طوفانوں میں گھری ان کی کشتی کو بچاتا اور اس کے ہر سانس کی دشمن سے قیمت وصول کر سکتا۔ کاش میں۔۔۔" اس کی آواز ڈوب

فوطہ کی آنکھوں میں بے کسی کے آنسو بھر آئے تھے۔ پھر چند ساعتوں تک عجب نگاہوں سے صریم کو دیکھتی رہی پھر اس نے تمل یا التجا بن کر گھٹی گھٹی سی آواز میں کہا: "میرا باپ مجھے آپ سے منسوب اور حالات مجھے آپ کے حوالے کر چکے ہیں اس پر اور رضامندی بھی شامل ہے۔ اب آپ کی سلامتی ہی میری زندگی کا مقصد ہے۔ آپ ازل سے میرے دل میں بس رہے تھے اور میں آپ ہی کے لیے پیدا ہوئی تھی۔ فوطہ کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے اور اس نے مغموم مسکراہٹ میں کہا:

کے پاس آکر میں اپنی زندگی کی ساری کلفتیں بھول گئی ہوں۔ ہماری امید کی روشنی اور منزل ایک ہے۔ میں آپ کی تکلیفوں کی حسد دار ہوں کیونکہ اب آپ ہی میرا اثاثہ آخری امید اور میری لطیف و خوشگوار دھڑکنوں کی پونجی ہیں۔ مایوسی کی ان گھٹا آپ میرے خیمہ اسحر ہیں اب ہماری بقا مشترکہ اور ہمارے آلام سانچے ہیں۔ آئیے دیکھیں۔ خدا کی قسم یہاں آپ کے ساتھ رہتے ہوئے میں اپنے آپ کو دنیا کی خوشی

دل کی تصور کر رہی ہوں۔ کیا میرے لیے یہ کم سعادت ہے کہ میں اس جوان کی منسوب ہوں جس نے مسلمانوں کے اس کاروان کی حفاظت کی اور جو ایک سپاہیانہ وقار کے ساتھ دشمن پر ضرب لگانے کا فن خوب جانتا ہے۔ اس کاروان کی ساری لڑکیاں میری موجودہ حیثیت پر شک کرتی ہیں۔ کیا یہ امر میرے لیے خوشی اور اطمینان کا باعث نہیں۔ یاد رکھیے، میں اپنی خوشی سے آپ کو اپنی زندگی کا ساتھی چن چکی ہوں۔ آپ کی خوشی اب میری خوشی اور آپ کا غم اب میرا غم ہے۔

فوطہ کہتے کہتے رُک گئی کیوں کہ قسطوں آگیا تھا۔ وہ ان دونوں کے پاس آکر بیٹھ گیا اور صریم کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا: "کیا تم مراکش سے آنے والے لشکر سے مل آئے ہو؟" صریم نے کہا: "ہاں عم! میرے وہاں پہنچتے ہی امیر منصور بھی اپنے لشکر کے ساتھ وہاں پہنچ گئے تھے۔ ان سے بھی میری ملاقات ہوئی ہے۔ انہوں نے میری خوب حوصلہ اور عزت افزائی کی۔ قاضی عدید بھی وہیں تھے۔ میں نے انہیں اپنے ساتھ لانے کی کوشش کی لیکن امیر منصور نے انہیں اپنے پاس روک لیا ہے۔

امیر منصور اپنے لشکر کے ساتھ کل یہاں سے افانسا کی طرف کوچ کریں گے میں اپنے باغی ہزار ساتھیوں کے ساتھ بھی ان میں شامل ہوں گا۔ امیر منصور نے مجھے اپنے ہراول لشکر میں ابو یحییٰ ابو بکر کا نائب بنا کر رکھا ہے۔ سنا ہے سینکڑوں نے پرتگال کے سارے عساکر کو افانسا کی تحویل میں دے دیا ہے۔ وہ بذات خود جنگ میں حصہ تو نہ لے گا لیکن اس نے اپنی ساری قوت افانسا کے سپرد کر دی ہے۔ ہمارا خدا ہمارے ساتھ ہے وہ ہماری مدد کرے گا۔"

قسطوں نے بڑے پیار سے کہا: "صبح تم نے کوچ کرنا ہے تو پھر اٹھ کر رام کو لو۔ تینوں آگ کے الاؤ کے پاس سے اٹھو اور اپنے خیمے کے اندر چلے گئے تھے۔



افانسا کو بھی امیر منصور کے آنے کی اطلاع ہو گئی تھی۔ لہذا وہ اپنے اور سینکڑوں کے

کے حضور میں سجدہ ہو گئے پھر وہ بڑی رقت، بڑی عاجزی سے دعا مانگ رہے تھے۔

”رب عظیم! میں تیرا عاجز و گنہگار بندہ تیرے حضور میں سجدہ ہوں۔ اگر میرے خون سے اندلس کے مسلمانوں کی آبیاری ہو سکتی ہے۔ تو میرے مولیٰ میں حاضر ہوں۔“

پھر امیر منصور بیٹھ گئے اور دونوں ہاتھ پھیلا کر وہ بڑی دردمندی اور وجد میں کہہ رہے تھے۔

”مولیٰ کریم! میں یہ چالیس ہزار نفوس اندلس میں تیرے نام کو بلند کرنے کی خاطر لایا ہوں۔ اگر انہیں تو نے سرفراز نہ کیا تو اندلس کے اندر مسلمانوں کے تار تار دامن کو کون نیچے گا۔ پھر ہڈی استخوانوں کے اوراق کون اکٹھے کرے گا۔ سر بہ بندہ عصمتوں کی کون حفاظت کرے گا۔ آگ اور خون کے اس طوفان کے سامنے کون تیرا عظیم نام لے کر کفارہ ادا کرے گا۔“

اے میرے رب! مجھے توفیق دے کہ میں دشمن کی یلغار اور اس کے اس سیلاب کے ریلے کو روک دوں۔ میں تیرے سامنے اپنی عاجزی اور اپنے آنسوؤں کی پونجی پیش کرتا ہوں۔ اسی سر زمین میں تو نے کشتیاں جلانے والے رحل عظیم کو اپنی مدد سے فتح عطا کی۔ اسی سر زمین میں تو نے امیر یوسف بن تاشقین کو اپنی نصرت دے کر کامرانی سے ہم کنار کیا۔ مجھے بھی ہمت دے کہ میں اپنی بھیڑوں کی گلہ بانی کوسں ڈھکی چھپی کا ناخدا بن کر اسے سہارا دوں اور تیرے نام کے سہارے اپنی قوم کی سطوت کے ایوان استوار کر دوں۔

رب عظیم! اس شر و غلہ اور پُر آشوب وقت میں دفاع کی آخری امید لے کر تیرے سامنے حاضر ہوں۔ مسلمانوں کی تالیفِ قلوب کراؤ مجھے ہمت دے کہ میں اس شورشِ پشت کو مار بھگاؤں۔ الہی توارحم الراحمین ہے میری مدد فرما۔ (آمین)

متحدہ لشکر کو لے کر نکلا۔ اس لشکر کی تعداد چار لاکھ تھی اور افانسو نے ارادہ کر لیا تھا کہ قدر بڑے لشکر کی مدد سے وہ مسلمانوں کو اندلس سے ہمیشہ کے لیے نکال دیگا۔

افانسو اپنے لشکر کے ساتھ شہرِ طلمیٹوس کے قریب دریائے آنہ کے قریب اناہوار میدان میں خیمہ زن ہوا۔ جنگ کے لیے یہ میدان اس نے خود چنا تھا۔ مسلمان میدان کو فحش الجہیدہ اور عیسائی الارک کا نام دیتے تھے۔ افانسو کو اس میدان میں مسلمانوں کے ساتھ جنگ کرنے کا یہ فائدہ تھا کہ جہاں وہ اپنے لشکر کے ساتھ میدان میں خیمہ زن اس میدان سے پیچھے ہٹاڑ کے اوپر الارک کا نام کا ایک بہت بڑا اور مضبوط قلعہ تھا۔ افانسو ضرورت کے وقت اس قلعے میں پناہ بھی لے سکتا تھا۔

امیر منصور کو جب افانسو کے میدان الارک میں خیمہ زن ہونے کی اطلاع انہوں نے بھی تشبیہ سے الارک کا رخ کیا اور عین افانسو کے لشکر کے سامنے خیمہ ہوئے۔ کچھ مسلمان دشمن کی زبردست جمعیت اور جنگی ساز و سامان دیکھ کر مرعوب تھے کیوں کہ چار لاکھ دشمن کے سامنے ان کے لشکر کی تعداد کل چالیس ہزار تھی۔ دوپہر کے وقت امیر منصور الارک کے میدان میں خیمہ زن ہوئے تھے اور قریب افانسو نے صفیں درست کر کے جنگ کی تیاریاں شروع کر دیں۔ شاید وہ کو آرام کرنے کا موقع فراہم نہ کرنا چاہتا تھا۔

امیر منصور نے بھی اپنے لشکر کی صفیں درست کیں۔ قلب انہوں نے رکھا۔ ہراول لشکر ابو یحییٰ ابو بکر کو دیا اور صریم کو اس کا نائب رکھا۔ مینہ کا سردار بیٹے اور حاجب عبداللہ بن یعقوب کو بنایا اور میسرہ کی کمان امیر منصور کے چچا بن یوسف کے ہاتھ میں تھی۔

جنگ شروع کرنے سے قبل امیر منصور الارک کے میدان کی چھری زمین پر

آج کل اس قلعے کا نام سانتہ مار یہ ہے اور یہ اسپین کے ضلع کلتراما میں ایک مشہور تار سوادری ال سے سات میل جنوب مغرب میں ایک چوٹی پر واقع ہے۔

و غاتم کر کے امیر منصور اٹھ کھڑے ہوئے۔ ان کا دامن ان کے آنسوؤں سے تھا۔ ان کی حالت دیکھ کر ان کے لشکریوں پر رقت اور ایک نیا جذبہ و جوش طاری ہوا۔ امیر منصور اپنے قریب کھڑے ابو بکر، مریم، عبداللہ اور عبدالرحمن سے کچھ کہنے ہی دارا دشمن کی طرف سے ایک ٹپلہ اپنا گھوڑا دوڑاتا ہوا میدان میں آسرا اور اپنی تلوار نضا کر کے اس نے مسلمانوں کو مقابلے کے لیے للکارا۔ اسلامی لشکر سے کئی جوان اپنے دوڑتے ہوئے باہر نکلے اور اس غرض سے امیر منصور کے گرد جمع ہو گئے کہ اس ٹپلے کرنے کی اجازت حاصل کریں۔

مریم بھی اپنے گھوڑے کی باگ تھامے امیر منصور کے سامنے آیا اور کہا: اب مجھے اجازت دیجئے کہ میں اس ٹپلے کے مقابلے کے لیے میدان میں آؤں۔ میں ان جنگی آداب سے خوب واقف ہوں۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اس ٹپلے کے مقابلے کو مایوس نہ کروں گا۔

امیر منصور نے مسکراتے ہوئے کہا: جاؤ خدا تمہارا حامی اور مددگار ہوگا۔ مریم اپنے گھوڑے پر سوار ہوا اور اسے ایڑ لگا کر میدان کے وسطی حصے کو دوڑا دیا تھا۔ لشکر کے اندر سے جو جوان نکلے تھے وہ اپنی اپنی جگہوں پر چلے گئے تھے۔ جو نبی مریم نزدیک گیا، اس ٹپلے نے جو سر سے پاؤں تک لوہے میں چھپا ہوا دیکھا نہ تاؤ اور اپنے گھوڑے کو ایڑ لگا کر اس نے مریم پر حملہ کر دیا تھا۔ مریم نے اپنی ڈھال پر روک کر جوابی حملہ شروع کر دیا تھا۔

اس ٹپلے سے جنگ کرتے ہوئے مریم نے اپنے گھوڑے کی باگ زور سے کھینچ دیا۔ ساتھ ہی اسے ایک سخت ہمیز لگائی گھوڑا بڑی طرح سے سیخ پا ہو کر آگے بڑھا اور گھوڑے کی گردن کا بالائی حصہ اپنے منہ میں لے کر گھوڑے کو بڑی جھنجھوڑنا اور کاٹنا شروع ٹپلہ کا گھوڑا بڑی طرح مریم کے گھوڑے کی گرفت میں آ گیا تھا اور بار بار اپنا توازن کھو لگا تھا۔ ٹپلے نے انتہائی کوشش کی کہ مریم کے گھوڑے کو تلوار مار کر اپنے گھوڑے کی نیکن وہ ایسا نہ کر سکا کیونکہ مریم اس پر انتہائی ہلک وار کر رہا تھا جو کبھی وقت بھی اس

نام ثابت ہو سکتے تھے۔ مجبوراً اس ٹپلے نے گھوڑوں کو اپنے حال پر چھوڑا اور مریم سے دفاع کرنے کے ساتھ ساتھ وہ جارحیت کا مظاہرہ بھی کر رہا تھا۔

اچانک مریم کے گھوڑے نے ٹپلے کے گھوڑے کو بڑی طرح جھنجھوڑ کر زمین پر ادا۔ ٹپلے بھی پتھر ٹلی زمین پر گر گیا لیکن جلد ہی اٹھ کھڑا ہوا اور مقابلہ کرنے کے لیے مستعد ہوا تھا۔ مریم بھی اپنے گھوڑے سے کود گیا اور ٹپلے کی طرف بڑھا۔

دونوں نے پھر ایک دوسرے پر جان لیوا حملے شروع کر دیئے تھے۔ اچانک مریم تلوار کندی اور ٹپلے کے خود سے ٹکراتی ہوئی نذر گئی۔ اس ٹکراؤ میں ٹپلے کا خود اس کے سرے زمین پر گر گیا۔ ٹپلے وقتی طور پر کچھ بوکھلا گیا تھا۔ تاہم اس نے اپنا دفاع جاری رکھا۔ قاتل مریم کی تلوار پھر لڑاتی ہوئی کندی اور پہلے کی طرح ٹپلے کے سر کی طرف بڑھی۔ ٹپلے اپنا سر ڈھال کی آڑ بنا کر محفوظ کر لیا لیکن برق رفتاری سے مریم نے اپنے وار کا رخ بدلا۔ سر کی بجائے اس کی تلوار ٹپلے کی گردن پر گری اور اسے کاٹ کر خون میں نہلاتی چلی گئی۔ مریم اپنے گھوڑے پر سوار ہوا اور اپنے لشکر کی طرف چلا گیا۔

اسلامی لشکر میں ایک جذبے اور جوش کے عالم میں اللہ اکبر کی صدائیں اذیت تھیں۔ بچتے قاتلوں کی گونجیں بلند ہونے لگیں۔ مریم ابھی اپنے لشکر میں واپس بھی نہ پہنچا تھا۔ افغانوں نے عام حملے کا حکم دے دیا تھا۔

افغانوں کے لشکر میں ڈھول، بڑ باج، نقارے اور دوسرے ساز بج رہے تھے۔ قصد اپنے پامیل کو جوش دلانا تھا۔ لشکر کے وسط میں بڑے بڑے استغفار اور پادری تھے۔ جنگ میں برکت کی خاطر بڑی بڑی صلیبیں اٹھائے ہوئے تھے۔ اس طرح ایک طوفانی صورت ل افغانوں مسلمانوں پر حملہ آور ہوا تھا۔

افغانوں کے لشکریوں کے حوصلے اس قدر بلند تھے کہ وہ جوش و غضب کے عالم میں پکار پکار کر کہہ رہے تھے: ہم مسلمانوں کو پس کر رکھ دیں گے اور انڈس کے اندس ان کوئی نام کوئی نشان نہ چھوڑیں گے۔

اسلامی لشکر ابھی تک ساکن اور بے حرکت کھڑا تھا۔ لشکر کے قلب کے سامنے خود امیر

منصور تھے۔ ان کے دائیں طرف ہرا دل کے سامنے کچی ابو بکر اور صریح تھے ۴
اور میسرہ کے آگے عبداللہ اور عبدالرحمن کھڑے تھے۔

افانوا اپنے لشکر کے وسط میں اس جگہ تھا جہاں مذہبی لوگ بڑی بڑ
اٹھائے ہوئے تھے اور وہیں سے وہ جنگ کے احکامات جاری کر رہا تھا۔ جو
قریب آیا تو امیر منصور نے اپنی تلوار فضا میں بلند کی جس کے جواب میں اسلامی لشکر
پھیلنا شروع ہو گیا۔ تاہم انہوں نے اپنی گتھی ہوئی صفوں کی تنظیم خراب نہ
۸ شعبان المعظم ۵۹۱ھ (۱۸ جولائی ۱۱۵۵ء) کے روز یہ ہولناک
ہوئی۔ امیر منصور نے پہلے اپنے ہرا دل لشکر کو دشمن پر حملہ آور ہونے کا اشارہ کیا
ابو بکر کی سرکردگی میں ہرا دل لشکر افانوا کے لشکر کی اگلی صفوں پر ٹوٹ پڑا اور ما
اندر ہی ان کے نظم کو درہم برہم کے رکھ دیا لیکن اس سے کوئی فرق نہ پڑا کیوں
لشکر یوں کا ایک سمندر تھا جو امند تا جلا آ رہا تھا۔

اسی وقت امیر منصور کے اشارے پر اسلامی لشکر کے مینہ اور میسرہ ۱
میں پھیلتے ہوئے دشمن کے دائیں اور بائیں پہلو پر حملہ آور ہو گئے۔ ہرا دل کے
امیر منصور کا قلب رہ گیا۔ اچانک وہ خود بھی حرکت میں آئے اور اپنے قلب لشکر
وہ ہولناک جنگ کی ابتدا کرتے ہوئے اپنے میسرہ کی طرف بڑھنے لگے تھے۔

ہرا دل لشکر کی پشت خالی ہو جانے کے باعث سب سے زیادہ زوراً
کیوں کہ دشمن کے سارے لشکر کا رخ اسی طرف تھا۔ مسلمانوں کے مقدمہ الجیش
ان کی پیٹھ نگی ہے لہذا وہ بڑی جرات مندی اور جذب و جہاد میں دشمن کے
گئے تھے احسان کی پیش قدمی کو روک کر اس پر تیز و تند حملے بھی شروع کر دیئے تھے
اسی جدوجہد میں مقدمہ الجیش کے سالار اور امیر منصور کے وزیر ابو
دشمن کے خلاف مردانہ وار جنگ کرتے ہوئے شہید ہو گئے۔ اب مقدمہ الجیش
صریح بن طریف نے سنبھال لی تھی۔

یعنی ابو بکر کے گھوڑے سے گر کر شہید ہو جانے سے مسلمان مجاہدوں پر

دوران میں سے کچھ جنگ سے جی چرانے لگے تھے۔ اچانک مرموم دشمن سے جنگ کرتا ہوا اپنے
بڑا الجیش کے وسط میں آیا اور اسے مخاطب کرتے ہوئے اپنی کرکٹی گویا کئی آواز میں کہا۔

”ہجوم کے گناہ مجاہدو! تم ہی وہ لوگ ہو جو قوموں کی آزادی کی تاریخ
اور سطوت کی داستانیں اپنے لہو سے لکھتے ہو۔ اس وقت دشمن ہماری
زد میں ہے۔ اس موقع پر اگر ہم نے جی چلایا یا جنگ سے منہ پھیرا تو حشر
کے روز کیونکر اپنے رب کا سامنا کر سکیں گے۔ اپنی گتھی صفوں میں خم
اور زخم نہ آنے دے اور دشمن کے ہر وار کو اپنے اندر حل اور ضم کرتے
چلے جاؤ۔“

میرے عزیز و پرشکوہ ساتھیو! گریز و بچاؤ کو پس پشت ڈال دو
بے روک آندھی اور بے تحاشہ طوفان بن کر دشمن کے سر پر کھیل جاؤ۔
تم اس قوم کے افراد ہو جس نے طوفانوں سے بڑے اور بحلیوں سے کھیلنے
کی ابتدا کی تھی۔ آؤ! میرے ساتھ آؤ کہ دشمن کے اس رسن و دار
اور شر و خباثت میں سرخرو ہو کر نکلیں۔ دشمن سے اس کے گناہوں کا
حساب لیں۔

آؤ میرا ساتھ دو کہ اپنی ملت کی فلاح اپنی قوم کی عظمت کے لیے دشمن
کے سینے میں زہر آلود خنجر بن کر اتر جائیں۔ خدا ہر شے کو دیکھ رہا ہے
آؤ اپنے رب کے مقدس نام کا نعرہ ماریں اور دشمن کی صفوں کے
اندر انتشار اور بے چینی مچیلادیں۔“

مرموم بن طریف کے الفاظ کا مقدمہ الجیش پر خاطر خواہ اثر ہوا۔ مسلمان مجاہدین
سکون مند سے ایک طوفان کی شکل اختیار کر گئے تھے۔ ہر طرف ہر سوا لشاکہ کی بلند آوازیں
اُٹی دینے لگی تھیں اور ہرا دل لشکر ایک نئے جذبے ایک انوکھے جوش میں دشمن کی صفوں کے
درجہ دار اور سرسبکی پیدا کرنے لگا تھا۔ عین اسی وقت امیر منصور اپنے میسرہ کی مدد کرتے ہوئے
ہر لشکر کے دشمن کے پیچھے چلے گئے اور پھر انہوں نے پشت کی طرف سے اس زور کا حملہ

لیا کہ دشمن کی قوت کو بری طرح اندھیر کر رکھ دیا تھا۔

جس وقت مقدمہ لائیش صریح کی سرکردگی میں کمبریوں جبر کرتا ہوا دشمن کے لگا تھا، مسلمانوں کا سینہ اور میسرہ بھی ان کی کمبریوں کے جواب میں اللہ اکبر بجاتے ہر پورے دلوں اور انتقام میں افغانوں کے لشکر پر حملہ آور ہو گئے تھے۔ چاروں طرف ایک شورش مچ گیا تھا۔

مسلمان مجاہدین ہر سمت سے شاہینوں کی طرح اُٹ اُٹ کر حملہ آور ہو رہے۔ بدو، اعرابی، صحرائین، بربر اور ترک ہونا بھول گئے تھے۔ صرف ایک مسلمان کی غیرت وہ اپنی انفرادیت کو اجتماعیت میں بدل کر دشمن کے سامنے ایک اکائی بن کر کھڑے ہوئے۔ چاروں طرف بلند ہونے والی اللہ اکبر کی صداؤں کے اندر دشمن کے سپاہ پر جھج و پکار لمحہ بہ لمحہ بلند اور زیادہ ہوتی جا رہی تھی۔ مسلمان سوار سناتے تیروں کی طر: گھوڑوں پر جنگ میں تیزی سے کاڑے کاٹ کاٹ کر ہر طرف ناویدہ و ناخندہ وحش لڑنے لگی کرتے لگے تھے۔

سردی کے باوجود گھوڑے پسینے میں بھیگ رہے تھے۔ فضا میں بوجھل تھیر خاموش تھا۔ مسلمان ایک دوسرے کی پکار پر لبیک کہہ رہے تھے اور جواگر گھئی کا دھانہ بڑا اپنی آخری ضربوں پر اتر گئے تھے۔

افغانوں نے مسلمانوں کے اس حصار کو توڑنے کی انتہائی کوشش کی لیکن اُسے ناکام۔ مسلمان اب اس کے سامنے تلے کی طرح سخت اور طوفانی باد و باران کی طرح خطرناک تھے۔ افغانوں کا لشکر مسلمان مجاہدین کے ہاتھوں کٹا رہا اور وہ بڑی بے بسی سے دیکھتا چالیں ہزار نے چار لاکھ کو کاٹ کاٹ کر اب ان کی تعداد اپنے آپ سے بھی کم کر دی۔ افغانوں کے لشکر کی اپنی جائیں بچانے کی خاطر اب ادھر ادھر بھاگنے لگے تھے۔ ان کی شنا اب واضح اور صاف ہو گئی تھی۔

جب سورج غروب ہو گیا اور اندھیرا پھیلنے لگا تو افغانوں میں ان جنگ کٹر ہوا اور اپنی پشت پر پہاڑ کے اوپر الارک کے قلعے میں جا کر محصور ہو گیا۔

جنگ میں مسلمان پوری طرح فتح مند اور سرخرو ہو کر نکلے تھے۔

اس لڑائی میں افغانوں کے ایک لاکھ چھیالیس ہزار سپاہی مارے گئے۔ تیس ہزار مسلمانوں انھوں قید ہوئے۔ زخمیوں کی تعداد اس کے علاوہ تھی۔ جب امیر منصور نے افغانوں کے قبضہ کیا تو وہاں سے ڈیڑھ لاکھ خیمے، چار لاکھ گدھے، ایک لاکھ خچر، اسی ہزار گھوڑے، ستر غنٹ وضع کے زرو بکتر اور اس کے علاوہ ہزاروں کی تعداد میں تلواریں اور دوسرا سامان ہاتھ لگا۔ خوراک کے سامان کے علاوہ زرو جواہر کے اس قدر ڈھیر تھے جن کا شمار نہ جاسکتا تھا۔

رات ہی رات اس مال غنیمت کا ایک حصہ امیر منصور نے اپنے لشکر میں تقسیم کر دیا۔ یہی کاس قدر مال غنیمت ملا کہ وہ آسودہ ہو گیا۔ مال غنیمت کی اس فراوانی سے اندلس عمان علاقوں پر خاطر خواہ اثر پڑا اور تمام ایشیا مستی ہو گئیں۔ ایک غلام ایک درہم میں نصف درہم میں، گھوڑا پانچ درہم پر اور گدھا ایک درہم پر فروخت ہونے لگا۔ جو ان مسلمانوں کے ہاتھ لگا اس سے بہرہ چلتا تھا کہ افغانوں نے مسلمانوں کے خلاف جنگ کرنے لیے کس قدر بھیاں تیار کی تھی۔

امیر منصور کو خبر ہو گئی تھی کہ الارک کے میدان سے بھاگ کر افغانوں نے اپنے بچے کچھے ہانکے ساتھ الارک کے قلعہ میں پناہ لے لی ہے۔ یہ قلعہ نہایت مضبوط اور سنگین پتھروں سے آباد رہی تفصیل کا تھا۔ امیر منصور نے رات ہی رات جنگل سے درخت کٹوائے اور صبح تک اسے قلعہ الارک میں افغانوں کا حصار توڑنے کی خاطر منجیقین بنالی تھیں۔

اگلے دن اس نے اپنے لشکر کو آرام کرنے کا موقع دیا۔ تاہم سہ پہر کے قریب امیر منصور اپنے لشکر کے ساتھ قلعہ الارک کی طرف کوچ کیا اور پہاڑ کے اوپر جا کر اپنے خیمے نصب کیے۔ نرسو قلعے کے چاروں طرف تیر انداز بٹھا دیئے تھے جو زہریلے تیروں کے علاوہ آگ لگانے

الارک نام کے قلعے اور میدان کے باعث یہ لڑائی جنگ الارک کے نام سے مشہور ہوئی۔ یہ جنگ دنیا کی خندہام ترین جنگوں میں شمار کی جاتی ہے۔

والے آنکشی تیروں سے بھی مسلح تھے۔

جب جنگ شروع ہوئی تو شروع میں ان تیروں سے مسلمانوں کا کچھ فرقہ لیکن اس کا سد باب کرتے ہوئے انہوں نے فوراً اپنے سامنے پتھروں کے مدد سے ان کے سامنے پتھروں کی دیواریں کھڑی کر لی تھیں اس طرح منجنیقوں پر کام کرنے والے دشمن پر تیر اندازی کرنے والے مسلمان پتھر کے مددوں اور دیواروں کے پیچھے محفوظ شام سے پہلے پہلے اسلامی لشکر نے بڑے بڑے پتھر برساکر قلعہ الارک کی بیرونی جگہ جگہ سے توڑ کر رکھ دیا تھا اور اس میں اس قدر بڑے بڑے سودا خ بن گئے تھے جو کئی کئی آدمی اکٹھے اندر جاسکتے تھے۔ افغانوں نے جو الارک کی بیرونی فصیل کو سہارہ بنوا تو اس نے اپنے لشکر کو اندرونی فصیل پر منتقل کر دیا۔

امیر منصور نے بھی اپنے لشکر کو آگے بڑھا لیا۔ اب انہیں پتھر کی دیوار اور مددوں کی ضرورت بھی محسوس نہ ہو رہی تھی اس لیے کہ پہلی فصیل کے طے کو ہی آڑکے استعمال کر رہے تھے۔ امیر منصور نے اس بار اس قدر تیز اور برق رفتاری سے اندر قلعہ کے اندر سنگ باری کر لی کہ افغانوں کے اوسان خطا ہو گئے۔

اس سنگ باری سے قلعہ کے اندر اس کے ہزاروں سپاہی مارے گئے اور غروب ہونے کے تھوڑی دیر بعد مسلمانوں نے دوسری فصیل بھی توڑ چھوڑ کر رکھ دی تو اپنی مکمل شکست تسلیم کرتے ہوئے رات کی تاریکی میں طلبہ شہر کی طرف بھاگ گیا۔



افغانوں کے بھاگ جانے کے بعد امیر منصور نے قلعہ الارک پر قبضہ کر لیا تھا۔ صریم بن طریف قلعہ کے اندر اپنے ہر اول لشکر کے ساتھ قلعہ سے حاصل ہونے والی اشیاء کے ڈھیر لگا رہا تھا کیونکہ افغانوں نے پیش بندی کے طور پر اس قلعہ میں خوراک اور اسلحہ کا ایک بڑا ذخیرہ جمع کر رکھا تھا۔ شاید وہ ان سے اپنے بڑے دنوں میں کام لینا چاہتا تھا۔

صریم بڑی طرح کام میں مصروف تھا کہ امیر منصور کے محافظوں میں سے ایک بھاگتا ہوا اس کے پاس آیا اور صریم سے کہا: اے امیر! آپ کو آقا منصور نے بلایا ہے۔ چند ثانیوں تک صریم اس محافظ کو غور سے دیکھتا رہا۔ پھر منہ سے کچھ کہے بغیر نہ چپ چاپ اس کے ساتھ ہو گیا تھا۔

امیر منصور فصیل کے قریب ایک منجنیق کے پاس کھڑے ایک اجنبی سے گفتگو کر رہے تھے جو اپنے چہرے اور شکل و شبہت سے فرانسیسی لگتا تھا۔ ان کے پاس مینہ کے سالار اور ان کے بیٹے عبداللہ بن یعقوب اور میسرہ کے سالار عبدالرحمن بن یوسف بھی کھڑے تھے۔

صریم جب وہاں پہنچا تو مشعلوں کی تیز روشنی میں امیر منصور کے پاس کھڑے اور

بقول علامہ عبدالحق احمد رکشی جو اس جنگ کے چشم دید مورخ ہیں۔ افغانوں کے ساتھ تیس سالہ ان فوج رہ گئے تھے۔ انہوں نے اس جنگ کو لکھا ہے کہ یہ ایک باتھی؟ اور اس کے لشکر پر نازل ہوئی۔

اُن سے گفتگو کرتے ایک فرانسیسی کو دیکھ کر چونکا۔ پھر وہ بھاگ کر گئے بڑھا اور اس فرنگی سے لپٹتے ہوئے اس نے بڑی ہمدردی سے پوچھا۔ ”آپ یہاں کب پہنچے؟“
وہ فرانسیسی اجنبی پُرسنگال کے بادشاہ سینکو کا جرنیل اس دور کا ایک نامور شہر اور صریم کی منسوب فوط کا باپ پیڈو فرنیڈز دی کاسٹرو تھا۔
کاسترونے بڑے پیار سے پہلے صریم کی پیشانی چومی پھر اس نے صریم کے کان پر کہا۔ ”میری بیٹی فوط کیسی ہے؟“

میں تم سے دُور رہ کر جنگ میں تمہاری کارکردگی دیکھنا چاہتا تھا۔ بخدا اس جنگ میں تم میری امیدوں سے بھی کہیں بڑھ کر ابھرے ہو۔“
صریم جواب میں کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ امیر منصور نے اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔
”طریف کے بیٹے! میں وہ الفاظ کہاں سے لاؤں جو تیری کارکردگی کی توصیف و تعریف میں پورے اور مناسب ہوں۔ گو جنگ سے قبل قاضی عدید بن عروان نے میرے سامنے تمہاری بہت تعریف کی تھی لیکن اس جنگ میں تم نے اپنی عملی زندگی کا مظاہرہ کیا ہے۔ گو انفرادی جنگ میں تمہاری شاندار کامیابی پر ہی میں تمہاری شجاعت کا معترف ہو گیا تھا۔“

امیر منصور نے چند ثانیوں تک غور سے دیکھا پھر وہ دوبارہ کہہ رہے تھے۔
”اس جنگ کے دوران جب ہراول کا سالار ابوبکر کام آگیا اور مجھے اس کی اطلاع ملی تو میں سخت فکر ہوا تھا۔ مجھے ڈر تھا ابوبکر کی غیر موجودگی میں ہراول شکر اپنا رواجی کردار ادا نہ کر سکے گا اور اس کی صفیں ویسی گتھی نہ رہ سکیں گی جیسی ابوبکر کی موجودگی میں ہوا کرتی تھیں۔ مجھے تم سے بہت سی امیدیں وابستہ تھیں لیکن تم چونکہ ہراول میں نہ تھے اس لیے میں طرح طرح کے اندیشوں کا شکار ہو گیا تھا۔ لیکن واللہ! تم نے کیا خوب ہراول لشکر کو سنبھالا تم ابوبکر سے بھی کہیں زیادہ پرجوش ثابت ہوئے۔ ہراول کے لشکر کے ساتھ تم نے ان کی آن اور ساعت کی ساعت ایک آفاق گیر قوت بن کر مردانہ وار جنگ و پیکار کی حکایات رقم کیں۔ دشمن کے ہتھکنڈے و آہن کے طوفان، آگ و خون کے ہيجان اور افواج کے سیلاب کے اندر تم نے جس اعتماد و اشتیاق کے ساتھ اپنی طوفانی یورش میں اس کی صفوں کو غیر آباد اور بے نظر کیا اس کی میں جتنی بھی تعریف کروں کم ہے۔ خدا کی قسم تم ان جوانوں میں سے ایک ہو جن کی تلوار اور جن کے حملوں میں قدرتِ فطرت کی پُراسرار قوتیں سمیٹ دیے ہیں۔ واللہ تم نے ہراول کو کیا خوب سنبھالا اور اپنے حملوں سے دشمن پر کیسی بے بضاعتی اور عبوری طاری کی۔ گو اس جنگ میں الفانسو کو تقدیر کے بدترین فوشتوں اور مجروح کن حقیقت کا سامنا کرنا پڑا ہے لیکن وہ فضول نہیں بیٹھے گا۔ اپنی اس شکست کا انتقام لینے کی خاطر وہ اپنی نئی تیاریوں کے ساتھ ہمارے سامنے آئے گا۔ ہمیں اس کے مکرو فریب اور چالاکی و خباثت سے ہر وقت

صریم نے کہا۔ ”وہ ہمارے پاس بہت خوش ہے۔“
کاسترونے پھر پیار سے پوچھا۔ ”بیٹے! میں نے اور قسطنطنیہ نے تم دونوں کا ایک دوسرے سے تعارف کر لے بغیر تمہیں ایک دوسرے سے منسوب کر دیا تھا۔ کیا تم نے باک دوسرے کی عادات کو پسند کیا ہے؟“
صریم نے کہا۔ ”فوط بہت اچھی لڑکی ہے۔ میرا بہت خیال رکھتی ہے۔ وہ عادی ہونے کے باوجود بھی خیمے میں ہمارے ساتھ خوش اور ہنسی خوشی رہتی ہے۔“
صریم نے اس بار علیحدہ ہوتے ہوئے پوچھا۔ ”آپ کب ہمارے لشکر میں شامل کاسترونے کہا۔“ میں اس جنگ سے قبل ہی اپنے چند جان نثاروں کے ساتھ منصور کی خدمت میں حاضر ہو گیا تھا۔ میری طرح میرے سب ساتھی بھی مسلمان ہو چکے ہیں صریم نے شکر کر کے انمازمیں پوچھا۔ ”اور آپ نے مجھ سے ملنا بھی گوارا نہ کیا؟“

کاسترونے کہا۔ ”یہ بات نہیں بیٹے! میں جب امیر منصور کی خدمت میں حاضر ہوا تو مجھے خبر ہوئے کہ تم ہراول لشکر کے نائب سالار ہو۔ میں سب سے پہلے تم سے ہی ملنا لیکن

بعض عیسائی مومنین کا یہ کہنا کہ اس جنگ میں کاسترونے اپنے جان نثاروں کے ساتھ مسلمانوں کو مدد کرنے کے علاوہ امیر منصور کو مفید نہ ہوئے بھی دیکھے اس سے زیادہ کوئی اہمیت نہیں رکھتا کہ ان مومنین نے مسلمانوں کی اس عظیم فتح کی اہمیت کو کم کرنے کی ناکام کوشش کی ہے۔

چوکنار ہمارا ہو گا۔

سے بدلہ نہ لوں گا۔ اس وقت تک پنگ پر نہ سوؤں گا۔ گھوڑے کی سواری نہ کروں گا اور ہر قسم کے عیش و آرام کو اپنے اوپر حرام جانوں گا۔

اس کے علاوہ الفانور نے قریبی عیسائی جنرلز اور یورپ کی عیسائی مملکتوں سے امیر منصور کے خلاف فیصلہ کن جنگ کرنے کے لیے امداد بھی طلب کی۔ اس کے علاوہ الفانور نے اپنے پادری بھی یورپی ملکوں کی طرف روانہ کیے۔ ان پادریوں نے یورپ کے قریب قریب اور حتیٰ بستی گھوم کر مسلمانوں کے خلاف مذہبی جہاد کے لیے لوگوں کو ابھارنا شروع کر دیا تھا۔ یورپی ممالک نے پادریوں کے اس مذہبی جہاد کا خاطر خواہ جواب دیا۔ اس لیے کہ یورپی ممالک کے لشکرا ب فارغ ہو چکے تھے کیوں کہ وہ اسلام کے شیر دل فرزند اور رحیل رشید سلطان صلاح الدین ایوبی سے فلسطین میں عبرت خیز اور ذلت آمیز شکست اٹھا کر اپنے اپنے ملکوں کو لوٹ چکے تھے۔ لہذا انہوں نے اپنی ساری توجہ اندلس پر دی اور اپنے لشکر انہوں نے امیر منصور کے خلاف فیصلہ کن جنگ کرنے کے لیے الفانور کی طرف بھیج دیا شروع کر دیے۔

الفانور خود بھی بڑی طرح تیاریوں میں مصروف ہو گیا تھا۔ اس نے بے شمار سامان حرب و ضرب جمع کرنا شروع کر دیا۔ اس کے علاوہ اس نے طلیطلہ کے قلعہ اور فصیل کے علاوہ دوسرے جنگی نوعیت کے قلعوں اور شہروں کی فصیلوں کو بھی مضبوط اور ناقابلِ تخریب بنا کر شروع کر دیا تھا۔ اس طرح وہ مسلمانوں کے خلاف اور بدی کی تکمیل کے لیے ایک اور جنگ کی تیاریاں بڑی تیزی اور سرعت کے ساتھ کرنے لگا تھا۔



مورج اپنی روشنی کے بیش بہا گنجینوں کی بساط کو سینٹا ہوا تفرنگ نامی میں غوطہ زن ہونے کو جھجک گیا تھا۔ فوطہ اپنے خیمے سے باہر آگ کے لاؤ کے پاس بیٹھی کھانا تیار کر رہی تھی کہ کاروان کے اندرونی حصے سے بڑھا قسطن تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا بلکے بلکے مسکراتے ہوا اس کی طرف آیا اور اس کے پاس آکھڑا ہوا۔ وہ بڑے پیار سے فوطہ کو دیکھتے ہوئے ابھی تک

مریم نے بڑے عزم اور استقلال کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ "یا امیر! طوفانِ فتنہ کے ان سایوں میں ہم اونگھتے انسانوں کی طرح حالات سے آنکھیں بند نہ کر لیں گے۔ ہم جگمگتے رہیں گے اور ہر محاذ پر اپنی انفرادی شجاعت کو اجتماعی کوششوں میں بدل کر ہمیشہ کو بینائی سے محروم اس گناہگار کی مار ماریں گے جس کے لیے آگ کا ایندھن بننے کا وقت آگامیر منصور نے کہا۔ "اب تم لوگ اپنے خیموں میں جا کر آرام کرو پھر امیر نے اپنے بیٹے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ عبداللہ! عبداللہ! لشکر کے کھانے اور آرام بندوبست کرو و لشکریوں کو کھوارم کریں۔ دشمن کا جو سامان رہ گیا ہے وہ کل سمیٹ لیا جائے گا اور سنو! لشکر کی حفاظت کے لیے آدھی رات کے لیے میمنہ سے اور آدھ رات کے لیے میسرہ سے پریدار مقرر کیے جائیں گے۔

عبداللہ وہاں سے چلا گیا۔ مریم نے امیر منصور کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ امیر! کیا میں محترم کا سترو کو اپنے خیمے میں لے جا سکتا ہوں؟ امیر منصور نے کہا۔ "طریف کے بیٹے! گو کا سترو اور اس کے ساتھیوں کو خیمے کیے جا چکے ہیں پھر بھی تم کا سترو کو اپنے ساتھ لے جا سکتے ہو۔" مریم نے مسکراتے ہوئے کا سترو کا ہاتھ تھام لیا اور اسے ساتھ لے کر وہاں چلا گیا تھا۔ دوسرے روز امیر منصور اپنے لشکر کے ساتھ شہلیہ کی طرف کوچ کر گئے تھے



الفانور نے جنگ الارک کی شرمناک شکست سے کوئی عبرت نہ کھٹی۔ اس کے بے انتقام کے جوش میں اس پر پاگل پن اور جنون طاری ہو گیا۔ طلیطلہ پہنچتے ہی اس نے انتہا غصے اور غضب کے عالم میں کمر اور ریش کو منڈوا ڈالا۔ پھر وہ طلیطلہ کے سب سے کلیسا میں گیا اور شہر کے کتھپ اور پادریوں کے ساتھ کھڑے ہو کر اس نے صلیب اٹھ قسم کھائی کہ جب تک جنگ میں مارے جانے والے لاکھوں عیسائی مقتولین کا سامنا

مسکرا رہا تھا۔

فوطہ نے سوالیہ کیفیت میں اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ ”اے عم! کیا بات ہے؟“
آج آپ خلاف معمول مسکرا رہے ہیں۔“

قسطون نے اس کے سامنے بیٹھتے ہوئے کہا۔ ”میں میرے لیے خوشخبری لایا ہوں بیٹی! صریم الفاسو کو ذلت آمیز شکست دینے کے بعد لوٹ آیا ہے۔ کاروان کے کچھ لوگ لشکر سے ہو کر ابھی ابھی لوٹے ہیں۔ تھوڑی دیر تک صریم بھی یہاں پہنچ جائے گا۔“

صریم کاسن کر فوطہ کے دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئی تھیں۔ اس کے چہرے پر خوشی کی ایسی تازگی اور روشنی پھیل گئی تھی جیسے آگ کا کوئی الاؤ کسی چٹان کے اوپر روشن ہوا۔ اس نے ارد گرد کی ہر شے کو روشن و منور کر دیا۔

صریم کے آنے کاسن کر حسین اور شوخ طرار فوطہ کی حالت خوشی میں ایسی ہو گئی تھی جیسے وقت کی تاریک آنکھوں کے غبار میں رات کے کسی مسافر کو اچانک اپنی منزل لگ گئی ہو۔

فوطہ نے اپنی خوشی کو دباتے ہوئے پوچھا۔ ”اے عم! کیا آپ نے شکر سے ہر آنے والوں سے پوچھا ہے کہ صریم کیسے ہیں کیا وہ انہیں دیکھ کر آئے ہیں؟“
قسطون نے فخریہ انداز میں کہا۔ ”وہ آئے دیکھ کر آئے ہیں۔ وہ صریم کے متعلق بڑی دلچسپ داستانیں سن کر آئے ہیں۔ وہ کہہ رہے تھے صریم نے الارک کی جنگ کی بات میں ایک انفرادی جنگ میں ایک خوشخوار ٹمپلر کو انتہائی ذلت کی موت مار کر اس پر فتح حاصل کی تھی۔“

اس کے علاوہ جنگ کے دوران امیر منصور کے ہرا دل لشکر کا سالار ابو بکر مارا تھا۔ اس کی جگہ صریم نے ہرا دل لشکر کی قیادت سنبھالی اور لحوں کے اند اس نے دشمن کے لشکر کی صفیں کی صفیں منتشر و پراگندہ کر کے رکھ دی تھیں۔ امیر منصور نے اب اپنے ہرا دل لشکر کا سالار مقرر کر دیا ہے۔

اے میری بچی! کیا تمہارے باپ نے تمہیں صریم سے منسوب کر کے صریح اور

نبیلہ نہیں کیا؟

شرم کے باعث فوطہ کا سر جھک گیا۔ چند ثانیوں تک وہ خاموش رہی پھر اس نے مدھم مدھم اور شرمیلی آواز میں کہا۔ ”اے عم! میں سمجھتی ہوں میں ان ہی کے لیے پیدا ہوئی ہوں۔ وہ میرے حسین سپنوں کی تعمیر اور حالات کے تاریک ماحولی سایوں میں میرے لیے روشنی اور مسرت کا مینار ہیں۔“

اے عم! میں اپنے باپ ہی نہیں آپ کی بھی احسان مند ہوں کہ آپ نے مجھے صریم سے منسوب کیا۔ میں ہمیشہ ان کا ساتھی ہونے پر فخر و سعادت محسوس کر رہی گی۔ لاش میں امن کے ساتھ ساتھ جنگ میں بھی اپنے اس ساتھی اور قوم کے مجاہد کی خدمت کر سکتی۔

بوہا قسطون فوطہ سے کچھ کہنے والا تھا کہ کاروان کا ایک جوان بھاگتا ہوا آیا اور فوطہ سے کہا۔ ”امیر سریم آگئے ہیں۔ ان کے ساتھ فوطہ بہن کے باپ کا ترو بھی ہیں۔“
فوطہ نے بے پناہ خوشی اور کسی قدر تعجب کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ ”ان کے ساتھ میرے باپ بھی آگئے ہیں۔ میرے لیے یہ کیسی خوشی کی گھڑی ہے کہ ایک ساتھ دو دو خوشیاں مجھے میسر ہو رہی ہیں۔“

قسطون نے اٹھتے ہوئے فوطہ سے کہا۔ ”فوطہ بیٹی! تم کھانا تیار کرو۔ میں ان دونوں کو لاتا ہوں۔“

فوطہ جلدی جلدی کھانا تیار کرنے لگی۔ قسطون اٹھ کر اس جوان کے ساتھ کاروان کے اندرون ہیچے کی طرف چلا گیا تھا۔

فوطہ آگ کے الاؤ کے پاس بڑی طرح کام میں مصروف تھی کہ قریب ہی سے کسی نے اسے سلام کہا۔ فوطہ نے جب چونک کر دیکھا تو اس کی پشت پر صریم کھڑا تھا۔ فوطہ فوراً شکر آگے سے ہاتھ جھاڑتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی اور شرماتے شرماتے اس نے کہا۔

”میں جنگ میں آپ کی فتح پر مبارک باد اور کاروائی میں واپسی پر آپ کو خوش آمدید کہتی ہوں۔ تھوڑی دیر قبل یہاں آگ کے الاؤ کے پاس بیٹھ کر مزے لے لے کر مجھے آپ

سم کدہ

یہ خوش ہوا ہے۔ اے میری بیٹی! کیا تو بھی یہاں خوش اور مطمئن ہے؟

فوطہ نے کاترو کے سینے پر اپنا سر رکھتے ہوئے کہا۔ اے میرے باپ! میں آپ کی نگرہوں، آپ نے مجھے قوم کے ایک ایسے ہمراہی اور شجاع مجاہد سے منسوب کیا ہے جس کا نام بھی ایک سعادت ہے۔ میں ہمیشہ اس کی رفاقت پر ناز اور آپ کے اس فیصلے پر ممنون ہوں گی۔

کاترو کے چہرے پر اطمینان اور خوشی کی روشنی پھیل گئی۔ فوطہ اس کا ہاتھ پکڑ کر آگ کے آگے پاس لائی پھر وہ اپنی بے پایاں خوشیوں کو دہاتی اور چھپاتی دہاں آگ کے پاس تینوں کو کھانا کھانے لگی تھی۔



قسطون اور کاترو نے باہم فیصلے سے یہ طے پایا تھا کہ الفانسو کے ساتھ آئندہ متوقع جنگ کے بعد صریم اور فوطہ کی شادی کر دی جائے۔ یہ جنگ اب کسی وقت بھی متوقع تھی کیوں کہ الفانسو نے اندر خود سے جنگی تیاریاں کرنے کی خبریں پہنچ رہی تھیں۔

صریم اور کاترو اپنا وقت زیادہ تر لشکر میں گزارتے اس لیے کہ امیر منصور نے بھی اس جنگ کی تیاریاں شروع کر دی تھیں۔

دوسری جنگ کی تیاری میں الفانسو نے صرف چند ماہ ہی لیے۔ یورپی ممالک سے اس کے پاس لشکر کے لشکر پہنچنا شروع ہو گئے تھے۔ اس لیے کہ اہل یورپ سلطان صلاح الدین سے شکست کھا کر فلسطین کی جنگ سے فارغ ہو چکے تھے اور وہ چاہتے تھے کہ اس دولت امیر شکست کا بدلہ اندلس کے مسلمانوں سے لیں۔ اس لیے الفانسو کے پاس یورپ کی باقاعدہ فوج، افسانہ کار اور مذہبی جنونیوں کا تانتا سا بندھ گیا تھا۔ ان میں وہ نائٹ بھی شامل تھے جو پہلے اندلس کے مسلمانوں کے ناموں سے موسوم تھے اور صلیب کی خاطر اپنا خون بہانا سعادت سمجھتے تھے۔

لے ٹیڈر سفید عابینتہ تھے اور سینے پر بائیں جانب سرخ صلیب لگاتے تھے۔ ان کا پرچم سفید اور سیاہ زمیہ پر سرخ صلیب تھی۔ لے ڈیولڈر سفید عابینتہ تھے اور اس پر سفید صلیب لگاتے تھے۔

کی جنگی کارروائیوں سے متعلق بتا رہے تھے۔ وہ کارروائی میں چند ایسے جوانوں سے مل کر آئے جو آپ کے لشکر سے ہو کر لوٹے تھے اور ان سے ہی انہوں نے یہ ساری تفصیل حاصل کر لی۔ صریم نے فوطہ کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ بیٹھ جاؤ تم کھڑی کیوں ہو؟ فوطہ فوراً کسی معصوم اور فراموش وارنچے کی طرح بیٹھ گئی اور صریم سے کہا۔ اگر تو بیٹھ جائیں تو آپ کیوں کھڑے ہیں۔

صریم نے اپنی تلوار کی پٹی کمر سے کھول کر کندھے پر رکھ لی اور فوطہ کے سامنے بیٹھ اس نے پوچھا۔ کیا تمہیں خبر ہے کہ تمہارے باپ بھی آگے ہیں اور انہوں نے اس جنگ جیت لیا تھا۔

فوطہ نے اپنی بے پناہ خوشیوں کو دہاتے ہوئے کہا۔ مجھے ان کے آنے کی خبر علم آپ دونوں کو لینے گئے تھے۔ وہ کدھر چلے گئے اور میرے باپ کہاں ہیں؟

صریم نے کہا۔ وہ دونوں پیچھے رہ گئے ہیں۔ وہ میری اور تمہاری شادی گفتگو کر رہے تھے اور مجھے انہوں نے ادھر بھیج دیا۔ شاید اس طرح وہ دونوں مجھے تمہارے آزادی سے گفتگو کرنے کا موقع فراہم کرنا چاہتے تھے۔

حیلے کے باعث فوطہ کی گردن ٹھکی ہوئی تھی۔ صریم نے پھر کہا۔ میں ان باپ ان دنوں زیادہ تر لشکر میں ہی رہا کریں گے کیوں کہ الفانسو ایک اور جنگ کی تیار کر چکا ہے اور اس کے لیے ہمیں بھی۔

صریم کہتے کہتے رک گیا۔ کیوں کہ قسطون اور کاترو آ رہے تھے۔ اس نے اس کے ساتھ فوطہ کو مخاطب کر کے کہا۔ فوطہ! فوطہ! ادھر دیکھو تمہارے باپ آئے فوطہ نے ایک بار چونک کر ادھر دیکھا۔ پھر وہ اٹھی کسی آزاد اور جنگلی طرح کلاںچیں بھرتی ہوئی بھاگی اور کاترو سے بیٹھتے ہوئے اس نے کہا۔ اے میرے باپ! امیر میرے لیے کیسا باعث اطمینان ہے کہ آپ اب آزاد پُرامن اور میرے پاس ہیں کاترو نے اُسے دونوں شانوں سے پکڑ کر علیحدہ کیا۔ پھر اس کی پیشانی پر اس نے خفقت سے کہا۔ اے میری بیٹی! تجھے یہاں صریم کے خیمے کے پاس دیکھ کر

تھے۔ گو یہ اپنے آپ کو ناقابلِ تسخیر جانتے تھے لیکن سلطان صلاح الدین نے ان کے ان دعوؤں کو مٹا کر انہیں ارضِ فلسطین سے یورپ کی طرف بھگا دیا تھا۔

افانوس کے پاس اب چونکہ پہلے کی نسبت زیادہ لشکر اور فوجی قوت جمع ہوا لہذا اس نے جنگ کا بہانہ تلاش کرنے کی خاطر مسلمان علاقوں میں پھلپے مارنے اور قتل و نا کر فی شروع کر دی تھی۔

امیر منصور چاہتے تھے جس طرح افانوس نے پورے یورپ میں اپنے پادری بھلا ملک سے لشکر حاصل کر کے اپنی عسکری قوت میں بے پناہ اضافہ کر لیا تھا۔ وہ بھی اپنے ارضی مسلم میں بھلا کر اپنے لیے ملک اور مدد حاصل کر سکتے تھے

علماء کے سلسلے میں وہ خوش قسمت بھی تھے کہ ابن عربی، ابن رشد، ابن زہیر، شعیب، ابن طفیل، ابن عمیر، عبدالواحد مراکش اور ابوالعباس احمد صیہ علماء و ارباب کا کے ہم عصر تھے لیکن امیر منصور نے جنگ کی تیاریوں کو اپنے تک ہی محدود رکھا۔ تاہم وہ جنگی جنرل اور تیاریوں سے بھی غافل نہ تھے اور ان کے خبر انہیں ہر لمحہ کی خبریں پہنچا رہے امیر منصور اس وقت ایشیلیہ کے قلعہ حصن الفرج میں مقیم تھے۔ جب ان کے نے انہیں اطلاع دی کہ افانوس ایک ایسے لشکر کے ساتھ طلیطلہ سے نکل کھڑا ہوا ہے جن تک نہیں کیا جاسکتا۔ انہوں نے امیر منصور کو یہ بھی بتایا کہ افانوس کا ارادہ ہے کہ وہ طلیطلہ نکل کر دریائے تاجر کی وادی سے ہوتا ہوا سنا کر وڑ، وہاں سے خندت فروش اور تر جا راستے یغار کرتا ہوا مسلمان علاقوں میں گھس کر تباہی اور بربادی کھڑی کر دے گا۔

امیر منصور افانوس کو مسلم علاقوں میں داخل ہونے کا موقع نہ دینا چاہتے تھے انے اپنے لشکر کے ساتھ ایشیلیہ سے کوچ کیا۔ ان کے لشکر کی ترتیب وہی پہلے جیسی تھی ان کے اپنے پاس تھا اور فوطہ کے باپ کا مترو کو بھی انہوں نے اپنے ساتھ قلب میں رکھا

یہ قلعہ امیر منصور نے ۱۱۹۱ء (۵۸۷ھ) میں خود تعمیر کرایا تھا۔ ایشیلیہ شہر کے پاس یہ قلعہ دبا تھا۔ اس قلعے میں عمارت کا ایک وسیع سلسلہ تھا۔

دل مریم کے پاس، مہینہ عبدالغیا اور میرہ عبدالرحمن بن یوسف کی سرکردگی میں تھے۔ قبل اس کے افانوس مسلم علاقوں میں گستاخ امیر منصور اپنے لشکر کے ساتھ طوفان کی طرح ان کی حدود میں داخل ہو گئے اور اپنے یکے بعد دیگرے محلوں میں انہوں نے ترحالہ اور خندت بن دونوں شہروں کو فتح کر لیا۔ وہ اسی رات پر آگے بڑھ رہے تھے جس رات پر افانوس لشکر کے ساتھ مسلم علاقوں میں داخل ہونے کو آ رہا تھا۔

سانا کر وڑ کے مقام پر دونوں لشکروں کا ایک دوسرے سے سامنا ہوا۔ دونوں پر پڑاؤ کرنے اور صفیں درست کرنے کے بجائے ایک دوسرے سے ٹکرائے۔ افانوس کے لشکر کے بڑے ٹیبلر، اسپنکر اور سینٹ جان کے ٹائٹس تھے اس لیے کہ یورپ میں انہیں اتھائی بیگجو اور جرات مند سمجھا جاتا تھا۔

جب دونوں لشکر آپس میں ٹکرائے تو ان ٹائٹل کا سامنا امیر منصور کے ہراول لشکر ہوا جس کی قیادت مریم بن طریف کر رہا تھا۔ ٹائٹل کو بچتہ یقین تھا کہ وہ مسلمانوں کے دل کو شکست دے کر پاپ کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے لیکن ان کی ساری آئینوں پر اس پانی پھر گیا۔ جب مریم ہراول کے عرب، ترک اور بربروں کے ساتھ ان پر حملہ آور ہوا ان کے اندر تک گھسنا چلا گیا تھا۔

مسلمانوں کی ترجمانی تواریں ٹائٹل کی سیدھی تلواروں کو کاٹ رہی تھیں اور سانا کر وڑ کی ٹیبلر، اسپنکر اور سینٹ جان کے یہ ٹائٹ ایسے ہی مسلمان سرفروشو کا سامنا کرتے تھے جس طرح ارضِ فلسطین میں سلطان صلاح الدین اقبائی کے جاں نثاروں نے اپنے کے نام کے ساتھ لہیک لہیک کہتے ہوئے موت کا طوفان بن کر قدرت کے خونخوار عناصر (روح ان ہنزول کیا تھا۔

یہ جنگ ٹو ٹائٹ جب اپنی آدھی تعداد مریم کے ہراول لشکر سے کٹ کر اپنی جانیں نے کی خاطر واپس ہڑے تو ان کی حالت ان ہاتھیوں سے مختلف نہ تھی تو اپنے مقابل سے مستحاکم اپنے ہی لشکر کی تباہی، بربادی اور شکست کا باعث بنتے ہیں۔ یہ ٹائٹ جب بھگدڑ اور انتشار کا شکار ہو کر پلٹے تو افانوس کے دوسرے لشکریوں

پران کے اس فرار سے خوف، دہشت اور سرسبکی چھا گئی۔ اب ہر کوئی مسلمانوں کا اس سے جی چرانے لگا۔

اسی لمحہ جب کہ مریم بن طریف اپنے ہراول لشکر کے ساتھ الفانسو کی اگلی درہم برہم کر چکا تھا اور دشمن کے لشکر پر ایک ہراس طاری ہو گیا تھا امیر منصور اپنے کے ساتھ، عبداللہ بن یعقوب مہمند اور عبدالرحمن بن یوسف نے اپنے میسرہ کے الفانسو کے لشکر پر یکبارگی حملہ کر دیا تھا۔

یہ حملہ اس قدر جان دار، سخت اور سرفروشانہ تھا کہ الفانسو کے لشکر کو زبردستی لگتی۔ مسلمانوں کے گھوڑے اپنے سانے زمین کو بباط کی طرح سمیٹ کر کے درمیان فاصلوں اور دوریوں کو ختم کرتے جا رہے تھے۔

اسپین اور یورپ کے دوسرے ممالک کا یہ متحدہ لشکر اس حملے کی تیز ویران برداشت نہ کر سکا اور اپنی کھلی مفعول میں بدامنی پھیلاتا ہوا تیزی سے لگا۔ الفانسو کو شرم ناک شکست ہوئی اور وہ طلیطلہ کی طرف بھاگ گیا۔ حالانکہ اسے شکست ہوئی تھی اس وقت بھی اس کے لشکر کی تعداد امیر منصور کے لشکر سے زیادہ تھی۔

امیر منصور نے فی الفو الفانسو کا تعاقب نہ کیا۔ انہوں نے پہلے الفانسو پر قبضہ کیا۔ خوراک اور سامان حرب و ضرب کے ڈھیروں کے علاوہ ان کے ہاتھ زروہا ہرات کی کثیر مقدار اور لاکھوں نیچے ہاتھ لگے۔

مال غنیمت کا ایک حصہ انہوں نے اپنے لشکر میں تقسیم کر دیا۔ اس کے نے الفانسو کا تعاقب شروع کیا۔ الفانسو نے اس درمیان وقفے سے فائدہ اٹھانے کے ساتھ طلیطلہ کی طرف بھاگتے ہوئے وہ ولوی تاج میں رک گیا اور طلبیہ کے صفیں درست کر کے مسلمانوں کی آمد کا انتظار کرنے لگا۔

امیر منصور کے آگے آگے سفر کرنے والے جاسوس، امیر منصور کو بھیجے تھے کہ الفانسو طلبیہ کے مقام پر اپنی صفیں درست کر کے ایک بار پھر جنگ

لگا کر رہا ہے۔ امیر منصور نے طلبیہ سے دس میل دور ہی اپنے لشکر کے چارول حصوں کو بلعہ علیحدہ علیحدہ کر دیا اور چارول لشکر مختلف راستوں سے آگے بڑھنے لگے۔

امیر منصور جب اپنے قلب لشکر کے ساتھ الفانسو کے لشکر کے سامنے نمودار ہوئے نصرانی بے حد خوش ہوئے کیوں کہ امیر ایک مختصر سی جماعت کے ساتھ ان کے سامنے آئے تھے۔ انہیں بختہ یقین تھا کہ امیر منصور کے اس لشکر کو وہ لمحوں کے اندر روند کر رکھ دیں گے۔ اسی درہم میں اپنے اطراف کا جائزہ لیے بغیر وہ امیر منصور کے لشکر پر ٹوٹ پڑے، یہی ٹھوٹی ہی دیر کی جنگ کے بعد ان پر گویا قیامت ٹوٹ پڑی۔ ان کے دائیں بائیں بے کثرت سے مریم بن طریف، عبداللہ بن یعقوب اور عبدالرحمن بن یوسف نے اپنے لشکر کے ساتھ شاہینوں کی طرح جھپٹ پڑے تھے۔

ان کی آن میں مسلمان مجاہدین، سوار، جوہد، سورج کی بلند ہوتی ہوئی دھکتی پشانی مددگار کی طرح روشنی کی طرح الفانسو کے تلوار میں پھینا اور ان کو کاٹنا شروع ہو گئے تھے۔ ایک دو فراموشی کے عالم میں امیر منصور کے لشکر کی یورپی لشکر سے اس کے حوصلوں اور ولولوں اسارا رسیدن چھین کر ان کی جرات و شجاعت کو بڑی تیزی کے ساتھ ویران کھنڈرات میں تبدیل کرنے لگے تھے۔

مسلمان مجاہدین کا وجدان اور جنگی ہيجان الفانسو کے لشکر پر صدیوں کا بوجھ بن کر ٹاری ہو رہا تھا۔ اللہ اکبر کی صداؤں میں قدرت کے حرب آزما اور جنگجو عناصر بن کر وہ قرب و بعد کا امتیاز بھولتے رہے اور تھمی تھمی مکی مکی فضاؤں میں اپنی آہنی ضربوں سے دشمن کو کاٹ کر لٹو لٹو بلوچہ ان کی تعداد کم کرتے ہوئے ان میں شور آہ و بکا کا بازار گرم کرتے رہے۔

سانتا کو دز کی طرح طلبیہ کے میدان میں بھی امیر منصور اور اس کے لشکریوں کا دباؤ متحدہ یورپی لشکر برداشت نہ کر سکا اور ایک بار پھر الفانسو اپنے لشکر کے ساتھ شکست کھا کر طلیطلہ کی طرف بھاگ کھڑا ہوا۔ امیر منصور پھر اس کے تعاقب میں تھے۔ اب بھی الفانسو کے لشکر کی تعداد امیر منصور کے لشکر سے کئی گنا زیادہ تھی۔

رات کے کچلے حصے میں افانوس اپنے لشکر کے ساتھ طلیطلہ شہر میں داخل
محصور ہو گیا۔ شہر میں جب افانوس کے شکست کھا کر لوٹنے کی خبر پھیلی تو کلیساؤں
گھنٹیاں بجنے لگیں اور شہر کا بشپ اور پادری کلیساؤں کے اندر مسلمانوں کے قتل
کی کامیابی اور فتح کے لیے دعا میں مگنے لگے تھے۔

امیر منصور نے طلیطلہ شہر کا محاصرہ کر لیا تھا۔ اگلے روز سے شہر پر حملے شروع
کئے۔ افانوس نے شہر کے اندر سے شدید مزاحمت کی۔ جب اسلامی لشکر تفصیل پر چڑھا
لیے قریب جاتا تو افانوس کے لشکر کی مسلمانوں پر ہلپا پانی، دھتکتے انکارے پتھر اور
نفلت پھینکتے۔ اس طرح سے وہ اسلامی لشکر کو شہر کی تفصیل سے دھڑلے میں کامیاب
تھے۔ جب شہر کے محاصرے میں دو دن گزر گئے تو امیر منصور کی آغوش غضب و انتقام
اٹھی، انہوں نے طلیطلہ کے نو اسی علاقے میں تمام درخت کٹوا دیئے۔ اہل شہر کو غور
پہنچنے کے تمام راستے مسدود کر دیئے اور اپنے حملے میں انہوں نے پہلے کی نسبت
تیزی کر دی۔

ایک رات امیر منصور نے مریم بن حریف کو لشکر کا ایک حصہ دے کر شہر پر
رہنے اور دشمن کو اپنے ساتھ مصروف رکھنے پر مقرر کیا۔ جب کہ وہ، عبداللہ اور عبد
کے ساتھ اپنے لشکر کو لے کر منجیقین نوانے لگے۔ شہر کے قریب قریب کئی ہوئی لکڑی
پہلے ہی انہاں لگے ہوئے تھے۔ دوسرے روز جب سورج طلوع ہوا تو افانوس اور اس
لشکر نے دیکھا کہ شہر کے جنوب، مغرب اور مشرق میں پھیلے ہوئے اسلامی لشکر کے
نئی نبی ہوئی منجیقین ہی منجیقین کھڑی تھیں۔

مسلمان مجاہدین دو پہر تک چھرا کٹھے کر کر کے منجیقوں کے پاس ڈھیر
رہے۔ دو پہر کے وقت جب آدھا لشکر کھانا کھا رہا تھا اور دوسرا آدھا چوکس رہا
دے رہا تھا اور امیر منصور، مریم، عبداللہ اور عبدالرحمن ایک منجیق کے پاس کھڑے
پہر شروع کی جانے والی جنگ کے متعلق گفتگو کر رہے تھے کہ امیر منصور کا ایک غمزد
گیا اور امیر منصور کے سامنے کھڑے ہوتے ہوئے اس نے بڑی اذیت مندی سے کہا۔

”اے امیر محترم! میں ایک اہم خبر لے کر حاضر ہوا ہوں میں طلیطلہ شہر میں داخل
لیا تھا اور یہ اہم خبریں مجھے وہیں سے ملی ہیں۔ افانوس ہم پر خوب خون مارنے کا منصوبہ
چکھ ہے۔ اگر ہم قبل از وقت اس کا ستر باب کر لیں تو ہم بڑی آسانی کے ساتھ رات
اریک ہی میں افانوس کی قوت پر قابو پاسکتے ہیں۔“

امیر منصور نے بھرپور دل چسپی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ ”سارے واقعات تفصیل
کہو۔“

دو غمزد پھر کہہ رہا تھا۔ ”اے امیر! آج آدھی رات کے قریب افانوس ہم پر
ب خون مارے گا۔ وہ اپنے لشکر کے دو حصے کرے گا۔ ایک حصہ وہ نائٹس کے ہاسٹلر
ماعت کے سربراہ کے حوالے کرے گا اور اُسے آدھی رات سے پہلے ہی شہر میں سے باہر
دے گا لشکر کا یہ حصہ جس میں زیادہ تر نائٹس ہی ہیں رات کی تاریکی میں ہماری پشت
بانے گا اور پھر افانوس لشکر کے دوسرے آدھے حصے کے ساتھ شہر سے نکلے گا۔ شہر
باہر نکلے ہی افانوس فضا میں ایک آتش تیر حملائے گا اور اس جلتے تیر کی روشنی اس کے
رے حصے کے نائٹس کو اشاہ ہو گا کہ حملے کی ابتداء کر دی جائے۔ اس طرح افانوس رات
اریک ہی میں دو طرفہ حملہ کر کے اپنے لیے فائدہ حاصل کرنا چاہتا ہے۔ وہ پچھلے سال کی الارک
مست سے تو پہلے ہی سیرج پاتا تھا اب سانا کو روز اور طلیطلہ کی شکستوں نے اس کی حالت زحی
پا اند باؤ لے گئے جیسی کر دی ہے۔ وہ ہر حالت میں ایک بار مسلمانوں پر اپنی فوجیت
لے اپنے غلام میں اپنی کھوئی ہوئی عزت اور وقار بحال کرنا چاہتا ہے۔ اب اس حالت میں
سے ہر حربے، ہر خباثت کی توقع کی جاسکتی ہے۔“

امیر منصور نے کچھ سوچتے ہوئے اس خبر سے کہا۔ ”اب تم جاؤ اور معمول کے مطابق
مکام میں لگ جاؤ۔ اگر افانوس اپنے اس لائحہ عمل میں کوئی تبدیلی کرے تو مجھے فوراً
لاع کو رو۔“

غمزد جب چلا گیا تو امیر منصور نے مریم، عبداللہ اور عبدالرحمن کی طرف دیکھتے
ہوئے پوچھا۔ ”افانوس کے اس نئے لائحہ عمل سے متعلق اب تم تینوں کا کیا خیال ہے۔“

صریم نے کہا: "میرے محترم! یہ الفانسو کی شب سے بڑی حماقت ہوگی اور ہم اسی کے جال میں پھنسا کر رکھ دیں گے۔ میرا دل کتا ہے کہ الفانسو ایسا کر کے خود اپنے میں آخری کیل کاڑھے گا۔ رات ہوتے ہی میں اپنے ہراول کے ساتھ اپنے لشکر کے ساتھ پیچھے چلا جاؤں گا اور عبدالرحمن کو میرے ساتھ شکر کے قریب ہی پشت پر گھاٹ دیا جائے گا۔ الفانسو کا آدھا لشکر حیب ہمارے لشکر کی پشت پر حملہ آور ہونے کو اس میں اسنے اپنے پاس سے گزرنے دوں گا۔ جب وہ مجھ سے آگے بھل جائے گا تو میرے سے بھل کر ان کی پشت پر حملہ کر دوں گا۔ جب دشمن مرے میرے ساتھ پوری مر جائے تو عبدالرحمن بھی ان کے پیچھے سے اس پر حملہ کر دے۔ اس طرح ہم انہیں حملے سے پس کر رکھ دیں گے۔ الفانسو کے فضا میں آتشی تیر بند کرنے سے پہلے اس کے اس حصے سے نمٹ چکے ہوں گے اور پھر ہم اٹھ کر الفانسو کا استقبائے گے۔ اگر کسی دہرے الفانسو پہلے ہی حملہ کر دے تو آپ اور عبداللہ اسے اپنے ساتھ رکھیں۔ ہم بھی فارغ ہو کر آپ سے آملیں گے۔ اس لیے کہ انہوں نے لشکر کی ہوگی جب کہ الفانسو شکر کا بڑا حصہ اپنے ساتھ رکھے گا۔"

امیر منصور نے مطمئن انداز میں کہا: "صریم! صریم! مجھے تمہاری سے مکمل اتفاق ہے۔ اس وقت منجلیقوں سے شہر پر سنگ باری کا فیصلہ ملے گا سب اپنے اپنے لشکروں میں جاؤ اور رات کی ہم کے لیے پابھوں کو آرام کرنے رکھو، آنے والی شب ہمارے لیے ابتلا و امتحان کی رات ہوگی۔ اگر یہ قدرت کی ہمارا امتحان ہے تو اس پر لبیک کہیں اور اپنے رب کی رضا مندی و خوشنودی والی رات کو دشمن کے لیے پُر عذاب بنا کر اس کے اندر آب و آتش کی طرح گھس جا تم اپنے اپنے لشکر میں جاؤ اور اپنی تیاریاں شروع کر دو۔"

صریم، عبداللہ اور عبدالرحمن نے ایک بار تسلیم رضا کے طور پر اپنا ہر پھر وہ مڑے اور اپنے اپنے لشکروں کی طرف چلے گئے تھے۔

ثبوق کے پیچھے سورج غروب ہو گیا تھا اور رات کا عہد تاریک شروع ہو چکا تھا، چاند شب کی تاریکی شکستہ بیڑھیاں اتر کر دوردور مغرب میں جا چھپا تھا۔ صریم اپنے لشکر کے جنوب میں ہراول کے ساتھ گھاٹ میں بیٹھ چکا تھا۔

ہر طرف موت کی سی خاموشی اور سوتے ہوئے سمندر جیسا سکوت تھا۔ رات اپنی پوری ریکوں سے نزل کر گئی تھی۔ آسمان پر بار لوں کے تاریک وزنی ٹکڑے ایک دوسرے کے پیچھے بھاگ رہے تھے۔ زندگی کا ضمیر اپنے کی طرح پُر سکوت تھا۔ کبھی کبھی کہیں سے کوئی رات کا پرندہ اڑتا ہوا نمودار ہوتا اور رات کے چوکنے سکوت میں چند لمحوں کا غل ڈال کر گئے بھل جاتا۔ صریم بڑی بے چینی سے دشمن کی آمد کا انتظار کر رہا تھا۔

اجانک تاریک سوز فضاؤں میں زمین پر لیٹے ہوئے صریم کے حواس بڑی تیزی سے کچھ ہاننے کی کوشش کرنے لگے۔ پھر اس کے ہونٹوں پر سکراہٹ بکھر گئی۔ جنوب کی طرف سے دشمن کا لشکر نمودار ہوا تھا۔ پھر وہ شکر قریب آکر صریم کے پاس سے گزرنے لگا۔

صریم اور اس کے پیچھے لیٹا ہوا اس کا لشکر اسی طرح بے حرکت پڑے رہے۔ دشمن کا لشکر جب سارا ان کے پاس سے گزر گیا تو صریم اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کا لشکر بھی اسے دیکھ کر کھڑا ہو گیا۔ پھر اچانک بھڑک اٹھنے والی چنگاریوں کی طرح صریم نے اپنے لشکر کے ساتھ دشمن کے لشکر کی پشت پر حملہ کر کے رات کی تاریکی میں ایک اڑدھام و ہنگام کھڑا کر دیا۔ دشمن کے ساتھ جنگ کرتے ہوئے صریم نے پہلے اللہ اکبر کا نعرہ مارا پھر اس نے اپنے ساتھیوں کو مخاطب کر کے بلند آواز میں کہا۔

"میرے باجبروت بھائیو! دن کا عبادہ اور رات کی بیداری بن کر دشمن پر چھا جاؤ! اے فرزندِ ازل! اؤ الفانسو کے اس لشکر کو ابدی قربان گاہ پر لا کھڑا کریں۔ میرے حریت پسند ساتھیو! اؤ اللہ کی راہ میں میرے ساتھ موت پر بیعت کر دو۔ اؤ دشمن پر کچے ہوئے شعلوں کی آگ سے غم اور اس پر سنائی و تر ولیدگی طاری کرنے کا عہد کریں۔"

صریم کی پکار پر ہراول کے شیر دل لشکر والی اللہ اکبر اور لبیک لبیک پکارتے ہوئے آتش جہروت کی طرح لپکنے اور ظلمت میں نور کی طرح ابھرتے ہوئے حملہ آور ہوئے۔

لگے تھے۔ رات کے اندھیرے میں تلواروں اور ڈھالوں کا قہقہہ و جہاں فرین شروع ہو گیا جنگ جس وقت زوروں پر تھی تو نائٹوں کی پشت سے عبدالرحمن بن یونس بھی اپنے مسرہ کے ساتھ حملہ کر دیا تھا۔ اب نائٹوں کی حالت قابلِ دید تھی۔ مسلمان ایک کے لیے مونس تنہائی اور دشمن کے لیے وحدتِ نوعی بن کر نایدہ ہتھیوں کی طرح حملہ لگے تھے۔ انہوں نے جنگ میں اپنے تیز حملوں سے افغانوں کے نائٹوں کی ایسی حالت کر دی جس طرح جھوٹے ہوئے خشک پتوں کو پاؤں تلے روندنا جاتا ہے یا جس طرح کوئی کونگر چاک کو گھما کر اپنی مرضی کے مطابق نتائج حاصل کرتا ہے۔

نائٹ اب محسوس کر رہے تھے کہ وہ مسلمانوں پر حملہ آور ہو کر خشک پتھروں پانی کی تلاش کرنے آئے ہیں۔ ان کے اندر اب درد میں ڈوبی، لرزاں اور بھٹی بھٹی ہوئی بند ہونے لگی تھی۔ دوسری طرف افغانوں نے امیر منصور اور عبداللہ پر حملہ کر دیا تھا لیکن سخت مایوسی کا سامنا کرنا پڑا تھا۔

نائٹوں کو اپنی شکستِ واضح اور صاف دکھائی دینے لگی تھی۔ انہوں نے شدیداً میں میدانِ جنگ سے بھاگ جانا چاہا لیکن اب ایسا کرنا بھی ان کے بس میں نہ تھا۔ مرطیف اور عبدالرحمن بن یوسف نے انہیں اپنے لشکروں کے ساتھ چاروں طرف لیا تھا اور ان کا قتل عام شروع کر دیا تھا۔

میدانِ جنگ میں سامنے نائٹوں کا صفایا کرنے کے بعد مریم اور عبدالرحمن بڑے اور امیر منصور کے ساتھ جنگ میں مصروف افغانوں کے لشکر پر وائیں بائیں سے حملہ کر دیا۔ نائٹوں پہلے ہی امیر منصور سے جان چھڑانے کے متعلق فکر مند تھا۔ اب جو مریم اور عبدالرحمن نے بھی اس پر حملہ کر دیا تو اس کے رہے سے حوصلے بھی پست ہو گئے۔ پنبے لشکر کے ساتھ واپس مڑا اور بھاگ کر شہر میں داخل ہوا اور پہلے کی طرح محصور کیا۔ اس کا شب خون مری طرح ناکام رہا بلکہ اس کے لشکر کا ایک بڑا حصہ اس جنگِ نام آگیا تھا۔ مسلمان اپنے زخمی سپاہیوں کی مرہم پٹی کرنے لگے تھے۔



دوسرے روز فجر کی نماز اور کھانے کے بعد امیر منصور اس بڑی منجیق کے پاس کھڑے ہوئے۔ علیحدہ شہر کے جنوبی دروازے کے سامنے کھڑی کی گئی تھی۔ ان کے ساتھ مریم، مرطیف، عبداللہ بن یعقوب، عبدالرحمن بن یوسف، قاضی عید اور فوط کا باپ کسترو کی کھڑے تھے اور افغانوں کے پھلپلی شب کے ناکام شب خون پر گفتگو ہو رہی تھی۔

اچانک امیر منصور نے ایک نظر علیحدہ کی تفصیل پر ڈالی پھر انہوں نے اپنے سامنے اپنے سالاروں کو مخاطب کر کے کہا: "آج کا دن انشاء اللہ افغانوں کے ساتھ ہماری جنگِ آخری دن ہو گا۔"

اس کے ساتھ ہی امیر منصور منجیق چلانے والوں کی طرف اشارہ کیا اور انہوں نے حرکت میں آتے ہوئے علیحدہ شہر کی تفصیل پر سنگ باری کر دی تھی۔ بڑی بنیق کے چلتے ہی وائیں بائیں دور دور تک کھڑی منجیق بھی حرکت میں آگئیں اور شہر انہوں نے طغیانی انداز میں پتھر برسائے شروع کر دیے تھے۔ گوا افغانوں نے علیحدہ تفصیل کو خوب مضبوط بنا رکھا تھا لیکن تفصیل زیادہ دیر تک سنگ باری کے سامنے ٹھہر سکی اور جلد ہی اس میں جگہ جگہ تینوں اطراف میں بڑے بڑے شکاف پڑ گئے۔

سنگ باری ابھی تک جاری تھی حتیٰ کہ علیحدہ کی تفصیل میں اتنے بڑے بڑے شکاف لگے جن کے اندر سے لشکر باسانی گزر سکتے تھے۔ اچانک امیر منصور نے منجیقوں سے اب باری رکوا دی کیوں کہ شہر کی تفصیل پر بانسوں پر سفید جھنڈے اور نیزوں پر انجیل بند لٹکائی دینے لگی تھی۔

جب سنگ باری ختم ہو گئی تو شہر کا جنوبی دروازہ کھلا تو سب نے دیکھا شہر کے اندر پانچ افراد بچ کر اس طرف بڑھے تھے۔ جہاں امیر منصور کھڑے تھے۔ ان میں جو سب سے لمبے تھے۔ اس کے ہاتھ میں صلیب تھی اور صلیب پر سفید جھنڈا لٹکا ہوا تھا۔

امیر منصور نے مریم کی طرف دیکھتے ہوئے کہا: "گلتا ہے یہ صلح اور تسلیم و رضا پر وہ ہیں۔ اگر نہ بھی ہوتے تو بھی اب ہم شہر تو فتح کر ہی چکے ہیں۔ مریم! مریم! اس موقع میں تمہیں ایک خوشخبری دیتا ہوں۔ میں تمہیں ٹورس، لوس، تو مرا و شلب شہروں کا

والی مقرر کرتا ہوں۔ یہاں سے واپس ہوتے ہی تم پہلے کاسترو کی بیٹی فوطہ سے شادی کاسترو مجھے تمہارے متعلق سب کچھ بتا چکا ہے۔ قاضی عدید بھی تمہارے ساتھ ہوں ان کاسترو میرے ساتھ قلب میں رہے گا۔ اپنے کاسدان کے ساتھ واپس جا کر رہے بھرتی کرو۔ تمہیں بیس ہزار کاشکر رکھنے کی اجازت ہے۔ اس شکر سے تم ان کی خوب حفاظت کر سکو گے اس لیے کہ۔۔۔

امیر منصور کہتے کہنے رک گئے کیوں کہ شہر سے نکلنے والے اب نزدیک آ رہے اور وہ انہیں دیکھ کر دیگ رہ گئے تھے۔ ان کے آگے آگے صلیب اور سفید جھنڈا چلنے والا کوئی پادری یا بشپ لگتا تھا جبکہ اس کے پیچھے ایک عورت اور تین لڑکیاں تھیں اور وہ چاروں ننگے سر اور برہنہ پاؤں تھیں۔

جب وہ پانچوں امیر منصور کے سامنے آکھڑے ہوئے تو ان کے ساتھ والے مرد نے صلیب گندھے پر کھئی اور امیر منصور کے سامنے اپنے دونوں ہاتھ ہوئے کہا۔

اے امیر! میں طلیطلہ کا بشپ ہوں اور میرے ساتھ آنے والی کی بیوی اور بیٹیاں ہیں۔ الفانسو اپنی شکست تسلیم کرتا ہے۔ وہ ہمیشہ کے آپ کا فرمانبردار رہنے کا عہد کرتا ہے۔ اپنے رب اور رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) خاطر اسے معاف کر دیجئے۔ آپ اس پر جس قدر خراج لگائیں گے وہ ہر سال باقا ادا کرتا رہے گا۔ آپ جیتے وہ ہار چکا ہے۔ وہ مراکش کے اس طوطا کا مقابلہ نہیں امیر منصور نے صریم کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ”صریم! صریم! اس نے اور ان لڑکیوں کی برہنگی دکھانے پر۔“

صریم نے فوراً اپنی عبا اتار کر ایک لڑکی کے سر پر ڈال دی۔ اسی عبد اللہ اور عبد الرحمن نے اپنی عبائیں اتار کر دوسری دونوں لڑکیوں کے سر پر دیئے تھے۔ قاضی عدید بن عروان کے اپنے کندھے پر رکھا انکو چھپا کر رکھ جاتا؟ پھیلا کر الفانسو کی بیوی کے سر پر ڈال دیا۔

اپنا سر ڈھنپتے ہی الفانسو کی بیوی نے امیر منصور کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ اے مسلمانوں کے عظیم امیر! میرے شوہر کی خطاؤں کو درگزر کر کے اسے معاف کر دیں۔ یہ آپ کی عالی ظرفی اور ہم پر آپ کا احسان ہو گا جسے ہم کبھی فراموش نہ کر سکیں گے۔ امیر منصور نے غصے اور تفکرات کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ ”قدرت بار بار الفانسو

و شکست دینے سے ہم کنار کر کے تنبیہ کرتی رہی لیکن اس بد نعت انسان نے حالات سے عبرت اور سبق حاصل کرنے کے بجائے ہمیشہ ان پر قبرستان میں دفن ہونے کو ترجیح دی۔ وہ ہمیشہ مٹی کے گھوڑے دوڑاتا رہا۔ اس نے میرے عوام کو اپنا ہدف بنایا اور میں نے اس کے آدھے گھٹنے خمیر کو جھٹکا دے کر اس کی جان کو اپنا ہدف بنالیا۔“

پھر اچانک امیر منصور نے طلیطلہ کے استغف کی طرف دیکھتے ہوئے کہا اور تم ادری اور اسقف لوگ! سنو تم اپنے عوام کو عصمت کے بدلے روٹی دینے والے لوگ ہو۔ تم ہی سرکشی اور بغاوت کے گیت گاکر قوموں کے درمیان جنگوں کی ابتدا کر کے لوگوں کو مفلوک کمال اور یورش و افلاس کا شکار بنا دیتے ہو۔ کیا تم لوگوں نے ہی فلسطین میں بار بار جنگ کی ابتدا نہیں کرائی۔ کیا تم لوگ ہی اپنے عوام میں مذہبی جنون پیدا کر کے ان کا خون نہیں بہاتے ہو۔

سنو! فلسطین کی جنگوں میں تمہیں کیا ملا۔ بحیرہ خوار، زلت اور شکست کے تم لوگوں کو کچھ نہ ملا اور ہمارے عزیز مجاہد صلاح الدین نے اپنے جذبہ ایمانی سے تم پر ایسی ضربیں لگائیں کہ تم لوگ اپنے وسائل اور عسکری قوت میں اس سے ہیں گنا تک ہونے کے باوجود اس کے آگے آگے جھکتے رہے اور آخر اس مردِ مجتہد نے تم لوگوں کو نہایت زلت اور سرد و سوزانی کے ساتھ ارضِ فلسطین سے ہمیشہ کے لیے نکل جانے پر مجبور کر دیا۔ تم لوگوں نے پھر بھی عبرت نہ پکڑی اور اٹلس کو اپنا ہدف بنالیا لیکن صد شکر ربی کہ ہم نے بھی تمہاری حالت فلسطین جیسی ہی کر دی ہے۔“

طلیطلہ کے اس اسقف نے امیر منصور کی باتوں کا کوئی جواب نہ دیا، غلامت اور شرمندگی میں اس کی گردن جھکی ہوئی تھی اور اس نے اپنے ہاتھوں میں جو صلیب پکڑ رکھی تھی

وہ بڑی طرح کچکا رہی تھی۔

جب امیر منصور خاموش ہوئے تو افانسو کی بیوی نے اپنی تینوں لڑکیوں کو اشارہ کرتے ہوئے امیر منصور سے کہا۔ ”میری ان لڑکیوں کے بدلے میں میرے کو معاف کر دیجئے۔ میری ان تینوں لڑکیوں کو اپنے بیٹوں، اپنے سالاروں یا اپنے میں سے کسی کے ساتھ بھی بیاہ دیجئے اور میرے شوہر کی خطاؤں کو معاف کر دیجئے امیر منصور نے اس بار متاثر کن آواز میں کہا۔ ”اپنی بیٹیوں کو لے کر واپس پاس چلی جاؤ۔ ہم نے افانسو کی خطائیں معاف کیں۔ ہم آج ہی یہاں سے کوچ کر جائیں عورتیں کسی قوم کی بھی ہوں قابل احترام ہوتی ہیں۔ لہذا ہم بھی تمہارا احترام کرتے ہو تمہاری بات مانتے ہیں لیکن واپس جا کر اپنے شوہر سے کہنا کہ اگر اس نے پھر کبھی تمہارے کا مظاہر کیا تو ہماری جبلت ہمیں فوراً اس کی طرف پہنچ لائے گی اور ہم اس کی حالت نہ جیسی کر دیں گے اور یاد رکھو تیرے آندھیاں صرف ان ہی ایوانوں کو گراتی ہیں جو شاہ کے ہوں۔“

افانسو کی بیوی نے شکرگزاری میں اپنے سر کو جھکاتے ہوئے کہا۔ ”امیر محترم! خداوند خدا آپ کے جلال کو صحرائی وسعت اور آپ کی عزت کو گہرائی کی طرح بڑھائے۔“

افانسو کی بیوی جب خاموش ہو گئی تو اس کی ایک بیٹی نے نہایت قناعت سے کہا۔ ”اے امیر! آپ اور آپ کے ساتھی ایک عظیم قوم کے سپوت ہیں۔ کاش افانسو کے بجائے آپ لوگوں میں پیدا ہوئی ہوتی، کاش میں آپ لوگوں میں سے کسی بیوی، کسی کی بیٹی، کسی کی بہن اور کسی کی ماں ہوتی۔“

وہ لڑکی رُک گئی پھر اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے اور وہ پھوٹ پھوٹ رو دی۔ اس کی دوسری دونوں بہنیں بھی رونے لگی تھیں۔

امیر منصور نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ ”جاؤ، واپس لوٹ جاؤ۔“ افانسو کی بیوی اور اس کی لڑکیاں رونے ہوئی واپس چلی گئیں۔

خام بک امیر منصور نے بھی نقاروں کی گونج میں وہاں سے کوچ کر لیا تھا۔ صریم اور قاضی عدید اپنے کاروان میں واپس آئے۔ وہاں بڑی سادگی سے صریم اور فوط کی شادی ہو گئی اور دوسرے روز کاروان وہاں سے کوچ کر گیا۔

کاروان کے لوگ جو کچھ عرصہ قبل روتے اور کمپرسی کی حالت میں انجیلیہ کی کی آئے تھے، اب وہ امن اور خوشی کے گیت گاتے ہوئے انجیلیہ سے اپنے گھروں کو واپس جا رہے تھے۔



سُہرا خواب

مُصَنَّف کی رُومانی اِصلاحی کُتب؟

لڑکی اس گلی کی
 اِس جلتے جہاں میں
 جلتے بجھتے لوگ
 خدا کہاں ہے ؛
 لہر لہر ساگر روئے
 منزل دُور ہے
 یہ گیت ادھورے
 سمیرا
 منیرہ

اسکے اہی

پھر بڑی اپائیت سے پوچھا۔ "محترم کیسوم! تم کیسے ہو؟"
اس بوڑھے نے جن کا نام کیسوم پکارا گیا تھا اس اجنبی سوار کی طرف دیکھتے ہوئے بڑی
ہشانی اور گرم جوشی کے ساتھ سلام کا جواب دیتے ہوئے کہا۔ "اے حکیم میخائل! میں
یہاں خوش آمدید کہتا ہوں۔"

بوڑھے کیسوم نے آگے بڑھ کر حکیم میخائل کے گھوڑے کی باگ پکڑتے ہوئے کہا۔ "آپ
زیریں، میں آپ کے گھوڑے کو اصطبل میں باندھتا ہوں۔"

میخائل ایک جہت کے ساتھ نیچے اترا اور اپنے گھوڑے کی باگ پکڑتے ہوئے اُس
باغ گھوڑے کو میں خود اصطبل میں باندھتا ہوں لیکن آپ اس کے چارے کا بندوبست
کیں۔ میں تھوڑی دیر ہی یہاں رکوں گا کیوں کہ میں ایک انتہائی اہم کام سے بے جگہ کے
بادشاہ تکفور کے پاس جا رہا ہوں۔" پھر میخائل دائیں طرف مڑا اور اپنے گھوڑے کو
ہلکی طرف لے گیا۔

اتنی دیر میں مکان کے اندر سے دو جوان بڑی تیزی سے نکلے اور بوڑھے کیسوم کے
طرے ہوئے پھر ان میں سے ایک نے کیسوم کو مخاطب کر کے کہا۔ "اے ماموں! یہ اجنبی
ہے جو اپنا گھوڑا اصطبل کی طرف لے جا رہا ہے۔"

کیسوم نے کہا۔ "یہ ہمارے سلطان عثمان کا سب سے عمدہ حکیم اور سب سے زیادہ
قابلہ سالار ہے۔ اسی کی وجہ سے ہی سلطان عثمان اور ہمارے ہمسایہ عیسائی بادشاہ
کے درمیان دوستی اور بھائی چارہ پیدا ہوا۔ تکفور کا بیٹا بیمار ہو گیا تھا اور اس کے طبیبوں
سے علاوہ قمار دے دیا تھا۔ تاہم تاج تکفور نے سلطان عثمان سے علاج کے لیے کوئی اچھا اور
مہذب طلب کیا۔ سلطان عثمان نے اس کو روانہ کیا۔"

اس کا نام میخائل ہے اور اس نے چند ہی یوم میں مسیحائیں کر تکفور کے بیٹے کو چھاکر
سے عیسائی بادشاہ تکفور نے میخائل کو اپنا بہترین دوست بنالیا ہے اور سلطان عثمان سے
میں نے اس کے تعلقات پیدا کر لیے ہیں ورنہ اس سے قبل وہ ہمیشہ مسلمان سرحدوں پر شیعون
تھا۔ میخائل مروت حکیم ہی نہیں ایک نایاب سپہ سالار بھی ہے اور بڑے بڑے سوار

آفتاب طلوع ہونے کو تھا۔ چاند کانٹوں، رات کا جامہ ختم ہو رہا تھا۔ چھپرے
کروڑتے ستارے کوچ کر رہے تھے۔ کوہستانِ الپس سے نکل کر میدانوں کے اندر بل کھاتے
ندی کے کنارے ایک سوار اپنے گھوڑے کو تیزی سے بھگا رہا تھا۔ اس کے سامنے اب
ایک بستی بھی دکھائی دے رہی تھی۔

اپنے چہرے سے وہ جوان کانسی کے محبتے کی طرح سخت اور اپنی تیز آنکھوں
باعث شاہین صفت لگتا تھا۔ اس کا سخت جسم گویا چٹانوں میں ڈھلا ہوا تھا۔ اس کے
پر موت کی سی طاقتور اور اٹل قوت، منزل شناسی اور طریق آشنائی تھی۔ رات کی
اور تمکنت کے انداز صبح کے طیور کی نمونگی کو نبھنے لگی تھی۔ ندی کی گیلی ریت سے اُٹھ
سوندھی خوشبودر دُور دور تک پھیل رہی تھی۔

تھوڑی دیر بعد وہ سمندر کی طرح گہرا ستاروں کی طرح حسین اور نازنا ماحول
پر عزم جوان اپنے سامنے دکھائی دیتی ہوئی بستی میں داخل ہوا اور ایک مکان کے دوا
دشک دی۔

تھوڑی دیر بعد ایک بوڑھے نے دروازہ کھولا اور اسے دیکھتے ہی اس اجنبی سوار

تو ارکے فن میں اس کا سامنا کرتے ہوئے ہچکچاتے ہیں۔ یہ نہایت نیک دل، مذہب پر اپنی ہمت کا دور رکھنے والا جوان ہے۔ سلطان عثمان اسے اپنے بیٹے اور خان کی طرح میں بڑھا کیسوم کہتے کہتے اچانک خاموش ہو گیا کیوں کہ میخائیل اصطبل میں اپنا اب انہی کی طرف آ رہا تھا۔

جب وہ قریب آیا تو کیسوم نے اپنے قریب کھڑے دونوں لڑکوں کی طرف ہوئے کہا: یہ دونوں میری بہن کے بیٹے ہیں اور چند یوم سے میرے پاس ٹھہرے ہوئے یوی، بیٹیاں اور بیٹے ایک شادی کے سلسلے میں یہاں سے میں میل و دور ایک سستی میں۔ وہاں میری یوی کی بہن رہتی ہے۔

میخائیل نے بڑی شفقت کے ساتھ ان دونوں لڑکوں سے مصافحہ کیا اور یہ جاننے کو پریشان ہو کہ میں کون ہوں۔ میں تمہارے ماموں کیسوم کا پڑا ناجانے والا کیسوم نے میخائیل کی بات کاٹتے ہوئے کہا: میں انہیں آپ سے متعلق بتا چکا ہوں، آئیے اندر بیٹھتے ہیں۔

کیسوم تینوں کو لے کر اپنے دیوان خانے میں آیا اور وہاں میخائیل کو بٹھا نے کہا: آپ یہاں بیٹھیں، میں آپ کے لیے کھانا تیار کرتا ہوں اور آپ کے گدازاتا ہوں۔

میخائیل نے اثبات میں گردن ہلا دی اور کیسوم باہر نکل گیا۔ دونوں میں میخائیل کے سامنے بیٹھ گئے تھے۔

ایک لڑکے نے میخائیل کی طرف دل چسپی سے دیکھتے ہوئے پوچھا: ماہر ہے تھے کہ آپ سلطان عثمان کے مقرربین میں سے ہیں۔ کیا آپ بتا سکیں گے کہ سے اُسے کو بہتان ارمن اور اس کے نواحی علاقوں پر کیسے قابض ہوئے اور انصرائی حکومتوں کے اندر گھرے ہونے کے باعث ان کی آئندہ حیثیت کیا ہوگی؟ میخائیل نے چند ثانیوں تک فکر سے کام لیا۔ پھر وہ ان دونوں لڑکے کے کہہ رہا تھا۔

تیرہویں صدی نے اپنی نصف مسافت طے کی تھی کہ ایک روز تونیر کا سلجوقی سلطان باد افروز کے قریب تاتاریوں کے ساتھ ایک جنگ میں سخت مشکل اور پریشانی میں گھر قریب تھا کہ تاتاری سلطان کیتباد کو شکست دے کر اس کے لشکر کا قتل عام شروع کر دیتے۔ انہاں مشرق کی طرف سے چھوٹا سا ایک لشکر نمودار ہوا اور اس لشکر نے سلطان کیتباد کی حمایت تاتاریوں کی پشت پر حملہ کر دیا۔ یہ ایسا خوفناک حملہ تھا کہ ایک ایک تاتاری کوچی چن کر قتل دیا گیا اور سلجوقی سلطان کیتباد کو تاتاریوں کے مقابلے میں فتح نصیب ہوئی۔

یہ نئے حملہ اور بھی سلطان کیتباد کی طرح ترک ہی تھے جنہیں تاتاریوں نے ان کے ل وطن غراسان سے ہجرت کرنے پر مجبور کر دیا تھا اور یہ لوگ دریائے فرات کے کنارے چند یوم م کرنے کے بعد اچانک افروز کی طرف نکل آئے اور سلطان کیتباد کی فتح کا سبب بن گئے۔

سلطان کیتباد نے بھی ان نوار و ترکوں کو خوب صلہ دیا اور انہیں کو بہتان ارمن کا لاد دے دیا تاکہ وہ اس میں آباد ہو سکیں اور اپنے گلوں کی دیکھ بھال کر سکیں۔

اب ان نئے آباد ہونے والوں کے جنوب میں سلطان کیتباد شمال میں بیتھنیا کی عظیم بیانی سلطنت جن کے مشہور شہر نائسیا اور بروصہ ہیں۔ شمال مغرب میں بے جیک کا بادشاہ مغور اور مغرب میں کئی چھوٹی چھوٹی نصرانی حکومتوں کے علاوہ جنوب میں قسطنطنیہ کی عظیم برناتی سلطنت تھی۔

ارطغرل کے پاس کو بہتان ارمن میں سترہویں صدی کی وادیوں کے اندر سعوت نام کا ایک ہی شہر تھا جس کے اندر وہ اپنے خانہ بدوش قبیلے کے ساتھ رہائش پذیر ہو گئے۔ ۱۲۵۸ء میں ارطغرل کے ان لڑکا پیدا ہوا جس کا نام اس نے عثمان رکھا۔ اس گلہ بانی کے ماحول میں عثمان پل کر جوان ہوا۔ سعوت شہر کے نواح میں اتبیر وئی نام کی ایک سستی تھی جس میں ایک فقیر اور بزرگ رہا کرتے تھے ان کا نام احمد بیلی تھا عثمان کو ان سے بڑی عقیدت تھی اور ان کے ہاں آنا جانا تھا۔ اس بزرگ کی ایک حسین و جمیل لڑکی تھی جس کا نام خزینہ تھا اور سستی کے لوگ اس کے بے شکی شمن کی جیسے اسے کما یو یا (مدر منر) کہا کرتے تھے۔ بڑے بڑے ذی مرتبہ اور ذی عزت امراء نے

اس لڑکی کا رشتہ طلب کیا لیکن اس بزرگ نے کوئی مثبت جواب کسی کو نہ دیا۔ عثمان لڑکی کی رفاقت کا طلب گار نہوا لیکن عثمان کے معاملے میں بھی اس خاموش طبع اور نجیب سکوت اختیار کیے رکھا۔ یہاں تک کہ ایک خواب نے عثمان کی کایا پلٹ دی۔

ایک رات عثمان محو خواب تھا کہ اس نے دیکھا وہ اور اس حسین لڑکی کا فرش پر لیٹے ہوئے ہیں۔ اتنے میں ایک چاند اس بزرگ کے سینے سے طلوع ہوا اور اسے کامل کی شکل اختیار کر کے عثمان کے خوابیدہ جسم تک پہنچا اور سینے میں جا گزریں ہو گیا۔ جگہ پست کی طرف سے ایک درخت نمودار ہوا اور بڑھتا ہی چلا گیا اور اس قدر بلند پھیلی ہوئی شاخیں بحر و بر پر چھا گئیں۔ اس کی پتیوں کے گھنے سائے میں چار بڑے بڑے کوہ قاف، کوہ اطلس، کوہ طور اور کوہستان بلقان چھپ گئے اور ان پتوں کے زمری بڑے شامیانے کی چار چوبوں کی طرح سنبھالے ہوئے ہیں اور ان کے اطراف میں عظیم دریائے دجلہ اور فرات رواں ہیں۔ سطح آب پر سفینے تیر رہے ہیں اور میدانوں میں سرسبز کھیتیاں میخائیل کا اپنے ہونٹوں پر زبان پھیری پھر وہ دوبارہ کہہ رہا تھا۔ گلاب و رنگ پھول اور انواع و اقسام کے ثمرات نگاہ کو دعوت نظارہ دے رہے ہیں اور ہر طرح طرح کے طیور نغمہ سرا ہیں۔ آبادیاں اپنے گنبد و مینار کو اس زمری شامیانے کیے ہوئے ہیں۔ معبد و احرام، عظیم الشان قلعے اور بلند برج اپنے سر اٹھائے کھڑے ان سب کی بلندی پر ایک سنہری ہلال اپنی پوری آب و تاب سے چمک رہا ہے۔ خواب میں عثمان نے دیکھا کہ ایک جھکڑ اور تیز و تند ادھی چل نکلی اور اس آدھی ہلالِ قسطنطنیہ کے تاج سے ٹکرانے لگا جو دوسمندیوں کے درمیان اور دو براعظماں اتصال پر اس طرح واقع ہے۔ جیسے شاہی انگشتری کا مرکزی ہیرا یا قوتوں اور زمرہ درمیان فروزاں ہو۔ عثمان اس انگشتری کو اپنی انگشت کی زینت بنانے ہی لگاؤ آہ نکھ کھل گئی۔

عثمان خرمینہ کے باپ کے پاس گیا اور اسے اپنا خواب کہہ دیا۔ خرمینہ کے بڑا عثمان سے کہا: تم نے مبارک خواب دیکھا ہے اور تمہاری اولاد صدیوں تک ایک

ان و شوکت سے حکومت کرے گی۔ ساتھ ہی اس نے اپنی بیٹی کی شادی بھی عثمان سے کر دی۔ ۱۲۸۸ء میں عثمان کا باپ ارطغرل فوت ہو گیا اور اسی سال عثمان کے ہاں ایک لڑکا پیدا جس کا نام اس نے اور خان رکھا۔ اب اور خان جوان ہو چکا ہے اور ہر کام میں اپنے باپ مان عثمان کی مدد کرتا ہے۔

ارطغرل کی مرگ کے انقرو کا سلطان کعباد بھی مر گیا اور عثمان نے اس کے علاقوں کو اپنے تسلط کر کے ایک سلطنت کی بنیاد رکھ لی۔ اس کے بعد انہوں نے یونانیوں سے شہر شہر بھی چھین لیا اور اب یہی شہر مرکزی حیثیت رکھتا ہے اور اسی میں سلطان عثمان رہتا ہے۔ سلطان نے اپنی عسکری طاقت بڑھالی ہے اور وہ اپنے ارد گرد کی یونانی حکومتوں اور سلطنتوں کی تیاری کر رہے ہیں۔

میخائیل خاموش ہو گیا کیوں کہ بوڑھا کیسوم کھانے کے برتن اٹھائے اندر داخل ہوا تھا۔ نے کے برتن میخائیل کے سامنے رکھتے ہوئے اور خود بھی اس کے رو برو بیٹھتے ہوئے اس میخائیل سے پوچھا: آپ نے یہ تو بتایا ہی نہیں کہ بلے جیکٹ کے عیسائی حاکم مکتور کے پاس کس غص سے جا رہے ہیں۔ یہ بات ظاہر ہے کہ وہ آپ کا دوست ہے کہ ایک بار آپ کے بیٹے کو بیماری سے اچھا کر چکے ہیں لیکن آپ کا اس بار اس کے پاس جانا کچھ راز راز و اہم اہم سا لگ رہا ہے۔

میخائیل نے بے چینی سے دیکھا۔ جس پر کیسوم نے کہا: اگر آپ اسے راز رکھنا چاہتے تو میں اصرار نہیں کروں گا۔

میخائیل اس بار الجھن اور پریشانی میں ان دونوں لڑکوں کی طرف دیکھنے لگا تھا کیسوم ایداس کی گہری نگاہوں کا مطلب سمجھ گیا اور کسی قدر مسکراتے ہوئے اس نے کہا: آپ ان دونوں لڑکوں کا خیال نہ کیجیے۔ یہ دونوں قابلِ اعتماد ہیں اور ہر راز اور ہجرت سے کی تان سے کی جاسکتی ہے۔

بلے جیک کوہستان الپس کے قریب ایک حین اور مضبوط شہر تھا اور مکتور اس شہر کا حاکم تھا۔

میخائیل ذرا سے توقف کے بعد پھر کہہ رہا تھا۔ "بلے جیک کے نصرانی حکمران، بیٹی نینوفر کی اگلے ماہ شادی ہے اور اس شادی میں اس نے سلطان عثمان کو بھی شریک کر دیا ہے ہمارے ایک جاسوس نے یہ خبر دی ہے کہ اپنی بیٹی نینوفر کی شادی کی تقریب میں سلطان عثمان سے دھوکہ کرے گا اور ان کو گرفتار کر کے قتل کر دے گا اور سنا گیا ہے کہ اسے قتل کرنے کا مشورہ اسے قسطنطنیہ کے نصرانی شہنشاہ نے دیا ہے۔ میں اسی خبر کی تصدیق کے لیے تکفور کے پاس بلے جیک جا رہا ہوں۔"

بوڑھا کیسوم خاموش رہا کیوں کہ میخائیل کی باتوں سے اسے اطمینان ہو رہا اور وہ چاند مل کو کھانا کھانے لگے تھے۔ کھانے بعد میخائیل نے تھوڑی دیر تک وہ قیام کیا پھر وہ وہاں سے کوچ کر گیا تھا۔



سہ پہر کے قریب میخائیل بلے جیک شہر کے اندر تکفور کے محل میں داخل ہوا۔ اس کا گھوڑا اس سے لے کر شاہی خطیب کی طرف لے گئے تھے کیوں کہ یوں لگ رہا تھا کہ سب میخائیل کو خوب جانتے ہوں اور اس کا احترام کرتے ہوں۔ ایک پرہیزگار میخائیل نے تکفور کو اپنے آنے کی اطلاع کر دی تھی۔ جلد ہی وہ پرہیزگار بھاگتا ہوا کے پاس آیا اور اسے اندر جانے کو کہا۔

میخائیل تکفور کے اس کمرے میں داخل ہوا جس کے فرش پر دبیز اور گہرا پچھے ہوئے تھے اور تین ہوا میں حریری پردے لہرا رہے تھے۔ میخائیل جب اس کو داخل ہوا تو بلے جیک کا حکمران تکفور اپنے ساتھ بیٹھے دو مسلح جوانوں سے لڑو لانا رہا تھا۔ جب میخائیل اندر داخل ہوا تو وہ چونک کر سنبھل گئے۔ اس طرز عمل کے چہرے پر شک و شبہات کے کئی رنگ آمود رفت کر گئے لیکن اس نے اپنے آپ پالیا تھا۔

تکفور نے اٹھ کر بڑی گرم جوشی سے میخائیل کے ساتھ مصافحہ کیا اور اپنے بیٹھے دونوں جوانوں کو بھی میخائیل کی شخصیت کا تعارف کرایا۔ پھر تکفور نے ان دونوں

طرف اشارہ کرتے ہوئے میخائیل سے کہا۔ "اپنی بیٹی نینوفر کی شادی کے سلسلے میں قسطنطنیہ میں نے چھ سو ناٹ منگوائے ہیں اور یہ دونوں جوان ان ناٹوں کے سرور ہیں۔ شادی تقریب میں یہی ناٹ تمہارے سلطان عثمان کی خدمت بھی کریں گے۔"

تکفور کے اس جملے میں ایسا طنز تھا کہ میخائیل کے اندر ایک طوفان اٹھ کھڑا ہوا تاہم بڑے ضبط اور حوصلے سے کام لے رہا تھا۔ اتنے میں ایک ناٹ نے میخائیل کو مخاطب کرتے ہوئے پوچھا۔ "اچھا شہر سے یہاں تک تمہارے اکیلے سفر کیا۔ اگر راستے میں کوئی تمہیں ملے۔ اجڑ جان کر قتل کر دیتا پھر تمہیں یقیناً اپنے ساتھ محافظ رکھنے چاہئیں۔"

میخائیل نے کہا۔ "میں اپنی حفاظت کو ناخوب جانتا ہوں۔"

اس ناٹ نے اس بار طنز و تعجب میں کہا۔ ایک طبیب جو صرف مرہوموں اور اول کے لڑ جاتا ہو وہ بے چارہ اپنے دفاع کی کیا تدبیر کر سکتا ہے۔"

اس بار تکفور نے اس ناٹ کو جواب دیتے ہوئے کہا۔ "میخائیل جس قدر عمدہ اور اب طبیب ہے اس سے کہیں بڑھ کر یہ اچھا جنگجو اور تیغ زن بھی ہے۔ بڑے بڑے ملہ مند لوگ اس کی تلوار کا لوہا مانتے ہیں۔"

اس بار دوسرے ناٹ نے بولتے ہوئے کہا۔ "آپ مذاق کر رہے ہیں یا اس طرح اب طبیب کے سمور اور مردانگی کی تعریف کر کے آپ اس کی حوصلہ افزائی کرنا چاہتے ہیں۔"

میخائیل نے اس بار قدرے برہمی میں بولتے ہوئے کہا۔ "کیا دنیا بھر کی شجاعت اور ست تم ناٹ لوگ اپنے ناموں سے ہی منسوب کرتے ہو۔"

پہلے ناٹ نے کہا۔ "اس میں کیا شک ہے۔ تلوار کے فن میں کوئی بھی ناٹوں کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔"

میخائیل نے کمر ہٹ آمیز لہجے میں کہا۔ "اگر کبھی موقع آتا تو میں تمہارے یہ سارے لوے غلط اندازے بنیاد ثابت کر دوں گا۔"

ناٹ نے اپنی زور کی کٹلیوں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ "کبھی وقت آیا ہے کیا لڑیں ابھی اس کے لیے تیار ہوں۔ اگر آپ تلوار سنبھالنا اور کپڑا جانتے ہیں تو آجائیں۔"

حکیم میخائیل کا رنگ غصے اور برہمی میں سوزِ طلوع و غروب جیسا ہو کر
نے معنی خیز انداز میں تکفور کی طرف دیکھا اور تکفور نے مہم سی آواز میں کہا: "میرے
سے اجازت ہے، میں اس مقابلے سے غفلت ہوں گا۔"

میخائیل زخمی سانپ کی طرح اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے اپنے سر سے جب اپنا
توبہ نائٹ دنگ رہ گئے۔ حکیم میخائیل عمارے کے نیچے اپنے سر پر ان سے بھی بھاری ہو
تھا۔ اپنا عمامہ ایک طرف رکھنے کے بعد میخائیل نے اپنی عبا اُتار دی۔ دونوں نائٹ
زده ہو گئے کیوں کہ میخائیل بہترین اور محکمیتی ہوئی زندہ ہونے تھا اور اس کی
چوڑے کی ایک مضبوط اور موٹی پیٹی تھی جس سے اس کی تلوار اور خنجر ٹک رہے تھے
میخائیل نے ایک ماہر تیغ زن کے سے انداز میں اپنی تلوار کھینچ لی اور نائٹوں کو غلط
ہونے اس نے کہا: "اُٹھو، میرے سامنے آؤ۔ میں تم دونوں کو ایک ساتھ تھاپا
دعوت دیتا ہوں۔"

پہلا نائٹ اٹھا اور تلوار بے نیام کرتے ہوئے اس نے کہا: "میں اکیلا ہوں
کردوں گا۔ ایک حکیم کے سامنے دو نائٹوں کا آنا ہماری توہین ہے۔" اس نائٹ
سر پر اپنا خود درست کیا اور بڑے خوشحور انداز میں وہ میخائیل کی طرف بڑھا۔
نائٹ نے قریب آتے ہی میخائیل پر حملہ کر دیا۔ دوسرا نائٹ اور تکفور
سے مقابلے کے اس آغاز کو دیکھ رہے تھے۔ میخائیل نے نہایت آسانی سے نائٹ
اپنی تلوار پر لیا تھا۔ چند لمحوں تک میخائیل نے صرف نائٹ کے وار روکنے پر اکتفا
اس کا انداز ایسا ہی تھا جیسے کوئی ماہر فن کسی نیچے کو اپنے ساتھ دل بہلانے کا موقع
رہا ہو۔ اس سے نائٹ کے حوصلے بلند ہو گئے تھے اور وہ اندر زیادہ بڑھ چڑھ کر جاتا
لگا تھا۔ تکفور اور دوسرے نائٹ کے چہروں پر گہری مسکراہٹ اور اطمینان تھا
اچانک میخائیل کے چہرے پر پھیلے حلاوت و مٹھاس، خصوصیت وہ
بدل گئے۔ اب وہ اپنے دامن میں قیامت لیے برق شکن بن کر نائٹ پر قوی مزہ
لگا تھا۔ میخائیل حکیم نہ رہا تھا۔ زخموں کی میحانی کرنے والا سکری دستی میں ڈوب

ہونے لگا تھا۔ لگتا تھا اس نے تقدیر کو اپنے سامنے مات اور افلاک کو تسخیر کرنے کا ارادہ
کر لیا ہو۔

وہ ایک انوکھے مدوجزرا، اپشاوروغنا اور خور انگیزی کے ساتھ نائٹ پر حملہ آور
ہو رہا تھا۔ دوسرے نائٹ اور تکفور کے چہرے پر اب خوشی اور اطمینان کے بجائے
خفت و شرمندگی تھی۔

نائٹ جو تھوڑی دیر قبل بڑھ چڑھ کر اور اندھا دھند حملہ آور ہوا تھا اب میخائیل
کے تصور و مردانگی اور زہر کی طرح اس کے سریع التأثير حملوں کے باعث خیالوں کے عفریت
اور دھول کے اسیدب کا شکار ہو گیا تھا۔ وقتاً میخائیل نے نائٹ کو حکم دے کر اس کے
بائیں شلے پر ہلکا سا زخم لگا دیا۔ اس موقع پر وہ چاہتا تو نائٹ کا بازو بھی کاٹ سکتا تھا لیکن
اس نے جان بوجھ کر ایسا نہ کیا تھا۔

نائٹ نے ایک ہلکی سی سسکی لی اور بڑی خشومت اور قناعت میں اس نے میخائیل کی
طرف دیکھا لیکن میخائیل نے اس کے اس انداز کا کوئی اثر نہ لیا اور ذرا نیچے ہٹ کر کھڑا ہو گیا۔ شاید
وہ نائٹ کو سنبھلنے کا موقع دینا چاہتا تھا۔ نائٹ سنبھل کر پھر میخائیل پر حملہ آور ہو گیا تھا میخائیل
ایک بار چھڑائی و دہی قوتوں میں ایک شہودی کیفیت کے ساتھ نائٹ پر چھا گیا۔ چند ثانیوں
ایک وہ پھر سرمدی ریحوں کے اسرار کی طرح نائٹ کو اپنے سامنے چکر دیتا رہا۔ پھر دوبارہ
اس نے ویسا ہی حکم دے کر نائٹ کے دائیں بازو پر زخم لگا دیا تھا۔ نائٹ کے بازو سے
خون بہہ نکلا تھا اس کے ہاتھ سے تلوار پھوٹ کر گر گئی تھی اور وہ شرمندگی و ندامت میں سر
چھپا کر کھڑا ہو گیا تھا۔

میخائیل نے نائٹ کی طرف دیکھتے ہوئے طنز اُگایا: "مجھے اُمید نہ تھی جہاں ساری
شجاعت اور جرات مندی اس قدر ختم ہو جائے گی۔ تم تو کہہ رہے تھے نائٹ ناقابل تسخیر ہوتے ہیں
اُنہ ایسا دعویٰ نہ کرنا ورنہ ایک بار اور تمہیں میرے جیسے کسی اور حکیم کا سامنا کرنا پڑا تو اپنی زندگی
کا خاتمہ کرنا بیٹھو گے۔ میں تمہیں زیادہ نقصان بھی پہنچا سکتا تھا لیکن میں نے دگر کر لیا ہے۔ کہیں
مجھے اپنے آپ کو امدادوں پر فوقیت مت دو۔"

میخائیل نے اپنی تلوار نیام میں کر لی اور اپنی جگہ پر بیٹھ گیا۔ دوسرا نائٹ بھاگ کر آیا اور مریم بیٹی کا سامان لے آیا۔ پھر وہ بڑے اٹھک سے اپنے ساتھی کے زخموں پر بیٹیاں بازو تھا۔ مکفور نے خفت و شرمندگی میں میخائیل کی طرف دیکھتے ہوئے کہا: ”حکیم میخائیل! تم نے ثابت کر دیا ہے کہ تم حکمت و سپاہ گری دونوں میں یکساں مہر حاصل ہو۔ کیا تم کسی خاص کام کے پاس آئے ہو؟“

میخائیل نے بے پرواہی سے کہا: ”نہیں یوں ہی جا رہا ہوں آپ سے ملنے چلا آیا! مکفور نے کہا: ”میری بیٹی اور بیٹا تمہیں بہت یاد کرتے ہیں۔ وہ تمہاری حکمت معترف اور دونوں سرد سے زیادہ تمہارے عقیدت مند ہیں۔ تم آج کی شرب نوشا ہی میں آرام کرو۔ کل میں ان دونوں بہن بھائیوں کو تم سے ملواؤں گا۔ یہ دونوں نائٹ بھی شاہی مہمان خانے میں ٹھہرے ہوئے ہیں۔ یہ تمہیں سمجھے بغیر اپنی نادانی میں تمہیں مقابلہ دعوت دے بیٹھے تھے۔ میں ان دونوں کو سمجھا دوں گا۔ یہ تمہارے ساتھ اچھا سلوک کیا دونوں نائٹ بھی اٹھ کر مکفور کے پاس آ بیٹھے تھے۔ کچھ دیر تک مکفوران نیز اپنی بیٹی کی شادی سے متعلق گفتگو کرتا رہا پھر وہ ان تینوں کو کھانا کھلانے کی خاطر اپنے شاہزادے کی طرف لے جا رہا تھا۔“

①

شام کے کھانے کے بعد میخائیل جب مکفور کے مہمان خانے میں داخل ہوا تو باد خدام نے اس کا خوب استقبال کیا۔ اس کا گھوڑا لے کر انہوں نے اسے صلیب میں باندھ دیا۔ میں سے ایک میخائیل کو اس کمرے میں لے گیا جس میں اس نے قیام کرنا تھا۔ کمرہ خوب ماستھرا اور ضرورت کی ہر شے سے مرصع تھا۔

میخائیل کی راہنمائی کرنے والا جب بدلنے لگا تو میخائیل نے اسے پکارتے ہوئے ”سنو“ مہمان خانے کا وہ کارکن مرک گیا۔ میخائیل نے اس سے قریب ہو کر پوچھا: کیا تم سے آتے ہوئے بانٹوں کے دونوں سردار بھی اسی مہمان خانے میں ٹھہرے ہوئے ہیں؟ اس خامد نے بڑی ارادت مندی کے ساتھ میخائیل کی طرف دیکھتے ہوئے کہا: ”آپ“

درست ہے۔ دونوں نائٹ یہیں ٹھہرے ہوئے ہیں۔ پر آج رات ایک ہی نائٹ یہاں آیا ہے۔ وہ بار بار آپ کا پوچھ رہا تھا۔ دوسرا نائٹ سنا ہے کسی طرح زخمی ہو گیا ہے اور وہ شفا خانے میں زیر علاج ہے۔“

میخائیل نے کہا: ”وہ نائٹ میرے متعلق کیوں پوچھ رہا تھا۔ کیا وہ مجھ سے ملنا چاہتا ہے۔“ مہمان خانے کے خادم نے کہا: ”یہ تو مجھے خبر نہیں کہ وہ کیوں پوچھ رہا تھا لیکن وہ بار بار آپ سے متعلق ہم سے سوال کر رہا تھا۔ یہاں تک کہ اس نے مجھ سے وہ کمرہ بھی معلوم کر لیا جس میں آپ نے قیام کرنا تھا۔ میں نے اسے آپ کا کمرہ بھی بتا دیا تھا۔“

میخائیل نے خیالات کو جھٹکتے ہوئے کہا: ”اب تم جاؤ۔“ وہ جب چلا گیا تو میخائیل وہاں کھڑا ہو کر چند لمحوں تک فکر و سوچوں میں ڈوبا رہا پھر وہ اپنے بستر کی طرف چلا گیا تھا۔

رات آدھی کے قریب جا چکی تھی۔ ہر چیز تاریکی کے قریب و تر و دیر میں ڈوبی ہوئی تھی سب حرارت و بے حلاوت رات میں ہر شے کو تاریکی عمل اور درازی افکار کا شکار تھی۔ سادوں کے قافلے اپنی منزلوں کو رواں تھے اور غیر و شرکا تصادم جنگاڑی پیچتی آدھی کی طرح جاری تھا۔ مکفور کے شاہی مہمان خانے میں ایک طوفان، ایک انقلاب کو دھن لے رہا تھا۔ زخمی ہونے والے نائٹ کا ساتھی جو شاہی مہمان خانے میں ہی ٹھہرا ہوا تھا اپنے کمرے سے نکلا۔ اس کے دائیں ہاتھ میں ننگی تلوار اور بائیں ہاتھ میں مستطیل نما اپنی ڈھال تھی اور وہ دیوار کے ساتھ ساتھ چلتا ہوا اس کمرے کی طرف بڑھنے لگا تھا جس میں میخائیل ٹھہرا ہوا تھا۔ تھوڑی دیر تک اس نے اپنے ابو کو دکا جائزہ لیا پھر وہ بے عاربا میخائیل کے کمرے میں داخل ہوا۔ کمرے میں ایک ننھی سی کافور شعل کی مدھم مدھم اور غبار آلود سی روشنی پھیلی ہوئی تھی جس میں سامنے والی دیوار کے ساتھ میخائیل کا بستر صاف دکھائی دے رہا تھا۔

نائٹ نے ڈھال اپنے سامنے کر لی اور تلوار لہراتا ہوا وہ آگے بڑھا پھر قریب جا کر اس نے اپنی تلوار لہرا کر بلند کی اور اپنی پوری قوت سے اس نے میخائیل کی مسری پر دے ماری۔ نائٹ دنگ رہ گیا۔ اس کی تلوار میخائیل کے بستر میں دھنس سی گئی تھی کیوں کہ میخائیل اپنے بستر

میں نہ تھا۔ اچانک ناٹ کے اوسان خطا ہو گئے۔ کمرے میں بارود کے دھماکے کی طرح مینا بھاگ
نوائے ہاتھ جیسی آواز بلند ہوئی۔

”فریب کار انسان! میں جانتا تھا تم ایسی ہی رذالت و کمینگی کا مظاہرہ کرو
میں محتاط تھا۔“

ناٹ نے جب مڑ کر دیکھا تو مینائیل دروازے کی اوٹ سے باہر نکل رہا تھا۔
اس کی طرف بھاگا اور اس پر حملہ کر دیا لیکن مینائیل انتہائی تیز دست اور محتاط ثابت
اس کی تلوار پہلے ہی اس کے ہاتھ میں تھی۔ ناٹ کا دار اس نے اپنی تلوار پر لیا پھر اس
ایسی خرابی و خونخواری کے ساتھ حملہ کیا کہ ناٹ سرگشتہ و حیران ہو کر رہ گیا۔

مینائیل اپنے تیز لگتا دار اور اولوں کی طرح برسنے والے حملوں کی طرح ناٹ کو دھکیلا
ہوا ایک کونے میں لے گیا۔ پھر اچانک اس نے ناٹ پر اپنی تلوار کا ایک انتہائی ہلک
کیا۔ ناٹ اس حملے کو روکنے میں پوری طرح عموماً کہ مینائیل نے اس کے پیٹ پر اپنے ہاتھ
کی شدید ضرب لگا دی۔ ناٹ تکلیف کے باعث کراہ اٹھا اور وہ جھک سا گیا۔ مینائیل نے
اس کے پیٹ میں گھسنے کی ایک اور ضرب لگا دی۔

ناٹ گھٹنوں کے بل زمین پر گر گیا۔ مینائیل نے اس سے اس کی تلوار چھین لی۔
بھاگ کر اس نے بستر کی ایک چادر اٹھائی۔ جلدی جلدی اس نے چادر کے ایک کونے سے
ناٹ کا منہ کس کر باندھ دیا اور چادر کے دوسرے کونے سے اس نے اس ناٹ کے دونوں
ہاتھ اس کی کمر پر خوب کس کر باندھ دیئے تھے۔ پھر مینائیل نے اپنی تلوار نیام میں کر لی۔ ناٹ
کی تلوار اس نے وہیں پھینک دی۔ نیچے جھک کر اس نے ناٹ کو اپنے کندھے پر اٹھایا
کمرے سے باہر نکل کر بڑی احتیاط سے کام لیتا ہوا وہ اسٹبل میں آیا۔ وہاں خانے کے سب
غلام گہری نیند سوئے ہوئے تھے۔

مینائیل نے اپنے گھوڑے پر زین ڈالی۔ اپنے سارے ہتھیار اس نے زین سے
باندھے۔ ناٹ کو اس نے اپنے گھوڑے پر ڈالا پھر وہ خود بھی سوار ہوا اور ناٹ کو لے کر ہوا
خانے سے باہر نکل کر وہ اپنے گھوڑے کو اس راستے پر دوڑا رہا تھا جو شہر سے باہر نکل

بشرق کی طرف جاتا تھا۔ شہر کے اندر وہ اپنے گھوڑے کو دو میانہ روی سے دوڑاتا رہا۔
ن شہر سے باہر نکل کر اس نے گھوڑے کو ہمیشہ لگا کر اسے سرپٹ دوڑا دیا تھا۔



اگلے روز دن چڑھے تک اپنا گھوڑا سرپٹ دوڑانے کے بعد مینائیل تکفور کی حدود
باہر نکل گیا تھا۔ دوپہر کے قریب کو ہٹانوں کے اندر ایک چٹان کے نزدیک اس نے
گھوڑے کو روک دیا اور ناٹ کو اس نے نیچے اتارا۔ پہلے اس نے ناٹ کے ہاتھ اور
لوہل کر اسے کھانا کھلایا اور خود بھی اس کے ساتھ بیٹھ کر کھایا۔ پھر اس نے اس کے
مٹا ہوا دوبارہ اس کی پشت پر باندھنے کے بعد نرم آواز میں اس سے پوچھا۔ ”تکفور
بس مقصد کے تحت تم لوگوں کو قسطنطنیہ سے اپنے شہر بلیک جیک میں بلا رہے۔“
ناٹ نے کہا۔ ”اس نے ہمیں اپنی بیٹی کی شادی میں شرکت کے لیے بلا رکھا۔“
مینائیل نے طنزاً کہا۔ ”شادی میں شرکت کے لیے تو اس کے عزیز و اقارب ہی
اتھے۔ یہ کہو شادی کے روز وہ تم ناٹوں سے کیا کام لینا چاہتا ہے۔“

ناٹ نے اس بار کوئی جواب نہ دیا اور خاموش رہا اس کے چہرے سے یوں لگ
تھا جیسے وہ کوئی بہانہ یا عذر تلاش کرنے کی کوشش میں ہو۔

مینائیل نے اس دفعہ بڑھتے ہوئے لہجہ میں پوچھا۔ ”تمہاری خاموشی تمہاری انجی زندگی
نفاذ کا باعث بھی ہو سکتی ہے۔ اصل حالات کا اندازہ مجھے پہلے سے ہے لیکن میں تمہاری زبان
اس کی تصدیق چاہتا ہوں۔ کہ قسطنطنیہ سے بلیک جیک آنے کا اصل مقصد کیا ہے۔“
ناٹ نے مدھم آواز میں کہا۔ ”کوئی مقصد نہیں۔ تمہارے اندازے غلط اور بے بنیاد بھی
کرتے ہیں۔“

مینائیل نے اس بار غصے میں گرجتے ہوئے کہا۔ ”اے فریب کار! تو زنی سے کچھ
بتائے گا۔ میں جانتا ہوں تم ناٹ لوگ امن و امانیت کی نہیں تلوار اور خنجر کی زبان سمجھتے
۔ ابھی میں زنی سے کام لے رہا ہوں مجھے سمجھنے اور جاننے کی کوشش کرو۔ اگر تم نے

میرے ممبر میری نرمی کا زیادہ امتحان لیا تو میں اپنی تلوار سے کام لول گا اور تمہارے سردار وطن، لگمان و خیال اور سطوت و صفات کو گما کر رکھ دوں گا۔ یہ سمجھ کر سچ بولو کر میری ہر داؤ، ہر گھات سے ہوشیار ہوں اور میں تمہارے قریب کی لیغار میں آنے والا نہیں ناٹ نے بڑی بے اعتنائی سے کہا۔ ہمیں قسطنطنیہ سے بلیک جیک ملاز کوئی اور مقصد ہے بھی تو وہ میں تم سے کیوں کموں گا جب کہ اس کا تم سے کوئی تعلق میخائیل کے چہرے پر پھیلی سمندر کی سی گہرائی اور تاروں کی سی روشنی تیر اور لہو کی بارش میں تبدیل ہو گئی۔ ایک جوش، ایک جذبے میں اس کی حالت سوچوں کے میں بڑھ کر بڑے ہونے والے طوفان جیسی ہو گئی۔

ایک سخت جھٹکے کے ساتھ میخائیل نے اپنی تلوار کھینچ لی اور اس نے اس طرف دیکھتے ہوئے انتہائی حقارت و طعن اور نفرت و نفیر میں کہا۔ "قسم مجھے اپنا متعجب کی میں تیرے لیے زائر اجل بن جاؤں گا۔ تیری آماجگاہ شر کو توڑ دوں گا۔ تجو راز اگلوائل گا۔ درتہ یہ دنیا تمہارے لیے دارِ عبرت بنا دوں گا۔ میں تمہیں سچ کہنے کے لیے سی مہلت اور دیتا ہوں۔ اگر تم نے پھر بھی خاموشی سے کام لیا تو میں تمہاری ساری ذرا دانائی، فراست، ذکاوت و ذہانت اور عورت و سرکشی کو ندامت و انفعال اور خستہ بنا دوں گا۔"

ناٹ نے جب پھر بھی کچھ نہ بتایا اور خاموشی اختیار کیے رکھی تو میخائیل نے چیخ آدھی کی طرح گرجتے پھرتے ہوئے کہا۔ "اے قنوطیت و منکرت کے علمبردار! میں تیری سلامتی چاہتا تھا پر لگتا ہے تو میرے ہاتھوں سفید پور کے پیالے کی طرح ٹوٹے بوس ہونا چاہتا ہے اگر تو ایسا ہی چاہتا ہے تو پھریوں ہی سہی۔ دیکھ میں اپنا مل کرتا ہوں۔ جب مجھے زیادہ تکلیف ہو اور تو سب کچھ اگلنے پر آمادہ ہو جائے تو مجھے اپنی چمڑے کی پیٹی کے اندر سے میخائیل نے خنجر نما دو دھار کا جلی نوک کا ایک نشتر نکالا اور اسے ناٹ کو دکھاتے ہوئے کہا۔ "اس سے میں انسانی جسموں کے اندر ٹوٹے ہوئے تیر نکالتا ہوں۔ پر آج اس سے تمہارے لیے میں ایک قصاب کا کام

میخائیل نے اپنا وہ نشتر ناٹ کی اس جگہ رکھا جہاں ٹانگ اور ران آپس میں ملتے ہیں پھر اس نے اس کی ٹانگ دوہری کر کے ران سے ملا دی اور ٹانگ اور ران کے درمیان دبے ہوئے اپنے لک دار اور دو دھار کے خنجر کو گھما کر شروع کر دیا۔

خنجر دھار نشتر نے جب ناٹ کی ٹانگ اور ران کو زخمی کرنا شروع کیا تو ناٹ بڑی طرح چیخنے چلانے لگا اور نشتر روک دینے کے لیے میخائیل کی منتیں کرنے لگا۔ میخائیل نے ہاتھ روک لیا تاہم اس نے نشتر وہیں رہنے دیا اور ناٹ کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "کیا تم کچھ بتانے پر آمادہ ہو؟"

ورد کی شدت کے باعث ناٹ کو پسینہ آ گیا تھا۔ اس نے فوراً اثبات میں گردن ہلا دی۔ میخائیل نے نشتر علیحدہ کرتے ہوئے کہا۔ "تو پھر کہو تا کہ تم سے سارے طاقت سنے کے بعد اس نشتر سے آنے والے تمہارے زخموں کی مرہم مٹی کمروں اور یہاں سے کوچ کر جاؤں۔"

ناٹ نے پلا تامل کہنا شروع کیا۔ "میرا نام ایلیام ہے۔ میں اور میرا وہ ساتھی جو مکفور کے سامنے تمہارے ساتھ مقابلے میں زخمی ہو گیا تھا، ان ناموں کے سردار ہیں۔ جو ان دونوں بلیک جیک میں شہرے ہوئے ہیں۔ مکفور نے ہمیں قسطنطنیہ سے اس غرض اور اس کے تحت ہلا کر کا ہے کہ وہ اپنی بیٹی میونفر کی شادی میں مسلمانوں کے سلطان عثمان کو مدعو کرے گا۔ سلطان کے لشکر کو شہر سے باہر ٹھہرا جائے گا اور خود سلطان کو کھانے کے لیے قلعے کے اندر بلایا جائے گا۔ مکفور کا ارادہ ہے کہ جب سلطان اپنے محافظوں کے ساتھ کھانا کھا رہا ہو تو ہم ناٹ اس پر حملہ کر کے اس کے محافظوں کو ٹھکانے لگا دیں اور سلطان کو گرفتار کر لیں۔"

میخائیل نے غصے اور قہر میں پوچھا۔ "اس سے تم کو کیا حاصل ہوگا؟"

ناٹ نے کہا۔ "سلطان کی گرفتاری پر وہ قلعہ بند ہو جائے گا اور سلطان کے لشکر سے سروسے بازی کرے گا کہ اگر قلعہ پر حملہ ہوا تو وہ سلطان کو قتل کر دے گا۔ گرفتاری کے بعد وہ سلطان کو اس شرط پر رہا کرے گا کہ سلطان پہلے عیسائیوں کے وہ سارے علاقے واپس کر دیں جو انہوں نے فتح کئے ہیں۔"

نائٹ خاموش ہو گیا۔ میخائیل نے نشر اچھی بیٹی میں لگا لیا۔ اس نے اپنے گھوڑے سامان نکال کر نائٹ کے زخم پر مرہم لگا کر سبھی ہانڈی پھراس نے نائٹ کو اٹھا کر اپنے گم پر بٹھاتے ہوئے کہا۔ ”مکفور نہایت کمینہ اور زویل ہے۔ میں نے اپنے رب کے فضل سے اس کے بیمار بیٹے کو صحت مند کیا۔ اس نے مجھے اپنا دوست بنایا اور اب وہ میرے سلطان کی جان کے درپے ہے۔ یقیناً اس کی موت اسے آزاد دے رہی ہے۔“

نائٹ نے بڑی بے چارگی سے میخائیل کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ”بچھلی راز اپنی مرضی سے تم پر حملہ آور نہ ہوا تھا۔ یسوع مسیح کی قسم! مکفور نے مجھے ایسا کرنے کو کہا، اس نے کہا تھا اگر میں تمہیں قتل کر دوں تو وہ مجھے بھاری انعام دے گا۔ اس لیے میں نے کی تاریکی میں تمہارے کمرے میں داخل ہو کر تمہیں ختم کرنے کی کوشش کی تھی۔“

میخائیل نے غصے میں دانت پیستے ہوئے کہا۔ ”میں مکفور کو اچھی طرح جانتا ہوں جگہ پر وہ شہر کی آماجگاہ اور عصیان کا انبار ہے۔ عنقریب ہم اس کی ساری سربازیاں اور اس کی ساری آرائش و تزئین ختم کر دیں گے۔ اس محن کش و نمک حرام نے صرف اخلاص و استقامت دیکھے ہیں۔ اس نے نیکیے شعلوں جیسا میرا انتقام نہیں دیکھا۔ میں اس کی طرف پٹول کا اداسے زکوب کی طرح مار مار کر اسے بے کلاہ و خمیدہ نہ دوں گا۔“ ایک جست کے ساتھ میخائیل اپنے گھوڑے پر سوار ہوا اور اس ایل لگا وہاں سے کوچ کر گیا تھا۔



سورج غروب ہونے کو سُرُخ ہو کر جھک گیا تھا۔ روشن و رنگین دن کی ہو رہی تھی اور رات اپنی پوری سستی و کیفیت کے ساتھ نزول کرنے والی تھی۔ کوہناز صحرائی طیور بلبل و دلکش آوازوں میں فطرت کے آن کہے پیغام دیتے ہوئے عموماً میخائیل اس نائٹ کو لے کر اپنے شہر ایتھی میں داخل ہوا تھا۔ میخائیل کا اس قدر اہم تھا کہ شہر کا جو بھی آدمی اسے دیکھتا رک کر سلام کرتا اور بڑے شوق و عقیدت سے اس طرف دیکھتا۔

میخائیل نے اپنا گھوڑا ایتھی شہر کے اس قلعہ نما محل کے سامنے روک دیا جہاں سلطان بن اطفعل کی رہائش تھی۔ محل کے محافظ بھاگ کر آگے بڑھے اور میخائیل سے ملے گھوڑے کی باگ پکڑ لی۔ اتنی دیر میں محل کے اندر سے ایک خوب صورت اور جوان میخائیل کی طرف آتا دکھائی دیا۔ میخائیل کو دیکھ کر وہ ہلکے ہلکے مسکرا رہا تھا۔

سلطان عثمان کا بیٹا اور خان تھا۔ نزدیک آ کر اور خان میخائیل سے گلے ملا اور بڑی محبت میں اس نے پوچھا میخائیل! اتنی دیر کیوں کر دی۔ میں ہر روز قلعے کے اوپر چڑھ کر تمہاری راہ دیکھتا رہتا تھا۔“ میخائیل نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ”میں دو دن بعد ہی تو آ گیا ہوں۔“ اور خان نے دہوتے ہوئے کہا۔ ”تمہاری دو دن کی علیحدگی بھی دو ماہ کے برابر ہو جاتی ہے۔“ آواز اندر آ رہا بڑی بے چینی سے تمہارا انتظار کرتے رہے ہیں۔ ابھی میں ان کے پاس سے ہی آ رہا ہوں۔ وہ تمہارے متعلق بھی گفتگو کر رہے تھے۔“

میخائیل نے محافظوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ”گھوڑے پر سوار اس نائٹ کے محل کو اس کی خوب ملرت کر دیا اور اسے اپنی کڑی نگرانی میں رکھو۔ اتنی دیر میں ایک جوان اندر سے آیا اور میخائیل سے بغل گیر ہو گیا۔ وہ شکل و صورت اور قدر کاٹھ میں اور خان تھا۔ میخائیل بھی اس سے گرم جوشی کے ساتھ ملا۔ وہ سلطان عثمان کا بڑا بیٹا اور خان اچائی ملاؤ الدین تھا۔ دونوں بھائی میخائیل کو لے کر قلعہ نما محل کے اس کمرے میں داخل ہوئے جہاں سلطان عثمان بن اطفعل تھا۔

میخائیل جب اس کمرے میں داخل ہوا تو سلطان عثمان اس کمرے میں لکڑی کے تخت پوش پر بیٹھے ہوئے تھے جن کی سیاہ لکڑی پر ایک سفید رنگ کا تو شک ڈال دیا گیا۔ سلطان عثمان کا چہرہ بارعب تھا۔ بازو اور شہر کی طرح ٹھنڈوں تک پہنچتے تھے۔ زانو عظیم سواروں جیسے تھے۔ ناک بلند، ریش درمیانی اور چہرے کے رنگ سے کوہ دار کی پختی جسمانی قوت اور نفقت پسندی عیاں تھی۔ سلطان کے کپڑے بالکل سادہ اور بالکل عام آدمیوں کے جیسے تھے۔

میخائیل کو دیکھتے ہی سلطان عثمان بن ارطغرل سخت پوش سے اٹھے۔ اپنا سادہ جوتا پہنا اور آگے بڑھ کر میخائیل کو گلے لگا کر اس کی پیشانی چومتے ہوئے کہا: ”کیا وقت پر آئے ہو۔ تھوڑی دیر قبل میں اور خان سے تمہارے ہی تعلق کھٹک کر رہا۔ سلطان عثمان کلٹی کے اس تخت پوش پر بیٹھ گئے اور میخائیل کو اپنے پاس بٹھاتے ہوئے پوچھا: ”کہو تم تکفور سے ہمارے لیے کیسی خبریں لائے ہو۔“

اور خان اور علاؤ الدین دونوں بھائی بھی میخائیل کے قریب ہی بیٹھ گئے۔ سنبھلا پھر اس نے وہ ساری داستان عثمان اور اس کے بیٹوں کو سنادی تھی جو اس ناؤ اس سے کہی تھی۔ سب کچھ کہنے کے بعد میخائیل مرکا اور دوبارہ اس نے عثمان سے ”میرے آقا! جس ناٹھ نے مجھے یہ واقعات کہے ہیں اُسے میں اپنے سارے اٹھا لایا ہوں۔ اسے میں نے آپ کے محافظوں کے حوالے کیا۔ اسے بلا کر اس تمام کی تصدیق کی جاسکتی ہے۔“

سلطان عثمان نے بڑی مہربانی بڑی شفقت میں کہا: ”تمہارا کہا ہوا آخر کُن ہے۔ اب ہمیں یہ سوچنا ہوگا ہم کیا طریقہ کار استعمال کریں کیونکہ ہم نے اس میں شامل بھی ہونا ہے اور تکفور کو اس کی بد اعمالیوں کی سزا بھی دینی ہے۔“

میخائیل نے کہا: ”میرے آقا! میرے ذہن میں ایک تدبیر ہے شاید وہ آپ قابل قبول ہو۔“

سلطان عثمان نے چونکتے ہوئے کہا: ”کہو! تم نے یقیناً مہربانے وقت پر اور سود مند کردار ادا کیا ہے۔ مجھے تمہاری ذات پر ہمیشہ فخر رہا ہے۔“

میخائیل نے کہا: ”ہم تکفور کی بیٹی غنور کی شادی میں شرکت کریں گے۔ اُس کی رسم قلعے سے باہر ہوئی تو تکفور ہمارا کچھ نہ بگاڑ سکے گا کیوں کہ اس کا لشکر بھی باہر ہی ہم حالات پر کڑی نظر رکھیں گے۔ اگر تکفور نے شادی کی رسم قلعے کے اندر ادا کی اور لشکر کو قلعے سے باہر کھایا تو آپ مجھے چالیں ایسے جوان مہیا کریں جو تیغ زنی میں کمنا ہوں۔ ہم سب عورتوں کے لباس میں قلعے کے اندر زمان خانے کے اس حصے میں

یہاں دہلی کی تیاری ہو رہی ہوگی۔“

میخائیل نے ذرا ٹوک کر کہا: ”علاؤ الدین کو آپ یہاں چھوڑ دیں۔ ہاں اور خان ساتھ لے چلیں۔ آپ صرف اپنے محافظ دستے کے ساتھ قلعے میں داخل ہوں اور خان کے ساتھ قلعے سے باہر رہے۔ میں اپنے چالیں ساتھیوں کے ساتھ زنان خانے پر قبضہ کرنے کے بعد قلعہ کا دروازہ کھول دوں گا۔ اور خان اپنے لشکر کے ساتھ اس دروازے سے قلعے میں داخل ہو کر حملہ کر دے گا۔ میں اور آپ بھی اس کے ساتھ شامل ہو جائیں گے۔ اس جہم نہ صرف تکفور کو اس کی دھوکہ دہی کی سزا دیں گے بلکہ اس کے سارے علاقوں پر بھی نہ کریں گے۔“

سلطان عثمان نے خوش ہوتے ہوئے کہا: ”تمہاری تدبیر نہایت عمدہ اور قابل عمل۔ علاؤ الدین یہیں رہے گا اس لیے کہ اس کی بیوی کو بخار ہو رہا ہے اور خان ہمارے ساتھ لگے گا۔“

میخائیل نے کہا: ”میری ایک اور خواہش بھی ہے۔ مجھے امید ہے آپ بُرا نہ لگے۔“

سلطان عثمان نے کہا: ”بلا جھجک کہو۔“ ”ہم تمہاری بات کا کیوں کر بُرا مان سکتے۔ واللہ! ہم نے کبھی یہ نہیں سوچا کہ علاؤ الدین اور اور خان ہی ہمارے بیٹے ہیں۔ ہم نے ان کی ہمیشہ اپنا فرزند جانا ہے۔ تم جو بھی کہو اپنے آپ کو ہمارا بیٹا جان کر کہو۔“

میخائیل نے کہا: ”میں چاہتا ہوں ہم تکفور کی بیٹی کو بھی وہاں سے اپنے ساتھ لے جائیں۔ اس کی شادی اور خان سے کروں۔ وہ انتہائی حسین اور نیک سیرت لڑکی ہے۔ جن ملازمین تکفور کے ہاں قیام کر کے اس کے بیٹے کا علاج کرتا رہا ہوں۔ میری اس سے ملاقاتیں تو رہی ہیں۔ میں نے اسے اسلام کی تبلیغ کی تھی جس سے وہ بے حد متاثر ہوئی تھی۔ اس نے مجھ سے نہ صرف کلمہ طیب بلکہ ساری نماز اور دیگر ضروری مذہبی امور زبانی یاد کر لیے تھے۔ اسے ساتھ بیٹھ کر اس نے کئی بار کلمہ طیب اور کلمہ شہادت پڑھا۔ اس نے ہمیشہ مجھے اپنا بڑا ملا جلا ایک بار اس نے مجھے یہاں تک کہہ دیا کہ اس نے نماز پڑھنا شروع کر دی ہے۔“

میرا دل کتا ہے۔ وہ اندر ہی اندر مسلمان ہو چکی ہے لیکن تکفور کے خوف اور غصہ وہ میرے سامنے اس کا برملا اظہار نہیں کر سکی۔

سلطان عثمان نے متاثر کن لہجے میں کہا۔ ”اگر ایسا ہے تو بخدا ہم اسے بھڑا دے اور خان کی بیوی بنائیں گے۔ ہم اسے اس کا موقع دیں گے کہ وہ کھلم کھلا قبول کر لینے کا اظہار کر سکے۔ ہم تکفور کے شہر بلیک جیک کو فتح کر کے وہیں اور کی شادی کریں گے اور لپٹی بھونکا کر اسے اپنے ساتھ لائیں گے۔ تم تھکے ہوئے جا کر آرام کرو۔“

پھر سلطان عثمان نے اپنے بڑے بیٹے علاؤ الدین کی طرف دیکھتے ہوئے اس نائٹ کو فی الحال زندان میں ڈال دو جسے میخائیل اپنے ساتھ لے کر آیا ہے کا فیصلہ ہم بعد میں کریں گے۔ ”میخائیل، اور خان اور علاؤ الدین تینوں اٹھ سے باہر نکل گئے تھے۔

ایک ہفتہ بعد سلطان عثمان اپنے لشکر کے ساتھ تکفور کے شہر بلیک تکفور نے اپنے عمائدین حکومت کے ساتھ شہر سے باہر نکل کر سلطان کا اسٹے ان کی خوب آؤ بھگت کی۔ شہر کے قلعے سے باہر سلطان اپنے لشکر کے ساتھ خیمہ تیسرے روز تکفور کی بیٹی نینوفر کی شادی تھی۔ تکفور کا اپنا شکر قلعے کے اندر تھا رسم بھی قلعے کے اندر ادا کی جاتی تھی۔ لہذا اس میں شرکت کے لیے تکفور نے سلطان قلعے میں آنے کی درخواست کی۔

سلطان عثمان بلا جھجک اپنے محافظ دستے کے ساتھ شادی کی رسومات کے لیے قلعے میں داخل ہو گئے۔ ان کے ساتھ میخائیل بھی اپنے چالیس محافظوں عورتوں کے بھیس میں سلطان کے ساتھ ہی قلعے میں داخل ہو کر زنان خانے کا گیا۔ تکفور پر ہی ظاہر ہوا تھا کہ سلطان عثمان کے ساتھ آئی ہوئی یہ پردہ دار جوان، طرف چلی گئی ہیں جہاں دامن کو تیار کیا جا رہا تھا۔ اور خان بھی اپنے لشکر

قلعے کے اس دروازے کے سامنے آنکھیں زن ہوا تھا جہاں شادی کی رسم ادا کی جانی تھی۔ میخائیل نے زنان خانے میں داخل ہوتے ہی ایک تہلکہ مچا دیا۔ اس نے اور اس کے ساتھیوں نے عورتوں کے لباس اُتار پھینکے۔ اب ان کے جسموں پر ان کے نئے جنگی لباس پہن رہے تھے۔ پھر ان کی تلواریں اور ڈھالیں حرکت میں آئیں اور لمحوں کے اندر انہوں نے ان تمام ناٹھوں کو ترمیم کر دیا جو زنان خانے کی حفاظت کر رہے تھے۔ جس وقت سلطان نے زنان خانے کی طرف آنا تھا تو ان ہی ناٹھوں نے انہیں گرفتار کر کے بے بس کرنا تھا۔

ناٹھوں کے قتل ہونے پر زنان خانے میں ایک ہر اس اور بھگدڑ مچ گئی تھی۔ شادی ان شرکت کرنے کے لیے آئی ہوئی عورتیں متوحش ہرنیوں کی طرح باہر بھاگنے لگی تھیں۔ زنان خانے میں صرف تکفور کی بیٹی نینوفر اور اس کی خالہ زاد بہن فدان رہ گئی تھی۔ میخائیل جب ان دونوں کے پاس آیا تو عروسی لباس میں اور زیورات سے لدی ہوئی نینوفر اٹھ کھڑی ہوئی اور چنبیہ پیسے اس نے میخائیل کی طرف دیکھتے ہوئے نرم آواز میں پوچھا۔ ”میخائیل! آپ یہاں اور اس جگہ حالات میں اسے میرے بھائی! یہ کیا ہو رہا ہے۔“

میخائیل نے بڑی نرمی اور شفقت سے کہا۔ ”اے میری بہن! تم فکر مند نہ ہو۔ میں ہمارا محافظ ہوں۔ تمہارے باپ نے میرے سلطان کے خلاف ایک سازش تیار کی تھی۔ ہم اس سازش کو ناکام بنا رہے ہیں۔ تکفور نے سلطان عثمان کو شادی میں شرکت کے بہانے گرفتار کر کے اپنے اور قسطنطنیہ کے شہنشاہ کے لیے قائد حاصل کرنے کی کوشش کی ہے اور ہم اس سعی کو ناکام بنا رہے ہیں۔“

میخائیل نے اپنے چند ساتھیوں کو نینوفر اور اس کی خالہ زاد بہن فدان کی حفاظت پر مقرر کیا۔ خود وہ اپنے بھتیہ ساتھیوں کے ساتھ قلعے کے دروازے کی طرف بڑھا اور محافظوں کو اس نے ترمیم کر کے قلعے کا وہ دروازہ کھول دیا تھا۔ اور خان اپنے لشکر کے ساتھ ایک سیلاب ایک طرف ان کی طرح قلعے میں داخل ہوا تھا۔ اتنی دیر تک سلطان عثمان بھی اپنے محافظ دستے کے ساتھ میخائیل اور خان کے ساتھ آ رہے تھے۔ اس طرح قلعے کے اندر مسلمانوں اور نصرانیوں کے درمیان باقاعدہ جنگ شروع ہو گئی تھی۔

اپنے آپ کو خود سراورنگو سمجھنے والے نائٹ مسلمانوں کے سامنے مخرج سیلاب والے نص و غاشاک اور تیز سیاہ آنکھی میں اُٹنے والے خشک پتے ثابت ہوئے۔ سلطان اور خان اور میخائیل نے اپنے شکر کے ساتھ انہیں روند کر رکھ دیا تھا۔

اس طغیانی جنگ میں کمفور اور اس کا بیٹا دونوں مارے گئے۔ قلعے کے اندر کے سارے لشکر کو تر بیغ کر کے قلعے پر قبضہ کر لیا گیا۔ جب جنگ مکمل طور پر روک گئی، جیک شمر کے لوگ وفود کی شکل میں سلطان عثمان بن ارطغرل کی خدمت میں حاضر ہو کر دفرانبرواری کا اظہار کرنے لگے۔ ان میں سے اکثر اسلام بھی قبول کرنے لگے تھے۔

میخائیل بھاگتا ہوا زنان خانے میں داخل ہوا۔ اس نے دیکھا کمفور کی بیٹی اسی طرح زیورات سے لدی عروسی لباس میں بیٹھی تھی اور اس کے ساتھی اس کی حفاظت لیے کمرے سے باہر کھڑے پہرہ دے رہے تھے۔

نینوفر کے پاس آکر میخائیل رکا اور بڑی ہمدردی سے اُسے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ”اے میری بہن! یہ جنگ ختم ہو چکی ہے اور ہم شہر پر قابض ہو چکے ہیں۔“

نینوفر نے اپنا چہرہ اوپر اٹھایا۔ اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھگی ہوئی تھیں۔ نئے میخائیل کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ”اے میرے بھائی! شہر کے فتح ہونے کے علاوہ میرے پاس پہنچ گئی ہے کہ میرا باپ اور بھائی دونوں اس جنگ میں کام آگئے ہیں۔“

میخائیل نے گردن جھکاتے ہوئے کہا۔ ”مجھے افسوس ہے ہم ان دونوں کو سکے۔“ نینوفر نے اپنے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔ ”لیکن مجھے ان کے مرنے کا کوئی افسوس“

مجھے خبر تھی کہ وہ سلطان عثمان کے خلاف کیا سازش کر رہے ہیں۔ میں نے ان دونوں کو باز رکھنے کی انتہائی کوشش کی لیکن انہوں نے میری کوئی بات نہ مانی۔ آخر دونوں اپنی ہٹ اور ضد کا شکار ہو گئے۔“

نینوفر نے اپنی آنکھیں خشک کرتے اور اپنے ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے ”کاش! آپ مجھے اس وقت بل کر جلتے جب چند روز قبل آپ یہاں آئے اور آپ کا نائٹ سے ہوا تھا۔ میرے باپ نے مجھے بتایا تھا کہ آپ آئے ہیں اور مہمان خانے میں“

ہوئے ہیں۔ دوسرے روز جب میں مہمان خانے میں گئی تو خبر ہوئی کہ آپ رات ہی رات وہاں سے کوچ کر چکے ہیں اور جاتے ہوئے ایک نائٹ کو بھی اپنے ساتھ اٹھا کر لے گئے ہیں۔ میں آپ سے ملنا چاہتی تھی۔ میں آپ سے کہنا چاہتی تھی کہ میں مسلمان ہو چکی ہوں اور ایک مسلمان بہن کی حیثیت سے مجھے اپنے ساتھ لے چلیں۔ میں یہاں نہ رہنا چاہتی تھی۔ ایک مسلمان لڑکی کی حیثیت سے میں اس شخص کو بھی ناپسند کرتی تھی جس سے میری شادی ہو رہی تھی۔ گو میرے باپ کا رشتہ دار ہے۔ پر میں پچھلے کئی روز سے راتوں کو اٹھ اٹھ کر اپنے رب کے حضور دعائیں مانگا کرتی تھی کہ کسی طرح یہ شادی ٹل جائے۔“

میخائیل نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ ”آخر تمہاری دعائیں خدائے متعجب کے حضور قبول ہوئیں اور تمہارے ساتھ اس ساری سرزمین کی تقدیر بھی بدل کر رہ گئی۔“

میخائیل نے ذرا رک کر کہا۔ ”اے میری بہن! میں تم سے کچھ کہنے آیا ہوں۔“

نینوفر نے کہا۔ ”آپ بلا جھجک کہیے۔ مجھے آپ پر مکمل اعتماد ہے۔ میرا ایمان درلقین ہے کہ آپ میری بہتری اور بھلائی ہی سوچیں گے۔“

میخائیل نے کہا۔ ”میں نے سلطان کو مشورہ دیا ہے کہ تمہاری شادی ان کے بیٹے اور خان سے کر دی جائے اور وہ اس پر رضا مند ہو چکے ہیں۔ اور خان عثمانی حکومت کا ولی اہل ہی نہیں میرا بچپن کا دوست بھی ہے۔ میں اسے خوب جانتا اور سمجھتا ہوں۔ وہ تمہیں دخل رکھے گا، تمہاری تقدیر کرے گا۔“

نینوفر نے تھوڑی دیر گردن جھکائے رکھی پھر آہستہ آہستہ سر اُپر اٹھا کر اس نے میخائیل کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں خوشی کی چمک اور چہرے پر کسری مسکراہٹ تھی۔ ہراس نے بھرپور رضا مندی اور مسرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

”میرے لیے یہ خیر و سعادت کا باعث ہوگا کہ میں محترم سلطان عثمان کے فرزند کی بیوی بنوں۔ میں اس شادی پر اپنی رضا مندی کا اظہار کرتی ہوں۔ لیکن میں بے بھائی کیا یہ کہیں نہیں کہ میری خالہ زاد بہن بھی میرے ساتھ جائے۔ میرا اس پر اور اس کا مجھ پر اعتبار و اعتماد ہے۔ میں اسے اپنے رنگ میں رنگنا چاہتی ہوں۔“

میخائیل نے پوچھا۔ ”وہ کون اور کہاں ہے“

نینوفر نے کہا۔ ”اس کا نام فدان ہے اور وہ انتہائی پرکشش اور نو لڑکی ہے جس وقت آپ اپنے ساتھیوں کے ساتھ زنان خانے میں داخل ہوئے میرے پاس ہی تھی۔ میں پچھلے کئی روز سے بڑی رازداری کے ساتھ کوشش کر رہی تھی کہ وہ بھی اسلام قبول کرے لیکن ابھی تک میں اسے راہ راست پر لانے میں کامیاب نہیں ہوئی لیکن مجھے اُمید ہے میں بہت جلد اسے اس پر رضامند کر لوں گی۔ جب وہ جانے لگا اور وہاں اسلامی ماحول میں رہے گی تو خود بخود بدل جائے گی۔ اسے ان داروں نے مسلمانوں کی وحشت و بربریت کی من گھڑت کہانیاں سنائیں کہ مسلمانوں سے متنفر کر دیا ہے۔

میں اسے اس لیے بھی اپنے ساتھ لے جانا چاہتی ہوں کہ اسے میں آہ پسند کر چکی ہوں۔ میں چاہتی ہوں اس کی شادی آپ سے ہو جائے۔ وہ آپ کو خوش رکھے گی۔ اس کی شخصیت ہی ایسی ہے کہ ہر کوئی اس کی رفاقت پر فخر کرے۔ میخائیل نے پوچھا۔ ”لیکن وہ ہے کہاں؟“

نینوفر نے کہا۔ ”وہ دائیں طرف اس ساتھ والے کمرے میں چلی گئی۔ میرے پاس ہی بیٹھی ہوئی تھی لیکن جب اسے یہ معلوم ہوا کہ مسلمانوں نے شہر لیا ہے تو وہ نفرت کا اظہار کرتی ہوئی ساتھ والے کمرے میں چلی گئی۔ ایا کر کے وہ ناراضگی کا اظہار کر رہی ہے کیوں کہ میں اس کے سامنے ہر وقت مسلمانوں کی تعریف کرتی تھی۔“

میخائیل نے کہا۔ ”کیا میں اسے دیکھ سکتا ہوں؟“

نینوفر نے کہا۔ ”آپ اس سے ضرور ملیں، اسی میں آپ دونوں کی بات میخائیل نینوفر کے پاس بیٹھے ہٹ کر ساتھ والے کمرے میں داخل ہوا۔ نے دیکھا وہاں ایک گیسے دار شستہ پر ایک لڑکی بیٹھی ہوئی تھی۔ میخائیل جب کمرے میں داخل ہوا تو وہ چونک کر کھڑی ہو گئی۔

میخائیل نے دیکھا وہ دروازے سے رو قامت لڑکی انتہائی خوب صورت اور پرکشش تھی۔ اس کی دراز سر مٹی بلکول اور لب گنار و احمر میں ہونٹوں میں تاثیر و دل کشی ہی دل کشی تھی۔ اس کے عارض کی لالہ کاری اور کامل کی تاب داری میں رعنائی و لطافت کا طعنا تھا۔ وہ نغمہ حسن و شباب، نجم اسرار اور کوبِ شب لڑکی خاموش اور اُداس کھڑی تھی۔ اس کے سکوت میں بھی سخنِ تکلم کا وقار اور اس کی خاموشی میں بھی شہد و شریں نغمے اُبل رہے تھے۔

اس غبر فام لڑکی نے ایک بھر پر نگاہ میخائیل پر ڈالی پھر اس نے اپنی نغمہ و نور برساتی آواز میں پوچھا۔ ”کون ہو تم؟“

میخائیل نے جواب دینے کے بجائے پھر سوال کر ڈالا۔ ”کیا تمہارا نام فدان ہے۔ اور تم ہی نینوفر کی خالہ زاد ہو۔“

لڑکی نے کہا۔ ”بیشک میرا نام فدان ہے اور میں نینوفر کی خالہ زاد ہوں لیکن تم کون ہو؟“

میخائیل نے کہا۔ ”میرا نام میخائیل ہے۔“

فدان نے چونک کر پوچھا۔ ”کیا وہی مسلمان میخائیل جو اپنے ساتھیوں کے ساتھ عورتوں کے لباس میں زنان خانے میں داخل ہوا اس کے محافظوں کو تر تیخ کر کے اس پر قبضہ کیا پھر قلعہ کے مشرقی دروازے کے محافظوں کی ختم کر کے قلعے کا دروازہ کھول دیا تاکہ مسلمان لشکر اندر داخل ہو کر اس پر قبضہ کرے۔“

میخائیل نے کہا۔ ”ہاں میں وہی میخائیل ہوں۔“

فدان کے چہرے کا رُس روپ غصے اور قہر میں بدل گیا اس بسترِ عمل و مہم نے نہ دوسری طرف پھیر لیا اور انتہائی غضب میں اس نے کہا۔ ”تم اس قابل ہو کہ تمہیں قتل کیا جائے۔ یہاں سے چلے جاؤ۔ میں تم سے گفتگو کرنا نہیں چاہتی۔“

میخائیل خاموشی سے باہر آیا اور نینوفر سے کہا۔ ”یقیناً وہ لڑکی ایسی ہی ہے جیسی تم نے تعریف کی ہے لیکن مزاج کی سخت اور غصے کی بُری ہے۔ اسے اپنا رفیق

و دماز بنانا ایسا ہی ہے جیسے کسی بدکی ہوئی اور سبغ پاگھوڑی پر تاقا بوبانا۔

نینو فرنے بڑی بے تابی ہے پوچھا۔ ”کیا آپ فدان کو میرے ساتھ اپنے لے جانے پر رضا مند ہیں۔ آپ فکر نہ کریں میں اسے سنبھال لوں گی۔ اس کا رزق برہمی اپنے شربلیک جیک کے سقوط کی وجہ سے وقتی اور عارضی ہے۔ درنہ وہ ہمدرد اور محبت کرنے والی لڑکی ہے۔“

مینخائیل نے کہا۔ ”اگر تمہاری مرضی ہے تو فدان کو ہم ضرور اپنے ساتھ لے کر چلیں گے۔ میں اب سلطان عثمان کے پاس جاتا ہوں۔ انہوں نے مجھے اور فدا ساتھ تمہاری شادی کے سلسلے میں تمہارا عہدہ لینے کو بھیجا تھا۔ میں اس میں یہ خوش ہوں کہ نینو فر اس شادی پر رضا مند ہے۔ نینو فر خاموش رہی اور اس کی گردن مینخائیل جب کمرے سے باہر نکلنے لگا تو نینو فر چوہکی اور اسے مخاطب ہوئے کہا۔ ”مینخائیل! میرے بھائی! اب جب کہ میری شادی اور فدا رہی ہے۔ تم جانو اس نلطے سے میں سلطان عثمان بن ارطغرل کے محل میں رہوں بھی میرے ساتھ ہوگی۔ اے میرے بھائی کیا تم بھی وہاں ہمارے نزدیک ہی ہو گئے احساس ہو کہ میرا ایک بھائی ہے جسے دکھ سکھ میں جب چاہے میں مل سکتی ہوں مینخائیل نے کہا۔ ”میں سلطان عثمان کے محل ہی کے ایک حصے میں رہ مجھ سے ملنے میں تمہیں دشواری نہ ہو کرے گی۔“

نینو فر نے پھر پوچھا۔ ”آپ نے مجھے ایک بار یہ تو بتایا تھا کہ آپ نے شادی کی لیکن کیا آپ مجھے یہ بتانا پسند کریں گے کہ آپ گھر کے کتنے افراد ہیں؟“ مینخائیل کی حالت ایسی ہو گئی تھی جیسے کچھ بھی ہوئی اور دھواں چھوڑتی کافی وہ کچھ کہے اس درخت کی طرح افسردہ دکھائی دینے لگا تھا جو صحراؤں کی تنہائیوں اور آندھیوں کا شکار ہو گیا ہو۔

نینو فر نے بڑی ہمدردی سے پوچھا۔ ”کیا ہمارے بھائی! آپ آداں کیوں اگر میں نے کوئی غلط سوال پوچھ لیا ہو تو میں آپ سے معافی مانگتی ہوں۔“

مینخائیل نے سنبھلتے ہوئے کہا۔ ”تم میری ہوئیں تمہیں اپنے حالات ضرور سناؤں۔ سنا! میرا اصل وطن بخارا ہے۔ وہاں میں اپنے باپ، ماں اور بھائی بہنوں کے ساتھ رہتا تھا۔ اس وقت میں بالکل چھوٹا تھا۔ تاتاریوں کے ایک حملے میں میری ماں، بھائی اور میں مارے گئے۔ صرف میں اور میرا باپ بچ گئے۔ میرا باپ مجھے لے کر بخارا سے بھاگ نکلا۔ دریائے فرات کے کنارے آکر آباد ہو گیا۔

میرے باپ کا نام اسمعیل تھا اور وہ ایک بے مثل طبیب تھا۔ اسی اثنا میں جب ریں نے ترکوں کے ایک قبیلے اورغز کو خراسان سے نکلنے پر مجبور کر دیا تو اس قبیلے کا سربراہ نزل اپنے قبیلے کو لے کر دریائے فرات کی طرف آیا۔ یہاں آکر ارطغرل عرق النساء جیسی موذی کا شکار ہو گیا۔ میرے باپ نے اس کا علاج کیا اور وہ ٹھیک ہو گیا۔ ارطغرل میرے باپ کا رزاری سے اس قدر خوش ہوا کہ اسے اپنے ساتھ رکھ لیا۔

اس دوران میں بھی فنون سپہ گری کے علاوہ اپنے باپ سے طب سیکھا رہا۔ یہاں کہ میرا باپ مر گیا اور ارطغرل کے بیٹے اور موجودہ سلطان عثمان نے مجھے اپنے بیٹوں کی طرح ساتھ رکھ لیا۔ مینخائیل خاموش ہو گیا۔ نینو فر بڑی ہمدردی سے اُسے دیکھ رہی تھی۔ پھر یکن تیز قدم اٹھاتا اس کمرے سے باہر نکل گیا تھا۔

اسی روز نینو فر کی شادی سلطان عثمان نے اپنے بیٹے اور خان سے کر دی۔ اپنے لشکر کا چند یوم تک سلطان نے بلیک جیک میں قیام کیا۔ کفور کا سارا علاقہ سلطان نے اپنی لڑی میں شامل کر لیا تھا۔ مقامی حالات درست کرنے اور بلیک جیک میں اپنا حاکم رکھنے کے بعد سلطان عثمان واپس اپنے شہر انی کی طرف کوچ کر گئے تھے۔



اس مقصد کے لیے آج ہی منہ نقول اور دوسرے قلعہ شکن اوزاروں کی تیاری شروع ہو گئی۔

اس کے علاوہ میں تم سے ایک اور خبر کہوں۔ قسطنطنیہ کا یونانی بادشاہ ہمارے علاقوں اور ہونے کی تیاریاں کر رہا ہے۔ تکفیر کی موت اور اس کے علاقوں کا سقوط اسے سخت زبرد ہے لہذا وہ اس کا انتقام لے گا۔ قبل اس کے وہ ہمارے علاقوں میں گھس آئے اور یہ حملہ آور ہوں ہم خود اس کے علاقوں پر حملہ آور ہو کر اسے بتائیں گے کہ ہم جاگ رہے ہوئے نہیں۔

آج سے ٹھیک پندرہ یوم بعد یہاں سے کوچ ہو گا تم سب لوگ اپنے اپنے لشکر تیار ہو کر درسد کا انتظام کرو اور زیادہ سے زیادہ ہتھیار جمع کرو۔ میں دس روز بعد تم کے کام کا ایک بار معائنہ کروں گا۔ اب تم سب لوگ جا سکتے ہو۔

سلطان عثمان کے سامنے بیٹھے سب لوگ اٹھے اور بڑے نظم و ضبط کے ساتھ وہ ایک کمرے سے باہر نکلنے لگے۔

سلطان کے پاس سے اٹھ کر جب میخائیل محل کی چار دیواری کے اندر اپنے کمرے داخل ہوا تو اچانک وہ چکر اکر اور لرز کر رہ گیا۔ کسی نے پیچھے لٹے اس پر حملہ آور ہونے کی ٹھانی تھی۔ میخائیل بدک کہ جب دائیں طرف ہٹا تو حملہ آور کا نشانہ خطا گیا۔ وہ اپنا ہتھیار مل کی پشت سے اس کے دل میں اتارنا چاہتا تھا لیکن میخائیل کے ہٹ جانے کی وجہ سے حملہ آور کا ہتھیار میخائیل کے بائیں بازو کو چیرتا ہوا اٹھ گیا تھا۔

حملہ آور دوسرا حملہ کر کے پھر میخائیل کو دل پر وار کرنا چاہتا تھا لیکن میخائیل نے انکار سے کام لیا۔ اس نے حملہ آور کا ہتھیار والا ہاتھ پکڑ کر مڑا اور خنجر اس سے چھین کر حملہ آور نے اپنا چہرہ دھانپ رکھا تھا۔ میخائیل نے جب اس کے چہرے سے نقاب اتار دیا تو دنگ رہ گیا۔ اس پر حملہ کرنے والا کوئی مرد نہ تھا بلکہ نینو فرکی خالہ زاد بہن اور حسین باغی تھی۔

میخائیل نے بدک کو فداں کو یوں چھوڑ دیا جیسے اس نے اس کا بازو نہیں اٹکا وہ پڑ پڑا ہوا۔

اور خان اور نینو فرکی شادی کے ایک ماہ بعد سلطان عثمان نے ایک رعبہ میخائیل کیا۔ میخائیل جب ان کے اس کمرے میں داخل ہوا جس میں وہ اپنے عمائدین کے ساتھ ہمیشہ مشورہ کیا کرتے تھے تو اس نے دیکھا وہاں علاء الدین اور اورخان کے علاوہ دیگر کئی بادشاہ اور لشکر کے جرنیل اور سالار بیٹھے تھے۔ سلطان عثمان نے ہاتھ کے اشارے سے میخائیل اپنے پہلو میں ایک خالی نشست پر بیٹھنے کو کہا۔ میخائیل خاموشی اور تیزی سے آگے اور وہاں بیٹھ گیا۔ سلطان عثمان نے ایک بار کمرے میں بیٹھے سب لوگوں کا ایک بار پھر انہوں نے کہا۔

میرے عزیزو! میرے ساتھ ہاتھیں جم رہے کہ اس سے قبل ہم کئی بار یونان کے شہر بروصہ اور ناسیڈا کو فتح کرنے کی کوشش کر چکے ہیں لیکن ہمیں ناکامی ہوئی۔ اس لیے فہروں کی قلعہ بندی نہایت مضبوط ہے اور ہم نے تبرا اور تلوار کے سوا کوئی اور ہتھیار استعمال کیا جس سے ان شہروں کی قلعہ بندی کو توڑا جا سکتا۔ جب تک ہم ان دونوں شہروں کو نہیں کر لیتے ہماری سرحدیں محفوظ نہ ہوں گی اور ان شہروں کی قلعہ بندیوں سے بچل کر یونان کے شہروں کو تاخت و تاراج کرتے رہیں گے۔ میں نے ان دونوں شہروں کو فتح کرنے کا ارادہ

جن میں اور خان اپنی بیوی نینو فر کے ساتھ رہتا تھا۔

فدان اس کمرے میں لگی کھڑکی کی آہنی سلاخوں کے پیچھے کھڑی ہو کر بڑے دھم اور متوجہ انداز میں اور خان کی طرف دیکھ رہی تھی۔ کمرے کا دروازہ باہر سے بند کرنے کے بعد اور خان پیچھے ہٹتا ہی چاہتا تھا کہ ایک طرف سے اس کی بیوی نینو فر بھاگتی ہوئی آگئی اور کھڑکی کے پاس کھڑے ہو کر اس نے فدان کی طرف دیکھتے ہوئے غصیلی آواز میں بولی۔

”میں نے تمہیں کتنا سمجھایا لیکن تم باز نہ آئی۔ تم نے مینائیل بھائی پر حملہ آور ہو کر اپنی انتہائی حماقت کا ثبوت دیا ہے۔ ابھی ابھی مجھے محل کی ایک لونڈی نے یہ خبر سنائی اور میں بھاگتی ہوئی تمہاری طرف چلی آئی۔“

فدان نے کہا۔ ”میں نے اُسے قتل کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ کاش میں اسے قتل کر سکتی۔ تکفور کی موت اور ملک جیک کے سقوط کا یہ واحد ذمہ دار ہے۔ تم کیسی بیٹی ہو جو تمہیں اپنے مرنے والے باپ کا کوئی غم نہیں۔“

نینو فر نے کہا۔ ”میرے باپ نے ایک شرارت اور سازش کی ابتدا کی تھی اور وہ خود ہی اس کا شکار ہو گیا۔ میں اس کی کوئی مدد نہ کر سکتی تھی۔ آخر میں اس کے لیے کتنی بھی کیا۔ اسے اپنے اعمال کی سزا مل گئی ہے اور اللہ تعالیٰ بہتر جزا دینے والا ہے۔ میں نے سنا ہے کہ سلطان عثمان نے تمہاری قیمت کا فیصلہ مینائیل کے ہاتھ میں دے دیا ہے۔ وہ تمہیں کبھی معاف نہ کرے گا اور تم صلیب پر لٹکا دی جاؤ گی۔ اب یہاں اپنی تقدیر کے فیصلے کا انتظار کرو۔ کاش تم میری بات مانتیں۔ کاش تم میرے مذہبی غلطوں پر کان دھرتیں۔ کاش تم میری طرح مسلمان ہو گئی ہو تو میں تمہاری شادی مینائیل سے کر دیتی۔ تمہارے ساتھ شادی کرنے پر تمہارے اسے رضامند بھی کر لیا تھا۔ پر ہائے حیف! اب کیا ہو گا۔ میں تمہاری کوئی مدد بھی نہیں کر سکتی۔“

فدان نے کوئی جواب نہ دیا اور وہ اپنی سرخ و سفید لمبی گردن جھکائے کھڑی رہی نینو فر نے پھر اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ”اب تم اس کمرے میں بند ابھی لگ رہی ہو، کاش تم نے یہ حماقت نہ کی ہوتی۔“

پھر اس نے خنجر ایک طرف پھینک دیا اور فدان کی طرف دیکھتے ہوئے اس نے کہا۔ ”جیسی ناقول لڑکی پر ہاتھ کیا اٹھائے گا۔ جاؤ یہاں سے بھاگ کر نینو فر کے پاس۔ اگر کسی نے تمہیں دیکھ لیا تو مجھ پر حملہ آور ہونے کے الزام میں دھڑی جاؤں گی اور ہاتھ دھو بیٹھو گی۔“

مینائیل کے بازو سے خون بہہ کر فرش کو رنگین کر رہا تھا۔ اتنے میں وہ کھڑے ہوئے وہاں آگئے۔ ان میں سے ایک نے خنجر اٹھا کر سہارا دینے کی خاطر مینائیل کے دوسرے کمرے کی طرف آواز میں فدان سے پوچھا۔ ”تم نے امیر مینائیل پر کیوں حملہ کیا ہے؟“ مینائیل نے اس پرے وار کو ڈانٹتے ہوئے کہا۔ ”اس سے کچھ مسئلہ ہو گا۔“

وہ پریار حجاب میں کچھ کہنے ہی والا تھا کہ ان کا شور سن کر سلطان عثمان علاؤ الدین اور دیگر اراکین بھی ادھر آگئے۔ اس پریدار نے سلطان عثمان کی طرف دیکھ کر سلطان محترم! اس لڑکی نے پشت سے خنجر کا وار کئے امیر مینائیل کو زخمی کر دیا۔ سلطان عثمان نے ایک باریز غصیلی لنگا ہوں سے فدان کو دیکھا۔ پھر ان کی مینائیل کے خون میں بھیگے بازو پر جم گئیں۔ ان کے چہرے پر غصے اور قہر کے جذبات اور ہو گئے اور انہوں نے گرجتی آواز اور دھڑکتے لہجے میں کہا۔ ”علاؤ الدین! علاؤ الدین! مینائیل کے زخموں کی مرہم بٹی کراؤ۔“

علاؤ الدین فوراً آگے بڑھا اور مینائیل کی کمر میں ہاتھ ڈال کر وہ اسے ایک گایا تھا۔ سلطان عثمان نے پھر قہر بھری آواز میں کہا۔ ”تم فدان کو یہاں سے لے جاؤ۔“ کے کسی کمرے میں اسے بند کر دو۔ مینائیل ٹھیک ہونے کو اس کے ایما پر ہم اس بد طبعی طبع لڑکی کی قیمت کا فیصلہ کر دیں گے۔“

اور خان فدان کو وہاں سے لے کر چلا گیا۔ سلطان عثمان اپنے دیگر اراکے اس طرف جا رہے تھے جبکہ علاؤ الدین مینائیل کو لے کر گیا تھا۔

اور خان نے فدان کو ایک ایسے کمرے میں بند کر دیا جو ان کمروں کے نزدیک

اور خان اور نینو فردوں وہاں کھڑے ہو کر تھوڑی دیر تک فدان کے ساتھ بات چیت کر رہے۔ پھر دونوں میاں بیوی وہاں سے اپنے کمرؤں کی طرف چلے گئے تھے۔

اپنی خواب گاہ میں داخل ہونے سے قبل اور خان نے نینو فر کو مخاطب کرتے ہوئے ”میں خائیل نے زعموں کی مرہم ٹپی ہو چکی ہوگی اور وہ اپنے کمرے میں واپس آچکا ہوگا تم بیٹھ اس کے پاس جانا ہوں۔ اسے دیکھنا ہوں اور اس کے پاس بیٹھ کر تھوڑی دیر اس کا بہلاؤں گا۔“

نینو فر نے کہا۔ ”کیا میں بھی آپ کے ساتھ نہ چلوں۔ میں خائیل کیا سوچے گا بہن میری احوال پرسی کو نہ آئی۔ میں فدان پر اسے ترجیح دیتی ہوں۔“ اور خان نے کہا تو پھر آؤ چلیں ”دونو

دونوں میاں بیوی میں خائیل کے کمرے کی طرف چل پڑے تھے۔ جب وہ دونو میں خائیل کے کمرے کے پاس گئے تو نینو فر دُور ہی کھڑی ہو گئی اور اور خان سے اس نے ”آپ پہلے اندر جا کر دیکھیں کون کون ہے۔ اگر میرا نامناسب ہو تو مجھے بلا لیجئے گا ورنہ میں واپس چلی جاؤں گی۔“

اور خان چند قدم ہی آگے بڑھا تھا کہ میں خائیل کے کمرے سے سلطان عثمان کی شفقت آمیز آواز بلند ہوئی۔ ”نینو فر! اندر آ جاؤ میری بیٹی! یہاں میں خائیل، علاؤ الدین اور میرے کوئی نہیں۔“

نینو فر آگے بڑھ کر اور خان کے ساتھ میں خائیل کے کمرے میں داخل ہوئی۔ اور میں خائیل بستر پر لیٹا تھا اور سلطان عثمان اور علاؤ الدین اس کے پاس بیٹھے تھے۔ نینو فر جب اندر داخل ہوئی تو میں خائیل فوراً اٹھ کر بیٹھ گیا۔

نینو فر نے تیزی سے آگے بڑھ کر اس کی پیشانی پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ ”یہ رومیرے بھائی!“

میں خائیل نے کہا۔ ”اس زخم نے مجھے ایسا تو لاغر و مجبور نہیں کر دیا کہ میں اپنی بہن کے احترام میں کھڑا نہ ہو سکوں۔ معمولی سا زخم ہے۔ میں اسے غور سے دیکھ چکا ہوں۔ ناہ

زبان میں چادریم میں ٹھیک ہو جائے گا۔“

نینو فر نے میں خائیل کی پشت کی طرف بیٹھتے ہوئے کہا۔ ”میں نے فدان کو بہت سمجھایا لیکن اس نے یہ حماقت کہہ ہی ڈالی۔ وہ سمجھتی ہے کہ شادی میں شرکت کے بہانے جو بلیک فنگ کیا گیا اس کے ذمہ دار آپ ہیں۔ کاش وہ میری بات مانتی۔ مجھے اس کی اس حرکت بہت دکھ ہے۔“

میں خائیل چند ثانیوں تک کچھ سوچتا رہا۔ پھر اس نے سلطان عثمان کی طرف دیکھتے ہوئے سلطان محترم! کیا فدان کے اس مجرم کے خلاف جو میں فیصلہ تجویز کروں وہ آخری ہوگا۔ سلطان عثمان نے بڑی شفقت میں کہا۔ ”ہاں بالکل آخری ہوگا۔“

”اور اس ناٹ کے بارے میں جسے میں بلیک جیک سے اٹھا کر اپنے ساتھ لایا تھا۔“ سلطان نے کہا۔ ”اس سے متعلق بھی جو فیصلہ تم کرو گے آخری ہوگا۔“ میں خائیل نے کہا۔ ”کیا یہ فیصلہ میں ابھی اور اسی وقت کرنے کا مجاز ہوں۔“ سلطان نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ”تمہیں اس کی قطعی اجازت ہے۔“

میں خائیل نے کہا۔ ”تو پھر اس ناٹ کو بلائیے جسے میں اپنے ساتھ لایا تھا۔“ سلطان عثمان نے اپنے بڑے بیٹے علاؤ الدین سے ناٹ کو لانے کے لیے کہا اور اٹھ کر باہر نکل گیا۔

تھوڑی دیر بعد علاؤ الدین اس ناٹ کو لے آیا۔ میں خائیل نے کھڑے ہوتے ہوئے اب وہاں چلے جہاں فدان کو بند کیا گیا ہے۔ سب اٹھ کھڑے ہوئے اور اس کمرے کے پاس آئے جس میں فدان بند تھی۔ وہ ابھی تک فکر و پشیمانی کی سی حالت میں کمرے میں ٹرکی سے لگی کھڑی تھی۔ ان سب کو دیکھ کر وہ چونکی اور مستعد کھڑی ہو گئی۔

میں خائیل نے اس ناٹ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فدان سے کہا۔ ”بیان ناٹوں کا مردار ہے جسے میں بلیک جیک سے اغوا کر کے لایا تھا۔ اسے اور اس کے ایک اور ساتھی کو فوراً قسطنطنیہ سے اس غرض اور ارادے سے بلایا تھا کہ جب سلطان عثمان نینو فر کی شادی میں شرکت کر رہے ہوں تو انہیں گرفتار کر لیا جائے۔“ پھر فدان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے میں خائیل

کے نائٹ سے کہا۔

یہ نینو فرکی خالہ زاد فدان ہے۔ یہ سمجھتی ہے ہم نے شادی میں شکر بلیک جنیک پر حملہ کر کے اسے فتح کیا ہے۔ اسے تکفور کی سازش کے اصل وا اس نائٹ نے بلا کسی جھجک کے تکفور کی سازش اور عیاری کی ساری سنا ڈالی۔ فدان کوئی جواب نہ دے سکی۔ شرمندگی، نجات اور ندامت میں اس جھجک گئی تھی۔

مینائیل نے نائٹ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ”تم اب آزاد ہو، تم اپنے گ کوئی تم سے باز پرس نہ کرے گا۔ مٹھرو! میں تمہیں اپنے پاس سے ایک گھوڑا اور گاتا کہ تم آرام سے سفر کر سکو“

پھر مینائیل نے اس کمرے کا دروازہ کھولا اور فدان کو مخاطب کرتے ہوئے میں تمہاری اس نادانی کو معاف کرتا ہوں۔ جاؤ نینو فرکی ساتھ جا کر آرام کرو۔ مینائیل نے نائٹ کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا۔ ”تم میرے ساتھ جاؤ۔“

سب تعجب اور حیرت سے مینائیل کو نائٹ کے ساتھ جاتے ہوئے دیکھ سلطان عثمان اور علاؤ الدین بھی چلے گئے۔ اور خان اور نینو فرکی کو اپنے کمرے میں۔ چند ثانیوں تک وہ ایک دوسرے کے سامنے خاموش بیٹھے رہے پھر نینو فرکی نے فدان کو خاکے کہا۔

”تم کہا کرتی تھیں، مسلمان وحشی اور تنگ نظر ہوتے ہیں۔ تم نے میرے بھائی کی فراخ دلی، اس کا خلوص اور نرم کا جذبہ دیکھا۔ اس کے ایک اشارے پر تم ابھی تک ہوجکی ہوتی۔ تم نے دیکھا نہیں اس نے کس بے عرض ارادے سے اس کمرے کا دروازہ کھولا میں تم بند تھیں۔ تم نے اور اس نائٹ دونوں نے اس کی جان لینے کی کوشش کی تھی لیکن اس نفس نے تم دونوں کو نہ صرف معاف کر دیا بلکہ اس مجرم نائٹ کو اپنے پاس سے عمدہ نل کا گھوڑا اور کچھ نقدی دے کر رخصت کیا۔

جن جذبات کا اظہار مینائیل نے کیا ہے ایسے ہی نرم رو دوسرے مسلمان بھی ہوتے

فدان اپنی جگہ سے اٹھی اور نینو فرکی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ”شام ہو رہی ہے اٹھو لے لے کا انتظام کریں مہجوک لگی ہے، میں وعدہ کرتی ہوں تم دونوں میاں بوی کی نصیحت پر عمل کروں گی۔ میں مینائیل سے معافی مانگ لوں گی۔ تم مجھے جو اسلام سے متعلق وعظ کرتی رہی ہو اسلحا بھی باتیں مجھے کہتی رہی ہو۔ میں ان پر بھی عمل کروں گی۔ اب تم بیچ میں نہ آنا۔ میں لہجہ مینائیل سے معافی مانگ کر اس کی غلط فہمیاں دور کر دوں گی۔“

وہ ہے ربِ علیم و کریم نے انہیں تسلی انسانی کے محسن اور کائنات کی قیمت کے مالک بنا دیا تھا۔ افغان دکر دار ہی کے باعث وہ صحرائی عقاب کی طرح بے خوف، بے خطر و بے غرض ہیں۔ یاد رکھو! میں ایک مسلمان کی حیثیت سے اپنی قوم کی بے جا تحقیر و تعریف نہیں کر رہی ہیں حقیقت تم پر واضح کر رہی ہوں۔ تمہارا فیصلہ تخریب و ویرانی کا فیصلہ تھا تو تعجب و حیرت میں آگیا تھا۔ فدان! فدان! تم زندگی کی تاریک گلیوں میں بھٹک رہی ہو۔ ان گلیوں سے نکل کر اپنی حقیقت کی طرف آؤ۔“

فدان کی گردن سبکی ہوئی تھی اور وہ بڑے غور و انداز سے نینو فرکی کو دیکھ رہی تھی۔ اس کے بے پردے اور نفرت کے بجائے شرمندگی اور خجالت تھی۔ اس کی آنکھوں میں غنا و عداوت کی جوت و سبق آموزی تھی۔

نینو نے ذرا رک کر پھر اس سے کہا۔ ”فدان! فدان! تم اپنے ارادوں میں مطلق اور آزاد ہو۔ میں تمہیں زبردستی اپنے خیالات کا زبردست نہیں کرنا چاہتی۔ پھر بھی میں تم سے کہوں گی بے بوسیدہ اور رنگ آلود ذہن پر سے اوہام کے جال ہٹا دو۔ خود شامی اور خود گمہداری سے اس طرح مینائیل نے تمہارے جسم کو نظر انداز کر کے اور تمہیں معاف کر کے تمہیں نئی زندگی دے دی۔ اس طرح اگر میں تمہاری جگہ ہوتی تو فوراً مینائیل کے قدموں میں گر کر اس سے معافی مانگتی۔“

نینو فرکی خاموش ہوئی تو اور خان نے کہا۔ ”فدان! فدان! میری بہن! مینائیل ایک نال انسان ہے۔ جہاں وہ ایک عمدہ طبیب اور بے مثال سپاہی ہے وہاں وہ ایک پُر خلوص محبت کرنے والا انسان بھی ہے۔“

غایہ اس میں کامیاب نہ ہو رہی تھی۔ کمرے میں بھی شعل کی غبار آلود روشنی میں وہ مرد و مر جان لڑکی
چیل کے پانی کی طرح پرفسوں، صنم غازی کی طرح خاموش اور کچھی ہوئی شمع کی طرح اداس اور
منہم و بیمار جیسی لگ رہی تھی۔ اس کی غنودہ آنکھوں میں نشیلے افسانے اور رنگا ہوں کے خمار
میں آرائش و تزئین کے جذبے اور رنگ و بو کی ایک دھند تھی۔ تھوڑی دیر تک وہ نگارستان
نہات اور خیابانِ حسن لڑکی خاموش رہی پھر اس نے وجدان و عرفان اور تنگنی رنگ بکھیرتی
آواز میں کہا۔

”میں اپنے جرم کے سلسلے میں آپ سے کچھ کہنا چاہتی ہوں، آپ برا تو نہیں مانیں گے“
میخائیل نے کہا۔ ”تم بلا جھجک کہو۔ میں ایسی باتوں پر برا ماننے کا عادی نہیں ہوں۔“
فدان پھر خاموش ہو گئی۔ ایسا لگتا تھا وہ کسی امر کا فیصلہ کرنے کی کوشش کر رہی ہو۔
اس کے چہرے پر سالوں کی کسک، مہینوں کی تڑپ، ہفتوں کی دل آشتی، رات کی جلن اور دن
کا کرب چھایا ہوا تھا۔ پھر وہ طوفانِ بلاخیز اور نفوس کے سحر جیسا حسن رکھنے والی لڑکی تڑپ
کر اٹھی اور میخائیل کے دونوں پاؤں پکڑ کر اس نے عزت کرتے ہوئے کہا۔

”اپنے رب مہربان کے واسطے مجھے معاف کر دیں۔ آپ پر حملہ کر کے مجھ سے بھول
ہوئی۔ میں اس کی معافی مانگتی ہوں۔ میں نے آپ کو غلط سمجھا تھا۔ آپ کی شخصیت، آپ
کے کردار کا غلط اندازہ لگایا تھا۔ مجھے معاف کر دیں۔ آپ کا عظیم احسان میں اپنی پوری
ہانگہ نہ بھولوں گی۔“

فدان بے چاری اپنے چمک دار حسن اور زرق برق لباس میں گھلی ہوئی چاندی اور
بتے مونے کی طرح میخائیل کے پاؤں پر گر گئی تھی۔ میخائیل نے فوراً فدان کے دونوں ہاتھ تھام
کر اُسے اٹھایا اور اسے دوبارہ اس کی نشست پر بٹھاتے ہوئے اس نے کہا۔
”میں نے تمہیں بلا جھجک معاف کیا۔ میرا تم سے کوئی بھگڑا، کوئی قضیہ نہیں ہے۔
میں تمہیں مسلمان ہونے پر مبارک باد دیتا ہوں۔“

میخائیل کے ان الفاظ پر فدان شادان و فرحان اور قصاں و جلال دکھائی دینے لگی
تھی۔ اس کے چہرے پر نسیمِ سحر کی سی لطافت اور گلِ یاسمین کی سی طراوت بکھر گئی تھی۔ فدان

بینو فر کے سرخ اور حسین لال گوں ہونٹوں پر گہری مسکراہٹ پھیل گئی تھی اور
تھام کر وہ اس کمرے سے باہر نکل گئی تھی۔



وہ رات بے چاند تھی۔ فضاؤں میں مہل آفرین اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ آ
دور اور اکا دکا تارے ایک دوسرے سے نغمہ و شباب کی گفتگو اور حدیثِ دل
تھے۔ میخائیل کے زخمی ہونے کے واقعہ پر اُٹھ دن گزر چکے تھے۔ اس کے زخم ا
پر بھر چکے تھے۔ وہ اپنے کمرے میں عشاء کی نماز پڑھنے کے بعد مصلے پر بیٹھا اپنے
وحید میں مصروف تھا کہ اس کے دروازے پر ہلکی سی دھک ہوئی۔

میخائیل نے جب اُٹھ کر دروازہ کھولا تو وہ دنگ رہ گیا۔ اس کے سامنے
تمام حسن و جمال، رنگ روپ اور افشانی و رنگینی لیے کھڑی تھی۔ ”میخائیل اسے غا
دیکھتا رہا۔ فدان نے کہا۔ ”آپ مجھے اندرانے کو نہ کہیں گے۔“

میخائیل نے کہا۔ ”اگر تم پھر کسی اشتہامی جذبے کے تحت آئی ہو تو ہمیں سے
مجھے تمہاری جوانی پر شباب پر ترس آتا ہے۔ ایک بار تو میں تمہارا جرم معاف کر چکا
ہی کوئی جرم تم نے پھر کیا تو شاید میرے دگر کرنے کے باوجود سلطان عثمان تمہیں
کریں۔ جاؤ لوٹ جاؤ اسی میں تمہاری بہتری اور بھلائی ہے۔“

فدان نے زمزموں کے ارتعاش جیسی اپنی فصول ساز آوازیں کہا۔ میں آپ
نہیں غمگسار بن کر آئی ہوں۔ میرے متعلق کوئی فیصلہ کرنے سے قبل یہ بات ذہن میں
میں اسلام قبول کر چکی ہوں اوصاف میں نصرانی نہیں مسلمان ہوں۔“

میخائیل پیچھے ہٹ گیا اور پورا دروازہ کھولتے ہوئے اس نے کہا۔ اگر ایسی با
تواند آ جاؤ۔“

فدان اندر داخل ہوئی اور میخائیل کے بستر کے قریب گدے دار چوبی نشست
گئی۔ میخائیل اس کے سامنے اپنے بستر پر بیٹھ گیا تھا۔ میخائیل نے دیکھا فدان کچھ کہنا چاہ رہی

نے کہا۔
 ”میں آپ سے ایک اور بات بھی کہنے آئی ہوں جس کا اعتراف میں اور خان اور
 سے بھی کر چکی ہوں۔ میرے بیان قیام کے دوران میرے ایک رشتہ دار نے مجھ سے رابطہ
 تھا۔ اس کا نام قانوس ہے۔ وہ مجھے اور نینوفر کو یہاں سے نکال لے جانا چاہتا ہے۔
 نساں کے ساتھ مل کر تیسے کیا تھا کہ پندرہ روز بعد وہ اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ
 باہر مغرب میں خمیر زن ہوگا۔ میں نینوفر کو کسی بہانے باہر لاؤں گی اور پھر ہم یہاں سے
 چلیں گے۔ اب ان کے آنے میں صرف ایک دن باقی رہ گیا ہے۔“

مینائیل نے کہا۔ ”تم فکر مند نہ ہو اور خان اس کی مجھے پہلے ہی اطلاع کر چکا
 اور ہم نے ان سے نمٹنے کا انتظام بھی کر لیا ہے جو تمہیں اور نینوفر کو لینے آئیں گے۔“
 فدان نے کہا۔ ”وہ پندرہ بیس آدمی ہوں گے اور شہر کے مغرب میں سودا گرو
 بھیس میں خمیر زن ہوں گے۔ میں نے ان سے یہ وعدہ اس وقت کیا تھا جب میں بھی
 نہ ہوئی تھی اور آپ سے عداوت و عناد رکھتی تھی۔ اب جب کہ میں مسلمان ہو چکی ہوں
 مرا جینا اب یہیں ہے۔ میں نینوفر اور خان کی مشکور ہوں انہوں نے مجھے اسلام کی تبلیغ
 کیا آپ نے میری اس سازش کا برا تو نہیں مانا جو میں نے نینوفر کو اپنے ساتھ بھگالے جانے
 فاروس سے کی۔“

مینائیل نے کہا۔ ”تم قابلِ تعریف ہو مسلمان ہو جانے کے بعد تم نے جس فرائض
 سے سب رازوں کو افشا کیا ہے اس سے تمہارا خلوص اور نیک نیتی ظاہر ہوتی ہے۔ اب
 جاؤ جا کر آرام کرو۔ میں تمہارا مشکور ہوں کہ تم یہاں چل کر آئی اور مجھ سے اپنے رویے کا
 مانگی، جاؤ نینوفر تمہارا انتظار کر رہی ہوگی۔“

تھوڑی دیر قبل فدان کے چہرے پر جہاں گپھے معصوم جذباتِ فطرت کے
 راحتِ منزل کی عنابی کرنیں قفس کر رہی تھیں وہاں اب محرومیوں کے سائے، سودا
 رجا و قنوط، کرب باطن اور عہدہ جوئی و بے قراری جیسے جذبے عیاں ہو گئے تھے۔
 مینائیل سے اپنے جانے کا سن کہ فدان بھاری خام و ڈرولیدہ اور شکستہ
 ”میں آپ کی مشکور ہوں۔ آپ نے میری زندگی میں خوشیاں ہی خوشیاں بھری
 ہیں۔ میں آپ کی ذات پر ہمیشہ فخر محسوس کیا کروں گی۔ اب آپ کا انتظار ہی میری زندگی ہے
 آپ کی محبت میری زینت کا اب ایک سرمایہٴ افتخار ہے۔“
 پھر وہ شوخ و طنان لڑکی اٹھی اور یوں ٹھارے بھرتی ہوئی کمرے سے باہر جاگ

گئی۔ گویا اس نے اپنی منزل پالی ہو۔

میںائیل نے اس بار سخت لہجے میں پوچھا۔ ”تم اپنے ان ساتھیوں کے ساتھ کس
ن سے یہاں خمیہ زن ہوئے ہو۔“

قاروس نے اپنی پریشانی اور فکر مندی چھپاتے ہوئے کہا۔ ”ہم سوداگریں، دو
دن یہاں رک کر مال کا لین دین کریں گے اور یہاں سے کوچ کر جائیں گے۔“
میںائیل نے غضب ناک ہو کر پوچھا۔ ”جھوٹ کسوں بولتے ہو یہ کیوں نہیں کہتے
نینوفر اور فدان کو لینے آئے ہو۔“

قاروس نے بدکتے ہوئے کہا۔ ”یہ سراسر بہتان اور الزام ہے۔ ان دونوں
دل سے ہمارا کوئی تعلق کوئی واسطہ نہیں ہے۔ تم لوگوں کو غلط فہمی ہوتی ہے۔ نینوفر
رفدان سے ہمارا کوئی تعلق نہیں۔“
میںائیل نے اپنے پیچھے کھڑے اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھتے ہوئے پکارا۔ ”فدان !
ان ! فراموشی کر کھڑی ہو۔“

فدان فوراً نمودار ہوئی۔ اس کے ساتھ نینوفر بھی تھی اور دونوں مردانہ جنگی لباس میں
نیں۔ جب وہ دونوں سامنے آئیں تو قاروس کا رنگ پیلا پڑ گیا۔

میںائیل نے فدان کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ ”یہ تو اپنے جرم سے اکا کرتا ہے۔“
فدان نے قاروس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ”جھوٹ کیوں بولتے ہو سچ کہہ دو
تم مجھے اور نینوفر کو لینے آئے ہو۔ یاد رکھو، میں مسلمان ہو چکی ہوں اور تمہارے یہاں آنے
کے سارے مقاصد میں پہلے ہی اورخان اور میںائیل سے کہہ چکی ہوں۔ جھوٹ نہ بولو ورنہ
اے جاؤ گے۔ میں اور نینوفر اب دونوں مسلمان ہیں اور ہمارا تم سے کوئی تعلق کوئی واسطہ
نہیں رہا۔“

قاروس نے فوراً تلوار کھینچ لی اور فدان پر حملہ کر دیا لیکن میںائیل چوکس تھا۔ قاروس کا
دارا نے اپنی ڈیھال پر لیا۔ پھر اس کی تلوار برسی اور قاروس کو کاٹ کر رکھ دیا۔ قاروس کے
سب ساتھیوں نے بل کرسان پر حملہ کر دیا تھا لیکن اورخان اور میںائیل نے اپنے ساتھیوں کے
ساتھ ان سب کو تیرغ کر دیا۔ پھر وہ ان کے خیموں اور دیگر سامان کو انہیں کے گھوڑوں پر

دو دن بعد پندرہ بیس آدمیوں کا ایک قافلہ اپنی شہر کے مغرب میں خیمہ
یہ لوگ سوداگروں کے خیموں میں تھے۔ اورخان اور میںائیل نے پہلے ہی اپنے آدمی مقرر
تھے جو ان پر نظر رکھے ہوئے تھے۔ جب وہ اپنے خیمے نصب کر چکے اور اپنے شام کے کما
اہتمام کرنے لگے تو اورخان اور میںائیل اپنے ساتھیوں کے ساتھ وہاں پہنچ گئے۔

جب وہ خیموں کے پاس گئے تو وہ لوگ آگ کا لالہ جلا کر اپنے لیے کھانا تیار کر
اورخان اور میںائیل اپنے ساتھیوں کے ساتھ آگ کے پاس جا کھڑے ہوئے۔ ان
کے ساتھی اپنے روضہ کے کپڑوں تلے اپنا جنگی لباس پہنے ہوئے تھے۔ انہیں دیکھ کر
والے کچھ پریشان اور فکر مند لگنے لگے تھے۔

اورخان نے ان میں سے ایک کو اشارے سے اپنے پاس بلایا۔ جب وہ قریب
اورخان نے پوچھا۔ ”تم میں قاروس کون ہے۔ اسے بلاؤ میں ایک اہم مسئلے پر اس سے
کرنا چاہتا ہوں۔ وہ آدمی داپن مڑا اور ایک خیمے کے اندر چلا گیا۔

تھوڑی دیر بعد اس خیمے سے ایک جوان نکل کر اورخان اور میںائیل کی طرف
وہ لوگ کچھ مشکوک ہو گئے تھے کیوں کہ وہ اپنے ہتھیار سنبھال کر خیموں سے باہر کھڑے
گئے تھے۔

قاروس نے قریب آ کر اورخان سے پوچھا۔ ”تم کون ہو مجھے کیسے جاننے
اور کیا کام ہے مجھ سے۔“

اورخان نے کچھ کنا چا ہا ہی تھا کہ میںائیل نے اسے جواب دیتے ہوئے کہا۔
سلطان عثمان کے بیٹے اور ولی عہد اورخان ہیں، میں میںائیل۔ یہ دونوں نام تم نے
پہلے سن رکھے ہوں گے۔“

قاروس نے بدحواس لہجے میں کہا۔ ”ہاں ان دونوں ناموں سے کون فدا
نہیں ہے۔“

لادکر شہر کی طرف جارہے تھے۔

قبل اس کے کہ قسطنطنیہ کا یونانی بادشاہ اپنے لشکر کے ساتھ مسلمان علاقوں پر لیٹا رہ کر تازہ کرتا۔ سلطان عثمان اپنے لشکر کے ساتھ اپنے شہر ایشیائے بڑے کیلے اور یونانیوں کے بی مضبوط و متحکم قلعوں کو زیر و زبر کرتے ہوئے انہیں فتح کر کے ان پر قبضہ کر لیا۔

دوسری طرف یونانی افواج بھی برق رفتاری سے ان علاقوں کا رخ کر رہی تھیں جہاں سلطان عثمان نے ان کی سلطنت کے اندر گھس کر جنگ شروع کر رکھی تھی اور ایک وسیع علاقے پر قبضہ کر لیا تھا۔

بحیرہ فاسفورس کے کنارے عظیم تاریخی وادی بیتھینیا میں دونوں لشکر ایک دوسرے کے سامنے صف آرا ہوئے۔ یونانی لشکر تعداد میں مسلمانوں سے دس گنا سے بھی زیادہ بڑا تھا اور انہیں یقین تھا کہ وہ مسلمانوں کو شمال مشرق کے ان ہی برناتی اور گمنام علاقوں کی طرف مار بھاگیں گے جہاں سے نکل کر انہوں نے عظیم اور قدیم وادی اناطولیہ پر قبضہ کیا اور مراستہ آستہ اپنی عملداری کو بڑھانا اور پھیلا نا شروع کر دیا تھا۔ دوسری طرف مسلمانوں بھی بھر دسہ تھا کہ وہ اللہ کی مدد کے طفیل بوند کو سمندر کر کے دشمن کے چہرے پر گری سلوٹیں گی کہ اس کا سر خمیدہ اور بے کلاہ کر دیں گے۔

دشمن کی زیادہ تعداد دیکھ کر سلطان عثمان نے اپنے لشکر کے کچھ دستے مشرقی سمت انہوں کی اوٹ میں بٹھا دیئے تھے اور انہیں حکم دیا تھا کہ جب جنگ اپنے پورے زور سے توفہ باری باری تکبیریں بلند کرتے ہوئے دشمن پر حملہ آور ہوں تاکہ دشمن کی صفوں میں یاترا پھیل جائے کہ مسلمانوں کو کمک پہنچ گئی ہے۔

اس روز سلطان عثمان کو ہلکا ہلکا بخار بھی تھا جو انہوں نے نظر انداز کر دیا اور اپنے لشکر کو انہوں نے تین برابر حصوں میں تقسیم کر دیا۔ قلب انہوں نے اپنے پاس رکھا۔

نہ اندر خان اور میسرہ کی کمان میخائیل کے سپرد کی گئی تھی۔ یونانیوں نے اجتماعی جنگ شروع کرنے سے قبل انفرادی جنگ کو ترجیح دی اور ان طرف سے ایک جوان اپنا گھوڑا دوڑاتا ہوا میدان میں اترا اور اسلامی لشکر کی طرف دیکھتے

اگلے روز فجر کی نماز کے بعد میخائیل جب اپنے کمرے میں داخل ہوا تو اس نے ہی دیر بعد اور خان اور نینو فر بھی اس کے کمرے میں آگئے۔ دونوں میاں بیوی ہلکے جانب لکڑی کی گدے دار شستوں پر بیٹھ گئے۔

میخائیل نے پوچھا۔ ”آج صبح ہی صبح کیسے آنا ہوا؟“ اور خان نے کہا۔ ”میں تمہارے ساتھ ایک فیصلہ کرنے آیا ہوں۔“ میخائیل نے چونک کر پوچھا۔ ”کیسا فیصلہ؟“

اور خان نے کہا۔ ”تم بدحواس مت ہو، بات معمولی ہی ہے۔ جیسا کہ اب واضح ہو گئی ہے کہ فلان اور تم دونوں ایک دوسرے کو پسند کرتے ہو۔ اس لیے سے یہ کہتے آیا ہوں، تم آج یا کل فلان سے شادی کر لو۔ میں تم دونوں کے ایک دوسرے پسند کرنے کی خبر سلطان کو بھی سن چکا ہوں۔ وہ اس پر بے حد خوش ہوئے تھے۔ اب تم یہ شادی کب ہوگی؟“

میخائیل نے کہا۔ ”مجھے اس شادی سے انکار نہیں لیکن دو ایک روز تک لشکر یونانیوں کے خلاف روانہ ہونے والا ہے۔ اس لیے اب اس شادی سے کیا حاصل شادی اب جنگ کے بعد ہی ہو تو بہتر ہے۔“

اور خان نے کہا۔ ”تم شادی کر کے فلان کو اپنے ساتھ بھی رکھ سکتے ہو اگر تم کو تو میں بھی نینو فر کو ساتھ لے چلوں گا۔“

میخائیل نے کہا۔ ”نہیں، ایسا کرنے میں کوئی مصلحت نہیں۔ یہ بات اب اسے کہ یہ شادی اس جنگ کے بعد ہوگی۔“

اس بار نینو فر نے کہا۔ ”پھر بیٹھے، ہمارے ساتھ چلے سلطان آپ کو بلا رہے ہیں۔ آج انہوں نے کھانے پر ہم دونوں کے علاوہ آپ اور فلان کو بھی بلایا ہے۔“ میخائیل خاموشی سے اٹھا اور ان کے ساتھ ہوا۔

ہوئے اس نے لٹکارا۔

مسلمانوں کی طرف سے ایک گناہم ترک مجاہد بڑی برق رفتاری کے ساتھ
کے اندر سے نکلا اور اپنا گھوٹا دوڑاتا ہوا وہ اس یونانی کی طرف بڑھتا تھا جو میدان کے وسط
اپنے گھوڑے پر بیٹھا منتظر تھا۔

اس یونانی کے قریب جا کر ترک نے اس کے ارد گرد گول چکر میں ایک بار
گھوڑے کو دوڑا کر اس کا جائزہ لیا۔ پھر وہ اس کے سامنے آیا اور اپنے سامنے اس اپنے
لراتے ہوئے کہا۔

اے میرے دین کے دشمن مجھے اپنی تلوار سے تیری موت کی بوائے لگی ہے۔
حملہ آور ہو کر جس پر شکوہ انداز میں تو اس میدان میں داخل ہوا ہے اس سے کہیں زیادہ
دخوار کہے میں تمہیں اس میدان سے نکالوں۔

یونانی نے فوراً آگے بڑھ کر ترک پر حملہ کر دیا جسے اس ترک نے بڑی آسانی
روک دیا۔ پھر اس ترک نے اپنے گھوڑے کی باگ کو ایک جھٹکا دیا۔ گھوٹا اپنی دونوں ٹانگوں
اوپر اٹھاتا ہوا بڑی طرح ہنہنایا، ساتھ ہی اس ترک نے اپنے گھوڑے کو ایک سخت
مبھی لگا دی تھی اور اس کا گھوٹا جست و خیز کرتا ہوا اپنے دشمن کی طرف بڑھتا تھا۔

ترک نے جب یونانی پر حملہ کیا تو یوں لگا جیسے وہ گناہم مجاہدنا شنیدہ اور
دستانوں کو مکمل کرنے اور مستور جذبوں کو عیاں کرنے کی خاطر میدان میں اترا ہو اس نے
پر لگاتار حملے شروع کر دیئے تھے۔ یونانی نے سنبھلنے کی کوشش کی لیکن ناکام رہا۔
مکر شیدہ اور پکٹے شعلوں کی طرح حملہ آور ہو رہا تھا۔ یونانی کے لیے وہ قضا کا ساربان آ
اجل کا راہنما بن کر سکھ زنی کی طرح ضربیں لگا رہا تھا۔ اس کے چہرے پر پھیلے ناخوش
فکار میں خوش بیان و خوش کلام جذبے تھے۔ ترک موج سوم و متراب اور چٹک
برق و رعد کی سی تیزی اور تندی اختیار کر گیا تھا۔ وہ اپنی تلوار کو طرفہ العین میں دا
بائیں اور اوپر نیچے اپنے دفاع اور جارحیت کے لیے لے جاتا ہوا ایک انوکھی علامت
کشی اور عجیب شجاعت و بہادری اور شہامت و دلیری کا مظاہرہ کر رہا تھا۔

اپنے گھوڑے کو اڑ لگا کر بیڑا بدلا۔ پھر ایک میٹھال ہوش و دانش کے ساتھ اس ترک
تلوار لگتی جیسے وہ یونانی روک نہ سکا اور ترک کی تلوار ایک دل نکار و دل خراش سنسنا
تھ یونانی پر گری اور اسے سر بیدہ کرتی چلی گئی تھی۔

یونانی اپنے گھوڑے سے گر کر ختم ہو گیا جب کہ ترک میدان جنگ میں دشمن کا عزم باطل
ور اس کے قلب کو درد آشنا کرنے کے بعد ایک صولت ایک دہرے کے ساتھ اپنے
پاؤں پہلا گیا تھا۔

یونانیوں نے اب اجتماعی حملہ کر دیا تھا لیکن مسلمانوں نے تعداد میں دس گنا سے بھی
ہونے کے باوجود ان کے اس جنوبی حملے کو بڑی طرح روک دیا تھا۔ جنگ جب اپنے
دردور پر آئی تو اسلامی لشکر کے وہ دستے جو مشرقی چٹانوں میں گھات لگائے بیٹھے تھے
باری دہان سے نکلنا شروع ہوئے اور وہ اپنے گھوڑوں کو حشیانہ انداز میں بھاگتے
ردور سے کسی ناخفیدہ فائر کی طرح اللہ اکبر کی صدا میں بلند کرتے ہوئے وہ جنگ میں
برنے لگے تھے۔

یہ نئے حملہ اور ایسے دینی اور ایمانی جذبوں کے ساتھ حملہ آور ہوئے کہ انہوں نے
مافی سمی و طواف میں صفیں کی صفیں اکٹ کر رکھ دی تھیں۔ یہ تازہ دم اور ستودہ صفات
ہمت کا بھی رخ کرتے دشمن کے اندر ایک وادیلاد طوفان کھڑا کر دیتے۔ شام سے
قبل ہی یونانیوں کو عبرت خیز شکست ہوئی۔ باز نطنی بادشاہ خود تو قسطنطنیہ بھاگ گیا
پنے سپہ سالاروں کو لشکر دے کر اس نے اپنے سرحدی شہر مروہ کی طرف روانہ کر
دیا وہاں محصور رہ کر مسلمانوں کی مزید پیش قدمی کو روک دیں۔ پوری وادی بیتھینیا اور
علاقہ شہروں اور قصبوں پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا تھا۔

سلطان عثمان اپنے ہمار کو نظر انداز کرتے ہوئے جنگ میں حصہ لیتے رہے اس سے ان
رجو گیا اور جس وقت دشمن بھاگ گیا اور جنگ ختم ہوئی تو سلطان کو تیز بخار تھا۔ اور خان
ایک کو جب خبر ہوئی تو انہوں نے سلطان کو آرام کرنے کا مشورہ دیا۔

سلطان عثمان نے میخائیل سے دوائے کر تو کھالی لیکن آرام کرنے کے بجائے انہوں نے

مینائیل خاموش رہا۔ سلطان نے اورخان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ”اورخان! ابھی اور
تیرے کوچ کی تیاری کرو مینائیل میرے ساتھ ہیں تمہارے لیے کمک روانہ کروں گا پھر تم
ان کو جب تک مدد نہ لاسیا شرفیج نہیں کرتے اس وقت تک بے دین یونانیوں سے باری ہر حال
ذہنوں کی“

اورخان اور مینائیل دونوں خمیسے سے باہر نکل گئے۔ تھوڑی دیر بعد اپنے محافظوں
اہل کے ساتھ سلطان عثمان ایک جنگی رتھ میں بردصہ سے اپنے شہر انی کی طرف
رہے تھے۔



شام سے کچھ ہی دیر پہلے سلطان اپنے شہر انی میں داخل ہوئے۔ لوگوں کو جب خبر
کہ سلطان بیمار ہیں تو وہ فکر و پریشانی کا اظہار کرنے لگے تھے۔

سلطان کے پتھر سے محل سے باہر جب جنگی رتھ کی علاؤ الدین، اس کی بیوی، نینو فر
ان تقریباً بھاگتے ہوئے باہر آئے۔ اس وقت مینائیل سلطان کو سہارا دے کر رتھ سے
اٹھا۔

علاؤ الدین پریشانی میں کچھ کہنا چاہتا تھا کہ سلطان نے خود ہی ان سب کو مخاطب
ہوئے کہا۔ ”تم لوگ فکر مند نہ ہونا۔ میں اپنے بھار کی وجہ سے لوٹ کر آیا ہوں ورنہ
کے خدان میں ربِ عظیم نے شاندار فتح دکھائی ہے ہم کنار کیا ہے۔“

علاؤ الدین، اس کی بیوی، نینو فر اور فلان اب مطمئن نظر آنے لگے تھے۔ مینائیل
غلان کو اپنی بیٹھ پر اٹھا لیا اور محل کے اندر انہیں ان کے کمرے میں لایا۔ سلطان اپنے
بیٹھ گئے پھر اشارے سے انہوں نے فلان کو اپنے قریب آنے کو کہا۔ فلان آگے بڑھ
کے قریب بیٹھ گئی۔

سلطان نے کہا۔ ”فلان! فلان! میں مینائیل کو اس لیے اپنے ساتھ لایا ہوں۔
کی شادی تم سے کروں۔ یہ میرا بیٹا ہے اور میں اس کا گھر آباد کرنا چاہتا ہوں۔ کیا تم
میرے تیار ہو۔“

برصہ شہر کا محاصرہ کرنے کا حکم دے دیا تھا۔ شکر نے وہاں سے کوچ کیا اور آگے بڑھا
کا محاصرہ کر لیا۔

دوسرے روز اورخان اور مینائیل جب سلطان عثمان سے ملنے ان کے خیمے
توانوں نے دیکھا سلطان اپنے خیمے میں چمڑے کی ایک چادر پر بے سیدھ پڑے تھے۔
پر پوری طرح غلبہ کر لیا تھا۔

مینائیل ان کے پاس بیٹھ گیا چند ثانیوں تک وہ ان کی مرض دیکھ کر ان کے
بیتار رہا۔ پھر اس نے نگر لہجے میں کہا۔ ”سلطان محترم! میرا مشورہ ہے کہ آپ واپس چلے جا
کو مکمل آرام اور علاج کی ضرورت ہے۔“

اورخان نے بھی زور دیتے ہوئے۔ ”پدیر محترم! مینائیل ٹھیک کہتا ہے۔ اگر
جا کر آرام کرنا چاہیے۔“

سلطان عثمان نے تقابہت میں کہا۔ ”تم دونوں کا کہا ٹھیک ہے۔ میں وا
گا۔ گنا ہے یہ بخار میری زندگی کا خاتمہ کرنے والا ہے۔“

مینائیل نے رقت میں کہا۔ ”خدا آپ کو صحت دے گا۔“

سلطان نے مینائیل کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ”مینائیل! تم بھی میرے سا
وہاں تمہارے ساتھ مجھے ایک اہم کام ہے۔ اس کے علاوہ تم دوسرے طبیبوں کو میر
سے متعلق ہدایات بھی دے دو گے۔ پھر تم واپس آ جاؤ اور برصہ کے محاصرے میں اورخان

مینائیل! تم مجھے اپنے فرزندوں کی طرح عزیز ہو۔ میں چاہتا ہوں علاؤ الدین اور اورخان
تمہارا گھر بھی آباد ہو اور میں تمہاری بیوی بچوں کو تمہارے ساتھ ہفتے بھیتے دیکھوں۔

ساتھ چلو اور فلان سے شادی کر کے تم لوٹ آنا۔“

مینائیل نے غور پیش کرتے ہوئے کہا۔ ”سلطان محترم! یہ کام برصہ کی فتح
کی صحت یا بی کے بعد بھی کیا جا سکتا ہے۔“

سلطان نے مینائیل کی طرف دیکھتے ہوئے سوالیہ کیفیت میں پوچھا۔ ”بخار نے
ہمالت ندی پھر۔“

حیدر اور پرنسز فدان کی گردن اثبات میں جھک گئی تھی۔ سلطان
میخائیل اور فدان کا نکاح پڑھا دیا۔ پھر انہوں نے علاؤ الدین کی بیوی اور نینو
دیکھتے ہوئے کہا۔ ”تم دونوں فدان کو میخائیل کے کہے میں لے جاؤ۔ اب یہ وہ
نینو فرمسکراتی ہوئی آگے بڑھی اور فدان کو اٹھا کر اس کا ہاتھ
لے گئی۔ فدان کی گردن جھکی ہوئی تھی۔ اس کے چہرے پر حجاب و حیا کے جذبات
کے اندر اس کی بے پناہ خوشی نہاں تھی۔

تھوڑی دیر بعد علاؤ الدین کے کمرانے پر انہی شہر کے تین ماہر طبیب
میخائیل کے ساتھ مشورہ کرنے کے بعد انہوں نے سلطان کے لیے دوائیں تجویز
کا علاج شروع کر دیا۔ جب طبیب سلطان کو دوا پلا چکے تو سلطان نے میخائیل
دیکھتے ہوئے کہا۔ ”میخائیل! اب تم جاؤ جا کر آرام کرو۔ فدان تمہاری منتظر
بعد تم یہاں سے بروصہ کی طرف کوچ کر جانا۔ میخائیل نے اُٹھ کر سلطان سے
پھر وہ باہر نکل گیا۔

میخائیل جب قلعہ نمامل کے اندر اپنی رہائش گاہ میں داخل ہو
کی بیوی اور نینو فر دونوں فدان سے میخائیل کی تعریف اکر رہی تھیں۔ میخائیل
دونوں اٹھ کر باہر چلی گئیں۔ میخائیل فدان کے سامنے بیٹھ گیا۔ چند ثانیوں کا
خاموش بیٹھ رہے۔ فدان کی گردن جھکی ہوئی تھی۔ میخائیل نے اسے مخاطب
کہا۔ ”فدان! فدان! شادی سے پہلے تو تم پھر بھی بات چیت کر لیتی تھیں
بعد تو تم اس سے بھی گئیں۔ تم نے گردن یوں جھکا رکھی ہے جیسے میرے ساتھ کوئی
اور مجھ سے گفتگو نہ کرنا چاہتی ہو۔“

فدان نے تڑپ کر کہا۔ ”ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ میری آپ سے
ناراضگی ہو سکتی ہے کہ مجھے اپنے ’تن‘ ’من‘ دھن اور ہر شے سے زیادہ عزیز ہیں
میخائیل نے پیٹ پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ ”اچھا بھوک لگی ہے کا
فدان اٹھتی ہوئی بولی۔ میں ابھی آپ کے لیے کھانے کو آتی ہوں۔“

فدان کمرے سے باہر نکلی ہی تھی کہ دو خادماں کھانے کے طشت اٹھائے آ گئیں۔
فانیا نہیں نینو فر نے بھیجا تھا۔ دونوں خادماں کھانے کے طشت رکھ کر چلی گئیں۔ میخائیل
وردان دونوں میاں بیوی اکٹھے بیٹھ کر کھانا کھانے لگے تھے۔



اور خان نے بڑی سختی اور استقلال سے بروصہ شہر کا محاصرہ جاری رکھا۔ یونا نیوں نے
دوبارہ شہر سے باہر نکل کر اپنی بھرپور کوشش کی کہ مسلمانوں کو مار بھگا دیں لیکن انہیں ناکامی اور
نعت مایوسی ہوئی۔ اور خان نے انہیں بڑی طرح پسا کر کے دوبارہ شہر کے اندر محصور ہونے
پر مجبور کر دیا تھا۔

یونا نیوں نے مسلمانوں کو زیر کرنے کی ایک اور پالہ چلی۔ انہوں نے شمال کے غیر مسلم
آزاریوں کی طرف اپنے قاصد روانہ کیے اور انہیں اس شرط پر اپنی مدد کے لیے پکارا کہ اگر
اس جنگ میں ان کی مدد کریں تو فتح کی صورت میں وہ سارا علاقہ ان کے سپرد کر دیا جائے گا۔
یونا نیوں سلطان عثمان کا قبضہ تھا۔

اور خان نے بھی ان بدترین حالات کا مقابلہ کرنے کے لیے اپنی تیاریاں شروع کر
لی تھیں۔ اسے بڑی بے چینی سے میخائیل کا انتظار تھا جو اپنی سے کمک لے کر آنے والا تھا۔
ایک روز مغرب کی نماز کے بعد اچانک لشکر میں اللہ اکبر کی صداؤں بلند ہونے لگیں
اور خان جب اپنے خیمے سے نکلا تو اس نے دیکھا میخائیل کمک لے کر لشکر میں داخل ہوا تھا۔
شکر کے من چنے کی اہل بروصہ پر نگاہ رکھنے کی ذمہ داری تھی وہ اپنی جگہ مستعد و چاک و چوبند
تھا۔ دوسرے لشکر می میخائیل اور اس کے ساتھیوں کا استقبال کر رہے تھے۔

اور خان کے خیمے کے پاس آ کر میخائیل اپنے گھوڑے سے اُترا پھر وہ بھاگ کر اور خان
سے مل گیا۔ اور خان نے بے پناہ خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ ”مجھے بڑی بے چینی
سے تمہارا انتظار تھا۔ تم صبح وقت پر کمک لے کر آئے ہو اور ہاں سب سے پہلے میں فدان
سے تمہاری شادی پر تمہیں مبارکباد دیتا ہوں۔“

میخائیل نے پریشانی اور حیرت میں پوچھا۔ ”تمہیں میری شادی کی خبر کیسے اور کہا ہو گئی۔“

اور خان نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ”جب تم یہاں سے روانہ ہو رہے تھے تو محترم نے مجھے بتادیا تھا کہ وہ کس غرض سے تمہیں اپنے ساتھ لے جا رہے ہیں۔“

میخائیل نے شکایتاً پوچھا۔ ”تم نے مجھے اس وقت کیوں نہ بتایا۔“

اور خان نے کہا۔ ”مجھے ایسا کرنے کی اجازت نہ تھی۔ بہر حال تم آؤ۔“ اور خان کو اپنے خیمے میں لے گیا۔

دونوں خیمے میں ایک دوسرے کے آمنے سامنے بیٹھ گئے۔ خیمے کے اندر چڑے ایک بڑی چادر کھچی تھی جس پر اور خان کا بستر لگا ہوا تھا۔ ملک میں آنے والا نیا لشکر اپنے خیمے گاڑ رہا تھا۔

میخائیل نے پوچھا۔ ”بروصہ میں مقیم یونانی لشکر کے کب تک محصور رہنے کے ہیں۔“ اور خان نے کہا۔ ”انہوں نے ہمارے خلاف ایک خطرناک چال چلا۔ انہوں نے شمال کے غیر مسلم تاتاریوں کو اس لالچ کے ساتھ ہمارے خلاف لڑنے کی دعا ہے کہ ان کی فتح کی صورت میں ہمارے سارے علاقے وہ تاتاریوں کو سونپ دیں گے جاسوس خبر لائے تھے کہ تاتاری اس پیش کش کو قبول کر چکے ہیں اور دو ایک روز تک وہ پہنچ جائیں گے۔ ہمارے آدمی ان پر نگاہ رکھے ہوئے ہیں وہ ان کی آمد سے پہلے ہمیں کریں گے۔“

میخائیل نے کہا۔ ”پھر ہمیں بھی اپنا سارا لالچ عمل بدل لینا چاہیے۔“

اور خان نے پوچھا۔ ”کیسے اور کس طرح؟“

میخائیل نے چند ثانیوں کے تفکر کے بعد کہا۔ ”ہمیں اپنے لشکر کے تین حصے چاہئیں اور شہر سے پیچھے ہٹ جانا چاہیے۔ اپنا پڑاؤ ہمیں شمال میں اس جگہ لگانا جہاں سنگلاخ چٹانیں ہیں اور سامنے کی طرف کھلا میدان ہے۔ اس طرح چھپے کی طرف حملہ کا خدشہ نہ رہے گا اور پھر ہمارا پڑاؤ بھی محفوظ ہو گا۔ میں جو ملک لے کر آیا ہوں

یہی جہاز کا اور جنگ آزمودہ سالار کے حوالے کر کے اپنے پڑاؤ کے پیچھے چٹانوں کے اندر چھپا دیں جب کہ ہم دونوں تاتاری اور یونانی دونوں کا مقابلہ کریں لیکن جب یونانی ہمارے ساتھ جنگ کے لیے شہر سے نکلیں چٹانوں کے اندر چھپا ہوا ہمارا لشکر فوراً بروصہ شہر میں داخل ہو کر اس پر قبضہ کر لے۔ اگر شہر تباہ کے دروازے بند کر لیے جائیں تو وہ لشکر فوراً پلٹ کر دشمن کی پشت پر حملہ کر دے۔ اس طرح ہم دشمن کو بڑی آسانی سے شکست دے دیں گے اور جب یونانی شہر میں داخل ہونے کے لیے میدان جنگ سے بھاگیں تو ہم میں سے ایک تو تاتاریوں کا تعاقب کرے اور دوسرا یونانیوں کا تعاقب کرتا ہوا ان کے ساتھ ہی ساتھ شہر میں داخل ہو جائے۔ اس طرح بروصہ کو فتح کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ یاد رکھیے اگر ہم نے بروصہ کو فتح کر لیا تو ناسیا اور دیگر شہروں کو ڈیر کرنا ہمارے لیے آسان ہو جائے گا۔“

اور خان نے میخائیل کی طرف تو صیفی انداز میں دیکھتے ہوئے کہا۔ ”میخائیل! میخائیل! تم قابلِ تعریف ہو۔ تمہاری اس تجویز پر عمل ہو گا اور مجھے یقین ہے ہم تاتاری اور یونانی دونوں کو شکست دے کر بروصہ شہر پر قبضہ کر لیں گے۔ میرے بھائی! میں جنگ کے اس لالچ عمل پر گفتگو کرتے اپنے باپ کی خیریت دریافت کرنا تو بھول ہی گیا، وہ اب کیسے ہیں؟“

میخائیل نے فکر مندی سے کہا۔ ”ان کا بخار خطرناک ہے۔ میری رفاہی کے وقت تک ان کا بخار ٹوٹا نہ تھا۔ گاتا ہے انہیں موسمی بخار ہو گیا ہے شہر کے تین عمدہ طبیب ان کا علاج کر رہے ہیں۔ میں نے ان کی بیماری کے پیش نظر ان کے پاس چند یوم اور رکنا چاہا لیکن انہوں نے مجھے فوراً تمہاری طرف آنے کا حکم دیا۔ لہذا میں ادھر کوچ کر آیا۔ ہمیں ان کی صحت کے لیے دعا مانگنی چاہیے۔“

اور خان چند ثانیوں تک فکر مند اور خاموش بیٹھا رہا پھر وہ سنبھلا اور کھڑا ہوتا ہوا بلا۔ ”اوتے اوتے والے لشکر کے کھانے کا جائزہ لیں۔ تم بھی کھانا کھا لو۔ پھر اپنے لشکر کے ساتھ یہاں سے کوچ کر کے شمالی چٹانوں کے پاس پڑاؤ کرتے ہیں۔“ دونوں ہاتھ میں ہاتھ ڈالے خیمے سے باہر نکل گئے تھے۔

اسی رات اورخان اور میخائیل اپنے لشکر کو لئے کمرہ بانچ میل شمال میں ایک سنگ کو ہستانی سلسلے کے دامن میں جا کر خمیہ زن ہو گئے تھے۔ دو روز بعد ایک تاتاری لشکر کے سامنے نمودار ہوا۔ اسی دوران بروصہ سے یونانی لشکر بھی شہر سے باہر نکل کر تاتاریوں بل گیا اور دونوں لشکر مسلمانوں کے مقابل خمیہ زن ہو گئے تھے۔

سہ پہر کے قریب تاتاری اور یونانیوں نے حملے کی ابتدا کی اور دونوں متحدہ مسلمانوں کے خلاف جنگ میں مصروف ہو گئے تھے۔ اورخان تاتاریوں کے سامنے قباہ بنجائیل یونانیوں کے خلاف جنگ شروع کر چکا تھا۔

یونانیوں کا خیال تھا وہ تاتاریوں کو ساتھ ملا کر کامیاب ہوں گے اور ترک حملہ کرے ان کی جان ہمیشہ کے لیے چھوٹ جائے گی لیکن انہیں ناکامی ہوئی۔ تاتاریوں کے ساتھ وحشت الارض اور برساتی کیڑوں کی طرح مسلمانوں کے سامنے آئے کہ انہیں پسپا ہونے پر مجبور دیں لیکن مسلمان مجاہدین اپنے اذل الہتاب اور ابدی جرات میں انہیں پیچھے دھکیل رہے تھے لگاتار مسلمان میدان جنگ میں لوح و قلم کے فروغ کی خاطر ایک عجیب سے جدتِ حصار میں مبتدا فیض بن کر ترک و طلب کے ہر جذبے سے آگے نکل گئے ہوں۔ یہ مسلمانوں پر اپنے رب لا شریک کا فیضانِ سرمدی تھا کہ وہ اسی کے عطا کردہ سرمایہ توکل میں تاتاریوں اور یونانیوں پر نہامت و انفعال اور روح کی شکستگی طاری کرتے جا رہے تھے۔

ادھر اورخان اور میخائیل تاتاریوں اور یونانیوں کے درمیان جنگ میں مصروف تھے ادھر ان کا گھات میں بیٹھا ہوا لشکر باہر نکل ادا بڑی تیزی سے شہر کی طرف بڑھا لیکن دارِ پنج کر انہیں مایوسی ہوئی کیوں کہ شہر پناہ کے دروازے بند تھے۔ وہ کمندوں اور سیڑھیوں کے ذریعے بھی فصیل پر نہ چڑھ سکتے تھے۔ کیوں کہ ان کی تعداد کم تھی۔ دوسرے فصیل پر مسلح یونانی موجود تھے۔

ناچار ناکامی اور مایوسی میں لیشکر پلٹا۔ شہر اور میدانِ جنگ کی مسافت کو برق رفتاری سے طے کیا اور زخمی سانپ کی طرح دشمن پر ان کی پشت سے حملہ کر دیا تھا۔ یہ حملہ ایسا زوردار اور انتقامی تھا کہ یونانی اور تاتاری دونوں بوکھلا کر رہ گئے۔ پھر اچانک

جگ میں ایک طوفان اٹھ کھڑا ہوا۔ فرزندِ ان کعبہ سامنے اور پشت کی طرف سے ان کے جال و نجابت کے ساتھ تکبیریں بلند کرتے ہوئے اور زیادہ تیزی اور خون سے حملہ آور ہونے لگے تھے۔ اب وہ اپنے عیاں و تنہاں جذبوں میں اپنے دشمن بدنہا لئے سیسہ و فولاد ہو کر رہ گئے تھے

عجیب اضطراب کے حامل مسلمان مجاہدین نے دشمن کے جسم و جان میں آگ سی لگا دی اور دقت کی کڑی تیز آبِ جو کی طرح۔ تاتاریوں اور یونانیوں کے ہر کمزور یا گھمنڈ و عاقبت و انجام اور ان کے ہر گمان، شبہ اور احتمال کو دھوکہ کر رکھا دیا تھا۔

تاتاری اور یونانی اپنے دامن بائیں پرانگندہ اور منتشر ہونے لگے تھے۔ ان کی صفوں رفتاری اور بظنی غا ہر ہونے لگی تھی۔ ان کے چہروں پر اب ایک نیتان کی سی سیاہ اور مایوسی پھیلنے لگی تھی جب کہ تکبیریں بلند کرتے فرزندِ ان کعبہ کے حملوں کا جمال و جلال بھرا گیا تھا۔ پھر اچانک تاتاری اور یونانی میدانِ جنگ سے یوں بھاگ کھڑے ہوئے جس طرح طلوع ہونے پر مہیب و پرہول تاریکیاں کراہنے اور بھاگنے لگتی ہیں۔ اس پر بھی مسلمانوں نے اپنے حملوں کی خوب صباحت و سلفت و تازگی کا ثبوت دیا۔ اورخان تو اپنے حصے کے لشکر کو لئے کرتا تاتاریوں کے تعاقب میں لگ گیا۔ یونانی ہر کی طرف بھاگے تھے۔ میخائیل اپنے لشکر کے دونوں حصوں کے ساتھ ان کے پیچھے ہٹا اور جب یونانی شہر میں داخل ہوئے وہ بھی اپنے لشکر کے ساتھ انہیں مانا کاٹتا ہوا میں داخل ہو گیا۔ اب شہر کے اندر جنگ شروع ہو گئی تھی۔

اورخان نے تھوڑی دور تک تاتاریوں کا تعاقب کیا۔ پھر وہ بھی پلٹا اور بروصہ میں داخل ہو گیا۔ اس کے آتے ہی جنگ کا فیصلہ ہو گیا اور شہر کے اندر تمام مسلح اور سہرا آمدہ یونانیوں کو تہ تیغ کر دیا گیا۔

کسی بھی شہر نے مسلمانوں کے خلاف ہتھیار نہ اٹھائے تھے۔ وہ مسلمانوں کے امداد و افعال اور اخلاق و کردار سے پہلے ہی واقف تھے لہذا شہر قیوں کی اکثریت نے سلام قبول کر لیا۔

کی خاطر چاگتی ہوئی باہر نکل گئی تھیں۔

سلطان عثمان کے ہنٹوں پر اس خوش خبری سے ہلکی سی مسکراہٹ نمودار ہوئی تھی۔
چہرہ دوبارہ انہوں نے علاؤ الدین کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”میرے بعد اور خان کا شیر بن کر رہنا۔ وہ تمہارا چھوٹا بھائی ہے۔ قدم قدم پر اسے
تمہاری ضرورت ہوگی۔ دیکھو کبھی میں اپنے باپ کے ساتھ کوہستان ارمن میں اپنے ریوڑ
پر ایک تاقا اب میں تم لوگوں کے لیے ایک مضبوط حکومت چھوڑ کر جا رہا ہوں۔ یہ سب
اس رب کریم کی کوشمہ سازی ہے جو شام و سحر کو گردش میں رکھتا ہے۔ اگر تم لوگ اپنے عوام
کے ساتھ پر خلوص اور اپنے رب کے مطیع و فرمانبردار بن کر رہے تو میرا خواب پورا ہوگا
تم لوگوں کی سلطنت خوب پھیلے گی۔“

غاسل کے اندھیرے اور گھاؤں کی ظلمتیں تمہارے آگے روشنی و نور میں تبدیل
ہوں گی۔ جس طرح دن زینہ بہ زینہ چڑھتا ہے، ایسے ہی اس ہنگام واژدہام میں تمہاری آنے
والی نسلیں پھیلتی رہیں گی۔ تمہاری سلطنت پر صدیوں کے فاصلوں کی گرد آڑے گی۔ بڑے
بڑے مدبر شہنشاہ میری نسل کے سامنے چپ کی زنجیروں اور خاموشی کے سلسلوں میں جکڑے
موت کی وادی میں اتر جائیں گے۔“

آہ فنا کی آغوش میں مرگ کا کھیل مجھے سب کچھ دکھا رہا ہے۔ میری نسل کے سامنے
نیل سے دودگا، جہر و فرات سے ڈینیوب اور کوہستان ارمن سے جھیل اطلس تک ہر کوئی
سنگین و مطیع ہوگا۔ میں کبر سن و کهن سال بوڑھا الوداع کہتا ہوں۔ اور خان کو میرا سلام
کہنا۔ بروصہ کی فتح پر میری طرف سے اسے مبارک باد دینا۔ اسے کہنا اب بروصہ کو اپنا
دارالحکومت بنائے اور میری لاش بروصہ شہر میں دفن کرے۔“

سلطان خاموش ہو گئے۔ علاؤ الدین اپنی آنکھوں سے اپنے آنسو پونچھے اور تڑپ
کواں بنے اپنا ہاتھ سلطان کی بغض پر رکھ دیا۔ اب وہاں کیا رکھا تھا۔ سلطان عثمان ختم ہو چکے
تھے۔ ایک والہانہ نماز میں علاؤ الدین نے اپنے باپ کی چھاتی پر سر رکھ دیا اور اسے
سکس کر رونے لگا۔

اور خان اور میخائیل نے چند یوم تک بروصہ شہر میں قیام کیا۔ اس دور
انہوں نے اپنا حاکم مقرر کیا۔ شہر میں جگہ جگہ مسجدیں تعمیر کرائیں۔ لشکر کا ایک
حفاظت کے لیے دیں چھوڑا اور بقیہ لشکر کے ساتھ وہاں سے واپس کوچ کر گئے۔



سلطان عثمان بن ارطغرل کی بیماری بگڑ کر زور پکڑ گئی تھی اور وہ موت
ہوئے تھے۔ ایک روز جب کہ سورج دن بھر کی کش مکش کے بعد مغرب کی طرف
رہا تھا سلطان عثمان اپنے بستر پر بے سندھ پڑے تھے۔ لگتا تھا ان پر نقابت اور
ہو۔ ان کے بستر کے پاس ان کا بیٹا علاؤ الدین، اس کی بیوی، نیوزفر اور فدان بیٹھے
دیر بعد سلطان نے اپنی آنکھیں کھولیں اور علاؤ الدین کی طرف دیکھتے ہوئے انہوں
بیداری کی سی حالت میں کہا۔

”علاؤ الدین! روح کی تڑپ، قلب کی حرارت اور سجدوں کی میری
ہونے کو ہے۔ زندگی عدم و نیست کا ایک کھیل ہے۔ جو کبھی کے بس میں نہیں
کی آنکھوں میں درخت پر کوئی نیا شگوفہ پھوٹتا ہے اور قریب ہی سے ادا
میں کوئی خشک پتا اسی پیر سے گر کر گبولوں اور طوفانوں کی نذر ہو جاتا ہے۔
کو عزیز و مالوت ہے پر موت کا نقش الحجاز مل ہے۔ میں بھی اب تم لوگوں سے
ہوتا ہوں۔“

علاؤ الدین کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئی تھیں۔ وہ کچھ کہنا چاہتا تھا کہ
تیزی سے اندر آیا اور سلطان عثمان بن ارطغرل کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

”سلطان محترم! اور خان اور میخائیل اپنے لشکر کے ساتھ شہر میں داخل
ہیں۔ انہوں نے بروصہ فتح کر کے وہاں اپنا حاکم مقرر کر دیا ہے۔ لوگ بڑے ڈالا
میں اپنے لشکر کا استقبال کر رہے ہیں۔“

پھر یار لوٹ گیا۔ نیوزفر، فدان اور علاؤ الدین کی بیوی اپنے لشکر کے

مَسْجِدِ غَرْوَبِ ہو رہا تھا۔ باہر بڑھنے کی فتح پر خوشی میں دفین پڑی جا رہی تھیں تو
اور فقارے بجائے جا رہے تھے اور اندر علاؤ الدین اپنے باپ کی شادہ مگر مردہ چھاتی پر سر
ہچکیوں اور سرکیوں میں نور ہا تھا۔



محرانِ شین

اسلم راہی ایم



برہوں میرا نام خضیب بن مزروق ہے۔

اس اجنبی نصرانی نے کہا۔ میں قسطنطنیہ کی موجودہ ملکہ آئرین کے مرحوم شوہر کا بھائی
میرا نام پیٹروس ہے۔ کیا میں ایک اہم سلسلہ میں آپ سے علیحدگی میں گفتگو کر سکوں گا۔
امیر وفد خضیب بن مزروق نے کہا۔ علیحدگی کی کوئی ضرورت نہیں تم بیٹھ جاؤ اور
ان ساتھیوں کی موجودگی میں بلا جھجک کہو۔ یہ سب میرے بھائیوں جیسے ہیں۔ ان کا مجھ
درمیان سے کسی بات کسی امر کا کوئی راز نہیں۔ یہ سب میرے جاں نثار اور قابل اعتماد
ہم بلا توقف کہو۔

ناچار پیٹروس وہاں بیٹھ گیا۔ پھر وہ وفد کے امیر خضیب بن مزروق سے کہہ رہا تھا۔
یہ آپ کو یاد ہو کہ صروت دو برس قبل ملکہ آئرین اپنے بیٹے قسطنطین سادس کے اشتراک
قسطنطین پر حکمرانی کر رہی تھی لیکن معمولی اختلافات پر آئرین نے اپنے بیٹے اور میرے بھتیجے
لیس سادس کے ساتھ غلطی کی اور اس کی دونوں آنکھیں نکال کر اسے باسفورس
نار غلطہ کے ایک قدیم اور پرانے قلعے میں قیدی بنا کر رکھ لیا ہے۔

آئرین کی ایک بیٹی، قسطنطین کی بہن اور میری ایک بھتیجی بھی ہے اس کا نام تھیوڈورا
اس قیمت لڑکی نے بھی بھائی کی طرف داری کی جس کی پاداش میں آئرین نے اپنے بیٹے کے
اپنی بیٹی کو بھی اسی پرانے قلعے میں امیر کر دیا ہے۔ قسطنطنیہ کے عوام کو ابھی تک یہ خبر
قسطنطین کے ساتھ اس کی بہن بھی قید ہے اور اپنی ماں آئرین کے زیرِ عتاب ہے۔
خضیب بن مزروق نے پیٹروس کے رکنے پر بولتے ہوئے کہا۔ لیکن ان واقعات سے
تعلق؟

پیٹروس نے منت کرنے کے انداز میں کہا۔ پہلے میری پوری گفتگو سن لیں۔ اس
رمانیت کے ناطے سے جو فیصلہ آپ کریں گے مجھے منظور ہوگا۔ میں نے ابھی اپنی
تم نہیں کی۔ میں کہہ رہا تھا قسطنطنیہ کے عوام کو ابھی تک علم نہیں کہ میری بھتیجی تھیوڈورا
نے بھائی کے ساتھ قید ہے کیوں کہ عوام کے سامنے آنے کے ہر اہم موقع پر آئرین اپنی
قید سے نکال کر اپنے ساتھ رکھ لیتی ہے۔ تاکہ لوگوں پر یہی تاثر ہو کہ دونوں ماں بیٹی

بیکرہ مرمر کے کنارے دو بہر اعظموں کے ساحل پر چھائے ہوئے شہر قسطنطنیہ
شہنشاہوں کے محل قصر بلاشرن کے پاس امیر المومنین ہارون الرشید کی طرف سے ایک
زن ہوا تھا۔

قسطنطنیہ پر اس وقت ملکہ آئرین حکومت کر رہی تھی۔ یہ چونکہ امیر المومنین
کی باجگزار تھی لہذا مسلمانوں کا یہ وفد ملکہ سے خراج کی رقم وصول کرنے آیا تھا۔ وہ
اپنے عروج پر تھا اور یوں لگتا تھا برفانی سردی زمین کے ذرے ذرے اور سمندر
قطرے میں حلول کر گئی ہو۔

مسلمان وفد کے ارکان عشاء کی نماز کے بعد حجب اپنے خیموں کے سامنے
روشن کئے اور اس سے اندھیرے میں گفتگو کر رہے تھے کہ وہاں ایک معزز
آگ کے گرد بیٹھے مسلمانوں کو مخاطب کر کے اس نے کہا۔

اے عظیم قوم کے فرزندو! تمہارے وفد کا امیر کہاں ہے مجھے اس
ایک منور کا مہ ہے۔
آگ کے گرد بیٹھے مسلمانوں میں سے ایک جوان نے بولتے ہوئے کہا۔

میں اتفاق ہے اور یہ کہ غلطی قسطنطین کی ہی تھی۔۔۔۔۔ تھیوڈورا بھی اس حالہ تھی کیوں کہ اس طرح وہ اپنے بھائی کو دیکھ سکتی تھی اور اس کی خدمت کر سکتی تھی وہ اندھا کر دیا گیا تھا۔ اب چند روز ہوئے قسطنطین اپنی ماں کی لگائی ہوئی اس قید ہے۔ آئیں اب اپنی بیٹی تھیوڈورا کے درپے ہوگی اور اسے ختم کرانے کی کوشش کی۔ کیوں کہ اس کے ارادوں میں تھیوڈورا سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔

پیٹروس نے فرار ٹک کر کہا۔ ملکہ آئرین اپنے خراجچی نسی فورس کے کی مکمل گرفت میں ہے۔ جو ملکہ کو خوشنورہ دیتا ہے۔ اس پر وہ آنکھیں بند کر کرتی ہے۔ قسطنطین اور تھیوڈورا کی امیری اسی نسی فورس کے کہنے پر عمل میں نے قسطنطینہ میں بہت کوشش کی کہ کسی کو اعتماد میں لے کر اپنی بھینچی تھی قید سے نکال کر کسی محفوظ جگہ پہنچاؤں لیکن مجھے کامیابی نہ ہوئی کیوں کہ ایسا کا بھی آئرین کی دشمنی اور انتقام کا سامنا کرنے کو تیار نہیں۔ مجھے کئی ماہ سے مسلمان اس وفد کا انتظار تھا۔ کیا آپ مجھے اپنے وفد سے کوئی ایسا جوان مٹیا کر سکتے ہیں جو پر عمل کرے اور تھیوڈورا کو قید سے نکال کر محفوظ جگہ پہنچائے اور اس کے محافظ پر اس کے ساتھ رہے۔ اس کام میں اسے اس قدر معاوضہ دلوں گا کہ اس کی آئندہ نسلیں تک آرام و سکون اور بے فکری کی زندگی بسر کر سکیں گی۔ اس کے علاوہ کے وفد کے ہر فرد کو ایک ایک بزاروینا کی ادائیگی کر دوں گا۔ مجھے امید ہے کہ پس پشت ڈال کر انسانیت کی فلاح و خدمت کی خاطر آپ ضرور میری مدد امیر وفد خضیب بن مزروق آگ پر ہاتھ پھیلائے اور گردن جھکائے ایک کچھ سوچتے رہے پھر پیٹروس کی طرف غور سے دیکھتے ہوئے انہوں نے کہا تمہارا کام ضرور کروں گا لیکن اس کے لیے میری ایک شرط ہے۔

پیٹروس نے خوشی اور اطمینان کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ آپ کہیں ہر شرط منظور ہوگی۔ خضیب بن مزروق نے کہا۔ ہمارے ساتھ ایک ایسا جوان بھیجا

جسے ہم نے یہاں قسطنطینہ میں ہی چھوڑ کر جانا ہے تاکہ وہ یہاں رہ کر قسطنطینہ کے حکمرانوں پر نگاہ رکھے اور مسلمانوں کے خلاف ان کے عزائم سے اپنی حکومت کو آگاہ رکھے۔ وہ جوان صرف اسی غرض سے ہمارے ساتھ آیا ہے۔ اگر وہ اس غرض سے نہ آیا ہوتا تو یقیناً میری جگہ وہ اس وفد کا امیر ہوتا۔

وہ بغداد کے مدرسۃ الحربیہ کا استاد ہے۔ اس کا نام سریر بن مسلم ہے۔ یہ جوان اس لیے یہاں رہ کر کام کرے گا کہ ماضی میں اکثر قسطنطینہ کی حکومت ہمارے علاقوں پر دعوے کرتی رہی ہے۔ گوان جنگوں میں آئرین شکست کا سامنا کرنا پڑا اور ہمارے موجودہ خلیفہ بھی انہیں ایک بار عبرت ناک شکست دے چکے ہیں۔ پھر بھی کسی بروقت کارروائی کے لیے سریر بن مسلم کو یہاں رہنے کے لیے منتخب کیا گیا ہے۔ تم وعدہ کرو اس کے ہر کام میں تم اس کی مدد کرو گے۔

یاد رکھو! اگر تم نے ایسے عہد نہ کیا تو تم کہیں بھی چلے جاؤ ہم سائے کی طرح تمہارا تقاب کر کے تم سے انتقام لیں گے۔ یاد رکھو! قسطنطینہ میں ہمارے اہل لوگ بھی ہیں جن کے ذریعے سے سریر بن مسلم اپنے پیغامات بغداد روانہ کریں گے وہ بھی تم پر نگاہ رکھیں گے۔

پیٹروس نے بڑی انکساری اور عجز میں کہا۔ میں آپ لوگوں کے اعتماد کو دھکا نہ دوں گا۔ آپ مجھ پر بھروسہ رکھ کر میرے ساتھ عہد کریں۔ میں ہر طرح سے سریر بن مسلم کی مدد کروں گا۔ میرا مرحوم بھائی جو قسطنطینہ کا بادشاہ تھا تو اس نے خزانہ کا ایک خاص حصہ میرے حوالے کر دیا تھا۔ اس لحاظ سے میں سریر کو کسی بھی کمی کا احساس نہ ہونے دلوں گا۔ ان جوانوں میں سے کون سریر بن مسلم ہے۔

خضیب بن مزروق نے کہا۔ وہ ان جوانوں میں سے نہیں وہ اند خیمے میں ہے اور اس آدمی سے گفتگو کر رہا ہے۔ جو قسطنطینہ سے اکٹھی کی ہوئی اس کی اطلاعات بغداد پہنچانے انتظام کیا کرے گا۔ یہاں پہلے بھی ہمارا ایک آدمی تھا جس پر ایک بلغاری ہن کو شک ہوا اور اس نے اسے دھوکے سے قتل کر دیا۔ سریر بن

مسلم یہاں رہ کر اس بلغاریہ میں سے انتقام بھی لے گا۔

پیٹروس نے پوچھا۔ کیا سریر بن مسلم خوب طاقت ور ہے اور جنگ کرنا ہے اور یہ یہاں رہ کر خوفناک اور خوفناک تیغ زلوں کا مقابلہ کر سکے گا۔

خضیب بن مزروق نے فخر، انداز میں کہا۔ تم جب اسے دیکھو گے تو فوراً ہی اس کی تعریف کرو گے۔ وہ چھر کی دیوار جیسا سنگین اور فولادی چٹانوں کی طرح ہونے ہے۔ وہ اپنے غم پر جب حملہ آور ہوتا ہے تو غلاب بن کربستہ ہے اور آتش فشاں کے دھانے کی طرح پھٹ پڑتا ہے۔ وہ اپنے حملوں سے تقدیر کے لبوں کو متحرک اور حیات کو مرتعش کر دیتا ہے۔

پیٹروس نے بڑی بے تابی دے چینی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ ”آپ اس کی تعریف ہی کرتے رہیں یا مجھ سے ملائیں گے بھی۔ یقیناً وہ جوان طوفان ہی ہوگا جس کی آپ اس قدر تعریف کر رہے ہیں۔“

خضیب نے اپنے ساتھی کو مخاطب کر کے کہا۔ ”دونوں کو باہر بلاؤ۔ تھوڑی دیر بعد خیمے کے اندر سے ایک نہایت وجیہ، دراز قد اور کٹھے ہوئے مضبوط جسم کا جوان نکلا۔ اس کے ساتھ ایک ادھیر عمر کا آدمی بھی تھا۔ اس جوان کو دیکھ کر آگ کے گرد بیٹھے ہوئے جوان حتیٰ کہ خضیب بن مزروق بھی اس جوان کے احترام پر کھڑے ہو گئے تھے۔

پھر اس جوان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے خضیب نے پیٹروس سے کہا۔ ”پیٹروس! پیٹروس! یہ سریر بن مسلم ہے۔“

پیٹروس نے آگے بڑھ کر جب سریر بن مسلم سے مصافحہ کیا تو اسے یوں محسوس ہوا جیسے سریر بن مسلم کے ہاتھ پتھر اور چکی کے پاٹ کی طرح سخت و سنگین ہوں بیٹھا اسے یوں تعجب سے دیکھ رہا تھا جیسے سریر بن مسلم کے سامنے صورتِ حضرت کھڑا ہو۔ اس کی تیر کی سی تیز نگاہوں میں سمندر کی سریشی تند لہروں جیسی بے باکی اور صیقل شدہ تلو کی سی چمک تھی اور اس عجیب و انوکھی چمک میں عزمِ آہنی کی کامرانی اور سرخروئی

پیٹروس نہایت متاثر ہونے والے انداز میں سریر بن مسلم کو دیکھ رہا تھا۔ جس کے پیٹروس کی دھمک، بجلیوں کی کڑک اور جس کے دیکھنے میں فتنہ کا بکھرتا زور دل کا ثبات تھا۔ پیٹروس کی نگاہیں کپڑوں کے اندر بھری اس کے بازوؤں کی کڑی دھڑکن پر جم کر رہ گئیں تھیں۔ وہ یوں محسوس کر رہا تھا جیسے قدرت نے سریر بن مسلم پر زندگی کا راگ الاپنے، اپنے دشمن پر اعصابی ضعف اور صرح کے دورے لانے کو پیدا کیا ہو۔

چند لمحوں تک پیٹروس اس آتش و آہن بدو کو اسی طرح دیکھتا رہا۔ پھر اس نبھاتے ہوئے کہا۔ ”قسم یسوع مسیح کی تم سے مل کر یوں لگا ہے جیسے میں سمین اور یس کے مجسمے کے سامنے کھڑا ہوں۔ اگر اپنے عمل و فعل میں بھی تم اپنی شخصیت جیسے نے میری خوش قسمت ہوگی۔“

سریر بن مسلم کے کہنے پر سب آگ کے گرد بیٹھ گئے۔ پھر سریر کو مخاطب کرتے خضیب نے اسے اس ساری گفتگو سے آگاہ کر دیا تھا۔ جو پیٹروس کے ساتھ ہوئی تھی۔ سریر بن مسلم نے پیٹروس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ”میں تمہاری مدد کرنے کو تیار ہوں اور اس کے عوض میں تم یہاں میری رہائش اور دیگر مراعات کا بندوبست کرو۔ میں تمہاری جتنی بھی تھوڑا کو قید سے نکال لوں گا۔ لیکن مجھے کب تک اس غافلے کے طور پر اس کے ساتھ رہنا ہوگا۔“

پیٹروس نے کہا۔ ”جب تک حالات درست نہیں ہو جاتے، لیکن اس پہلے میں ایک آزمائش اور امتحان سے گزرنا ہوگا۔“

سریر بن مسلم نے تعجب سے پوچھا۔ ”کیسی آزمائش؟“

پیٹروس نے کہا۔ ”میں بتا چکا ہوں کہ اہم تقریبات میں ملکہ آئین اپنی بیٹی بوفور کو قید سے نکال کر اپنے ساتھ رکھتی ہے تاکہ لوگوں کو یہ احساس رہے، کہ نول مال بیٹی میں اتحاد و یگانگت ہے۔“

پیٹروس فوراً سریر بن مسلم کی طرف دیکھتے ہوئے کھتا رہا۔ قسطنطنیہ شہر میں

ایک کھلا اور وسیع میدان ہے جس کا نام ہیوڈوم ہے۔ اس میدان میں فر
تقریح و دلچسپی اور تیغ زفوں کو اپنی جنگی ممانست آزمائے کے لیے ہر ہفتے مقابلہ
ہیں۔ اس میدان کے دو بڑے دروازے ہیں۔ باب العاج اور دوسرا باب
ان مقابلوں میں حصہ لینے والے باب العاج سے داخل ہوتے ہیں اور
مقابلوں میں مارے جاتے ہیں ان کی لاشیں باب الموت سے باہر نکال دی
مکہ آئین بھی یہ مقابلے دیکھنے آتی ہے اور تھیوڈورا کو بھی قید سے نکال کر
لائی ہے۔ تم بھی ان مقابلوں میں حصہ لو۔ میں تھیوڈورا سے تمہارے متعلق
گفتگو کر لوں گا۔ کیوں کہ ان مقابلوں کے دوران کم از کم مجھے اس سے بات
کی اجازت ہوتی ہے۔ اس لیے کہ آئین کو مجھ پر بھروسہ اور اعتماد ہے اور
دھوکہ نہ دوں گا۔

ان مقابلوں کے دوران ہی تھیوڈورا تمہیں دیکھ بھی لے گی اور
رہا کرانے جاؤ گے تو وہ تمہیں پہچان کر تمہارے ساتھ ہولے گی۔ اگر اس نے
سے نہ دیکھا تو وہ ہرگز تمہارے ساتھ جانے پر آمادہ نہ ہوگی۔ ان مقابلوں
باہر عرب آزمائش حصہ لیتے ہیں جن میں اکثر مارے جاتے ہیں اور باب الموت
نکال کر دفن کر دیے جاتے ہیں۔ کیا تم بھی ان مقابلوں میں حصہ لے سکو گے
سریر بن مسلم نے کہا۔ سنو پیٹروس! ثبات تو صرف اللہ کی
پھر بھی میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ ان مقابلوں میں حصہ لیتے ہوئے میں کو
نہیں کر دوں گا۔ اگر اس میدان میں میری موت میری منتظر ہے تو کوئی اسے
سکتا۔ بصورت دیگر میں وہاں سے کامیاب و فخر مند ہو کر نکلوں گا۔
پیٹروس نے کہا۔ تو پھر سنو یا سفورس کے اس پارحشکی کے دو گڑ
آگے بڑھے ہوئے ہیں۔ انہیں یا سفورس ہی کی ایک شاخ جدا کرتی ہے
شاخ زیادہ چوڑی نہیں کوئی چارپانچ میل اند کی طرف چلی گئی ہے۔ اس
شاخ نہیں ہے۔ اس کے انتہائی گوشے پر شمالی جانب دو دریا آکر بائیں

اس شاخ کے اس حصے کو جو بلند ہوتا چلا جاتا ہے پیر کہتے ہیں اور جو علاقہ
سے نیچے وادی کی صورت میں ہے اسے غلطہ کہتے ہیں۔ اسی غلطہ نام کی
ایک قدیم قلعہ ہے جس کے اندر تھیوڈورا کو رکھا جاتا ہے۔
مقابلے دیکھنے کے بعد ایک عام سی گھسی میں تھیوڈورا کو وہاں لے جا کر بند
ہا ہے۔ تم اس گھسی کا تعاقب کرنا۔ اس طرح تم اس قلعے کے محل وقوع کے
بھی جان جاؤ گے کہ اس کے اندر کیسے داخل ہوا جاسکتا ہے۔
اس کام میں خود میں بھی تمہارے ساتھ جاتا لیکن تھیوڈورا کا قلعے سے
میری غیر حاضری آئین کو شک و شبہ میں ڈال دے گی اور اس شک کی
وہ میرا غامض بھی کر سکتی ہے۔ وہ انتہائی شکی، خطرناک اور ہلک عورت
سکتا ہے ہیوڈوم میں تمہارا مقابلہ اس جوان سے ہو جو پچھلے ایک ماہ
زائد عرصے سے یہ مقابلے جیتتا آ رہا ہے۔ اگر تمہارا مقابلہ اس سے ہوا، تو
باد وہ انتہائی تیز، خطرناک اور زوردار حملے کرتا ہے۔ اس کا نام میتھیوس
سریر نے پوچھا۔ یہ مقابلے کب ہوں گے۔

پیٹروس نے کہا۔ دو دن بعد سبت کے روز یہ مقابلے ہیوڈوم میں ہوں
ان مقابلوں میں بیرون ظاہر کرنا کہ تم مسلمان ہو۔ ورنہ ہر کوئی تمہیں شک کی نگاہ سے
دیکھے گا۔ جب تم تھیوڈورا سے ملو تو اس پر بھی یہ ظاہر نہ ہونے دینا کہ تمہارا نام سریر بن
عبدالم نصرانی نہیں مسلمان ہو۔ بہتر ہے تم اپنے آپ کو یہودی ظاہر کرو اور
سے اپنا نام تھریس کہو۔ تھیوڈورا سے بھی یہی نام کہنا۔ اگر تم نے جھوٹ کر بھی کہیں
درا سے کہہ دیا کہ تم مسلمان ہو تو وہ تم سے شدید نفرت کا اظہار کرے گی اور تمہیں اپنے
ل کے طور پر اپنے ساتھ رکھنے سے انکار کر دے گی۔

دعائے رومیوں اور یونانیوں نے اپنی عزت و بھرم رکھنے کی خاطر مسلمانوں
سنگ دل، غیر تہذیب یافتہ اور بدکردار مشہور کر رکھا ہے جس کی بنا پر نصرانی
میں شدید نفرت کرتے ہیں۔

کلیساؤں اور دوسری عبادت گاہوں کے اندر پادری اور مشنری
مسلمانوں کو زیر تعلیم کچے کے سامنے اسی شکل و صورت میں پیش کرتے
تم یہی سمجھو قسطنطنیہ میں قیام کے دوران تمہارا نام تھریس ہے اور تم با
کے، بجائے یہودی ہو۔

سر پر نے پوچھا۔ ان مقابلوں کے درمیان مجھے کس قسم کا لباس
پیٹروس نے کہا۔ تم فکر مند نہ ہو۔ میں خود تمہارے لباس کا
گاہ اور جس روز مقابلے ہوں گے اس روز میں خود تمہیں لینے آؤں گا۔ تم
اپنے چہرے پر اپنے آہنی خود کا نقاب ڈالے رکھنا تاکہ عام لوگ تمہیں دیکھ
طرح تھیوڈورا کو قید سے نکال کر بھاگنے میں تمہارے لیے آسانی رہے گی
سر پر نے پھر پوچھا۔ "تھیوڈورا کو غلطہ کے اس قلعے سے نکال
لے جانا ہو گا۔"

پیٹروس نے شفقت سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے
ساری تفصیل تھیوڈورا کو سمجھا دی۔ وہ خود تمہیں بتاتی رہے گی کہ کیا
جانا ہے۔

سر پر بن مسلم نے پیٹروس کی طرف مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھاتے
تم جاؤ۔ تمہارا یہاں زیادہ دیر رگنا بھی اچھا نہیں۔ اگر کچھ رہ گیا تو میں
پر تم سے بات کروں گا۔

پیٹروس اٹھ کر چلا گیا۔ ادھیڑ عمر کا جو آدمی سر پر کے ساتھ خیمے
نے اسے بھی مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "یوسف! یوسف! تم بھی اب
تمہیں اطلاعات بتیا کرتا رہوں گا اور تم انہیں بغداد روانہ کرتے رہنا۔"
ادھیڑ عمر کا وہ آدمی بھی جو قسطنطنیہ کا یوسف نام کا یہودی تھا اٹھ
دند کے سارے لوگ آگ کے گرد بیٹھ کر اسٹھے کھانا کھانے لگے تھے۔

موت کا میدان، یہودیوں سے بھرا ہوا تھا۔ مقابلے میں حصہ لینے والے
میدان میں پہلے تھے۔ ان میں سر پر بن مسلم بھی شامل تھا۔ اس نے اپنے جسم پر
ادھر پر چمکا ہوا خود پہنا ہوا تھا۔ جس کا آہنی نقاب اس نے اپنے چہرے پر
تھاجس کی وجہ سے وہ ہچکانہ جاسکتا تھا۔

سر پر بن مسلم کے دند کے دوسرے ساتھی حنیب بن مزروق کی سرکردگی میں
بے خراج وصول کر کے واپس جا چکے تھے۔ مقابلے شروع کرانے کے لیے اب
ملکہ آئرین اور اس کی بیٹی تھیوڈورا کا انتظار کیا جا رہا تھا۔

تھوڈی دیر بعد میدان کے اندر تین گھیاں آکر رکیں۔ ایک میں سے ملکہ آئرین
ایک بیٹی تھیوڈورا نکلیں۔ دوسری میں سے قسطنطنیہ کا اسقف اعظم اور تیسری میں
زین کا خراجی نسی فورس آرا۔

سب اپنی اپنی مخصوص نشستوں پر جا کر بیٹھ گئے اور خدام انہیں ریحان کی شاخوں
بے لگے تھے۔ گوہر ماہ اپنے عروج پر تھا پھر بھی ریحان کی خوشبودار ہوا دینے کی رسم
ہی تھی۔

ملکہ آئرین ادھیڑ عمر کی تھی۔ جوانی دھل چکی تھی تاہم چہرے پر ابھی تازگی باقی تھی۔
ابھی نو عمر تھی۔ وہ اپنی نشست پر خاموش و سنجیدہ تھی۔ اس کے باوجود اپنے چہرے
مخصوصیت اور خوب صورتی میں چمکتے گلاب کی شاخ، خوشیوں کی ترنگ، لغموں
اور مروتوں سے بھر پور رنگوں کے طوفان کی طرح پرکشش دکھائی دے رہی تھی۔ وہ آہنی
آٹھ تین تھی لگتا تھا اس کا حسن سیلاب کی طرح بہہ نکلے گا۔

ان کی قبرین، دروازہ درحسین سیاہ زلفیں نشست سے نیچے تک پھیلی ہوئی تھیں۔ اس
ہاؤزوں پر دروازے دار ٹھنڈک تھی اور اس کے گالوں پر چاند والی صبح کی طرح دل آویزی تھی
دلکش داستان کی طرح خاموش اور دلفریب نظر کی طرح ساکن بیٹھی ان جوانوں کی طرف دیکھ
نا جو مقابلے میں حصہ لینے کو آئے تھے۔

تھوڈی دیر بعد وہاں پیٹروس نمودار ہوا اور تھیوڈورا کے پاس آکر بیٹھ گیا آئرین

سریہ نے میتھیوس کی باتوں کا کوئی جواب نہ دیا۔ اتنی دیر میں دونوں کا مقابلہ بھی
عمر ہو گیا۔

ابتداء میں دونوں ہی ایک دوسرے پر دیکھ بھال کروار کرتے رہے لیکن جلد ہی سریہ
لم نے اپنے آپ کو بدل ڈالا۔ وہ کھولتے ہوئے لادے کی شکل اختیار کر گیا اور کسی جنگی عقاب
کی منظم تندو میتھیوس پر وار کرنے لگا تھا۔ میتھیوس بھی اپنی پوری خوشخواری و درنگی
ان جہت اور آتش مزاجی و تہرہ پرا کر گیا تھا۔ وہ بہت جلد سریہ بن مسلم پر قابو پالینا
چاہتا لیکن اسے بری طرح ناکامی ہو رہی تھی۔ اس کے سامنے سریہ بن مسلم کا جبر بڑھتا رہا۔
چڑھتا رہا۔ خود کے سداخوں میں سے نظر آنے والی اس کی آنکھوں سے اندازہ لگایا جاسکتا
ہے اس کے چہرے کی سنگینی قاتل و جلا دجسی شکل اختیار کرتی جا رہی تھی۔

سریہ بن مسلم اب لمحہ بہ لمحہ میتھیوس کے موت کا عذاب بتا جا رہا تھا۔ میتھیوس کی
یہ سربزنی و تہرہ ریزی خستگی دے چینی میں تبدیل ہوتی جا رہی تھی۔ اچانک میتھیوس کو
دے کر سریہ نے اپنی تلوار اس کے دائیں شانے پر گرادی۔ میتھیوس کا شانہ تھوڑا سا
ہل گیا۔ اس کی تلوار ذرا جھٹک گئی۔ سریہ نے اس موقع سے پورا فائدہ اٹھایا اور لگا تار
اٹھال کی تیز ضربیں اس کے شانوں اور بازوؤں پر لگانی شروع کر دیں۔ میتھیوس کے
سے اس کی تلوار اور ڈھال چھوٹ گئی اور وہ دم بخود سا ہو کر زمین پر گر گیا تھا۔
میتھیوس کو چھوڑ کر سریہ جب پیچھے ہٹنے لگا تو میتھیوس نے اسے مخاطب کرتے
ہوئے کہا۔ تم یہ مقابلہ حیرت چکے ہو۔ کیا اس میدان کی رسم کے مطابق تم ایک فاتح کی حیثیت
پر تمام نہ کر دو گے؟

سریہ نے نرمی اور ہمدردی سے کہا۔ "میں نے تمہیں معاف کیا۔ میں اس میدان
کا غریب طوطہ پر داخل ہوا تھا۔ جاؤ اس میدان سے بھل جاؤ۔ ان مقابلوں حصہ لینا ترک کر
اد کر کی اور طرح سے اپنی روزی کے لیے کوشش و کاوش کرو۔

سریہ جب مڑا تو میتھیوس ایک دم حرکت میں آیا۔ اپنی تلوار اور ڈھال سنبھالی اور
ماتحت کر کے سریہ پر حملہ کر دیا۔ شاید اس طرح سے وہ اپنی ناکامی کو کامیابی میں بدلنا چاہتا

نے ایک خوش کن مسکراتی نگاہ اس پر ڈالی پھر اس نے مقابلے شروع کرنے کا اشارہ
مقابلے میں حصہ لینے والے جنگ آزمائوں کے چار گروہ بنائے گئے۔ پہلے ان
مقابلے ہوئے جس کے نتیجے میں چار تیغ زن ابھر کر سامنے آئے۔ ان چار میں سے ایک
دو یونانی اور تیسرا ایک بلغاری بن تھا۔ یہ وہی جوان تھا جس کا نام میتھیوس تھا اور
سے زائد مدت سے وہ یہ مقابلے جیت رہا تھا۔

جب گروہ ہی مقابلوں میں مرنے والوں کی لاشیں اور زخمیوں کو باہر لے
خالی کر دیا گیا تو ان چاروں کا آپس میں مقابلہ شروع ہوا۔ ایک یونانی کا سریہ بن
یونانی کا میتھیوس سے مقابلہ شروع ہوا۔

سریہ نے جلد ہی اپنے مد مقابل پر قابو پا کر اسے اپنی شکست تسلیم کرنے
دوسری طرف میتھیوس بھی اپنے مد مقابل کو زیر کر چکا تھا۔ میتھیوس سے مقابلہ کر
لاش اٹھا کر غلام میدان سے باہر لے گئے جب کہ سریہ سے ہارنے والا خود چل کر
گیا تھا۔ قسطنطنیہ کے تماشائی حیران تھے۔ ان کے لیے یہ پہلا موقع تھا کہ کسی نے
کو زخمی کئے بغیر یہ مقابلہ جیت لیا تھا۔

مقابلہ کے لیے میدان میں اب سریہ اور میتھیوس کو آمنے سامنے لایا
نے اپنے خود کا نقاب اٹھا کر اپنا چہرہ سریہ کو دکھاتے ہوئے کہا۔ "میرا نام میتھیوس
اپنے چہرے سے اپنا نقاب اٹھا کر مجھے نہ دکھاؤ گے کہ تم کون ہو؟"

سریہ نے کہا "میرا پوشیدہ ہی بہتر ہے۔ ویسے میں یہودی ہوں اور میرا
میتھیوس نے تعجب و حیرت سے کہا۔ "میں نے کبھی کسی یہودی کو مقابلے
اُترتے نہیں دیکھا۔ تم ہی اس کی ابتدا کر رہے ہو۔"

سریہ نے کہا۔ "کبھی کبھی کسی انوفی کی خاطر بھی حالات پٹکا کھا جاتے ہیں
میری ابتدا تمہاری انتہا کو جنم دے۔"

میتھیوس نے کہا۔ "ناممکن، بڑے بڑے فیروں جوان مجھ سے مقابلے
میں اُترے اور میرے سامنے ان کی لاشیں موت کے اس میدان سے باہر جاتی دکھائی دیا

تھا لیکن یہ میتھیوس کی غلطی اور بھول تھی۔ سریرہ اس کے اس عیارانہ اقدام سے غافل نہ رہا۔ انداز میں ہٹا اور عیار میتھیوس کا وار اس نے اپنی ڈھال پر روک دیا تھا۔ پھر تودو صحرائین نہ رہا تھا کشتی اور غور ہو گیا تھا۔ پلٹ کر وہ میتھیوس پر یوں مارا گویا وہ تقدیر کے پاؤں کاٹ دینے کا عزم کر چکا ہو۔

اب اس کا ہر وار خواہش وقوت سے لبریز اور غصے و حرارت سے بھر کی حالت اب ایسی تھی جیسے چڑیوں کا شور مچ کر کوئی شاہین جاگ گیا ہو۔ اس کے حملوں کے سامنے میتھیوس کی حالت کشتی کے اس ملاح جیسی ہو گئی تھی جس کی کمریزہ ریزہ ہو گئی ہو۔

یقیناً سریرہ نے چٹانوں کا سا انداز اپنا یا۔ قضا کا وار بن کر میتھیوس کو آگے بھگانے لگا۔ پھر اپنی تلوار کو ہلکا سا خم دے کر اس نے ایک انتہائی ملک میتھیوس کی تلوار پر پڑا اور اس کی تلوار کٹ کر دو ٹکڑے ہو گئی۔

میتھیوس نے ہاتھ میں پکڑا ہوا کٹی تلوار کا ٹکڑا پھینک دیا اور آپ پریشانی سے ہوئے۔ "میں نے تمہارے ساتھ دھوکا کیا ہے۔ تم نے میرے ساتھ کیا تھا جو ایک اچھا اور نیک دل فاتح مفتوح کے ساتھ اور غالب مغلوب کے ساتھ پر میں نے ہی ریاکاری کی۔ میں تمہارے ہاتھوں میں ناپسند کر دل گا۔"

سریرہ پیچھے ہٹتا ہوا بولا۔ جاؤ میں نے ایک بار پھر تمہیں معاف کیا۔ میتھیوس اٹھا، اپنی شکست اس نے تسلیم کی اور میدان سے باہر نکل کر دیر تک میدان میں دو کارندے نمودار ہوئے اور اپنے ساتھ لے جا کر انہوں نے ملکہ آئین کے سامنے کھڑا کر دیا۔

تھیوڈورا بڑی بے تابی سے سریرہ کی طرف دیکھ رہی تھی۔ شاید پیڑوں سارے لائحہ عمل سے آگاہ کر چکا تھا۔ آسمان پر گرے بادل چھائے ہوئے تھے۔ اب کا بھی امکان تھا۔ ملکہ آئین نے بڑی نرمی اور ہمدردی سے سریرہ کو مخاطب کر کے نوجوان! اپنے چہرے سے اپنے خود کا نقاب ہٹا دو تاکہ میں دیکھوں کہ آج کا نقاب

لاکڑی ہے۔ سریرہ نے فوراً اپنے چہرے سے اپنے خود کا نقاب ہٹا دیا۔ تھیوڈورا نے بڑی بے نی اور بڑے شوق سے اس کی طرف دیکھا تھا۔ سریرہ نے پھر خود کا نقاب اپنے چہرے پر لایا۔ آئین نے اپنے قریب بیٹھے اپنی سلطنت کے خزانچی نسی فوس کی طرف معنی سمجھا ہوں سے دیکھا اور جواب میں اپنی جگہ سے اٹھ کر اس نے سریرہ کو نقدی کی ایک ادنیٰ پتی پیش کرتے ہوئے کہا۔ "یہ رقم اس میدان میں تمہاری کامیابی کا صلہ ہے۔" نسی فوس جب بیٹھ گیا تو ملکہ آئین نے کہا۔ "اگلے سبت کو ہم اس میدان مقابلے کے لیے پھر تمہارا انتظار کریں گے۔"

ملکہ آئین اٹھ کھڑی ہوئی اور اپنی بگھی کی طرف چلی گئی۔ اس کے پیچھے پیچھے تھیوڈورا اور نسی فوس بھی کھڑے ہو گئے اور اپنی بگھیوں کی طرف چل پڑے۔ لوگ باہر اپنی جگہوں سے اٹھ کر میدان سے باہر نکلنے لگے تھے۔

سریرہ بھی موت کے اس میدان سے باہر نکل آیا۔ جب وہ اس جگہ آیا جہاں میدان، باہر اس کا گھوڑا کھڑا تھا تو اس نے دیکھا وہاں پیڑوس پہلے سے کھڑا اس کا منتظر تھا۔ سریرہ نے اب چونکہ اپنے سر سے خود آ کر اپنے جنگی لباس کے اوپر عبا پہن لی تھی، مالے کوئی اسے پہچان نہ رہا تھا کہ اس جوان نے مقابلہ جیتا ہے۔

جب وہ پیڑوس کے نزدیک ہوا تو اس نے بڑی رازداری سے کہا۔ "میں اسی خاطر ہی یہاں کھڑا ہوں۔ میں نے تمہارے گھوڑے کی خرچین میں نقدی کی باقی بھی ڈال دی ہے۔ اس کے علاوہ دو چرمی چادریں بھی میں نے خرچین سے بھری ہیں۔ کیوں کہ بادل بنے ہوئے ہیں۔ اگر بارش ہو گئی تو یہ چادریں تمہارے مقصد کے کام آئیں گی۔ ان چرمی چادروں کے اندر میں نے تمہارے اور تھیوڈورا کے یونانی طرز کا ایک ایک لباس بھی ڈال دیا ہے تاکہ دن کے وقت اگر تم لوگ کہیں دیکھے اور کوئی تم دونوں پر شک نہ کرے۔ تھیوڈورا کا لباس بھی تمہارے جیسا مروانہ ہے۔ تھیوڈورا انہیں بتا دے گی، کہاں جانا ہے۔ کہاں پناہ لینی ہے اور کہاں مستقل طور

پر رہا ہے۔“

پیٹروس نے اور زیادہ راز داری اختیار کرتے ہوئے کہا۔ اپنا نام یاد نام اب تھریں ہے اور سنو تھیوڈورا کی شاہی گہی آئین کے ساتھ یہاں محل کی طرف جائے گی پھر وہاں سے اسے ایک عام گہی میں سوار کیا جائے گا اور وہ گہی کے چوک سینٹ لارنس کے گرجے اور شاہراہ اوسط کے پاس سے ہوتی ہوئی کی طرف جائے گی۔ وہاں ایک کشتی پہلے سے تیار کھڑی ہوگی۔ اس کشتی کے ذریعہ وادی غلطہ کے اس پرانے اور بوسیدہ قلعے میں پہنچا دیا جائے گا۔ یہ قلعہ بالکل بند کنارے ہے۔

جب تھیوڈورا کو کشتی میں بٹھایا جائے گا تو تم بھی وہاں سے کوئی کشتی کرا کر لینا کیوں کہ وہاں بہت کشتیاں ہر وقت کھڑی رہتی ہیں۔ اس کشتی سے تم بھی جانا اور قلعے کا جائزہ لے کر وہیں رہنا کیوں کہ اس وقت تک شام ہو چکی ہوگی مناسب وقت دیکھ کر تم اپنے کام کی ابتدا کر دینا۔ اب ذرا فاصلہ رکھ کر میرے پیچھے آؤ۔ یہاں زیادہ دیر تک کھڑا رہنا مناسب نہیں۔ یہاں سے تھوڑی ہی اوسط پراگشس چوک ہے وہاں کھڑے ہوتے ہیں۔ جب گہی وہاں سے گزرے تم اس کے تعاقب میں لگ جانا۔

پیٹروس شاہراہ اوسط کی طرف چل دیا اور ذرا فاصلہ رکھ کر سر پر بھیجے ہو لیا۔

انہیں وہاں تھوڑی دیر ہی کھڑا ہونا پڑا تھا کہ تھیوڈورا کی گہی وہاں سے اور پیٹروس کے اشارے پر سر پر اپنے گھوڑے پر سوار ہوا اور اس کے تعاقب گیا۔ جب تھیوڈورا کی گہی سمندر کے قریب پہنچی تو سر پر نے دیکھا وہاں بہت کشتیاں کھڑی تھیں۔

سر پر اپنے گھوڑے کو ایڑ لگا کر گئے نکل گیا۔ جلدی جلدی ایک کشتی کے سے معاملہ طے کر اور اپنے گھوڑے سمیت وہ کشتی میں بیٹھ کر تھیوڈورا سے پہلے

روانہ ہو گیا۔ دوسرے کنارے پر جا کر اس نے اپنے گھوڑے کو وادی میں چرنے کو کھلا چھوڑ دیا اور تھوڑی کی اوٹ میں بیٹھ کر تھیوڈورا کی کشتی کا انتظار کرنے لگا تھا۔ تھوڑی ہی دیر بعد تھیوڈورا کی کشتی بھی وہاں پہنچ گئی۔ مسلح محافظوں نے اسے کشتی سے اتارا پھر اپنے کڑے پہرے میں وہ اسے قریب ہی وادی غلطہ کے پرانے قلعے میں لے گئے۔

تھوڑی دیر بعد سر پر بھی وہاں سے اٹھا اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر اس نے ایک بار اس قلعے کے گرد چکر لگایا۔ پھر وہ غلطہ کے بازار میں چلا گیا۔ وہاں سے اس نے چند کمندیں خریدیں اور وقت گزارنے کی خاطر وہ ایک سرے میں داخل ہو گیا تھا۔



عشاء کے بعد موسلا دھار بارش شروع ہو گئی تھی۔ سر پر اس امید پر سرے میں لگا ہوا تھا کہ بارش تھمے اور وہ اپنی مہم پر روانہ ہو لیکن بارش تیز ہوتی چلی گئی۔ جب اس نے محسوس کیا کہ بارش رکنے کی نہیں تو وہ اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر سرے سے نکل کھڑا ہوا۔ سردی بڑھ گئی تھی۔ بارش سے بچنے کے لیے سر پر نے اپنے اوپر چرمی چادر ڈال لی تھی۔ سرے سے تھوڑی دیر جا کر اس نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگا کر اس کی رفتار تیز کر دی تھی۔ اس کا رخ اس قلعے کی طرف تھا جس میں تھیوڈورا قید تھی۔

قلعے کی تفصیل سے مشرق میں ذرا فاصلے پر چٹانوں کے اندر اس نے اپنے گھوڑے کو روک لیا۔ گھوڑے سے اتر کر وہ تھوڑی دیر تک ادھر ادھر گھومتا رہا پھر شاید وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا۔ وہ ایک ایسی چٹان تلاش کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ جو چھجے کی طرح اگے بڑھی ہوئی تھی اور جس کے نیچے کھڑے ہو کر بارش سے بچا جاسکتا تھا۔ اس نے اپنے گھوڑے کو وہاں چھجے دار چٹان تلے کھڑا کر دیا۔ زمین سے بندھی ہوئی اس نے کمند اتاری۔ چمکتی لڑکیوں والی اپنی زندہ درست کی۔ سر پر خود پہنا اپنی تلوار اور ڈھال سنبھال کر اس نے گھوڑے کو تھاک کا توہرہ چڑھا دیا اور قلعے کی طرف چل پڑا۔ اس نے چرمی چادر اتار کر اپنے گھوڑے پر ڈال دی تھی۔ اب وہ تیز بارش میں بھینٹا ہوا آہستہ آہستہ قلعے سے نزدیک ہوتا

جار رہا تھا۔

قلعے کی فصیل کے قریب آکر اس نے ادھر ادھر کا جائزہ لیا۔ وہاں کوئی بھی نہ دیکھا۔ اس نے ادھی کند کو گول چکر میں نہ کر لیا۔ پھر اس نے خوب لہرا کر کندہ کی فصیل پر ڈالی۔ اس کی پہلی ہی کوشش کامیاب رہی اور کندہ فصیل کی دوسری جانب کی کئی روزن میں بھینس گئی تھی۔

کندہ کو ایک بار زور سے کھینچ کر سریر نے اس کی مضبوطی کا جائزہ لیا۔ پھر وہ ہمارت اور سبک رفتاری سے قلعے کی فصیل پر چڑھ رہا تھا۔ اوپر جا کر اس نے کندہ کا کٹا علیحدہ کیا اور اُسے دیوار کے اوپر ایک مناسب جگہ چھنانے کے بعد اس نے کندہ کی طرف پھینک دی اور بغیر کوئی آواز اور آہٹ پیدا کیے وہ دیوار کی دوسری سمت اڑ گیا۔ کندہ نے وہیں ٹکی رہنے دی اور دیوار کے ساتھ ساتھ وہ اس حصے کی طرف بڑھنے لگا جہرہ ہلکی ہلکی روشنی پھولتی دکھائی دے رہی تھی۔

جب وہ قلعے کی عمارتوں کے اس حصے کی طرف گیا جہاں سے اُسے روشنی دکھائی تھی تو وہ رُک گیا کیوں کہ اس کے سامنے ذرا فاصلے پر مدد ستونوں والی روشن راہ داری میں صلح پریدار کھڑا دکھائی دیا تھا۔

اس پریدار نے اپنے ایک ہاتھ میں ننگی تلوار اور دوسرے میں ڈھال تھام رکھی۔ جب کہ اس کے کندھے پر کمان ٹک رہی تھی اور بیٹھے پر تیروں سے بھرا ہوا ترکش تھا۔ سریر زمین پر بیٹھ گیا پھر وہ گھنٹوں اور ہاتھوں کے بل شکار کرنے والی چیتے کی طرح اس پریدار کی طرف بڑھنے لگا۔ اس پریدار کے نزدیک جب کہ سریر زمین کیٹ گیا اور پھر آگے بڑھنے لگا۔ مناسب فاصلے پر جب کہ سریر اٹھا، بھاگا اور اس پر چھلانگ لگا کر اسے بُری طرح دیوچ لیا۔

اس کا ایک ہاتھ اس کی گردن پر اور دوسرا اس کی کمر کے گرد ڈال کر اس نے پریدار کو بالکل بے بس کر کے رکھ دیا تھا۔ پھر اس نے پریدار کا گلہ دباتے ہوئے تحکیمات میں کہا۔ ”جو کچھ میں پوچھوں سچ کہنا ورنہ تیرے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے تجھے عبرت ہوگا۔“

ابنِ دحل کا۔ تباہ و تہوڑا اس قلعے کے کس کمرے میں ہے۔ پریدار نے ہکلاتے ہوئے پوچھا۔ ”تم کون ہو اور کیوں تم تھوڑے سے متعلق متنازع کر رہے ہو۔“

سریر نے اس کے گلے پر دباؤ بڑھاتے ہوئے کہا۔ ”جو کچھ میں نے پوچھا ہے۔ اس کا جواب دو! آٹھ بجے سے کوئی سوال نہ کرو۔“

اس پریدار نے بدحواسی میں کہا۔ شہزادی تھوڑے دور اس راہ داری کے آخری کمرے میں ہے۔“

پھر سریر نے اس کی گردن پر دباؤ بڑھا دیا۔ جب اس نے غصوں کیا، وہ ختم ہو چکا ہے تو اس کی لاش گھسیٹ کر اس نے تاریکی میں گروی اور اس کا ترکش اور کمان آتا کر اس نے اپنے کندھے پر پشت پر لٹکالیے تھے۔ ایک بار اس نے پھر اپنے ارد گرد کا جائزہ لیا، داہمے طرح اطمینان کر لینے کے بعد وہ راہداری سے باہر ہی باہر تاریکی میں آگے بڑھنے لگا تھا۔

راہداری کے آخری کمرے کے سامنے جب کہ سریر نے دیکھا وہاں دو پریدار کھڑے تھے۔ ان کے ہاتھوں میں ننگی تلواریں تھیں اور وہ انتہائی چاک و چوبند کھڑے تھے۔ جن کمرے کے سامنے وہ کھڑے تھے اس کے اندر بھی روشنی ہو رہی تھی۔ جس کا مطلب تھا اسی کمرے میں پریدور رہے۔

سریر پتھر ٹلی زمین پر بیٹھ گیا۔ ایک گھٹنا اس نے زمین پر ٹک دیا تھا پھر اس نے کمان سنبھالی اور ترکش سے تیر نکال کر اس پر بجایا اور ایک پریدار کے تلوار والے ہاتھ کو نشانہ بناتے ہوئے اس نے تیر چلا دیا۔ تہرین اپنے صدف پر جا کر لگا اور اس پریدار کے تلوار والے ہاتھ کو چھید کر رکھ دیا۔ اس کے ہاتھ سے تلوار چھوٹ کر گر گئی اور وہ راہداری کے فرش پر بیٹھ گیا۔ دوسرا پریدار اسے سنبھالنے کے لیے بے تابی سے اس کی طرف بڑھا۔

ابھی ان دونوں نے حالات کا جائزہ لینے کی کوشش ہی نہ کی تھی کہ سریر بھاگ کر ان کے سر پر پڑا اور ایک ہی داری میں اس نے دونوں کی گردنیں کاٹ کر رکھ دی تھیں۔ اس کے بعد

پہننے والی ہالہ تاکہ تھیوڈور نے خود ہی آہنی سلاخوں والے دروازے میں سے ہاتھ باہر
اُکرتے ہیں چابی گھمائی اور دروازہ کھول دیا۔

سریر طوفان کی طرح اندر داخل ہوا اور بستر کی چادروں سے اس نے دونوں عورتوں
نہادر ہاتھ ان کی پشت پر خوب کس کر باندھ دیئے پھر اس نے تھیوڈور کو مخاطب
کیا۔ ”میرے ساتھ ساتھ آؤ یہاں زیادہ دیر نہ کنا ہمارے لیے مسائل اور خطرات
بے کمرے گا۔“

تھیوڈور نے منہ سے کچھ نہ کہا۔ ہاتھ میں پکڑی ہوئی چابی اس نے پھینک دی اور
چاپ سریر کے ساتھ ہوئی۔ مدور ستونوں والی راہداری سے باہر ہی باہر اندھیرے اور موسلا
بارش میں وہ دونوں اس طرف جا رہے تھے جہاں سریر فیصل کے ساتھ اپنی کندھ چھوڑ کر
قا۔

دونوں اس جگہ آئے جہاں کندھ ٹنگ رہی تھی پھر سریر نے بڑی راہداری کے ساتھ
دُور کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ”تھیوڈور! تھیوڈور! کندھ پر چڑھنے کے لیے
پڑو! میں تمہارے نیچے رہتا ہوں۔ اپنے پاؤں میرے کندھوں پر جالینا۔ اس طرح
اوپر چڑھنے میں دشواری نہ ہوگی۔ کیا میں تمہیں تھوڑا سا اوپر چڑھنے میں مدد دے
ہوں۔“

تھیوڈور نے جب اختات میں سر ہلا دیا تو سریر کندھ کے پاس زمین پر بیٹھ گیا اور
دُور سے اس نے کہا کندھ پر کڑ کر اپنے دونوں پاؤں میرے کندھوں پر رکھو۔“

تھیوڈور پہلے تو ہچکچائی اور خرمائی پھر اس نے کندھ پر کڑی اور بڑی آہستگی اور نرمی
اس نے اپنے پاؤں سریر کے کندھوں پر رکھ دیئے اور سیدھی کھڑی ہو گئی۔ سریر ہاتھ کھڑا ہوا
نڈکار مٹا تھا کہ اوپر چڑھنے لگا۔ تھیوڈور بھی کندھ کو پکڑ کر زور لگاتی ہوئی سریر پر کھڑا
اوپر چڑھتا ہی ہوئی اوپر جا رہی تھی۔

فیصل کے اوپر جا کر سریر نے کندھ دوسری جگہ پھنسا کر باہر پھینک دی اور دونوں
اتر گئے پھر سریر نے نیچے کھڑے ہو کر کندھ کا سرا ایک لمبے گول چکر میں گھمانا شروع کیا جس

سریر نے بھاگ کر اس کمرے کا دروازہ باہر سے بند کر دیا جس کے اندر پہریداروں کے
ساتھی سوئے ہوئے تھے۔

جب وہ مڑ کر اس کمرے کے سامنے آیا جس کے سامنے اس نے ان دونوں
داہوں کا خاتمہ کیا تھا تو اس نے دیکھا حسین تھیوڈور اس کمرے کے آہنی دروازے پر
کھڑی تھی اور اس کے قریب ہی دو اور عورتیں بھی کھڑی ہوئی تھیں۔

سریر نے اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ”تھیوڈور! تھیوڈور! تمہارا کمرہ
سے مقفل ہے کیا تم بتا سکو گی اس کی چابیاں کس کے پاس ہیں؟“

تھیوڈور نے شرماتے بجاتے کہا۔ ”ایک چابی تو پہریداروں کے سالار کے
ہے جو اس کمرے میں سویا ہے جس کا دروازہ باہر سے آپ نے بند کیا ہے دوسری چابی ان
عورتوں کے پاس رہتی ہے۔“

سریر نے ان دونوں عورتوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا۔ یہ دونوں
کون ہیں؟“

تھیوڈور نے بڑی بے بسی اور لاچارگی میں کہا۔ ”یہ دونوں عورتیں میری
اور میری ضروریات کا خیال رکھنے کے علاوہ مجھ پر محافظ اور نگران بھی ہیں۔“
سریر نے ان دونوں عورتوں کو تحکمانہ انداز میں مخاطب کرتے ہوئے کہا
دروازے کی چابی مجھے دے دو! اسی میں تم دونوں کی فلاح اور بہبود ہے۔“

ایک عورت نے چڑچڑے پن میں کہا۔ ”ہم تمہیں دروازے کی چابیاں اس لیے
دیں تاکہ تم تھیوڈور کو یہاں سے بھگالے جاؤ۔ ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔“

سریر نے اپنی کمان سنبھالی اور چلتے پرتیر چڑھنے کے بعد اس کا رخ ان دونوں
کی طرف کرتے ہوئے اس نے کہا۔ ”امن اور سکون سے اس آہنی دروازے کی چابی تھیوڈور
حوالے کر دو۔ ورنہ میں اپنے تیروں سے تم دونوں کو چھلنی بنا کر رکھ دوں گا۔“

سریر کی یہ دھمکی کارگر ثابت ہوئی۔ دونوں عورتیں کانپتے، تھرتھراتے اور لرزاتے
پھر ان میں سے ایک نے چابی نکال کر تھیوڈور کو تھما دی۔ سریر تھیوڈور کو دروازہ کھ

سے کندہ دیوار سے نکل کر نیچے گر پڑی۔ سریر نے کندہ لپٹ لی اور تھیوڈورا سے کہا یہاں سے بھاگ چلیں۔

تھیوڈورا چپ چاپ اس کے ساتھ پہلی اور دونوں ان چٹانوں کی طرف تھے جہاں سریر اپنا گھوڑا اکھڑا کر آیا تھا۔

سریر تو پہلے ہی بھیکا ہوا تھا۔ اس چٹان تک پہنچتے پہنچتے تھیوڈورا کا طرح بھیک چکا تھا۔ دونوں چھبنا چٹان کے نیچے گھوڑے کے پاس اکھڑے ہوئے نے اپنے گھوڑے کی خرچین سے اپنے اور تھیوڈورا کے لیے وہ لباس نکالے جو پہلے اسے تھیا کیے تھے۔

تھیوڈورا کا لباس سریر نے اسے تھماتے ہوئے کہا: تم یہ خشک لباس جلدی جلدی بدل لو، میں دوسری طرف جا کر تمہیں تبدیل کر لیتا ہوں۔

تھیوڈورا نے کپڑے لے لیے۔ سریر نے ایک چرمی چادر اور چٹان طرف چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ لباس تبدیل کر کے لوٹا، اس کے ہاتھ میں چھبنا تھا جسے اس نے خوب کچھ لیا تھا اور بارش سے بچنے کے لیے اس نے اپنے اوپر رکھی تھی۔ اتنی دیر تک تھیوڈورا بھی اپنا لباس تبدیل کر کے اپنے بھیکے کپڑے کچھ سریر نے دونوں بھیکے لباس گھوڑے کی خرچین میں ڈالنے کے بعد سے پوچھا۔ اب ہمیں کیا کرنا اور کہاں جانا چاہیے۔ کیوں کہ مجھے علم نہیں ہے۔ پیڑوس نے مجھے کچھ نہیں بتایا۔ اس نے کہا تھا تھیوڈورا کو میں سب سے پہلے تمہیں بتاتی رہے گی۔

تھیوڈورا سنبھلی، اپنی ہچکچاہٹ اس نے کچھ دیر کی اور پہلی بار اس باکی سے سریر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا: ہماری منزل باسفورس کی اس سمندری ٹپ ماہی گیروں کی ایک بستی ہے۔ جب تک حالات ٹھیک نہیں ہو جاتے مجھے میرے فرار کی عنقریب خبر ہو جائے گی اور ماہی گیروں کی بستیاں ہی ایک ایسی جگہ شک نہیں کر سکتا کہ میں ان پھیروں کے اند بھی رہ سکتی ہوں۔ وہاں میرے چچا

مجھ پر اس کا نام سیوس ہے۔ اور جہاں وہ رہتا ہے۔ اس بستی کا نام بزنطیم ہے۔ میں ان دنوں گی۔ شاید میرے چچا نے آپ کو بتایا ہو کہ آپ بھی میرے محافظ کے طور پر وہیں میرے قریب رہیں گے۔

سریر نے کہا: مجھے خبر ہے۔

تھیوڈورا نے پھر اپنی ہچکچاتی مہکتی آواز میں کہا: سب سے پہلے تو میں آپ کو ہڈیوں قابلہ جینے کی مبارک باد دیتی ہوں۔ اس کے بعد آپ کا شکریہ ادا کرتی ہوں کہ آپ انت مجھے اس بوسیدہ اور قدیم قلعے کی قید سے باہر نکال لائے ہیں۔ میرے چچا پیڑوس رہے تھے۔ آپ یسوعی ہیں اور آپ کا نام تھریس ہے کیا یہ درست ہے۔

سریر نے کہا: ہاں، پیڑوس نے تم سے درست کہا ہے۔ میرا نام تھریس ہی ہے۔ کچھ عرصہ اس کا نام تم نے سیوس بتایا ہے تمہیں پہچانا ہے۔ ایسا نہ ہو رات اس اندھیرے باگرم اس کے ہاں جائیں تو وہ پہچاننے سے انکار کر دے اور ایک ہنگامہ اٹھ کھڑا۔ تھیوڈورا نے کہا: ایسی کوئی بات نہیں، وہ مجھے اچھی طرح جانتا پہچانتا ہے، لیکن اس وقت اس کے ہاں جانا ناممکن ہوگا۔ اگر بارش نہ ہوتی تو شاید باسفورس کی یہ مدی پٹی پار کرنے کے لیے ہمیں کوئی کشتی مل جاتی لیکن بارش کی وجہ سے سب ملاح جا ہل گئے اور اس وقت ساحل پر کوئی کشتی نہ ہوگی۔

سریر نے گھوڑے کے منہ سے خوراک کا توبرہ کھولتے ہوئے پوچھا: پھر اب کیا کرنا ہے۔ اس بارش سے بچنے اور رات بسر کرنے کی خاطر کیا صبح تک ہمیں غلط کی کسی سڑے میں اکرنا ہوگا۔

تھیوڈورا نے کہا: سڑے ٹھیک نہیں ہے۔ جب میرے فرار کی خبر ہوگی تو سڑے سے دونوں آسانی سے پکڑے جائیں گے۔ یہاں غلط کی آبادی سے باہر سٹوین نام کی ایک خانقاہ ہے۔ تو بھی اس خانقاہ کا دروازہ کھٹکھٹاتا ہے اسے پناہ ملتی ہے اور شور بہ روٹی اور تین کے کے علاوہ مرنے کے لیے کچھ بھی تھیا کیا جاتا ہے۔

اس خانقاہ میں اگر کوئی مجرم بھی داخل ہو جائے تو اسے اس وقت تک کوئی نہیں پکڑتا۔ جب

تک وہ اس خانقاہ کے اندر ٹھہرا ہے۔ ہمارے ہاں اس خانقاہ کا بڑا احترام و قوت رات اسی خانقاہ میں بسر کریں گے اور صبح اندھیرے منہ وہاں سے نکل کر سامان میں آجائیں گے جہاں سے کشتیاں باسفورس کے اس پار جاتی ہیں۔

سریر نے اپنے گھوڑے کی رکاب تھامتے ہوئے کہا۔ "تو پھر آؤ بیٹھو" تھیوڈور نے پوچھا تو کیا آپ گھوڑے پر سوار نہ ہوں گے۔

سریر نے کہا۔ "تم بیٹھو میں اس کی باگ پکڑ کر چلتا ہوں۔ تم مجھے امراہٹائی کہتے جانا۔"

تھیوڈور نے کہا۔ "نہیں یوں نہیں آپ سوار ہوں میں آپ کے؛ گی۔" سریر فوراً ایک زندہ لگا کر گھوڑے پر سوار ہو گیا۔ پھر اس نے اپنا ہاتھ اڑھوئے کہا۔ "تو پھر آؤ بیٹھو۔"

تھیوڈور نے بلا توقف اپنا ہاتھ سریر کے ہاتھ میں دے دیا۔ سریر کو اپنے پیچھے بٹھالایا اور ایڑ لگا کر اس نے اپنے گھوڑے کو ہانک دیا تھا۔ اب غلطی کی آبادی کے جنوب میں سٹوڈین نامی خانقاہ کی طرف تھا۔

بارش اسی طرح جاری تھی۔ وہ دونوں گھوڑے پر سوار چرمی چادریں اپنے آپ کو بارش سے بچاتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے۔ تھیوڈور سریر کی تھی۔ تھوڑی دیر بعد وہ ایک ندی کنارے پہنچے۔ اصل میں وہاں ایک چتر بارش کے ساتھ مل کر کوئی ندی کی صورت اختیار کر گیا تھا۔

اس چشمے سے تھوڑی سی دیر نہیں اندھیرے میں ایک عمارت نظر آئی اشارہ کرتے ہوئے تھیوڈور نے کہا۔ "یہی سٹوڈین کی خانقاہ ہے۔" سریر نے اس خانقاہ کے سامنے جا کر روک دیا۔

دونوں گھوڑے سے اتر گئے اور پھر آگے بڑھ کر سریر نے خانقاہ کے پردہ تک دی۔ تھیوڈور نے گھوڑے کی باگ پکڑے پیچھے ہی کھڑی رہی۔ تھوڈور ایک ضعیف العمر راہب نے دروازہ کھولا اور پوچھا۔ "کون ہو اور کیا چاہتے ہو؟"

سریر نے کہا۔ "مسافروں، میرے ساتھ میرا ایک ساتھی بھی ہے۔ بارش سے بچنے کے لیے ہمارے لیے پناہ چاہتا ہوں۔"

راہب نے غور سے سریر کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "تم اور تمہارا ساتھی دونوں سے آرہے ہو۔"

سریر نے رُکے بغیر کہہ دیا۔ "ہم اناطولیہ کے باشندے ہیں۔ قسطنطنیہ میں ایسا صوفیہ کے لایارٹ کو آئے ہیں۔ سردی اور طوفانی بارش نے اب مزید سفر کے قابل نہیں رکھا۔ میرا بھی زخمی ہے زیادہ سردی برداشت نہیں کر سکتا، کیا ہمیں یہاں پناہ نہیں مل سکتی؟"

راہب نے اس بار بڑی نرمی اور ہمدردی میں کہا۔ "یہ خانقاہ تو تم جیسے مسافروں کے ہے۔ تم دونوں بخوشی یہاں رات بسر کر سکتے ہو۔" پھر راہب نے خانقاہ کا قلعہ نما کھولتے ہوئے کہا۔ "تم دونوں اندر آ جاؤ۔"

سریر نے پیچھے ہٹ کر تھیوڈور سے گھوڑے کی باگ لے لی اور دونوں خانقاہ میں آئے۔ راہب بھی دروازہ بند کر کے ان کے ساتھ ہو لیا اور خانقاہ کے اندر ایک ناک طرف اشارہ کرتے ہوئے اس نے کہا۔ "وہ سامنے اصطبل ہے۔ تم اپنا گھوڑا وہاں راندنا اصطبل کے دائیں طرف جو عمارت ہے۔ اس میں تمہارے لیے میں ایک کمرہ کھولتا ہوں اس کے ساتھ کوئی بھیج دو اتنی دیر تک یہ کمرے کا آتش دان روشن کر لے گا۔ بارش اور آگے باعث سردی بہت زیادہ ہو گئی ہے۔"

سریر نے فوراً تھیوڈور کا دفاع کرتے ہوئے کہا۔ "میرا یہ ساتھی میرا علم زاد ہے۔ یہ میرے بھائی ہیں۔ بہت ڈرپوک ہے اور پھر اس کی طبیعت بھی ٹھیک نہیں میں خود ہی اس کو روشن کر لوں گا۔"

راہب نے پھر پوچھا۔ "کیا تم دونوں کھانا کھاؤ گے؟"

سریر نے کہا۔ "نہیں کھانا ہم دونوں کھا چکے ہیں۔"

راہب دائیں طرف کی اس عمارت کی طرف چلا گیا جس میں روشنی ہو رہی تھی۔ سریر نے اندر آگے بڑھے اور گھوڑے کو لے کر اصطبل میں داخل ہوئے۔ انہوں نے دیکھا وہاں

پہلے بھی کئی گھوٹے بندھے ہوئے تھے اور ایک کونے میں جھبسن اور دانے سے بھر
جھبٹی سی ایک ناند پڑی تھی۔

سریر نے اپنا گھوٹا ایک کونے میں باندھ دیا۔ اس کی زین سے پہلے
کی دونوں خرچینیں علیحدہ کر لیں پھر اس کی زین اتار کر اس کے منہ سے لگام
اس نے ایک خرچین کے اندر سے ایک خشک کپڑا نکالا اور اس سے گھوڑے
رگز کو صاف کر دیا۔ زین اٹھا کر اس نے ایک طرف رکھ دی۔ پہلے گھوڑے
ڈالا پھر اس میں اس نے دانہ ملا دیا۔ گھوڑا تیزی سے چارے میں منہ مار کر کھ
نے اپنی دونوں خرچینیں اپنے کندھے پر لٹکاتے ہوئے اپنے پاس کھڑی تھوڑ
دیکھتے ہوئے کہا۔

”آؤ چلیں وہاں راہب ہمارا انتظار کر رہا ہوگا۔ اپنا منہ چھپا کر رہا
کرنا تاکہ وہ تمہیں پہچان نہ جائے۔“ دونوں آگے پیچھے اسطبل سے باہر نکل گئے
جب وہ دائیں طرف کی عمارت میں آئے تو انہوں نے دیکھا وہاں ایک
باہر راہب کھڑا تھا۔ وہ دونوں اس کے قریب آ کر گئے۔ تھوڑوڑا سریر کے
ہو گئی۔ راہب نے سریر کو مخاطب کر کے کہا۔

”تم دونوں اس کمرے میں آرام کرو۔ میں نے اندر دو بستر رکھ دیئے
لکڑی بھی ڈال دی ہے اور شعل جیل رہی ہے جس سے تم آتش دان روشن کر کے
سکتے ہو۔ صبح تمہارے ساتھ تفصیل سے گفتگو ہوگی۔“

راہب چلا گیا۔ سریر اور تھوڑوڑا اس کمرے میں داخل ہوئے۔ ایک
میں بستر مل کا ڈھیر لگا تھا جب کہ آتش دان کے سامنے لکڑیاں پڑی تھیں اور
نصب ایک شعل روشن تھی۔

سریر نے کندھے پر لٹائی ہوئی خرچینیں فرش پر رکھ دیں۔ پیٹھ پر بند
کندھے سے لٹکتی کمان بھی اس نے علیحدہ کر دی۔ چرمی چادر جو اس نے اپنے اوپر
وہ خرچینوں پر رکھ دی۔ پھر وہ فرش پر بیٹھ گیا اور آتش دان میں لکڑیاں جلائے

تھوڑوڑا نے پہلے کمرے کا دروازہ بند کر کے اندر سے زنجیر لگا دی پھر اس نے چرمی
باندی اور کونے میں پڑے ہوئے بستر مل کا جائزہ لیا۔ ان میں دو لگے، دو لمحات اور
ادب میں۔ وہ چپ چاپ حرکت میں آئی اور آتش دان کے قریب ذرا فاصلہ رکھ کر
بستر لگا دیئے۔

سریر آتش دان میں لکڑیاں جمانے کے بعد ان کے نیچے دیوار میں نصب جلتی شعل
کی تھوڑی دیر بعد خشک لکڑیوں نے آگ پکڑ لی اور پھر آتش دان میں آگ کے شعلے بلند ہوئے
تھوڑوڑا نے بھی بستر لگانے کے بعد خرچین سے اپنے اور سریر کے جھگے کپڑے نکال کر آتش
کے دائیں جانب کھڑکی پر ڈال دیئے تاکہ خشک ہو جائیں۔

کرہ اب آہستہ آہستہ گرم ہونے لگا تھا۔ سریر نے تھوڑوڑا کو مخاطب کر کے کہا۔ ”بستر
میں سو جاؤ۔ صبح شاید جلدی ہمیں یہاں سے کوچ کرنا پڑے۔“
تھوڑوڑا چپ چاپ ایک بستر میں گھس گئی، دوسرے بستر میں سریر لیٹ گیا اور
دیر بعد دونوں گہری نیند سو رہے تھے۔ باہر بارش اب دھیمی ہو گئی تھی۔



نفاذ میں ابھی اندھیرا ہی تھا کہ سریر اپنے بستر پر اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اس نے دیکھا
کے قریب تھوڑوڑا امن و سکون کی گہری نیند سوئی ہوئی تھی۔ آتش دان میں آگ بجھتی جا رہی
اس نے اپنے اٹھ کر آتش دان میں چند اور لکڑیاں ڈال دیں۔ پھر وہ کمرے کا دروازہ کھول
باہر آیا۔ باہر سحر کی رقا تھل کا اندھیرا ابھی تک گہرا تھا۔ بارش رک جکی تھی۔ آسمان پر کوئی اِکا
اِک اُبل تھا ورنہ ہر طرف تلاءوں کا روشن غبار چھایا ہوا تھا۔ رات سوچوں کے طوفان کی طرح
پ اور خاموش پیڑوں کی طرح ساکن تھی۔

سریر نے مشرق کی طرف دیکھا۔ صبح ہونے کے آثار کچھ کچھ ہم ہیولوں کی طرح اپنا آپ
ملنے لگے تھے، لگتا تھا سحر ضبط کے سارے غلات آمار کر کھجی کھجی بے شعور میں تیار ہو چکے تھے
پہلے ہونے کا فیصلہ کر چکی ہو۔

سریر دوبارہ کمرے میں آیا۔ آتش دان میں اور لکڑیاں ڈالنے کی وجہ سے آگ پھر جھپک

سر پر چوٹا ہو گیا۔ اپنے گھوڑے کو اس نے فوراً لگام چڑھا کر ایک چٹان کی اوٹ میں بٹایا۔ خود اس نے اپنی تلوار وصال سنبھالی اور ان چٹانوں کے نیچے آکر بیٹھ گیا جی کے اوپر خانقاہ بنانا تھا۔ اسے خطرے کی بو آنے لگی تھی پھر اسے کسی کی صاف آواز سنائی دی۔ کوئی کہہ رہا تھا کہ چنے کی طرف آیا ہے تو یہیں کہیں ہوگا۔ اسے سچ کر نہ جانا چاہیے تاکہ پڑھنے کے قتلے سے تھوڑا کو نکالنے والا کون ہے۔ اگر اس حادثے کی خبر ملے کو بونگنی تو وہ ہماری کھال لگی اور اگر ہم نے مجرم کو پکڑ کر اس کے سامنے پیش کر دیا تو ہمیں وہ کچھ نہ کہیں گی۔

سر پر نے انداز لگایا تھا کہ تھوڑا کھڑکی لگتی ہے۔ اتنے میں اس کے کانوں سے آواز گونجی۔ کسی نے اپنے ساتھیوں سے کہا۔ "تم دونوں نیچے اتر کر اسے دیکھو، اور قتل مت کرنا۔ زندہ پکڑ کر میرے پاس لاؤ۔ اگر اسے ہم زندہ ملے کے سامنے پیش کریں، تو یہ میں انعام کی بھی توقع ہو سکتی ہے۔ اب تم جاؤ اور اسے پکڑ کر لاؤ۔ یاد رکھو اسے جان مارنا ورنہ میں تم لوگوں کی جان کا دشمن بن جاؤں گا۔"

دو آدمی پھر اور چٹانیں پھلانگتے ہوئے نیچے اتر گئے تھے۔ سر پر اس سمت گہری نظریں جاتے اہمال ان کے قدموں کی چاپ سنائی دے رہی تھی۔ سر پر جھٹکتا جھٹکتا اس طرف لپکا جس سے ان کے گزرنے کی امید تھی اور جب وہ بھاگتے ہوئے سر پر کے پاس سے گزرنے لگے تو ان کی چادر تلے سے سر پر نمودار ہوا اور ان پر حملہ کر کے اس نے دونوں کی گزریں اکٹا کر پھر سر پر آہ وزاری کرنے اور چیخنے چلانے کے انداز میں دوڑ دے کہنے لگا "مجھے نہ اہمیت تھی، میں کون ہوں۔"

اوپر سے اسی آواز نے پھر چلاتے ہوئے کہا۔ "میں نے تمہیں کہا تھا اس پر تباہ ہونے سے مت مارنا۔ تم لوگ جاہل ہو، رک جاؤ، میں خود نیچے آ رہا ہوں۔"

سر پر ایک چٹان کے پیچھے ہو کر اس بولنے والے کے آنے کا انتظار کرنے لگا تھا جب وہ نیچے آیا تو سر پر اس پر بھی اپنی پوری خونخواری سے جھپٹا اور ایک ہی وار میں اس کا بھی آکر لکھ دیا۔ اب وہ آہستہ آہستہ اوپر چڑھنے لگا تھا۔

اٹھی تھی۔ سر پر نے ایک گہری نگاہ تھوڑا پر ڈالی۔ اس کے سرخ عارض پر بھر پور تھا۔ سر پر اس کے پاس بیٹھ گیا اور اسے مدھم آواز میں پکارا۔ "تھوڑا! تھوڑا! کئی بار سر پر کے آواز دینے پر بھی تھوڑا دراجب نہ اٹھی تو سر پر نے اس کا کہہ دیا۔ "تھوڑا! تھوڑا! اٹھو، اٹھو، امیری بات سنو!"

تھوڑا ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی اور گھبرائے ہوئے انداز اور بکھری ہوئی آواز میں "تھریس! تھریس! کیا ہوا، خیریت تو ہے۔"

اسے تسلی دیتے ہوئے ہمدردانہ آواز میں سر پر نے کہا۔ "تم گھبراؤ نہیں سب بے تھوڑی دیر تک سحر ہونے والی ہے۔ میں ذرا باہر جاتا ہوں۔ گھوڑے پر زین ڈال کر کے پاس جو چشمہ ہے وہاں تک جاتا ہوں۔ گھوڑے کو پانی پلانے کے علاوہ بس وہاں ہاتھ دھو آؤں گا اور تمہارے لیے پانی کا خشکیزہ بھی بھراؤں گا۔ تم اٹھ کر کمرے کو اندر سے زور اور جب تک میں نہ آؤں دروازہ کسی کے کسے پر مت کھولو۔"

تھوڑا دروازے سے نکلی اور نگرہ انداز میں اس نے سر پر سے کہا۔ "آپ جا آنا۔ ورنہ کہیں وہ راہب نہ آجائے اور مجھے دروازہ کھول کر اس کا سامنا کرنا پڑے۔"

سر پر نے تسلی دیتے ہوئے کہا۔ "میں جلدی آ جاؤں گا، دیر نہ لگاؤں گا۔" سر پر سے باہر نکل گیا اور تھوڑا دروازے کو اندر سے زنجیر لگا دی اور دوبارہ اپنے بہت گھس گئی تھی۔

سر پر اسطبل میں آیا۔ پہلے اس نے گھوڑے کا تو برا دلنے سے اور چارے سے ریا۔ گھوڑے پر زین ڈالی اور گھوڑے کی باگ پکڑے جب وہ بیرونی دروازے کے پاس آیا۔ بیرونی دروازہ کھلا تھا۔ وہ خاموشی کے ساتھ خانقاہ سے باہر نکل گیا

چشمے پہن کر سر پر نے پہلے گھوڑے کے منہ سے دھانہ نکال کر اسے پانی پلایا اور پھر وہ وہاں بیٹھ کر ہاتھ منہ دھونے لگا تھا۔ خانقاہ فلاؤ پنچائی پر تھی جب کہ چشمہ نیچے وادی میں تھا منہ ہاتھ دھونے کے بعد سر پر نے خشکیزہ بھرا اور جب وہ اپنے گھوڑے کی زین سے پانی سے بھر لیا ہاتھ دھوا تھا تو وہ چونک پڑا۔ اس کے کانوں میں آوازیں پڑی تھیں جو خانقاہ کی سمت اونچائی سے

جب وہ اُدھر گیا تو ایک پتھر کی اونٹ میں ہو کر اس نے دیکھا خانقاہ کی
والے راستہ پر حسین تھیوڈورا کھڑی تھی اور اس کے پیچھے ایک سپاہی ہاتھ میں لنگ
تھا۔ سر پر پتھریلی زمین پر لیٹ گیا اور رینگتے ہوئے اس طرف چلا گیا جب اس پر
تھی۔ اچانک وہ اُٹھا اور پشت کی طرف سے حملہ آور ہو کر اس نے اس پر
سے ہم کنارہ کر دیا تھا۔ جب اس پر دیکھ کر سر پر کی تلوار گری اور اس کی لاش پڑ
گئی تو تھیوڈورا خوف و وحشت سے ایک طرح سے چیخ مارتی ہوئی ایک طرف
کھڑی ہو گئی۔ پھر جب اس کی نظر اپنے قریب کھڑے سر پر پر پڑی تو اس نے
سکون اور خوشی میں کہا۔

”تھریس! تھریس! میں تو آپ کے متعلق پریشان ہو گئی تھی جو
چلا کر کہہ رہے تھے۔ مجھے مت مارو، میں سب کچھ بتا دیتا ہوں۔“
سر پر نے کہا۔ ”وہ شور تو میں نے ان دونوں کو ختم کرنے کے بعد کیا
خاطر خواہ اثر ہوا اور ان کا تیسرا ساتھی بھی نیچے گیا اور میں نے اُسے بھی تیغ کر دیا۔“
تھیوڈورانے احسانمندی سے سر پر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ”میں آپ
ہوں۔ ان دشمنوں کو ٹھکانے لگا کر آپ نے ایک بار پھر میری جان، میری عزت
سر پر نے کہا۔ ”سورج طلوع ہونے والا ہے۔ آؤ اب یہاں سے بھاگ
اس غلطی وادی میں اب ہمارے لیے خطرات ہی خطرات ہیں۔“ تھیوڈورا چپ چاپ
کے ساتھ ہو کر

دونوں چٹانوں سے نیچے آ کر گھوڑے پر سوار ہوئے، پہلے وہ مغرب کی
بحیرہ باسفورس کے کنارے آئے پھر وہ اپنے گھوڑے کو سمندر کے کنارے کنار
کی طرف دوڑنے لگے تھے۔
سر پر اپنے گھوڑے کو ایڑ پر ایڑ لگائے دوڑا رہا تھا کہ ایک جگہ پیچھے بیٹھ
تھیوڈورانے اسے مخاطب کرتے ہوئے آہستگی سے کہا۔ ”یہاں گھوڑا روک دیجئے
سے ہمیں کشتی مل سکتی ہے اور ہم بحفاظت اس پار بحیروں کی لہریں میں پہنچ سکتے

دیکھو، سورج اب طلوع ہونے والا ہے، میں تمہیں یہاں کسی محفوظ جگہ کی
ٹپ میں بٹھا کر پہلے اپنے گھوڑے کے ساتھ اکیلا اس پار جاتا ہوں وہاں یوسف نام کا ایک
مرد باہمی گیریمرا جلنے والا ہے۔ میں اس کے ہاں جاتا ہوں۔ وہ اپنی کشتی بحال کر دھرائے
اساتھ اپنی بیوی بچوں کو بھی بٹھالائے گا اور ان کے ساتھ کشتی میں بیٹھ کر تم بھی اس پار چلی
بات اس طرح کسی کو کوئی شک و شبہ نہ گزرے گا۔“

تھیوڈورانے مطمئن آواز میں کہا۔ ”آپ کی تجویز بہت اچھی ہے۔ میں اس سے مکمل

اتفاق کتنی ہوں لیکن آپ جلدی جائیں، سو دھج دیکھیں طلوع ہونے والا ہے کہیں تلاش کرنے والے نہ نکل کھڑے ہوں۔

سریر نے کہا پہلے میں تمہیں کسی محفوظ جگہ بٹھالوں۔ پھر جانا ہوں۔ اس علم ہوگا کہ تم کہاں ہو۔ بصورت دیگر یہاں مجھے ادھر ادھر تمہیں تلاش کرنا پڑے گا نام گھوڑے کے پاس کھڑی رہو، میں کوئی مناسب جگہ دیکھتا ہوں۔

تھوڑی دیر تک سریر ادھر ادھر گھومتا رہا پھر وہ واپس آیا اور تھوڑا سا میرے ساتھ آؤ۔

تھوڑا دور اس کے ساتھ ہو گیا۔ سریر اسے ایسی جگہ لے گیا جہاں شمال اور جنوب کی سمتوں سے تین چٹانیں آپس میں ملی ہوئی تھیں اور مشرقی جانب ایک تنگ کی صورت میں کچھ جگہ خالی تھی۔ اس خول کی طرف اشارہ کرتے ہوئے سریر نے تھوڑا کہا۔ تم یہاں اس خول نما جگہ میں بیٹھ جاؤ۔ ایک تو تم بیمار، محفوظ ہوگی، کوئی تمہیں دیکھ گا۔ دوسرے تم سردیوں کی مار سے بھی بچی رہو گی اور اب جب کہ سو دھج طلوع ہو رہا دھوپ سیدھی یہاں پڑے گی اس طرح تم اپنے آپ کو گرم بھی رکھ سکتی ہو۔

تھوڑا دور اس خول میں بیٹھ گئی اور پرامیدانہ لکھوں سے اس سریر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ آپ جلدی آجانا۔ جب تک آپ لوٹ کر نہ آئیں گے مجھ پر چند دہشت کا جھوت سوار رہے گا۔

سریر نے مسکراتے اور تسلی دیتے ہوئے کہا۔ میں فی الفور لوٹوں گا تم پریشا نہ ہونا۔

وہاں سے ہٹ کر سریر چٹانوں سے آکر اپنے گھوڑے کے پاس آیا۔ سوار کر کے ادھر گیا جہاں کشتیاں کھڑی تھیں۔ ایک ملاح سے اس نے بات طے کی اور اپنے گھوڑے سمیت اس کی کشتی میں بیٹھ کر وہ باسفورس عبور کرنے لگا تھا۔

باسفورس کے دوسرے کنارے جانے کے بعد وہ اپنے گھوڑے پر سوار ہوا اور گیروں کی بستی کے بچوں بیچ آگے بڑھتا رہا۔ یہاں تک کہ وہ پتھر اور پتھونے کے بنے ایک

مکان کے سامنے رُک گیا اور دروازے پر دستک دی۔

تھوڑی دیر بعد ایک دن بارہ سال کے بچے نے دروازہ کھولا۔ سریر نے اسے بکرتے ہوئے پوچھا۔ کیا یہ یوسف کا گھر ہے؟

بچے نے کہا۔ ہاں! یہ انہی کا گھر ہے۔ وہ میرے بابا ہیں۔ میں ان کا بیٹا ہوں میرا باپ ہے۔

سریر نے کہا۔ اپنے بابا کو باہر بھیج مجھے اُن سے ایک ضروری کام ہے۔

بچہ مڑا اور بجائے گا واپس چلا گیا۔ سریر نے ادھر ادھر کا جائزہ لیا۔ ماہی گیروں کی بستی عام بھیروں کی طرح گندی اور قفسن آمیز نہ تھی بلکہ صاف ستھری اور قابلِ رہائش تھی۔ اپنے خیالات سے چونک پڑا اور گھوڑے سے چھلانگ لگا دی کیوں کہ دروازے پر یوسف

نما دیو اہیر عمر کا یہودی یوسف جو سریر کو اس وقت خیمے میں ملا تھا جب پڑوس لے امیر نصیب بن مرزوق سے تھوڑا دور کی رہائی کے متعلق گفتگو کرنے گیا تھا۔

یوسف نے باہر نکل کر گرم جوشی کے ساتھ سریر سے مصافحہ کیا۔ پھر اس نے اہو شنی کا اٹھارہ کرتے ہوئے کہا۔ آپ تھوڑی دیر رکیں، میں دیوان خانے کا دروازہ

ماہوں۔

سریر نے کہا۔ میں بیٹھوں گا نہیں، پہلے میری بات سنیں۔

یوسف رُک گیا۔ سریر نے بڑی رازداری سے کہا۔ میں یہاں رُکوں گا نہیں۔ میں کو جانتے ہو، وہی ملکہ آرن کے مرحوم شوہر کا بھائی جس سے اس معذاس کی بستی

درا کو قید سے نکلنے کی بات ہوئی تھی جس روز تم وفد میں مجھ سے ملے تھے۔

یوسف نے کہا۔ آپ کہیں کہیں میں سمجھ رہا ہوں۔

سریر نے کہا۔ میں نے تھوڑا کو غلط کے اس بوسیدہ اور قدیم قلعے کی قید سے لیا ہے۔ میں اسے باسفورس کے اس پار بٹھا آیا ہوں۔ میں اسے کسی اور کشتی میں بھی

گی تو کوئی شک بھی نہ کرے گا۔

یوسف نے گھبراہٹ میں کہا: ”ایسا ممکن نہیں۔ میری بیوی سخت برہم کی ہے۔ میں اس پر اس معاملہ میں اعتماد نہیں کرتا۔ وہ خدا اس بات کو افواہ کی طرح گی اور ہم دونوں کی زندگیاں خطرے میں پڑ جائیں گی۔“

سریر نے فیصلہ کن انداز میں کہا: ”تو آؤ پھر میں اور تم، دونوں اکیلے ہی، لیکن پہلے میرا گھوڑا اندر باندھاؤ اور سمندر کی طرف جاتے ہوئے گھوڑے کے پاؤں نشانات بھی مٹاتے جانا ہے۔“

یوسف فوراً سریر کا گھوڑا اندر باندھا آیا۔ اور دونوں ساحل کی طرف م راستے میں سریر نے یوسف سے پوچھا: ”یہ جہاز کبسی میں سیوس کون ہے۔ اس کے مجھے تھیوڈورا کو ٹھیرانے کے لیے کہا گیا ہے۔“

یوسف نے بڑی رازداری سے کہا: ”وہ بہت اچھا آدمی ہے۔ اس نے وہی سب سے زیادہ مالدار اور درویش کا آدمی ہے اور ماہی گیروں کا ٹھیکہ ہے۔ ماہی گیر جو مچھلیاں پکڑتے ہیں وہ سب ساحل پر ڈھیر ہوتی ہیں۔ سیوس ٹھیکہ دار ساری مچھلیاں وہیں سے خرید کر شہر میں پہنچا دیتا ہے۔ تب ہی آپ نے دیکھا نا یہی سیوس ٹھیکہ دار ہے۔ گھروں میں مچھلی ڈھیر نہیں کی جاتی اس لیے بستی میں مچھلی کی بو اور نقص نہیں تھیوڈورا سیوس کے ہاں محفوظ رہے گی۔ سیوس کی صرف ایک بیٹی ہی ہے۔ یوں کی مرچکی ہے۔ حویلی بہت بڑی ہے اس لیے وہاں یہ راز راز ہی رہ سکتا ہے۔ گھوڑے کے سموں کے نشانات پر پاؤں رکھتے جا رہے تھے۔“

سمندر کے کنارے پتھروں سے بنے ہوئے بند کے قریب آکر یوسف نے ا عمارت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا: ”یہ سیوس کی حویلی ہے اور بند کے اس پار میں سرخ رنگ کے بادبانوں والی جتنی کشتیاں ہیں۔ وہ سب اس کی ہیں۔ اس کی بیٹی دیشیا ہے اور وہ بہت حسین، نیک اور رحم دل لڑکی ہے۔ بستی میں جس قدر غریب ماہی گیر ہیں وہ ان سب کی مدد و اعانت کرتی ہے۔“

سریر اور یوسف آپس میں باتیں کرتے کرتے سمندر کے کنارے آؤ گے۔ پھر یوسف نے کشتی کے وہ رستے کھولے جن کے ساتھ وہ ساحل سے بندھی ہوئی تھی۔ دونوں کشتی میں بیٹھ گئے۔ یوسف نے بادبان کھول کر چنچن سنبھال لیے تھے۔ کشتی لمحہ بے لمحہ تیز ہوتی ہوئی دوسرے کنارے رن جا رہی تھی۔ ہوا چونکہ موافق تھی اس لیے کشتی کی رفتار تیز سے تیز تر ہوتی جا رہی تھی۔ جب وہ دوسرے کنارے پر پہنچے تو سریر کو ضرورت ہی پیش نہ آئی کہ وہ چٹانوں پر ٹھکے تھیوڈورا کو بلائے۔ وہ خود ہی چٹانوں کے پیچھے سے نمودار ہوئی اور بھاگتی ہوئی کے پاس آکھڑی ہوئی۔ پھر اس نے مسکراتے ہوئے پھولی سانس میں سریر سے کہا: ”میں چٹانوں سے باہر آکر تم لوگوں کو دیکھ رہی تھی۔ یقیناً یہ وہی یوسف ہوگا، کا آپ نے ذکر کیا تھا۔“

سریر نے بھی مسکراتے ہوئے کہا: ”تمہارا اندازہ درست ہے۔“ تینوں کشتی میں گئے۔ اب یوسف کے ساتھ سریر بھی چپ چاپ رہا تھا۔ اس لیے کہ وہ مخالف ہو گئی تھی اور فی حیل سے آگے بڑھ رہی تھی۔

دوسرے کنارے پر جا کر یوسف نے کشتی روکی اور سریر سے پوچھا: ”میں سیوس حویلی تک ساتھ چلوں یا آپ دونوں چلے جائیں گے۔“ سریر کی بجائے تھیوڈورا نے کہا: ”اب ہم سیوس کے ہاں چلے جائیں گے۔ اسے یہاں تک پہنچانے کی مہربانی۔“

سریر نے کشتی سے اترتے ہوئے کہا: ”یوسف! یوسف! میرا گھوڑا یہاں بٹا دینا۔“

یوسف نے کشتی کو پھر کنارے سے باندھنے کے لیے رستے سنبھالتے ہوئے کہا: ”آپ فکر نہ کریں میں ابھی آپ کا گھوڑا سیوس کی حویلی میں لاتا ہوں۔“ سریر اور تھیوڈورا سیوس کی حویلی کی طرف چلے گئے۔ یوسف اپنی کشتی کنارے سے باندھنے لگا تھا۔

سریر نے آگے بڑھ کر سیوس کی حویلی کے دروازے پر دستک دی۔ تھیوڈورا

نے حیرت سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا: ”آپ کو کیسے پتہ چل گیا کہ یہ سیر ہے جب کہ میں نے آپ کو بتایا ہی نہیں۔“

سریر نے کہا: ”میں یوسف سے معلوم کر چکا ہوں۔“

تھیوڈور کچھ کنے والی تھی کہ دروازہ کھلا اور سامنے ایک بوڑھا آدمی کھڑا تھا: ”فردا اندر چلی گئی۔ اس ادھیر عمر کے مرد نے تھیوڈور کے سر پر پیار سے ہاتھ رکھتے ہیں تو رات بھر سے تمہارا یہاں انتظار کر رہے ہیں بیٹی! اندر تمہارا چچا بیٹروس بھی آ رہا ہے۔ وہ آج صبح آیا ہے اور تمہارے متعلق بڑا فکر مند ہو رہا تھا۔“

اتنے میں ایک لڑکی اندر سے بھاگتی ہوئی آگئی اور تھیوڈور سے بغل گیر ہو گئی۔ دونوں پہلے سے ایک دوسرے کو جانتی ہوں۔ تھیوڈور نے علیحدہ ہو کر سریر کی طرف کھڑے ہوئے کہا: ”یہ تھریس ہیں۔ انہوں نے ہی مجھے قید سے رہائی دلائی ہے۔ علاوہ ایک اور موقع پر بھی انہوں نے میری جان بچائی ہے۔ ہمارے بھاگنے کی داد ہے۔ میں اندر بیٹھ کر آپ کو سناتی ہوں۔“

اس ادھیر عمر کے مرد نے سریر کی طرف مدد فخر کے لیے اپنا ہاتھ آگے بڑھاتے ”میرا نام سیوس ہے۔“ پھر اس نے عمارت کے اندر دنی جھٹے سے آنے والی لڑکی کی طرف کر کے کہا: ”یہ میری بیٹی دیشیا ہے۔ اس حویلی میں ہم دونوں آپ کو خوش آمدید آپ نے وہ کام کیا۔ دیا ہے جو بظاہر ناممکن نظر آتا تھا۔ میں تھیوڈور کو یہاں تک لیے آپ کو مبارکباد دیتا ہوں۔ آپ اندر میں ابھی تک باہر کیوں کھڑے ہیں۔“

سیوس اور دیشیا، سریر اور تھیوڈور کو لے کر حویلی کے اندر دنی جھٹے کی طرف پھر وہ ایک ایسے کمرے میں داخل ہوئے جو خوب سجایا گیا تھا اور جس کے اندر تھیوڈور بے تابی سے منتظر کھڑا تھا۔ جو تھیوڈور اس کمرے میں داخل ہوئی بیٹروس نے آگے عزت میں اس کی پیشانی چوم لی۔ اس کے بعد اس نے سریر کو گلے لگاتے ہوئے کہا: ”تھریس! سورج سیح کی قسم میں نے تم سے جو اسدیں دالبترہ کی تھیں۔ تم نے وہ سب لو دیں۔ تم نے تھیوڈور کو بحیرت یہاں لاکر ہم پر بہت بڑا احسان کیا ہے۔“

اس کے بعد وہ سب وہاں چڑھے میں روٹی اور اداں بھری نرم نشستوں پر بیٹھ گئے۔ تھیوڈور اترے لے لے کر اور سریر کے لیے بار بار تعریفی کلمات استعمال کر اس کے پرانے بے زار خانقاہ میں قیام، وہاں سپاہیوں کے ہاتھوں کپڑے جانے، سریر کے چھڑانے یوسف کے ذریعے وہاں پہنچنے کی داستان سن رہی تھی۔

تھیوڈور سریر کی تعریف و توصیف میں رطب اللسان ہی رہتی کہ سیوس کی بیٹری کے دروازے پر دستک ہوئی اور سیوس خود اٹھ کر باہر نکل گیا۔ تھوڑی دیر بعد جب وہ لوٹا تو اندر نے پوچھا: ”کون تھا؟“

سیوس نے کہا: ”ہماری بچی کا ماہی گیر یوسف تھا۔ تھریس کا گھوڑا اسے کر گیا ہے۔ اسے اصطبل میں باندھ دیا ہے اور اس کی زمین آنا کر چارہ ڈال دیا ہے۔“ تھیوڈور نے شکوے کے انداز میں کہا: ”آپ نے اسے اندر آنے اور بیٹھنے کو تو کہا۔“ سیوس نے فوراً اپنی صفائی پیش کرنے کے انداز میں کہا: ”میں نے اسے اندر آنے اور اسے ملنے کو کہا۔ لیکن وہ کہہ رہا تھا۔ اس نے جال ڈالنے کے لیے کشتی سمندر کے اندر سے ہے۔ لہذا وہ چلا گیا ہے۔“

دیشیا نے پہلی بار بولتے ہوئے تھیوڈور کو مخاطب کر کے کہا: ”جس کمرے میں ہم بیٹھے ہیں۔ یہ تمہارے لیے تیار کیا گیا ہے اور اس میں دائیں طرف ساتھ والا کمرہ تھریس کے لیے ہے۔ اس کی تیاری بھی ایسے ہی کی گئی ہے۔ دونوں کمروں کے درمیان دروازہ در وقت ضرورت تھریس بھائی آسانی سے تمہاری مدد کو پہنچ سکتے ہیں۔“

بیٹروس نے بولتے ہوئے کہا: ”دیشیا بہت اچھی لڑکی ہے، یہ ہم دونوں کا خوب خیال

بیٹروس چند ثانیوں تک خاموش رہا پھر اس نے سریر کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا: ”تھریس! مالکین ایسا نہ ہو جائے کہ تھیوڈور کو تلاش کرنے کے لیے وہ تمہارے گھوڑے کے کواں کرتے ہوئے ادھر آ نکلیں اور تھیوڈور کے لیے خطرات اٹھ کھڑے ہوں۔“

کرانے کسی دینے کے انداز میں بیٹروس سے کہا: ”گھوڑے کے سموں کی تلاش

پاکل ہے کیوں کہ ہم کچھ میں خافہ سے اس جگہ تک آئے تھے جہاں ہم کشتی میں تھے۔ یہ ضرور جان لیا جائے گا کہ گھوڑا کہاں سے کہاں تک گیا ہے لیکن یہ نہ پہچاننا ہم کس گھوڑے کے ہیں۔ کیونکہ کچھ میں گھوڑے کے سم واضح نہ تھے۔ اس کے علاوہ اس طرف میں اور یہ سمنے گھوڑے کے سم اپنے پلوں ان پر رکھ کر مٹا ڈالے ہیں۔ پیڑوں نے اپنے لباس کے اندر سے نقدی کی بھاری تھیلی نکالی اور اسے گود میں رکھتے ہوئے اس نے کہا۔ "نقدی کی یہ تھیلی بھی اپنے پاس رکھو۔ اس سے تھیوڈورا کی ضروریات پوری کرو۔ تمہیں کچھ عرصہ یہیں سیوس کے ہاں تھیوڈورا کے طوطے پر رہنا ہوگا۔ اس کے لیے میں تمہیں اس قدر معاوضہ دوں گا کہ تم غم نہ قطعاً بے فکر ہو جاؤ گے۔"

پیڑوں اٹھ کھڑا ہوا اور کہا۔ "میں اب جاتا ہوں اور آتا جاتا رہوں تیزی سے باہر نکل گیا۔"

سریس نے پیڑوں کی دی ہوئی نقدی کی تھیلی سیوس کو ہمتا دے ہوئے کہا۔ یہ رکھ لیں۔ جب مجھے ضرورت ہوئی آپ سے مانگ لیا کروں گا۔ میرے پاس نقدی کی تھیلی بھی ہے وہ میرے گھوڑے کی غریب میں ہے۔ وہ بھی میں آپ کے حوالے کر دوں گا۔ سیوس نے وہ تھیلی لے لی۔ اتنے میں ویشیل نے تھیوڈورا کو مخاطب کر کے کہا کہ رات کو اور ایک مرتبہ صبح کے وقت میں نے تم دونوں کے لیے کھانا تیار کیا تھا۔ تم لوگ اسے کھاؤ اور گرم کھانا تیار کر کے لاتی ہوں۔"

ویشیا کمرے سے باہر نکل گئی جب کہ سریس، تھیوڈورا اور سیوس وہیں میں بات چیت کرنے لگے تھے۔

سورج غروب ہونے کے بعد فضاؤں میں اندھیرا پھیل گیا تھا۔ سیوس میں سریس کے لیے جو کمرہ مخصوص کیا گیا تھا۔ وہ اس میں آتش دان کے پاس بیٹھا تھا اور غور سے سوچ رہا تھا۔

سیوس سانس لینے کو رکھا پھر وہ کہتا چلا گیا۔ "ان کے ساتھ سٹوڈین خافہ کا وہ سب جس نے تم دونوں کے لیے خافہ کا دروازہ کھولا تھا۔ وہ اس لیے ساتھ رکھا گیا ہے۔ انہیں شکل سے پہچانتا ہے۔ ملکہ آئین تھیوڈورا کے فرار کو غصی رکھ رہی ہے اور اندھڑی سرگرمی سے اس کی تلاش جاری ہے۔ ملکہ کے کھوجیوں نے یہاں تک معلوم ہے کہ باسفورس کے اس کنارے تم اور تھیوڈورا کا خافہ سے نکل کر ماہی گیروں کی اس بڑی میں آئے ہو۔ اس لیے اس بستی کو تلاشی کا نشانہ بنایا گیا ہے۔ جب تلاشی ختم ہو جائے گی، میرے دو ملازم کشتیوں کی طرف چلے بھی گئے ہیں۔ وہ اپنے ساتھ کچھ خالتو لے گئے ہیں، تیروں سے بھرے ترکش اور کمانیں بھی لے گئے ہیں۔ ویشیا کو میں نے اس کے لیے کہا ہے کہ وہ اسے اطلاع کرنے گئی ہے۔ تھریس! تھریس!"

سیوس نے کہتے کہتے رنگ لیا کیوں کہ درمیانی دروازے سے تھیوڈورا اور ویشیا اندر داخل ہوئی تھیوڈورا کو دیکھتے ہی سریس نے کہا۔ "میرے ساتھ آؤ، جلدی کرو۔"

تھیوڈورا اس کے ساتھ ہوئی اور دونوں تیزی سے سیوس کی حویلی سے باہر نکل کر

سریر اور تھیوڈورا جب بھاگتے ہوئے ساحل پر گئے تو سیدوس کے دونوں کے منتظر کھڑے تھے وہ دونوں سریر اور تھیوڈورا کو ایک کشتی میں لے گئے جو کہ اور جس کے اندر ملاحوں کے آرام کرنے کے لیے ایک خاصا بڑا کمرہ بنا ہوا تھا تھیوڈورا کو مخاطب کر کے کہا "تھیوڈورا! تم کشتی کے اس کمرے میں چلو کا دروازہ اندر سے بند کر لو۔ میں اور یہ دونوں ساتھی ملاح باہر ہی کھڑے ہوتے تھیوڈورانے پریشانی اور گھبرائی ہوئی آواز میں کہا "آپ تینوں مجھ کو آپ کو باہر دیکھ کر خواہ مخواہ کوئی شک کرے گا۔ اس طرح تو ہم سب ہی غرور اندر آجائیں، کسی کو کیا پتہ چلے گا کہ ان کشتیوں کے اندر بھی کوئی ہے مجھے امید تلاش کرتے ان کشتیوں کی طرف بھی ضرور آئیں گے۔"

سریر نے تھیوڈورا کو تسلی دیتے ہوئے کہا "تم کمرے کے اندر جا کر بے فکر آرام کرو۔ باہر کچھ بھی ہو جائے تم نے اس کمرے سے باہر نہیں آنا۔ جب تک میں غرور سریر کے کہنے پر تھیوڈورا کشتی کے اس کمرے میں چلی گئی اور دروازے کو اندر سے کر لیا تھا۔"

تھیوڈورا کی طرف سے بے فکر ہو جانے کے بعد سریر نے ان دونوں ملاو کرتے ہوئے کہا "تلاشی لینے والے اگر بستی دیکھ کر چلے تو ہم بھی بستی میں داخل اور اگر وہ ان کشتیوں کی طرف بھی آگئے تو پھر مجھے غور سے سنو کہ ان حالات میں کیا جب یہ تینوں اپنے ساتھیوں کے ساتھ ان کشتیوں کا رخ کرے تو تم یہاں سے دوبارہ چھوڑ کر آگے کھڑے ہو جانا۔ میں تم سے بھی کچھ آگے ایک کشتی میں جا کر بیٹھ جاؤں گا۔ تمہاری طرف آئیں اور تم سے تھیوڈوراکے متعلق گفتگو کریں تو میں ان پر توجہ دلاؤں ہے وہ تمہیں چھوڑ کر میری طرف لپکیں گے۔ اس طرح تم دونوں اور تھیوڈورا رہ جاؤ گے اور میں ان کشتیوں کے پاس ہی ان سب سے نمٹ لوں گا۔ اب آؤ چھوڑ کر اس تیسری کشتی میں بیٹھتے ہیں۔ وہ اگر ادھر آئے تو تم وہیں بیٹھ رہنا۔ کشتیاں چھوڑ کر اور آگے چلا جاؤں گا۔ اگر وہ نہ آئے تو اور بہتر ہے۔"

ایک ملاح نے کشتی میں پڑے اونی کمبلوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "ہم یہ اونی احتیاط کے تحت ساتھ لائے ہیں کہ اگر غیر معمولی حالات کے تحت ہم بستی میں نہ آسکیں تو ہمیں کشتی میں ہی رات بسر کر لیں گے۔ آپ ان میں سے کچھ کمبل تھیوڈورا کو دیں۔"

کمبلوں کے ڈھیر سے سریر نے دو کمبل اٹھائے پھر اس نے کشتی کے کمرے پر دستک غیر دورانے دروازہ کھولا اور سریر نے اسے دونوں کمبل تھماتے ہوئے کہا "سریر ہے۔ یہ اپنے پاس رکھ لو ایک تہ کر کے نیچے ڈال دو اور دوسرا اپنے اوپر ڈال لو اور سنو! دونوں ملاح اس کشتی کے بجائے دو کشتیاں چھوڑ کر تیسری میں جا کر بیٹھتے ہیں۔ تم گھبرانا نہیں ان اگر بستی کی تلاشی لینے کے بعد ادھر آیا تو میں تمہاری کشتی سے دور ہی ان سے نمٹ لوں رو نہ آیا تو ہم بستی میں چلے جائیں گے۔ اب تم دروازہ اندر سے بند کر کے آرام کرو۔" سریر پیچھے ہٹ گیا۔ تھیوڈورانے کمرے کا دروازہ بند کر کے اندر سے چٹپنی لگائی کے تختوں پر اس نے ایک کمبل تہ کر کے ڈال دیا۔ پھر وہ اس کمبل پر بیٹھ گئی اور دوسرا ہاپنے اوپر ڈال کر حالات کے انجام کا انتظار کرنے لگی تھی۔

سریر ان دونوں ملاحوں کے ساتھ دو کشتیاں چھوڑ کر تیسری میں جا کر بیٹھ گیا۔ کافی سارے وہاں بیٹھ کر انتظار کرتے رہے۔ اتنی دیر میں چاند مشرق سے طلوع ہوا تھا اور تیز روشنی کرنیں ہر شے میں حلول کر کے کائنات کو روشن و منور کر گئی تھیں۔

چاندنی رات میں باسفورس کے کنارے بند کی طرف دیکھتے ہوئے سریر نے چونک کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ "ادھر بند کی طرف دیکھو۔ بستی کی چھان چھٹک کرنے کے بعد اب وہ تینوں کی طرف آ رہے ہیں لیکن فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ تو اب وہیں صرف ہیں۔"

سنو! سنو! ان میں تو سنو! میں خانقاہ کا ایک راہب ہے۔ وہی راہب جس نے سارے خانقاہ کا دروازہ کھولا تھا۔ جب میں تھیوڈوراکے ساتھ وہاں پناہ لی تھی۔ وہ راہب کو اس لیے ساتھ لیے پھر رہے ہیں کہ وہ مجھے شکل سے پہچانتا ہے۔ مجھے اس

جنوں اپنی ڈھالیں اپنے سامنے کر کے اس کشتی کی طرف بھاگے جس طرف سے راہب آیا تھا اور جس کے اندر سریر بیٹھا ہوا تھا۔

سریر کی طرف سے ایک اور تیر آیا اور میتھیوس کے ساتھیوں میں سے ایک کے حلق پر لگا گیا تھا۔ انہوں نے اپنی چھاتیوں کے سامنے اپنی ڈھالیں کر رکھی تھیں۔ اس لیے سریر کو اس کی گردن کا حدف لینا پڑا تھا۔

کشتی جب پہنچتے پہنچتے سریر نے میتھیوس کے دوسرے ساتھی کو بھی ڈھیر کر دیا تھا۔ میتھیوس غصے اور قہر کے عالم میں چھلانگ لگا کر کشتی میں داخل ہو گیا۔ سریر بھی چوکتا رہ گیا تھا۔ اس نے ہاتھ میں پکڑے ہوئے تیر اور کمان کشتی میں ڈال دیئے۔ اپنی تلوار سے اس نے سنبھال لیے اور میتھیوس سے مقابلے کے لیے اٹھ کھڑا ہوا۔ وہی میتھیوس پودندم کے میدان میں اس کی تلوار کاٹ کر اس کو وقت آمیز شکست دے چکا تھا۔ کشتی میں داخل ہوتے ہی میتھیوس نے انتہائی کرب کی حالت میں اپنی تلوار لہرائی۔ بانگ آواز میں اس نے سریر سے پوچھا۔ ”تم کون ہو، یہاں کیوں بیٹھے ہوئے تم نے میرے ساتھیوں پر کیوں تیر چلائے ہیں۔“

سریر نے بڑے پرسکون آواز میں کہا۔ ”میں ان کشتیوں کا محافظ ہوں اس لیے ماہوں۔ تمہارے ساتھیوں کے خاتمے میں میری منفعت تھی۔ اس لیے میں نے ان پائے اور ان کا خاتمہ کر دیا۔“

میتھیوس نے دانت پیستے ہوئے کہا۔ ”اب تمہارے خاتمے میں میری منفعت دیکھو سمندر کنارے ان کشتیوں میں تمہیں کیسی بھیانک موت مانتا ہوں۔“ سریر نے بھیانک لہجے اور لہزہ دینے والی آواز میں کہا۔ ”تو بیکتا ہے۔ تو مجھے اچھی آتا ہے اور مجھے یہ بھی خبر ہے کہ میری تلوار لوہا کا ٹٹا بھی جانتی ہے۔“

میتھیوس نے حیرت و استعجاب میں پوچھا۔ ”میں پہلے سے تجھے کیوں کر اور بتا ہوں تو مجھ سے اپنی جان بچانے کی خاطر جھوٹ بکتا ہے۔ پر تم اب میری سرفراز حاصل نہ کر سکو گے۔“

راہب کا خاتمہ کرنا ہو گا کیوں کہ قسطنطنیہ میں شخص میرے لیے کئی مسائل اور دشواریاں سکتا ہے۔ باقی تین میں سے ایک میتھیوس اور دو شاید اس کے ساتھی ہیں۔ ایک ملاح نے خوفزدہ آواز میں کہا۔ ”یہ میتھیوس انتہائی کیمتہ اور قیمتی اگر اس نے ہم پر ہاتھ اٹھا لیا تو پھر۔“

سریر نے دونوں ملاحوں کو تسلی دیتے ہوئے کہا۔ ”میں انہیں موقع کہ وہ تم دونوں پر ہاتھ اٹھائیں یا ان کشتیوں کے اندر وہ قیدیوں کو تلاش کر سکیں۔ سکون ہو کر بیٹھو اس دوسری کشتی کی طرف جاتا ہوں۔“

سریر نے وہاں سے ایک کمان اور تیروں سے بھرا ہوا ترکش اٹھا یا اور نیکل کردہ دو کشتیاں چھوڑ کر تیسری میں جا کر بیٹھ۔ تیروں سے بھرا ترکش اس نے ہاتھ لیا تھا اور کمان کندھے پر لٹکا کر وہ کشتی میں چوکس ہو کر بیٹھ گیا تھا۔

تھوڑی دیر بعد میتھیوس، راہب اور ان کے دونوں ساتھی اس کشتی کے ہوئے جس کے اندر ملاح بیٹھے ہوئے تھے۔ سریر بڑے غور سے انہیں دیکھ رہا تھا۔ نے انتہائی سخت اور دوشی لہجے میں ان دونوں ملاحوں کو مخاطب کرتے ہوئے پوچھا۔ ”کون ہو اور یہاں کیا کر رہے ہو۔“

ایک ملاح نے ساحل سے بندھی کشتیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ”وہ ان کشتیوں کی حفاظت ہے۔ ہم رات کے وقت یہیں رہتے ہیں۔“

میتھیوس کچھ اور پوچھنے والا تھا کہ سریر نے کندھے سے لنگتی ہوئی کمان چلے پر چڑھایا اور تاک کر مارا۔ بھاری نوک کا وزنی تیر راہب کا سینہ چیرا ہوا نیکل گیا۔ کشتی سے باہر گر کر ترپنے لگا تھا۔ میتھیوس چونکا۔ راہب کو اس نے اس کے دیا تھا کیوں کہ وہ ترپ کر دم توڑ چکا تھا۔ اس نے اپنی ڈھال اپنے سامنے کر لی۔ ساتھیوں کو مخاطب کر کے اس نے کہا۔

”میرے ساتھ آؤ جس طرف سے یہ تیر آیا ہے، یقیناً اسی کشتی میں قیدی اسے قید سے رہائی دلانے والا ہے۔“

سریر نے کہا۔ "میتھیوس! مجھے تمہاری دماغی حالت درست ہو
دشہ ہونے لگا ہے۔ میں وہی تھریں ہوں جس نے پچھلے سبت کے روز ہپوڈ
چٹیل میدانوں کی طرح سنان کر کے تمہاری تلوار کاٹ دی تھی اور تمہاری حالت
اندھی ہرنی جیسی کر دی تھی۔ میری طرف غصے سے دیکھو مجھے پہچانو! کیا میں ہی وہ
نے موت کے اس میدان میں تمہاری تلوار کاٹی، تمہارے غرور کو ریزہ ریزہ اور
جنگی مہارست کو لخت لخت کر کے رکھ دیا تھا۔ اب اگر تم بھاگنا بھی چاہو تو
بھاگنے نہ دوں گا۔"

سریر کی گفتگو سن کر میتھیوس کی حالت ایسی ہو گئی تھی، گویا وہ پتھروں
تیزوں کے طوفانوں میں گھر گیا ہو یا کسی نے اسے اٹھا کر فتنہ انگیزوں کے ہمدان اور
دقتوں کے مسکن میں پھینک دیا ہو۔

میتھیوس سمجھ گیا تھا کہ سانپ کی طرح اس خطرناک اور زہریلے دشمن سے
مشکل ہے لہذا اس نے آگے بڑھ کر سر پر حملہ کر دیا تھا۔
رات کی خاموشی اور محمودین تلواروں کے ٹکرانے کی آوازیں فضاؤں میں
ہراس پیدا کرنے لگی تھیں۔ سریر اس مقابلے کو شاید طول نہ دینا چاہتا تھا۔ اس
بھیانک غلاب اور غضب کی خوشخواری بن کر میتھیوس پر حملہ آور ہوا تھا۔
میں مسکنا ہو کھول اٹھا تھا اور اپنا مکمل دفاع کرنے کے ساتھ ساتھ وہ موج
روشنی دگ لہراور حلقہ گرداب کی طرح میتھیوس پر چھانے لگا تھا۔ گلتا تھا
کنارے کرب کی بھیانک ڈانٹوں کا رقص شروع ہو گیا ہو۔

ایک دم صبح کی زرفشانی کی طرح سریر نے پنیرا بدلا اور اپنی پوری غلاب
اور رشک و حسد میں اس نے میتھیوس کو چکمرے سے کراس پر اپنی تلوار گرانی۔ بھانا
چوڑی تلوار اپنا حق ادا کرتی ہوئی گری اور میتھیوس کو کاٹتی چلی گئی تھی۔ میتھیوس حیرت
میں دو ٹوٹے ہو جانے والے درخت کی طرح کشتی میں گر کر ختم ہو گیا تھا۔
سریر نے اپنی تلوار صاف کر کے نیام میں کر لی پھر وہ اس کشتی میں آیا جہاں

اس کے منتظر تھے۔ سریر نے انہیں مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "آؤ پہلے ان مرنے والوں
میں اٹھا کر سمندر میں پھینک دیں پھر سب کی کڑوٹ چلیں۔"
سریر کے ساتھ ملاج کشتی سے اتر ہی رہے تھے کہ چونک کر روک گئے۔ انہوں نے
سمندر کنارے چھروں کے بند کی طرف سے دوسلے نمودار ہوئے تھے اور بڑی رازداری
اقبال کی طرف بڑھنے لگے تھے۔
ایک ملاج نے بوکھلائی اور خوفزدہ سی آواز میں سریر سے کہا۔ "کوئی ادھر
ہلن ہی آ رہا ہے۔ اگر وہ ان مرنے والوں کے ساتھی ہے تب یہ بھی ممکن ہے کہ
بچے اور ساتھی بھی ہوں اور تھوڑی دیر بعد سمندر کے اس کنارے ان مرنے والوں
سے ایک طوفان اٹھ کھڑا ہو۔"

سریر نے ان دونوں ملاجوں کو تسلی دیتے ہوئے کہا۔ "تم دونوں فکر مند نہ ہو آنے
رنے والوں کے ساتھی ہیں تو ان کا مشران مرنے والوں سے مختلف نہ ہوگا۔ تم دونوں
سے اڑ کر یہیں کھڑے رہو۔ انہیں قریب آنے دو۔ وہ دو ہی تو ہیں اگر وہ میتھیوس کے
بہنوہار اور دشمنی ہے تب بھی میں تم دونوں کو یقین دلایا ہوں میں انہیں لمحوں
مذکور کے رکھ دوں گا۔"

جب وہ دونوں چھپے ڈرائز دیک ہوئے تو سریر نے اپنی تلوار نیام میں کرتے
لما۔ یقیناً یہ آنے والے مرنے والوں کے ساتھی نہیں۔ یہ دونوں بہتے ہیں اور پھر
سے ایک ادھیر عمر کا مرد اور دوسری کوئی جوان سال نازک لڑکی ہے اور سونو میرا
اسے وہ سیوس اور اس کی بیٹی ویشیا ہیں۔ وہ دونوں تھوڑے اور کے لیے فکر مند
دھرائے ہوئے گئے۔

دونوں ملاج سنبھل گئے اور ان کے چھروں پر رونق لوٹ آئی تھی۔ آنے والے
دونوں قریب آئے تو سریر کا اندازہ درست ہوا۔ وہ سیوس اور اس کی بیٹی ویشیا ہی
تھے۔ لڑکی سیوس نے چند ثانیوں تک راہب کی لاش کو دیکھا پھر اس نے
لاٹ دیکھتے ہوئے کہا۔ "میرا دل کہتا ہے اس راہب کی طرح تم نے میتھیوس اور

باندھا۔ پھر رتی کے ساتھ ایک ذنی چھرا باندھ کر انہوں نے لاشیں سمندر میں پھینک دیں۔
نخل اور کدوشتی صاف کر کے وہ واپس بستی کی طرف چلے گئے تھے۔



ملکہ آئرین قصر بلائرن کے زمانہ جیتنے کی حاجت علیا کے ہمراہ غسل کے لیے حمام کی طرف جا رہی تھی۔ ملکہ کے ساتھ غلاموں کی ایک لمبی قطار تھی جو ملکہ کے غسل کے لیے منگ، آبِ جڑ اور طرح طرح کی خوشبوئیں اٹھائے اس کے ساتھ ساتھ چل رہے تھے کہ دائیں جانب سے نسی فورس نمودار ہوا۔ ملکہ آئرین اسے دیکھ کر رگ گئی۔

قریب آکر ملکہ کا خراجچی نسی فورس کا چہرہ اپنے سر کو نم کرتے ہوئے اس نے پوچھا: کیا آپ نے مجھے طلب کیا ہے؟

ملکہ آئرین نے کہا: "ہاں میں نے تمہیں بلایا ہے۔"

ملکہ آئرین نے اپنے مخصوص انداز میں اپنا دایاں ہاتھ فضا میں لہرایا اور سارے خداداد ایک طرف ہٹ کر کھڑے ہو گئے۔ آئرین نسی فورس کے قریب ہوئی اور جیسے لہجے میں لالچ دے رہی تھی اسے کہا: "کیا ہپوڈروم کے مقابلے میں وہ جوان بھی شامل ہوگا جو پچھلے سبت کے روز میدان کا رستم قرار پایا تھا؟"

نسی فورس نے ایک بار بڑی عیادی کے ساتھ آئرین کی طرف دیکھا۔ پھر اس نے بڑی عاجزی سے کہا: "وہ جوان کل ضرور مقابلے میں شامل ہوگا۔ اگر نہ آیا تو اسے بلایا بھی جا سکتا ہے۔ وہ ماہی گیروں کی بستی میں یوسف نام کے ایک یہودی کے ہاں رہتا ہے۔ وہ خود بھی ایک یہودی ہے اور یہ پہلا موقع ہے کہ کسی یہودی جوان نے ہپوڈروم کا مقابلہ جیتا ہے۔" آئرین نے کہا: "میں نے میتھیوس کو بہت تلاش کرایا ہے لیکن وہ نہیں ملا۔ گنتیہ اسے اور راجب سمیت اس کے ساتھیوں کو کسی نے موت کے گھاٹ اتار دیا ہے۔"

آئرین رکی پھر اس نے انتہائی کرب کے عالم میں کہا: "گنتیہ ہے جس جوان نے جیوڈا کو قید سے نکالا ہے وہ انتہائی طاقت ور اور جنگجو جوان ہے۔ وہ اکیلا ہے اور میرا دل کتا ہے۔ میتھیوس اس کے ساتھیوں کو اسی نے موت کے گھاٹ اتار کر کہیں دفن کر دیا ہے۔ جیوڈا

مجھے اب ہر حال میں تلاش کرنا ہوگا۔ ورنہ وہ میرے لیے خطرناک بھی ثابت ہو سکتی ہے۔ میں نے پہلے میتھیوس کا استاد جرنائوس چھ ماہ ایتھنز میں گزارنے کے بعد کل قسطنطنیہ واپس آگیا ہے۔ یہ بھی خبر ہوئی ہے کہ میتھیوس ایک یہودی کے ہاتھوں ہپوڈروم کا مقابلہ ہار گیا تھا۔

میں نے اپنے آدمیوں سے یہ بھی سنا ہے کہ جرنائوس خوش ہے کہ میتھیوس مارا گیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ مقابلہ ہارنے کے بعد اسے زندہ نہ رہنا چاہیے تھا۔ کل سبت کے روز جب جرنائوس درجے پہلے مقابلہ جیتنے والے یہودی جوان تھریس کے درمیان مقابلہ ہوا، ان دونوں میں سے ایک مقابلہ جیتنے اسے تم اپنے ساتھ میرے پاس لے کر آؤ۔ میں اسے ایک پرکشش لالچ دے رہی ہوں اور تلاش کرنے پر مقرر کروں گی۔ اس کے ساتھ ہی وہ یہ بھی جلنے کی کوشش کرے گا۔ راجب میتھیوس اور اس کے ساتھی کہاں ہیں۔

نسی فورس نے کہا: "آپ بے فکر رہیں۔ جو بھی مقابلہ جیتا میں اسے آپ کے پاس آؤں گا۔ میرا دل کتا ہے یہ اعزاز جرنائوس کو حاصل ہوگا۔ وہ ایک عرصہ قسطنطنیہ میں رہا اور کسی نے کبھی اسے زیر نہیں کیا۔ ہاں کبھی کبھی وہ مقابلوں میں حصہ نہیں لیتا رہا۔ یہ ایک عمدہ بات ہے۔"

آئرین نے اور زیادہ رازداری اور دھیمے پن میں کہا: "ایک کام اور کرو۔ کل سبت کے مقابلوں کے بعد ان سب عورتوں کی گمرانی اور دیکھ بھال کر کے میدان سے باہر نکلنے دینا، جو بلے دیکھنے کے لیے وہاں آئیں۔ میں جانتی ہوں جیوڈا اس وقت قسطنطنیہ شہر کے اندر ہی کہیں پناہ ہے۔ وہ تنہا زنی کے یہ مقابلے دیکھنے کی بے حد شوقین ہے۔ جو سکتا ہے وہ اپنا آپ باکرہ مقابلے دیکھنے کے لیے آئے۔ باہر نکلتے ہوئے عورتوں کی گمرانی کرنے سے ہمیں یہ فائدہ ہوگا۔ جیوڈا اگر مقابلے دیکھنے کے لیے آئی تو پکڑی جائے گی اور یوں ہمارے سارے کام آسان ہو جائیں گے۔ اب تم جاؤ۔"

نسی فورس باادب ہو کر مڑا اور چلا گیا۔ ملکہ آئرین بھی اپنے خدامین و خدمتگاردوں کے ساتھ حمام کی طرف چلی گئی تھی۔



سریر، تھیوڈورا کے کمرے میں، سیوس: دیشیا اور تھیوڈورا کے ساتھ جو گفتگو کر رہی تھی وہاں آیا اور سریر کو مخاطب کرتے ہوئے اس نے کہا: "میں آپ کے لیے ایک لیا ہوں۔"

سریر نے اپنے ساتھ والی نشست پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا: "بیٹھو اور آرام سے یوسف نے سریر کے پہلو میں بیٹھتے ہوئے کہا: "کل سبت ہے۔ جب آپ ہم میں مقابلے کے لیے اتریں تو محتاط رہیں۔"

سریر نے مسکراتے ہوئے کہا: "کیا کوئی طوفان آنے والا ہے؟" یوسف نے کہا: "طوفان آنے والا نہیں بلکہ یوں کیے کہ آپ چکا ہے متنبیوس۔ مقابلے میں آپ سے ہار گیا تھا۔ اس کا ایک استاد ہے۔ نام اس کا جرمائوس ہے۔ انتہائی طاقتور اور جنگجو انسان ہے۔ وہ یونان گیا ہوا تھا اور اب لوٹ آیا ہے۔ میں نے سنا ہے وہ کل مقابلوں میں حصّے لے گا۔ ایک عرصہ سے وہ ہپوڈوم کے موت کے میدان میں مقابلہ کرتا آ رہا ہے اور آج تک کسی نے اسے زیر نہیں کیا۔"

وہ تلوار کے ساتھ بڑھال کے بجائے اپنے ہاتھ میں گزر رکھتا ہے۔ گز ہی پر وہ اپنے ہاتھ کی تلوار کو روکتا ہے اور عموماً گز کی ضرب سے بچتا ہے وہ اپنے مقابل کو زیر کر کے رکھ دیتا ہے وہ آیتھنز میں ایتھنا دیوی کے قدیم مندر کی زیارت کو گیا تھا۔ اسے متنبیوس کے بارے میں کچھ ہو گئی ہے۔ سنا ہے وہ اپنے ساتھ ایتھنا دیوی کے مندر کا ایک چھبڑی بھی لایا ہے۔ جو اس کے ہر کام کے لیے اسے دعا و برکت دیتا ہے۔"

سریر نے لاپرواہی سے کہا: "جب وہ کل میدان میں اترے گا تو دیکھا جائے گا۔ جب تلواریں آپس میں ٹکرائیں تو کسی ہڈی تو کسی پیر کی کسی پجاری کی دعا و برکت اس کے لیے نہ آئے گی۔ اس کا متنبیوس کا استاد ہونا اس کے لیے کسی فوقیت کا باعث نہیں ہے؟"

تھیوڈورا نے درمیان میں بولتے ہوئے سریر سے کہا: "پہلے یہ تو بتائیں آپ کو مقابلے میں حصّے لینے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ میں تو کہتی ہوں آپ کل میدان میں اتریں۔ مت۔ کیا ضرورت ہے اپنے آپ کو خطرے میں ڈالنے کی۔ آپ کل مقابلے میں حصّے لیں گے۔"

سریر نے کہا: "یوسف! یوسف! تم تھیوڈورا کی باتوں پر مت جاؤ۔ میں کل کے مقابلوں میں حصّہ لے گا۔ جرمائوس اگر طوفان ہے تو میں اس طوفان کو روک دوں گا۔ وہ اگر موت

یوسف نے تھیوڈورا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا: "مقابلے میں تو انہیں حصّہ لینا ہی پڑے گا۔ پورے تلخ لہجے میں پوچھا: "کیا زبردستی ہے کوئی؟"

یوسف نے کہا: "ہاں زبردستی ہے۔ تھوڑی دیر قبل میرے ہاں ملکہ آئین کی طرف یوسف نے ایک ہرکارہ بھیجا تھا۔ اس نے تھریس کا پوچھا۔ میں نے اسے بتایا کہ تھریس یا ہوا ہے۔ اس نے تھریس کے نام پیغام دیتے ہوئے کہا تھا کہ ملکہ آئین کا حکم ہے کہ کل کے مقابلوں میں حصّے لے اور اگر وہ مقابلے پر نہیں آتا تو ہپوڈوم میں آکر سب کے سامنے اپنی شکست کا اعلان کرے تاکہ جرمائوس کو اس سبت کا فاتح قرار دیا جائے۔ تھیوڈورا نے کہا: جب مقابلہ ہی نہ ہوگا تو جرمائوس فاتح کیسے ہو سکتا ہے اور پھر میدان میں سب لوگوں کے سامنے بغیر مقابلے کے اپنی شکست کیوں تسلیم کرے؟" یوسف نے بڑی بے بسی کا اظہار کرتے ہوئے کہا: "آپ ہماری نسبت اپنی ماں کی تہ سے زیادہ واقف ہیں۔"

تھیوڈورا نے انتہائی کرب اور غصیلی کیفیت میں کہا: "وہ ماں کے جذباتوں سے بالکل ایسی عورت ہے جس کا تمہیں چہرہ اور خون سے اٹھا یا گیا ہے۔ اس کے ہاں ہشتوں ملکہ پہچان نہیں۔ اگر اس کے پاس کوئی ماں کا سا جذبہ ہوتا تو وہ میرے عزیز بھائی کی آنکھیں ماکر نہ لیں نہ ڈالتی جہاں وہ بے چارہ ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر گیا۔"

تھیوڈورا کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور اس نے روتی ہوئی آواز میں کہا: "کاش اپنے بھائی کی کوئی مدد کر سکتی۔ کاش تھریس سے میرے چچا پیٹروس کی ملاقات کچھ عرصہ قبل ہوتی تو میں اپنے ساتھ اپنے بھائی کو بھی اس قدیم قلعے کی قید سے نکال لاتی۔ کاش! کاش! ماں کے لیے کچھ کر سکتی۔"

تھیوڈورا سسک سسک کر رو دی تھی۔ سریر نے فوراً بات کا رخ بدلتے ہوئے منسے کہا: "یوسف! یوسف! تم تھیوڈورا کی باتوں پر مت جاؤ۔ میں کل کے مقابلوں میں حصّہ لے گا۔ جرمائوس اگر طوفان ہے تو میں اس طوفان کو روک دوں گا۔ وہ اگر موت

دو ہفت کی آگ ہے تو اس آگ کو میں بجھا دوں گا۔ تم فکر مند نہ ہو۔ نسی فورس پھر لگا
ہر کارہ بھیجے تو اسے کہلا بھیجنا کہ میں کل کے مقابلوں میں ضرور جیتوں گا۔

یوسف نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "میں اب جاتا ہوں۔"

یوسف اٹھ کر جب سیوس کی حویلی کے صحن میں آیا تو سریر نے تھوڑا اور
طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "میں ابھی آتا ہوں۔" میں یوسف سے ذرا ایک اہم بات کرا
وہ سیوس یا تھیوڈورا کے جواب کا انتظار کیے بغیر روز سے یوسف کو پکارا تو ابراہم
یوسف اس کی پکار پر صحن میں رُک گیا تھا۔

قرب اگر سریر نے بڑی رازداری سے کہا۔ "یوسف! یوسف! میرے با
میں تم سے ایک اہم معاملے پر گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔" یوسف چپ چاپ اس کے
پیچھے چلنے لگا۔

سیوس کی حویلی سے باہر نکل کر سریر یوسف کے قریب ہوا اور نہایت مدہم
میں اس نے پوچھا۔ "یوسف! یوسف! مجھے ان لوگوں کا محل وقوع بھی جاننا
رواح بن جعفر کو قتل کیا تھا۔ جس کی جگہ میں بغداد سے یہاں کام کرنے آیا ہوں۔"

اچانک یوسف کا رنگ ہلکی ہو گیا اور اس کے چہرے سے خوف و ہراس عیاں
لگا۔ سریر نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔ "کیا تم خوف زدہ کیوں ہو گئے؟"

یوسف نے اپنے آپ کو سنبھالتے ہوئے کہا۔ "آپ ان لوگوں سے نہ ہی الجھیں
ہے۔ وہ وحشی لوگ ہیں۔ جب اور جس وقت بھی وہ چاہتے ہیں کسی کو بھی موت کا قمر
دیتے ہیں۔"

سریر نے بڑی نرمی سے پوچھا۔ "تم مجھے تفصیل سے ان کے متعلق کہو۔ میں ان
اپنی اور تمہاری حفاظت کروں گا۔" روح بن جعفر کو قتل کرنے والا اگر لوہے اور پتھر کا
ہے تو بھی مجھے اس سے ٹھکرانا ہوگا۔ بغداد سے روانگی کے وقت رواج کا انتقام ایک
کی طرح میرے ذمہ لگایا گیا تھا اور یاد رکھو میں سریر بن مسلم اپنے فرض سے غفلت
کا عادی نہیں ہوں۔ مجھے علم ہے کہ رواج بن جعفر کا قاتل کون ہے اور کس قدر خونخوار ہے۔

یہ مجھے اس سے ٹھکرانا ہوگا۔ میں ہر حال اور ہر صورت میں اس سے رواج کا انتقام لوں گا
تم مجھے اس کا محل وقوع کہو۔

یوسف نے کہا۔ "اس کا نام سرسیم ہے اور وہ بلغاری ہن قبائل کے سرداروں
میں سے ایک ہے۔ قسطنطنیہ کے لشکر میں کافی بلغاری ہن شامل ہیں۔ یہ نہایت خوشخوار اور
بلی لوگ ہیں۔ نسی فورس سے ان کے تعلقات بہت اچھے ہیں۔ ہر دو م میں جب مقابلہ
ہو رہا ہے تو جو شخص نسی فورس کی بائیں جانب بیٹھتا ہے وہی سرسیم ہے۔ اس کی پہچان یہ ہے
اگر وہ دروازہ قس ہے۔ چہرے پر زخموں کے کئی نشانات ہیں۔ ناک طوطے جیسی نوک دار
اور بھی مٹی ہے۔ زیادہ تر اپنے سر پر آہنی خود پہنے رکھتا ہے اور اس خود کے نچلے حصے
میں آہنی زنجیروں لگی ہوتی ہیں اور یہ زنجیریں اس کی گردن پر لہرتی رہتی ہیں۔ اس کی پشیمانی
کے کچھ بال سفید ہونا شروع ہو گئے ہیں۔"

سریر اور یوسف دونوں آہستہ آہستہ چلتے یوسف کے گھر کے قریب آگئے تھے۔
ان دونوں ایک جگہ رُک گئے۔ سریر نے پھر رازداری سے کہا۔ "یوسف! یوسف! میں
آپ کا مقابلے کے بعد سرسیم کو دیکھنے اور اس سے ملنے کی انتہائی کوشش کروں گا۔ اگر میں
اباؤ کر سکا تو کل مقابلوں کے بعد تم میرے ساتھ چلنا۔ تم صرف ایک بار مجھے اس کی
فیل کے محل وقوع سے آگاہ کر دینا۔ پھر میں سرسیم سے نمٹ لوں گا۔ اب تم جاؤ میں
کل تمہارے ساتھ تفصیل سے گفتگو کروں گا۔" یوسف آگے بڑھ کر اپنے گھر چلا گیا۔ سریر
رُک کر سیوس کی حویلی کی طرف جا رہا تھا۔

صحت کے روز اپنا جگہ لباس پہننے کے بعد سریر جس وقت اپنے گھوڑے کی
زین کا رنگ کس رہا تھا تو سیوس اس کے پاس آیا اور ہچکچاتے ہوئے اس نے سریر سے کہا۔
تھیوڈورا اور ویشیا بھی یہ مقابلہ دیکھنے تمہارے ساتھ ہر دو م جائیں گی۔ انہیں بھی
ماتھے لیتے جاؤ۔ میں مقابلہ دیکھنے علیحدہ چلا جاؤں گا۔

سریر نے چمکتے ہوئے کہا۔ "یہ کیوں کہ ہو سکتا ہے؟"
سیوس نے بیچارگی میں کہا۔ "یہ تھیوڈورا کی خواہش ہے۔"

سریر نے سختی سے کہا۔ اس کے ذہن نے کام کرنا تو نہیں چھوڑ دیا۔

ایسی خواہش کا اظہار کر رہی ہے۔ کیا وہ دوبارہ زنداں میں واپس جانا چاہتی ہے؟ اس بار اگر وہ اپنی ماں کے ہاتھ لگ گئی تو وہ اسے اس کے بھائی سے زیادہ کرنا لگی۔ اگر وہ میرے ساتھ ہو تو دم مقابلے دیکھنے لگی تو اپنے حسن اور جسمانی کشش کے وہ ہر ایک کی نگاہوں میں آئے گی۔ اس طرح وہ پہچان کر پکڑی جائے گی اور دھری جاوے گی۔ وہ صرف آپ کا اندرجوانوں کا مقابلہ دیکھنے کی غرض سے چاہتی ہے۔ آپ تھیوڈورا اور ویشیا دونوں کو اپنے ساتھ گھوڑے پر بٹھا کر لے جا کر کوئی پوچھے تو کہیں کہ میرے ساتھ میری بیوی اور بہن ہے۔

سریر نے سختی سے کہا۔ "تھیوڈورا کو اپنی بیوی اور ویشیا کو اپنی بہن کے ساتھ کیا فرق پڑے گا۔ لوگ اسے دیکھتے ہی پہچان جائیں گے اور اس کے ساتھ میں بھی جاؤں گا۔ پھر کیا مجھے تھیوڈورا کو قید سے نکالنے کے علاوہ رابب، میتھیوس، اس کے اور قید خانے کے محافظوں کو قتل کرنے کے الزام میں سرعام مصلوب نہ کر دیا جائے؟ سیدوس نے سریر کو تسلی دینے کے انداز میں کہا۔ "تھیوڈورا نے یہ مقابلہ دیکھنے کی غرض سے ایسا انتظام کیا ہے کہ کوئی اسے پہچان نہ سکے گا۔ حتیٰ کہ اس کی ماں ملکہ آئرین نظر میں نہ جان سکے گی کہ یہ اس کی بیٹی ہے۔"

سریر نے سوالیہ کیفیت میں پوچھا۔ "اس نے ایسا کون سا انتظام کیا ہے جس سے سب لوگوں کی نظروں میں دھول جھونک سکے گی۔"

سیدوس نے کہا۔ "اس نے اپنے جسم اور چہرے پر چراغ کی کاک روغن زیتون ملا کر مل لی ہے۔ جس کے باعث اس کی رنگت سرخ گلابی سے کسی رنگتانی دھبہ کی طرح سیاہ ہو کر رہ گئی ہے۔ قسم یسوع مسیح کی اسے دیکھ کر میری نظریں دھوکہ کھا گئی تھیں۔ سریر نے دلچسپی ظاہر کرتے ہوئے سیدوس سے کہا۔ "ذرا اسے یہاں تو بلاؤ تو دیکھوں اس میں کیا تبدیلی ہوئی ہے۔"

سیدوس نے وہیں کھڑے کھڑے نور سے پکارا۔ "ویشیا! ویشیا! ہم بھا

ہاں اور تھوڑی دیر بعد تھیوڈورا اور ویشیا جو بلی کے اندر سے نکلیں اور تیز تیز چلتی ہوئیں۔ بلی میں سریر کے سامنے آکھڑی ہوئی تھیں۔ سریر تھیوڈورا کو دیکھ کر دنگ رہ گیا۔ چراغ کی لاک زنجیروں کے تیل میں بلا کر اس نے اپنے جسم اور چہرے پر جو مل لی تھی۔ اس سے اس کی کان تبدیل آگئی تھی اور وہ کوئی سا نرلے رنگ کی اور اچھے تھکے نقوش کی کوئی صحرائی لڑکی کی طرح تھی اور پھر اس نے جو چھوٹا سا گھاکرا اور بوسیدہ سی فرغل پہن رکھی تھی اس سے اس بہت اور زیادہ تبدیل ہو گئی تھی۔

سریر نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "چونکہ تم نے یہ مقابلے دیکھنے کی خاطر اپنا حلیہ تبدیل کرنے پر کافی محنت کی ہے۔ لہذا میں تمہیں اپنے ساتھ لے کر چلوں گا لیکن یاد رکھنا جہاں میں مردوں کو بٹھاؤں وہیں رہنا تاکہ خطرے کی صورت میں تم دونوں کو یوں دباؤ سے اٹھا سکوں۔" تھیوڈورا نے بڑی مضمونیت سے سریر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "آپ فکر نہ کریں آپ کے لیے وہاں کسی مصیبت اور پریشانی کا باعث نہ بنوں گی۔"

سریر نے کہا۔ "تو پھر آؤ میٹھو اور چلیں۔" تینوں لگے پیچھے گھوڑے پر بیٹھے اور تیل سے باہر نکل گئے۔



تھیوڈورا اور ویشیا کو اپنے پیچھے اپنے گھوڑے پر بٹھائے سریر باب العاج سے ہوڈوم بلا کر داخل ہوا۔ تھیوڈورا اور ویشیا کو ایک جگہ عورتوں کے اندر بٹھانے کے بعد وہ اپنے گھوڑے کو میلان سے باہر لے جا رہا تھا کہ ایک طرف سے یوسف بھاگتا ہوا آیا اور اس نے بولا کہ میں کہا۔

"آپ تھیوڈورا کو ویشیا کے ساتھ یہاں کیوں لے آئے ہیں۔ مقابلے کے بعد میدان نمائندے والی سب عورتوں کو کڑی نگرانی میں میدان سے باہر جانے دیا جائے گا۔ ملکہ آئرین کا خیال ہے کہ تھیوڈورا چونکہ ہوڈوم کے مقابلے دیکھنے کی انتہائی شوقین ہے۔ اس لیے اگر وہ منظر میں کہیں روپوش ہے تو یہ مقابلہ ضرور دیکھنے آئے گی۔ لہذا مقابلوں کے بعد

میدان سے نکلتے وقت عورتوں پر کڑی نگاہ رکھنے کے لیے میدان کے سب دروازوں پر کارکن مقرر کر دیے گئے ہیں۔

ملکہ آئرین برصورت میں تھیوڈورا کو گرفتار کرنے کا تہیہ کر چکی ہے۔ اب ہم ہے آپ اگر وراثت یا نہیں تو تھیوڈورا کو ضرور اس میدان سے نکال کر گھر چھوڑائیں۔ میدان میں اگر بیٹھ چکا ہے لیکن ابھی ملکہ آئرین نہیں آئی۔ اس لیے مقابلے شروع ہونے وقت لگے گا۔ اگر تھیوڈورا پکڑنی لگتی تو آپ بھی دھریے جائیں گے اور جس مقصد کے قسطنطنیہ میں وارد ہوئے ہیں وہ اوصو اور ناتمام ہو کر رہ جائے گا۔ میری مائیں تھیوڈورا اس میدان سے نکال کر گھر چھوڑائیں۔

سریر نے اپنے گھوڑے کی باگ یوسف کو تھمتے ہوئے کہا۔ ”یوسف! تم نے بالکل درست کہا۔ ذرا میرے گھوڑے کی باگ پکڑو، میں تھیوڈورا اور وراثت لانا ہوں پھر گھوڑے پر بٹھا کر انہیں واپس چھوڑ آتا ہوں۔ اس لیے کہ جہاں اس میدان میں سریر کھتے کھتے خاموش ہو گیا کیوں کہ ایک آدمی جھاگا جھاگا سریر کے قریب آیا اور سانس میں اس نے کہا۔ ”جلدی کیجئے میرے ساتھ آئیے۔ آپ کو نسی فوس نے بلایا ہے۔ سریر نے باپسی کے انداز میں یوسف کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ”تم میرا گھوڑا باہر باندھو، میں اس جوان کے ساتھ جاتا ہوں۔“

یوسف بھی پریشانی کے عالم میں گھوڑے کو لے کر چلا گیا۔ سریر اس جوان کو ہولیا تھا۔

سریر جب نسی فوس کے پاس گیا۔ تو اس نے اٹھ کر سریر سے مصافحہ کیا۔ سریر دیکھا نسی فوس کے بائیں طرف وہی بلغاریہن سردار سریرم بیٹھا تھا۔ یوسف کی تالی ہولی کے مطابق اس کے پہرے پر زخموں کے داغ تھے۔ سریر پر زخموں کا داغ تھا۔ پشانی کے کچا اور ناک اطوط کی طرح نکلنا اور صدمہ تھی۔

نسی فوس نے خود ہی سریر سے تعارف کراتے ہوئے کہا۔ ”یہ میرے غمگیناں ہیں سردار سریرم ہیں۔ یہ تمہارے بہت مغترب ہیں۔ پھر نسی فوس نے اپنے پیچھے بیٹھے

یونان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ”اس سے بھی ملو۔ اس کا نام جرانوس ہے۔ اصل مقابلہ اس سے ہی ہوگا۔ تم دونوں آج کسی اور سے مقابلہ نہ کرو گے۔ چند چھوٹے مقابلوں کے بعد تم دونوں کا فیصلہ کن مقابلہ ہوگا۔ جو جیتے گا اسے ملکہ آئرین لے رکھ دے گی۔“

سریر نے آگے بڑھ کر جرانوس سے مصافحہ کیا جب کہ جرانوس مکبر اور تفر میں پہنچا رہا تھا اور اس نے سریر کی طرف کوئی توجہ نہ کی تھی اور اپنی نشست پر بیٹھے اس نے مصافحہ کے لیے اپنا ہاتھ سریر کی طرف بڑھا دیا تھا۔ اتنے میں نسی فوس نے اپنے افسانے کے قریب ایک خالی نشست کی طرف اشارہ کرتے ہوئے سریر سے کہا۔

”بیٹھ جاؤ تھریس! ابھی مقابلے شروع ہونے میں کچھ دیر ہے۔ میں نے تمہیں میدان لہاتے ہی دیکھ لیا تھا۔ تمہارے گھوڑے پر تمہارے پیچھے شاید دولٹکیاں بھی بیٹھی ہیں۔“

سریر نے فوراً کہہ دیا۔ ”ان میں سے ایک میری بیوی اور دوسری بہن ہے۔“ نسی فوس نے اس بار جرانوس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ”جرانوس مقابلوں کے ساتھ ڈھال کے بجائے گرز استعمال کرتا ہے۔ ہم نے تمہارے لیے بھی گرز کا بت کیا ہے۔ تم گرز چلا لو گے نا۔“

سریر نے ایک عزم میں کہا۔ ”گرز چلاؤں گا اور ایسی چلاؤں گا کہ مایکارتیگی نسی فوس کچھ افسد بھی کہنا چاہتا تھا کہ ملکہ آئرین اور قسطنطنیہ کے اسقف اعظم کی میدان میں داخل ہوں، سب لوگ احتراماً اٹھ کھڑے ہوں۔ اپنی نشست پر ملکہ آئرین کے ہاتھ سے اشارہ کر دیا اور اس کے ساتھ ہی مقابلے شروع ہو گئے۔ کافی دیر تک دوسرے اور خوفناک مقابلے ہوتے رہے جن میں کئی تیغ زن جان اٹھ گئے اور ان کی لاشیں باب الموت کے ذریعے میدان سے باہر نکال دی گئیں۔ اور ان کو بجاری انعام دینے کے بعد آئرین کے اشارے پر نسی فوس نے سریر اور جرانوس کو میدان سے اترنے کا اشارہ کیا۔

سریر اور جبرانوس دونوں اٹھ کر میدان کے وسط میں اکٹھے ہوئے۔
طشت میں سب سے اُنہیں ہتھیار پیش کیے۔ دونوں نے اپنے پاس اپنی اپنی تلوار کو
جلنے والے ہتھیاروں میں سے اُنہوں نے ایک ایک گرز اٹھا لی تھی۔
دُھال اٹھا کر سریر پیچھے ہٹا اور اپنی تلوار کو بوسہ دیتے ہوئے وہ انتہائی
میں دُعا مانگ رہا تھا۔

”ربِ عظیم! مجھے توفیق دے کہ اس میدان میں تیرے نام کا بول با
کروں۔ مولیٰ کریم! میرے عمل کے امتحان کا وقت ہے۔ تو غارِ حرا سے
پھوٹنے والے اپنے نور کے طفیل مجھے سرخرو رکھنا۔“

الہی! میری مدد فرما کہ میں اس ابلیس کو جو موت کی صورت میں میرا
سامنے کھڑا ہے اسے میں پچھاڑ دوں۔ مجھے استطاعت دے کہ میں
اس فاعلِ شر و ظلمت اور شیطانِ مجسم کو بیل بے بس کر کے رام کر لوں، جس
طرح رات کی تاریکی سحر کے سامنے لاچار و بے بس ہو جاتی ہے۔
اپنی دُعا ختم کر کے سریر آگے بڑھا اور جبرانوس کے قریب جا کھڑا ہوا۔ جبر

وقت تک اپنے جسم پر زہر اور سر پر خود کو خوب جاکو درست کر چکا تھا۔ اس
چمکیلی آہنی کڑیوں والی زہر پر چڑھے کا گوتہ پہی رکھا تھا جس پر عنابی رنگ کا
ہوا تھا۔

جبرانوس نے اپنا گرز کندھے پر رکھتے ہوئے کہا۔ ”تُو نے پچھلے سبت کو
کو شکست دی تھی۔ میں اسی شکست کا انتقام لینے تیرے مقابل اس میدان میں
دُعا اس وقت سے جب لوگ تیری لاش اٹھا کر اس میدان سے باہر لے جا رہے ہوں
سریر نے اپنے سامنے اپنی تلوار لہراتے ہوئے کہا۔ ”میں ان موت جیسے
میں اُترنے والا نودار و نہی ہوں۔ میں تیرے جیسے ابلیس کے گماشتوں سے نمٹنا
ہوں۔ تیری آنکھیں اس وقت چندھیا جائیں گی جب میں اپنی تلوار سے تیرے
میں صحرائے محشر پر پا کر لوں گا۔“

جوانوں نے اپنا گرز تولتے ہوئے کہا۔ ”دیکھ میں تجھ پر وار کرنے کی ابتداء کرتا ہوں۔ پھر
غیر ہوائی گول سے زیر کرنے کی قوت رکھتا ہے۔“

سریر کے سر کو حدت بناتے ہوئے جبرانوس نے اپنی پوری قوت سے اپنا گرز گھما
اور کوئٹہ لگانے کی کوشش کی لیکن جبرانوس اس وقت دنگ رہ گیا جب سریر نے
سے کہیں بہتر انداز میں اپنا گرز گھمایا اور جبرانوس کے گرز پر اپنا گرز مار کر اُسے دُعا
لگایا۔ جبرانوس تیزی سے اپنا آپ سنبھال کر لگاتار سریر پر دو سر مار کرنا چاہتا تھا کہ سریر
اس سے بھی تیزی سے اپنا گرز گھمایا اور جبرانوس کے سر کا نشانہ بنا کر مارا۔ جبرانوس نے
بوسے چھوڑی ہی دُعا سریر کا گرز روکا۔ لیکن سریر کی ضرب ایسی کاری اور زوردار تھی
جوانوں کا گندہ درمیان سے پچک کر رہ گیا۔

پھر گویا طوفان اٹھ کھڑا ہوا تھا وہ صحرائِ نشین، وہ عرب، وہ بدو قضا کا دار بن کر
وہ پناہ مانگے ہوئے لگا تھا۔ اس کے چہرے پر ایمان کی چمک اور اس کی آنکھوں میں
دل کے طوفان اور نزع کا عالم طاری کر دینے والی کیفیت تھی۔ جبرانوس سریر کے حملوں
کا بھلا کر رہ گیا تھا۔

اپنے تیز حملوں سے دم کے دم میں سریر نے جبرانوس کو اپنے سامنے اُٹے پاؤں پہنچنے
نظرِ جگر لگانے پر مجبور کر دیا تھا۔ اس کے طوفانی حملوں سے یوں احساس ہوتا تھا جیسے
ہوا کا کوئی دیا ہو جو کناروں سے باہر بہ نکلا ہو۔ اس نے جبرانوس کی ساری ہوس کو خام
سائل کے سارے تکبر کے سودا کو تمام کر دیا تھا۔ اس کے حملوں سے یوں آوازیں اُٹھنے
لاگیں۔ گویا خاموشی کی نبض پر تیز ہتھوڑے برسے لگے ہوں۔ بعد و قُرب کے سارے
رشتے کر کے سریر جبرانوس پر ادولوں کی طرح برس پڑا تھا۔

اچانک سریر نے جبرانوس پر ایسی ضرب لگائی کہ اس کے ہاتھ سے اس کا گرز
جھٹک کر زمین پر گر گیا۔ سریر نے ایک لمحہ ضائع کیے بغیر اپنا گرز روکا اور اپنی تلوار سے
جبرانوس پر حملہ کر دیا۔ سریر کی تلوار جبرانوس کے شانے پر گری اور اس کی آہنی زہر کی کئی
کڑیاں کاٹ کر ضرب لگاتی چلی گئی تھی۔

جرمانوس کے ہاتھ سے تلوار بھی چھوٹ کر گر گئی اور وہ سریر کے سارے لاپارگی کی حالت میں کھڑا رہ گیا تھا۔ سریر نے حکمانہ انداز میں کہا: ”جا سے سلامت نکل جاؤ۔ میں تمہیں موت کے گھاٹ بھی اتار سکتا تھا لیکن معاف کرنا۔“

جرمانوس چپ چاپ چلا گیا۔ سریر نے اپنے چہرے سے آمیزش کر دیکھا۔ قسطنطنیہ کے لوگ اچھل کود کر اس کے حق میں نعرے بازی کر رہے تھے۔ سریر نے چہرے پر نقاب ڈال دیا۔ اتنے میں نسی فورس دو جوانوں میں اتر پڑے۔ اس نے سریر کو نقدی کی ایک بڑی تھیلی پیش کی جو اس کی فتح کا نام اس نے رازداری سے کہا: ”تم ابھی میرے ساتھ چلو۔ تمہیں ملکہ آئرین نے تم سے کسی اہم مسئلہ پر گفتگو کرنا چاہتی ہے۔“

سریر نے کہا: ”آپ کو خبر ہے میرے ساتھ میری بیوی اور بہو بیوی اس شہر میں اجنبی ہے۔ میرے اس طرح آپ کے ساتھ چلے جائے ہوگی۔ مجھے اجازت دیجئے کہ میں ان دونوں کو کھرچھوڑ آؤں۔ پھر بے فکر ہو کر ہوں گا۔“

نسی فورس نے کہا: ”تمہارا کہنا درست ہے۔ تم ان دونوں کو اپنے ساتھ لے کر مردوں والے دروازے سے باہر لے جاؤ۔ تھیوڈورا کی تلاش کے سلسلے کی سخت نگرانی کی جا رہی ہے۔ لہذا عورتوں والے دروازے سے باہر جانے کافی دیر ہو جائے گی۔ میں اپنے ان دونوں آدمیوں کو دروازے پر بھیجتا ہوں۔ وہ محافظوں سے کہہ دیں گے کہ وہ تمہیں روکیں گے نہیں۔ جلدی لوٹ آنا۔ میں بہرہ تمہارا انتظار کرتا ہوں اور تمہیں اپنے ساتھ آئرین کے پاس لے کر چلوں گا۔ غروب ہو رہا ہے۔ اب زیادہ دیر نہ لگنا۔“

نسی فورس واپس چلا گیا۔ اس کے ساتھ آنے والے دونوں جوان اس طرف چلے گئے جس میں سے سریر نے باہر نکلنا تھا۔ میدان کے باہر سے اپنے گھوڑے

پر بچہ قدم ہی آگے بڑھا تھا کہ سامنے کی طرف سے اسے یوسف دکھائی دیا۔ وہ سریر کے دروازے کی باگ پکڑے اسی کی طرف آ رہا تھا۔ سریر نے اچانک مڑ کر دائیں طرف دیکھا۔ تو بے چہرے پر اطمینان پھیل گیا۔ تھیوڈورا اور دیشیا بھی اپنی جگہوں سے اٹھ کر اس کی طرف آئیں۔

تھیوڈورا اپنا چہرہ ڈھانپے ایسے انداز میں چل رہی تھی جیسے اس کی نئی شادی ہوئی ہو۔ باکر تھیوڈورانے اپنی ٹیسریں آواز میں سرور کر دینے والے انداز میں پوچھا: ”آپ اب کیوں کھڑے ہیں۔ میں آپ کو مقابلہ جیتنے کی مبارک باد دیتی ہوں۔“

سریر نے کہا: ”وہ دیکھو سامنے یوسف میرا گھوڑا لارہا ہے۔ وہ آئے پھر ہم چلتے۔ مقابلہ جیتنے کے بعد کس میں تم دونوں سے متعلق سخت فکر مند تھا لیکن نسی فورس سے نگر کے بعد اب میں مطمئن ہوں۔“

اتنی دیر تک یوسف بھی وہاں پہنچ گیا۔ سریر نے اس سے اپنے گھوڑے کی باگ پکڑنے لے کہا: ”تم بروقت میرا گھوڑا لے آئے ہو۔“

یوسف نے پوچھا: ”نسی فورس آپ کو نقدی کی تھیلی دینے کے بعد آپ سے گفتگو رہا تھا۔ وہ برا خطرناک انسان ہے اس سے بچ کر رہیے گا۔“

سریر نے کہا: ”اس نے صرف ملکہ آئرین کا ایک پیغام پہنچایا ہے۔“

تھیوڈورانے چپک کر پوچھا: ”کیسا پیغام؟“ میرے خیال میں یہ دونوں آپ سے مکالمہ کرنا چاہتے ہیں۔ ہو سکتا ہے آپ کو مجھے تلاش کرنے پر مامور کریں۔“

سریر نے کہا: ”تمہارا خیال درست ہے۔ میرا بھی یہی اندازہ ہے۔ نسی فورس نے ابھی اپنے ساتھ ملکہ کے پاس لے جانا چاہتا تھا لیکن میں تم دونوں سے متعلق فکر مند تھا۔ لیکن کہ تمہاری تلاش کی وجہ سے عورتوں کی سخت نگرانی کی جا رہی ہے۔ میں نے نسی فورس سے کہا کہ میرے ساتھ میری بیوی اور بہن بھی ہیں۔ میں انہیں چھوڑ کر آتا ہوں۔ وہ مان گئے۔ بلکہ دروازے کی طرف اس نے اپنے دو آدمی بھی بھیج دیے ہیں تاکہ وہاں مجھے کوئی روک نہ دے۔“

تھیوڈورانے کہا: ”اب آپ اپنے چہرے سے خود کا نقاب تو ہٹا دیجیئے۔“

سریر نے کہا - ”ابھی نہیں“۔ پھر ایک ذوق کے ساتھ وہ اپنے گھوڑے پر بیٹھا اور
 کی طرف اپنا ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا - ”تم دونوں آؤ بیٹھا اور چلیں۔“ سریر نے
 کہ تھوڑا کو پھر ویشیا کو اپنے پیچھے بٹھایا اور گھوڑے کو اس نے ایڑ لگا دی تھی۔
 دروازے پر نئی فورس کے بھیجے آدمی پہلے ہی کھڑے تھے۔ ان کے کنبے پر
 محافظوں نے سریر کو جلنے دیا اور وہ تھوڑا اور ویشیا کو لے کر موت کے اس میدان
 نکل گیا تھا۔



سورج غروب ہو رہا تھا۔ نئی فورس اپنے چند محافظوں کے ساتھ مہر پور
 باہر سریر کا منظر کھڑا تھا کہ محبیروں کی بستی کی طرف سے سریر اپنا گھوڑا اڑاتا آیا۔
 دیکھتے ہی نئی فورس اپنی گھبی میں بیٹھ گیا۔ ایک محافظ نے آگے بڑھ کر سریر سے اس کا
 لیا اور اسے گھبی میں سوار ہونے کا اشارہ کیا۔ سریر گھبی میں بیٹھ گیا اور سائیس نے گہ
 کو ہانک دیا۔

گھبی کے آگے پیچھے مسلح محافظ بھی اپنے گھوڑوں کو ہانک چکے تھے۔ نئی فور
 شاہراہ اوسط، سینٹ لارنس کے گرجے، قسطنطنیہ کے چوک، سپیس کے شفا خانے
 آکس کے چوک کے پاس سے گزرتی ہوئی قسطنطنیہ کے بادشاہوں کے قدیم محل قصر
 کے سامنے آئی۔ نئی فورس سریر کے ساتھ گھبی سے اُترا اور محل میں داخل ہو گیا۔
 محل کے ایک کمرے کے سامنے دونوں رک گئے۔ نئی فورس کے وہاں ایک
 کو اندر جا کر اپنے آنے کی اطلاع کرنے کو کہا اور دونوں وہاں کھڑے ہو کر انتظار کرنے لگے
 تھوڑی دیر بعد وہ محافظ لوٹا اور دونوں کو اندر جانے کے لیے کہا۔

سریر جب نئی فورس کے ساتھ اس کمرے میں داخل ہوا تو اس نے دیکھا
 طلانی تخت پر ملکہ آئرین بیٹھی تھی۔ اس کے سر پر تاج تھا جس کی جواہرات سے آبدار
 نیچے لٹک رہی تھیں۔ اس کے پیچھے بلقان کی وادیوں سے آئے ہوئے کچھ مغنی بیٹھے
 جابج کی ہلکی دھنوں میں یونان کے اوج و عروج اور روم کے جاہ و جلال کے گیت

ملکہ آئرین نے انہیں اپنی سیاہ منی کو آنکھوں سے اشارہ کیا اور سارے مغنی اٹھ کر چلے گئے
 ملکہ آئرین کے ہاتھ کے اشارے سے نئی فورس اور سریر کو بیٹھنے کے لیے کہا۔ اور دونوں
 کے سامنے چمڑے کی دبیز نشستوں پر بیٹھ گئے تھے۔

سریر اس کمرے کی شان شوکت کا جائزہ لینے لگا جس کے فرش پر اوپر تلے کئی کئی قالین
 بچا کرے خوب نرم کر دیا گیا تھا۔ دیواروں پر مختلف رنگ کے حریری پردے سمندری موجوں
 کا کون لہریں لے رہے تھے۔ چھت پر شیشے پر چاندی کا کام کیا ہوا تھا اور وہاں شکستے فانوس
 کی روشنی شیشے اور چاندی میں منعکس ہو کر کمرے کے اندر ایک طلسماتی ماحول پیدا کر رہی تھی اس
 دروازے پر دہشتی میں جب پردے لہراتے تو احساس ہوتا جیسے وہ کوئی ماحول ہی ہو۔
 کمرے کی دیواروں پر چھٹی سمندلی شعلیں جل رہی تھیں جن کی خوشبو کمرے میں پھیلی ہوئی تھی۔
 سریر کمرے کا جائزہ لیتے لیتے چونک پڑا تھا۔ کیوں کہ اس کے کانوں میں ملکہ آئرین
 کا گانہ بڑی تھی۔ اس نے سریر کو مخاطب کرتے ہوئے کہا تھا۔

”میں آج جرمائوس کو شکست دینے پر تمہیں مبارک باد دیتی ہوں جرمائوس کو
 قسطنطنیہ کا ناقابلِ تسخیر و تسبیح جاتا تھا۔ یوں جائزہ تم نے اپنی طاقت اور مہارت سے ایک
 مضبوط پہاڑ کو گرا مارا ہے۔ کیا تمہیں خبر ہے میری ایک بیٹی ہے جس کا نام تھیوڈورا ہے۔“
 سریر نے خوب ہو کر کہا۔ ”ہاں میں نے سن رکھا ہے، آپ کی تھیوڈورا نام کی
 ایک بیٹی ہے۔“

آئرین نے کہا ”تھیوڈورا کو اس کے باغی خیالات اور ترش رویے کی وجہ سے میں
 نے وادی غلطی کے ایک قدیم قلعے میں بند کر رکھا تھا۔ لیکن وہ وہاں سے فرار ہونے میں کامیاب ہو
 گئی ہے۔ میں نے تمہیں اس لیے بلایا ہے کہ تم میرے لیے تھیوڈورا کو تلاش کرو۔ اگر تم نے اس کو
 زندہ لیا تو میں تمہیں اس قدر نقدی اور زر و جواہرات بدوں گی کہ تم اور تمہاری آنے والی نسلیں
 ملک و نوادہ کے فکر سے بے نیاز ہو جاؤ گے۔ اور سنو! تھیوڈورا ایک بلند قامت، پرکشش
 کم اندر تہائی خوب روڑ کی ہے۔ اگر تم پسند کرو تو نہیں اسے تم سے بیاہ دوں گی۔ لیکن
 اگر تم اسے نہیں پسند کرو تو میں اسے شادی کر کے تم سے جہاں چاہوں لے جاؤں گی۔“

کوئی اعتراض نہ ہوگا۔ بولو کیا تم اس کام کے لیے آمادہ ہو اور کیا تم میرے لیے تیار کرو گے۔

سریر نے کہا۔ ”آپ کی خاطر میں تھیوڈورا کو ضرورت تلاش کر دوں گا لیکن ہوں اس کام کی ابتداء کہاں سے کروں۔ کیا مجھے اس امر کی اجازت بھی ہوگی کی تلاش کے سلسلے میں جب مجھے ضرورت ہو تو میں قسطنطنیہ کے جس گھر کی جانب سکوں۔“

آئرن نے کہا۔ ”تمہیں اس کی اجازت ہے، تم قسطنطنیہ کے ہر گھر کے گھر ضرورت کے وقت تھیوڈورا کو تلاش کر سکتے ہو۔ اور سنو! تھیوڈورا اس قدیم قلعے کی قید سے نکلانے والا کوئی ایک ہی شخص ہے لیکن تم اس سے متنا انتہائی طاقت ور، خطرناک، پُر اسرار اور مہیب انسان ہے۔ اس کیلئے یہ کہ تھیوڈورا کو قید سے نکال بھاگا۔ رات تھیوڈورا کے ساتھ اس نے سنوین کے بستر کی۔ جب قلعے کے محافظوں کو خبر ہوئی کہ تھیوڈورا بھاگ گئی ہے تو کرتے کرتے خانقاہ کی طرف گئے لیکن اس عفریت نما جوان نے سارے علاقہ تیغ کر دیا اور خانقاہ سے بھی تھیوڈورا کو لے بھاگا۔

اس کے بعد میں نے متیھیوس اور اس کے دو ناب اور جنگجو تھیوڈورا اور اس کے ساتھی کی تلاش پر مامور کیا۔ اس کے ساتھ میں نے فاس اس راہب کو بھی لگا دیا کہ جو اس جوان کو پہچانتا تھا لیکن اس نے متیھیوس اس کے ساتھ ایسا سلوک کیا کہ ان کی لاقیاس تک نہیں مل سکیں۔ آئرن رکی پھر اس نے سریر کی گو میں نقدی کی ایک تھیلی بچھ کر کہا۔ ”اس تھیلی میں قیمتی زرد جوہرات ہیں۔ میں اس سے تمہاری اس ہم ہوں۔ اگر تم کو اس کے علاوہ اور نقدی، مسلح افروزی قوت یا کسی اور شے کا تو بلا بھیجک نسی فورس سے کہو۔ یہ تمہارے لیے ہر چیز ہر امر کا انتظام و انصر تھیوڈورا کو تلاش کرنے کی اس مہم کو شروع کرنے سے قبل اگر تمہاری کوئی شے

۲۵۱
میں تھیوڈورا کو گرفتار کرنے کی خاطر ہر جائز و ناجائز شرط ملنے کو تیار ہوں۔“
سریر نے کہا۔ ”میری کوئی شرط نہیں۔ میں تھیوڈورا کو تلاش کر دوں گا اور ہر صورت لہا اسے آپ کے پاس لے آؤں گا۔ میں اس عفریت نما جوان کو زندہ پکڑنے کی کوشش کروں گا اور اسے پابند زنجیر کر کے آپ کے سامنے پیش کروں گا۔ اس کے لیے آپ سے میں بلا معاوضہ طلب نہ کروں گا۔ ہاں جو کچھ آپ اپنی رغبت اور خوشی سے دیں وہ میرے لیے طاقت ہوگا اور اسے میں قبول کر لوں گا۔“

ملکہ آئرن نے کہا۔ ”اب تم جاؤ اور اپنے کام کی ابتداء کرو۔ میری دعائیں تمہارے ساتھ ہیں۔“ نسی فورس کے ساتھ اٹھ کر سریر باہر آیا۔ قصر سے باہر نکل کر نسی فورس نے سریر سے معاوضہ کرتے ہوئے کہا۔ ”اب تم اپنے گھر جاؤ۔ مجھے جب تمہاری ضرورت ہوگی تمہیں بلا لگاؤ۔“ نسی فورس اپنی کبھی بین بیٹھ گیا۔ سریر نے اس کے محافظ سے اپنا گھوڑا لیا اور سوار ہو کر اس نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگا کر شاہراہ اوسط کی طرف دوڑا دیا تھا۔ چانک کسی بچے سے پکارا۔ ”سریر! سریر!“

اس نے اپنے گھوڑے کی باگیں کھینچ کر اسے روک لیا۔ اسے پکارنے والا نسی فورس باہر آیا ہٹا ہٹا کر جب وہاں آیا تو نسی فورس کبھی سے نکل کر باہر کھڑا تھا۔ اس نے ایک طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”جس طرح ملکہ آئرن نے تمہارے ساتھ ایک عہد کیا ہے ایسا ہی ایک کام میں بھی کر لینا چاہتا ہوں۔ میں نے ارادہ کیا تھا کہ اس موضوع پر کسی اور دن تمہارے ساتھ گفتگو مل گا لیکن تم ابھی میرے ساتھ چلو۔ میری سوچی بھی دیکھ لینا۔ وہیں کھانا کھاؤ اور پھر کل اسی شام دوبارہ میری سوچی آنا۔ تمہارے آنے تک میں اپنے چند آدمیوں کو بھی وہاں جمع کر رکھوں گا۔“
سریر نے ملکہ آئرن سے بھی کہیں زیادہ اداسہم کام لینا چاہتا ہوں۔ گھوڑا محافظ کو دے دو اور

سریر نے کچھ کہے بغیر گھوڑا محافظ کو تنہا دیا اور نسی فورس کے ساتھ وہ اس کی کبھی میں ہو گیا۔ اس نے گھوڑوں کو بانگ دیا اور کبھی نسی فورس کی سوچی کی طرف روانہ ہوئی تھی۔

نسی فورس کے ہاں تھوڑی دیر قیام کرنے اور وہاں اس کے ساتھ کھانا کھا
بعد سریر جب شاہراہ اوسط پر جوتا ہوا ہو ڈروم کے پاس آیا تو تین سوار جو اپنے ہاتھ
تواریں لیے ہوئے تھے اس کی راہ روک کھڑے ہوئے۔

اس وقت شام رات میں ڈھل چکی تھی۔ ہر طرف سناٹا اور خاموشی تھی
تو رات گری ہو گئی تھی۔ ثانیاً سواری کے باعث بھی گلیوں، کوچوں اور سڑکوں پر دیر
خاموشی رقص کرنے لگی تھی اور پھر ہو ڈروم جیسے وسیع میدان کے قریب قریب
نہ تھی۔ اس لیے جہاں سریر کی راہ روک گئی تھی وہاں اور زیادہ دیرانی تھی۔ سریر نے
گرجتی آواز میں پوچھا۔ ”کون ہو تم اور کیوں میری راہ روک رہے ہیں؟“
ان میں سے ایک نے کہا۔ ”ہمارے ساتھ چلو ورنہ ہماری تلواریں تم پر
اور تمہیں موت کی گری نیند سلا دیں گی۔“

ایک جھٹکے کے ساتھ سریر نے اپنی تلوار کھینچی اور لرزہ طاری کر دینے دا
میں کہا۔ ”رب عظیم کی قسم! تم مجھے اپنے ساتھ لے جانے پر مجبور نہیں کر سکتے تیر
اگر تم چھ بھی نہ ہوتے تو بھی میں تمہیں ریوڑ کی طرح لٹک کر رکھ دیتا۔ میرے ساتھ
ہٹ جاؤ ورنہ میں تمہارا سارا اطمینان تمہارے دکھ تمہارے غم میں بہا دوں گا۔
چاندنی اور تاریک رات میں تمہارے چہروں کو خون آلود کر دوں گا۔ اپنے گھوڑوں
طرف کر لو ورنہ ان اندھے اندھیروں میں تمہارے غرور کی آگ تمہارے تشدد و
طوفان اور تمہارے کبر و نخوت کی خواہشوں کو ماند کر کے میں آگے بڑھ جاؤں گا۔
میں ایسے سلوک کا عادی نہیں ہوں۔ تم میرا ذوق جنگ آوری نہ دیکھو۔“

سریر کے تنبیہ کرنے پر بھی جب وہ نہ ہٹے تو ایک دم سریر نے اپنے
کو ایڑ لگاٹی اور آگے بڑھ کر سان پر حملہ کر دیا۔ اپنے پہلے ہی وار میں اس نے ان میں
موت کے گھاٹ اتار دیا۔ پھر وہ آدھی طوفان بن کر مڑا اور دوبارہ حملہ آور ہوا
کو بھی کاٹ کر رکھ دیا۔ جس وقت سریر تیسرے کا خاتمہ کرنے کو اس طرف بڑھا تو

باب سے کسی آدمی چپے ہوئے کسی سوار نکلے اور انہوں نے سریر پر تلوار کے دستوں اور ڈھالوں
انہیں لگائی شروع کر دیں۔ سریر کے ہاتھ سے تلوار چھوٹ گئی اور وہ نیم بے ہوشی کی سی
ان میں اپنے گھوڑے سے نیچے گر گیا تھا۔

سریر کو جب ہوش آیا تو اس نے اپنے آپ کو ایک ایسے کمرے میں پایا جو چھوٹا سا
بہشت سے خالی تھا۔ سریر اس کمرے کے سیم زدہ فرش پر پڑا تھا اور اس کے دونوں
ہاتھوں کی پشت پر بندھے تھے۔ کمرے کا ایک ہی چوبی دروازہ تھا جو بند تھا۔

اس نے اپنے آپ کا جائزہ لیا۔ اس کا پورا جنگی لباس اس کے بدن پر تھا اور اس کا
دال کے سرے گر کر فرش پر پڑا تھا۔ تاہم اس کی ہتھیاروں والی بیٹی غائب تھی۔ اس کی
بھینچ کو نہیں آ رہا تھا کہ کون اسے کس غرض کے تحت اس کمرے میں بند کر گیا ہے۔

چند ثانیوں تک شاید وہ کچھ دیر قبل اپنے اوپر گزرنے والی لمحات کو یاد کرتا رہا۔ پھر
بے فکر کرتے ہوئے اس کے ہونٹوں پر گہری مسکراہٹ کھیل گئی تھی۔ پھر وہ سرعت کے
اتھ حرکت میں آیا۔ فرش پر پڑے اپنے خود کی طرف اس نے اپنی پیٹھ کر لی اور جس رسی سے
کے ہاتھ پشت پر بندھے ہوئے تھے اسے اس نے خود کے تیز کنالوں سے رگڑنا شروع
رہا تھا۔

تھوڑی دیر کی جدوجہد کے بعد اس نے رسی کاٹ دی۔ پھر دونوں ہاتھوں پر
ٹکڑیاں اس نے علیحدہ کر کے اپنے خود میں ڈال دیں۔ ساتھ ہی اس نے زور سے
اواز دیا۔ ”کوئی ہے؟“

سوز کی آواز دیا اور اس سے ٹکڑا کر اور کمرے میں بکھر کر رہ گئی اور کسی نے اس کا
جواب نہ دیا۔

تین چار بار پکارنے کے بعد سریر خاموش ہو گیا۔ کمرے میں جلتی ننھی سی شعل کی
شکستہ میٹھی سے دیکھا اس کمرے میں ایک روشن دان اور ایک کھڑکی تھی اور وہ دونوں
مٹے۔

اچانک سریر سنبھل کر بیٹھ گیا اور اپنے دونوں ہاتھ وہ اپنی پشت پر لے گیا۔ کیونکہ

دالے کی ڈھال اٹھائی اور پانی پلانے والے کی طرف قمر کو دانداز میں دیکھتے ہوئے کہا: "غور کرنے کی کوشش نہ کرنا ورنہ یاد رکھو جس طرح میں نے تمہارے ساتھی کو تہہ میں بھی کاٹ دوں گا جو کچھ میں پوچھوں سچ بتانا؛" پانی پلانے والے نے لرزتے کانپتے کہا: "تم مجھے قتل مت کرنا جو کچھ تم پوچھو گے سچ بتا دوں گا۔"

سریر نے تلوار لہراتے ہوئے پوچھا: "مجھے یہاں کون لایا ہے۔ یہ حویلی کس کی ہے اور نہ لانے کا کیا مقصد ہے؟"

پانی پلانے والے نے کپکپاتے ہوئے کہا: "یہ حویلی جرمائوس کی ہے۔ اسی نے اپنے لکے ساتھ اس وقت ہنڈروم کے قریب تم پر حملہ کیا جب تم نسی فورس کی حویلی پر رہاؤں کی گروں کی بستی کی طرف جا رہے تھے۔ آج کا مقابلہ ہارنے کے بعد تم سے رشک نے لگا تھا اور اس نے تمہیں اپنے راستے سے ہٹانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ اس کا ارادہ ہنڈروم تک تمہیں اپنی حویلی میں بند رکھے گا اور جب تمہاری گمشدگی کا معاملہ ٹھنڈا ہو گا تو وہ تمہیں قتل کر دے گا۔"

سریر نے پوچھا: "جرمائوس اس وقت کہاں ہے؟"

ال نے کہا: "جس کمرے میں ہم اس وقت کھڑے ہیں اس کے سامنے ایک کمرہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ وہاں بیٹھا ہے۔"

سریر نے پھر پوچھا: "اس حویلی میں اس وقت کتنے مسلح جوان ہوں گے؟"

ال نے سادہ سوجنے اور گھنے کے بعد کہا: "اس وقت اس حویلی میں جرمائوس سمیت بارہ ہیں۔"

سریر نے آگے بڑھا اور اس کی بھی گردن کاٹ دی پھر اس نے دونوں مرنے والوں کی لاشوں کو گھر کے منجر نکال لیے اور کمرے سے باہر نکل گیا۔

ال کمرے سے باہر کھڑے ہو کر سریر نے اپنے ارد گرد کا جائزہ لیا۔ جہاں وہ کھڑا تھا۔ ایک عجیب و غریب منظر پیش آیا۔ ایک چھت دار راہ داری جنوب کی طرف

کوئی کمرے کا دروازہ باہر سے کھول رہا تھا۔ شاید اس کے پکارنے پر کوئی ادھر آیا تھا۔ دروازہ کھلا اور ایک مسلح جوان نے اندر داخل ہوتے ہوئے پوچھا: "کیا رازدار دی تھیں؟"

سریر نے کہا: "ہاں میں نے پکارا تھا۔ مجھے سخت پیاس لگ رہی ہے پانی پلا دو۔" اس جوان نے اثبات میں سر ہلایا اور دوبارہ اس نے دروازہ بند کر دیا تھا۔ سریر نے کمرہ بیٹھ گیا۔ اس کے دونوں ہاتھ اس کی پشت پر تھے اور اب ہاتھ میں اس نے اپنا خود سے ختم رکھا تھا۔

تھوڑی دیر بعد پھر دروازہ کھلا۔ اس بار دو جوان اندر داخل ہوئے۔ ایک کے پانی سے بھرا چمڑے کا چھوٹا سا مشکیزہ اور مٹی کا ایک پیالہ تھا۔ دوسرا اپنے ہاتھوں میں لگا اور ڈھال لیے اس کے ساتھ تھا۔

جس جوان کے ہاتھ میں تلوار تھی اس نے سریر کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: "پانی پی لینا کوئی شرارت کرنے کی کوشش نہ کرنا۔ ورنہ میرے ہاتھوں مارے جاؤ گے۔"

سریر نے کہا: "تم احمق اور ڈرپوک ہو۔ میرے دونوں ہاتھ میری پشت پر ہیں پھر میں کیوں کرتے دونوں سے ٹکرا کر اپنی موت کو آواز دے سکتا ہوں۔" اس نے تلوار لہراتے ہوئے اپنے ساتھی سے کہا: "اسے پانی پلاؤ۔"

دوسرے جوان سے مشکیزے سے پیالہ بھرا اور سریر کے منہ سے لگا دیا۔ سریر

پانی پی گیا اور احسان مندی سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا: "تھوڑا سا پانی اور ہنڈو جب وہ مشکیزے سے مٹی کے پیالے میں پانی اُمڈل رہا تھا تو سریر برقی کے کی طرح حرکت میں آیا۔ پلک جھپکتے میں اٹھ کر اس نے اپنا خود اس جوان کے منہ پر دھکا جو تلوار لہراتے اس کے سامنے کھڑا تھا۔ وہ لٹ کھڑا کر فرش پر گر گیا۔ سریر نے فوراً اس کی تلوار چھین کر اس کی گردن کاٹ دی۔

پانی پلانے والا جوان سر اسیمہ اور بدجواس ہو کر رہ گیا تھا۔ اس نے دروازے بھاگنا چاہا لیکن سریر اس سے قبل ہی وہاں پہنچ گیا اور دروازہ اس نے بند کرنے کے

سری نے اپنے پورے جتنی بن میں کہا۔ ”میرے ساتھ ایسی گفتگو تو نہیں کر رہا، تیرے اندر ہونے والے بات کا کرب اور وحشت بول رہی ہے۔ یاد رکھو ہودروم میں مجھے شکست دینے کے بعد میں نے تمہیں معاف کر دیا تھا لیکن یہاں میری تلوار تم پر پورے جبر کے ساتھ برے گی۔“

یہ بات سن کر سری نے غمگین ہو کر کھڑے ہو کر کچھ فائدہ حاصل کرنے کا ارادہ رکھنا تھا۔ اس کے جواب میں شاید سری پر پہلے حملہ آور ہو کر کچھ فائدہ حاصل کرنے کا ارادہ رکھنا تھا۔ اس نے فوراً آگے بڑھ کر سری پر حملہ کر دیا تھا۔ سری نے اس کا وار اپنی ڈھال پر روک لیا تھا۔ پھر اس نے جوابی حملہ کیا جو ایسا تیز اور بھاری تھا کہ وہ جوابوں کو دھکیلتا ہوا ایک کونے میں لے گیا۔

دشمن کی اس کجکاری میں سری شاید زیادہ دیر بٹھرتا نہ چاہتا تھا۔ جوابوں کو کمرے کے کونے میں لے جا کر اس نے واقعی اپنے پورے جبر کے ساتھ اپنی تلوار برساتی اور ایسی برساتی کہ جوابوں کو خون میں نہاتا ہوا فرش پر گر گیا۔

سری نے وہ خون آلود تلوار جوابوں کے اوپر ہی پھینک دی۔ میز پر پڑی ہوئی اپنی چوٹی اس نے اپنی کمر سے باندھ لی۔ اس میں اس کی تلوار اور خنجر لٹک رہے تھے اس سے باہر آ کر اس نے ادھر ادھر کا جائزہ لیا۔ ہر طرف ہر سو خاموشی اور سکوت تھا۔ ادھر ادھر کا جائزہ لینے کے بعد سری نے حویلی کے صلیب کا رخ کیا۔ وہاں اس کا گھوڑا بندھا تھا اور زین کے ساتھ اس کی ڈھال بھی لٹک رہی تھی۔ سری نے ہاتھ میں پکڑی ہوئی ڈھال ڈھال صلیب میں رکھ دی اپنے گھوڑے کو کھول کر وہ اس پر سوار ہوا اور جوابوں کی حویلی سے باہر نکل گیا۔



رات کافی جا چکی تھی۔ سری نے سیوس کی حویلی کے دروازے پر دستک دی۔ دروازہ جب کھلا تو سیوس سامنے کھڑا تھا۔ اس نے شکوہ کرنے کے انداز میں پوچھا۔ ”تم نے اتنی دیر کوئی کمال رہے۔ ہم اتنے فکر مند تھے۔ گھر میں تمہارے نہ آنے کے باعث ابھی تک کانٹے کھانا بھی نہیں کھایا۔“

جاتی تھی اور اس راہداری کے غاتے پر ایک کمرے میں روشنی ہو رہی تھی۔ سری نے سر پر چھایا۔ پھر وہ ایک ہاتھ میں تلوار اور دوسرے ہاتھ میں ڈھال اور دونوں غنچوں سے دبے پاؤں اس راہ داری پر ہو لیا جو جنوب کی طرف چلی گئی تھی۔ اس کمرے میں سری نے ایک کمرے میں روشنی ہو رہی تھی۔ پھر اس نے اوٹ میں کھڑے ہو کر اندر کے اندر لکڑی کی بڑی سی بھڑی میز تھی۔ جس پر سچھ مسلح جوان بیٹھے آپس میں گفتگو ان میں ایک جوابوں بھی تھا۔

سری نے دیکھا میز پر اس کی تلوار، ڈھال اور ہتھیاروں کی چرمی پٹ سری نے نشانہ لیا اور تاک کر یکے بعد دیگرے دو خنجر پوری قوت سے کمرے کے خنجر اپنے نشانے اور حریف پر جا کر لگے اور جوابوں کے دوسا تھی فرش پر گر گئے ابھی کمرے میں خنجر لگنے والوں کی آہ و زاری کے باعث سر اٹکی ہوئی کہ سری نے قریب ہی پڑا ایک پتھر اٹھایا اور اسے بھی جوابوں کے تیسرے سا پتھر اس کے سر پر لگا اور وہ بھی چکر آ کر فرش پر گر گیا۔

اس وقت تک جوابوں اور اس کے دو بچنے والے ساتھی سنبھلنے اپنی تلواریں سنبھال لی تھیں۔ جوابوں ایک ستون کی اوٹ میں کھڑا ہو کر اندر اپنے دونوں ساتھیوں کو حالات کا جائزہ لینے کو باہر بھیجا۔

جونی ان دونوں میں سے ایک کمرے سے باہر نکلا اوٹ میں کھڑے پر تلوار بر سادی اور وہ کٹ کر رہ گیا۔ دوسرا خوفزدہ ہو کر واپس بھاگا لیکن اوٹ سے باہر نکل کر سری نے اس کا تعاقب کیا۔ اس پر بھی اس کی تلوار گرا اسے ڈھیر کرتی چلی گئی تھی۔

اپنی خون آلود تلوار لہراتا ہوا سری ستون کے پیچھے کھڑے جوابوں کی کو دباں دیکھ کر جوابوں کا رنگ بدلا ہو گیا تھا۔ تاہم اس نے اپنے آپ کو تباہی سے باہر آتے ہوئے اس نے غرائی ہوئی آواز میں کہا۔ ”یہاں سے بچاؤ گے۔ میں اس چار دیواری میں تمہیں کاٹ کر رکھ دوں گا۔“

کر رہی ہیں۔ تھیوڈورا انتائی فکر مند تھی۔ وہ بار بار یہی کہہ رہی تھی کہ اس کی ماں نے ساتھ کہیں دھوکا نہ دیا ہو۔

سریر نے کہا۔ ”میں گھوٹا اصطبل میں باندھ لوں پھر پورے حالات آپ ہوں۔ سریر اندر داخل ہوا گھوڑے کو اصطبل کی طرف لے گیا۔ دروازہ دوبارہ بند کر دیا۔ جب اس کمرے میں داخل ہوا جو سریر کے زیر استعمال تھا تو وہاں تھیوڈورا اور دیشیا سے اس کا انتظار کر رہی تھیں۔

تھیوڈورا نے سیڈس کو دیکھتے ہی پوچھ لیا۔ ”کون تھا؟ کیا تھریس سے خبر نہیں آتی؟“

سیڈس ان دونوں کے سامنے بیٹھ گیا اور مسکراتے ہوئے کہا۔ ”تم فکر نہ ہو! سریر خود اکیلے ہے۔ وہ اپنا گھوٹا اصطبل میں باندھ رہا ہے۔“

تھیوڈورا کا سلیغ غم، ”وہ!“ انتظار اور فکر مندی، اس کی گہری وافر بہک میں بہہ گئے۔ تھوڑی دیر تک وہ بے چاری سیڈس سے کچھ بھی نہ کہہ سکی۔ اتنے میں کمرے میں داخل ہوا۔

سریر جب سیڈس کے ساتھ بیٹھ گیا تو تھیوڈورا نے شکوہ کرنے کے انداز میں کہاں چلے گئے تھے۔ ہم سب لوگ یہاں اس قدر فکر مند تھے۔ میں ہی سمجھ رہی تھی کہ میری ماں نے آپ کے ساتھ دھوکا کیا ہوگا۔ اس نے اتنی رات گئے تک آپ کا روکے رکھا۔“

سریر نے کہا۔ ”تمہاری ماں نے مجھے نہیں روکے رکھا۔ میں ایک اور جگہ گیا تھا۔ بڑی مشکل سے جان بچا کر وہاں سے نکلنے میں کامیاب ہوا ہوں۔ وہ مجھے قتل کر نیت سے لے گئے تھے اور دو ایک روز تک میرا خاتمہ کر دیتے۔“

تھیوڈورا کے چہرے سے ساری وافر یہی ساری جھک جاتی رہی۔ سریر کے سن کر وہ بے چاری احساسِ تشنگی اور شکست فاش کا شکار ہو گئی تھی۔ روتی ہوئی آواز اس نے سریر سے پوچھا۔ ”کون آپ کو لے گیا تھا۔ کون سفاک و بدبخت ہے وہ جہاں

رہا ہوا تھا۔“

جواب میں سریر نے ملکہ آئین سے ملاقات، نسی فورس کے ہاں کھانا کھانے اور اس کے دوبارہ بلانے، جرمائوس کے آدمیوں کا اس پر حملہ اور جرمائوس اور اس کے بھائی کو قتل کر کے اس کی حویلی سے بھاگنے کے سارے واقعات تفصیل سے سنا دیے۔

تھیوڈورا نے غصے اور خفگی کی حالت میں کہا۔ ”میں سوچ بھی نہ سکتی تھی۔ کہ وہ آپ سے ہارنے کے بعد اس قدر گھٹانا فعل کر سکتا ہے۔ اسے کھلے دل سے اپنی تہ تسلیم کرنی چاہیے تھی۔ آپ نے بہت اچھا کیا جو ان سب کو ٹھکانے لگا دیا۔ وہ ابھی ہمارے لیے مصیبت اور خطرے کا باعث بن سکتے تھے۔ میری ماں کی بات تو سمجھ لائیں میری تلاش کے سلسلے میں آپ کو استعمال کرنے کی کوشش کی ہے لیکن میں یہ

چاہتی ہوں کہ نسی فورس نے کل آپ کو کیوں بلایا ہے؟“

سریر نے لاپرواہی سے کہا۔ ”اس نے بھی کوئی کام ہی سوچنا ہوگا۔ کل جب اسے بول کا توجہ چل جائے گا۔ اب سب اٹھو اور آرام کرو۔“

تھیوڈورا، دیشیا اور سیڈس اٹھ کر کمرے سے باہر نکل گئے۔ سریر لباس تبدیل کر کے تھوڑی دیر بعد وہ گہری نیند سو رہا تھا۔



دوسرے روز عشاء کے قریب سریر بن مسلم نسی فورس کی حویلی میں داخل ہوا۔ وہ پہلے سے کھڑے دو محافظوں میں سے ایک نے اس سے کہا۔ ”دیوان خانے میں وہ بالکل آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔“

سریر آگے بڑھ کر جب دیوان خانے میں داخل ہوا تو اس نے دیکھا وہاں پانچ محافظ کھڑے تھے۔ ایک خود نسی فورس، دوسرا اس کا بیٹا کرستوپوس، تیسرا اس کا داماد ہلکس، چوتھا بن سردار مسریم اور پانچواں ایک اور بن سردار امالا تھا۔

نسی فورس نے سب سے سر کا تعارف کرایا۔ سریر نے سب کے ساتھ گرم

جوتی سے مصافحہ کیا۔ پھر وہ سی فورس کے اشارے پر اس کے قریب بیٹھ گیا۔
دیوان خانے میں چند ثانوں تک سکوت رہا۔ پھر سی فورس نے گفتگو
سہوے کہا۔ "اس کمرے میں جو افراد بیٹھے ہیں یہ سب میرے رازدار ہیں۔ سرسیم اور
حیثیت قسطنطنیہ کی افواج کے ایک جنرل کی سی ہے۔ میرا بیٹا داماد دلیہ
لیے پُر خلوص ہیں۔ ان لوگوں کی طرح میں تمہیں بھی اپنے اعتماد میں لے کر ایک انقلاب
تبدیلی کی ابتداء کرنا چاہتا ہوں۔

سریر نے کہا۔ "آپ مجھ پر کتنا بھروسہ اور اعتماد کر سکتے ہیں لیکن آپ
بتایا ہی نہیں وہ تبدیلی اور انقلاب کیا ہے جس کی آپ ابتداء کرنا چاہتے ہیں۔"
نئی فورس نے غور سے سریر کی طرف دیکھتے ہوئے فوراً کہہ دیا۔ "ملکہ آراء
خفت و تاج سے سبک دوش کرنے کا انقلاب ہے۔ وہ اس قابل نہیں کہ قسطنطنیہ
کمرے۔ وہ کمزور اور ناتواں ہے۔ اس کو ہٹا کر میں خود قسطنطنیہ کا بادشاہ بنوں گا۔
سب سے پہلا کام یہ ہوگا کہ مسلمانوں کے خلیفہ ہارون الرشید کو خراج دینا بند کر دوں
میں اس سے وہ ساری رقم بھی واپس طلب کروں گا جو آج تک آئین اسے خراج میں
رہی ہے۔ اگر ہارون الرشید نے یہ ساری رقم ہمیں ادا کر دی تو اس کے ساتھ
اور صلح ہے۔"

سریر نے درمیان میں بولتے ہوئے کہا۔ "اور اگر ہارون الرشید نے ہمارے
لشکر کشی کر دی پھر؟"

نئی فورس نے ایک عزم کے ساتھ اپنی چھاتی تانتے ہوئے کہا۔ "اگر اس نے
خلافت لشکر کشی کی تو یہ اس کی حماقت ہوگی۔ آئین کو ہٹا کر خفت پر قبضہ کرنے ہی ہوا
مہنوں اور عظیم یونانیوں کے ان گنت لشکر قسطنطنیہ میں جمع کریں گے۔ ہارون الرشید
اگر ہماری طرف سے خراج میں وصول کی ہوئی رقم کی واپسی پر جنگ کو ترجیح دی تو یہ خود اس کی
موت کے مترادف فیصلہ ہوگا۔ اسے ہمارے ہاتھوں شکست کا سامنا ہوگا اور ہو سکتا
اسی شکست کے باعث اسے خلافت سے بھی ہاتھ دھونا پڑیں۔"

سریر نے دل ہی دل میں کہا۔ "بارب کعبہ ہارون الرشید تم لوگوں کی ساری سرکشی
کا جوت دلیہ ریگید اور ادھیڑ کر رکھ دیں گے۔ اسے جب خبر ہوگی کہ تم مسلم قوم کے
سرکشی کر رہے ہو تو وہ اپنی تلوار بے نیام کر کے تم سب کا خون کر دے گا۔"
نئی فورس کے دوبارہ بولنے پر سریر کے خیالات کا سلسلہ ٹوٹ گیا۔ پھر نئی فورس
باجا۔ "نھریس! نھریس! تمہارا رابطہ براہ راست سرسیم اور میرے داماد پروس سے
ہوگا۔ کسی بھی موقع پر اگر تمہیں کسی شے کی ضرورت ہو تو تم پہلے سرسیم سے رابطہ قائم کر دو
مادری ضرورت پسے کرے گا اور اگر سرسیم نہ ہو تو میرے داماد پروس سے ملو۔ وہ ہر
بے تمہاری مدد اور معاونت کرے گا۔ آج شام کا کھانا تم سرسیم کے ساتھ کھاؤ۔
طرح تم سرسیم کی حویلی بھی دیکھ لو گے۔ راستے میں پروس کی حویلی بھی پڑتی ہے۔ سرسیم اور
ہی وہ بھی تمہیں دکھادیں گے۔

کسی مناسب دن اور مناسب موقع پر ہم ملکہ آئین پر ہتھ بول دیں گے۔ تم اور
ہی نصر میں داخل ہو کر ملکہ کے محافظوں کو تہ تیغ کر کے ملکہ کو گرفتار کر لو گے جب کہ سرسیم
ملکہ کے ساتھ قصر سے باہر تم دونوں اور تمہارے ماتحت کام کرنے والے ساتھیوں کی
رفت کے فرائض ادا کرے گا۔ میں بھی سرسیم کے ساتھ ہوں گا۔ میرا بیٹا کرسو پوس
رہنہ سردار املا مستقر میں رہ کر قسطنطنیہ کے عساکر کو اپنے حق میں قدم اٹھانے پر غائب
ہو جائے گا۔ کیا اس ساری کارروائی میں تم ہمارا ساتھ دو گے۔"

سریر نے بڑی گرم جوشی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔ "اس نیک کام میں پوری
مددیں آپ کے ساتھ ہوں۔ کیا اب مجھے ملکہ آئین کی بیٹی تھیوڈورا کو تلاش کرنے کا کام
دیا جائیگا؟"

نئی فورس نے کہا۔ "تھیوڈورا کو تلاش کرنے کی کوئی ضرورت نہیں وہ ایک
ملکہ کو زندہ لڑکی ہے۔ ہمارے لیے وہ خطرے کا باعث نہیں بن سکتی اور پھر اس کی تلاش
انہی سے نہیں کی جائے گی۔ سنو! یہ سب راز رہے ورنہ تم
اسے ہلا دو گے۔ جب ہمیں تمہاری ضرورت ہو تو کہاں تم سے رابطہ ہو سکتا ہے۔ یوسف

ہمدی یا سیدوس کے ہاں۔

سرینے کہا۔ ”میں اکثر سیدوس کے ہاں ہی رہتا ہوں اس لیے مجھ
رابطہ قائم کیا جائے۔“

نسی فورس نے کھڑے ہوتے ہوئے۔ ”اب تم سریم اور پولس کے
دیگر حالات یہ تمہیں بتا دیں گے۔“

سب دیوان خانے سے باہر آئے۔ نسی فورس اور اس کا بیٹا جو بلکہ
حصے کی طرف چلے گئے۔ امالا اپنے گھوڑے پر بیٹھ کر چلا گیا۔ سریم، پولس اور
گھوڑوں پر سوار ہو کر اکٹھے وہاں سے روانہ ہوئے۔ راتے میں سریم کو پولس کی خوا
گئی پھر سریم سریم کو لے کر بحیرہ باسفورس کے کنارے چٹانوں کے اوپر پہنچا
کی طرف بڑھ گیا تھا۔

رات گہری ہونا شروع ہو گئی تھی۔ کمکشاں کی روشن دھند اپنی منزل کو
ستاروں پر مسکرا رہی تھی۔ پانچویں روز کا چاند غروب ہو چکا تھا۔ سرینے یوسف
کے دروازے پر دستک دی تھی۔

تھوڑی دیر بعد یوسف نے دروازہ کھولا اور سریم کی طرف دیکھتے ہوئے
پوچھا۔ ”غیریت تو ہے۔“

سرینے کہا۔ ”میرے ساتھ آؤ۔“

یوسف نے چپ چاپ اپنے گھر کا دروازہ باہر سے بند کیا اور سریم کے ساتھ
اپنے گھوڑے کی باگ تھامے سریم، یوسف کو اس کے مکان کی گلی پر لایا پھر بڑی لانداری
اس نے وہ سارے واقعات یوسف سے کہہ دیئے تھے۔ جو اس کے نسی فورس کے ساتھ
ہوئے تھے۔

سارے واقعات سننے کے بعد یوسف نے کہا۔ ”تو اس کا مطلب ہے قسطنطنیہ
انقلاب آنے والا ہے۔“

سرینے کہا۔ ”تم یہ سارے حالات بغداد روانہ کرو اور سنوکل اسی وقت سمندر
اپنے کشتی کے پاس میرا انتظار کرنا۔ میں آج رواجہ بن جعفر کے قاتل بلغاری ہن سزار
میں مل کر آ رہا ہوں۔ میں نے اس کی حویلی بھی دیکھ لی ہے اور اس کے ہاں کھانا بھی کھایا
میں اس سے کل رواجہ کا انتقام لوں گا جو میرے فرائض میں سے ایک ہے۔“

یوسف نے پوچھا۔ ”کیا میں اپنے ساتھ مدد کے لیے کچھ مسلح جوان بھی لے کر آؤں۔“
سرینے کہا۔ ”نہیں، اس کی ضرورت نہیں ہے۔ تم اکیلے آ جانا۔ میں سریم سے ملٹ
ہو جائی دیکھ چکا ہوں اس کی قلعہ نما حویلی کے صدر دروازے پر وہی پہرہ ہوتا ہے۔ اس
بلکہ وہاں کوئی اور محافظ وغیرہ نہیں۔“

یوسف نے کہا۔ ”ان بلغاری ہن سرداروں کی دہشت بھی ایسی ہے کہ کوئی انہیں
نہیں ڈالتا تھا۔ اب عساکر میں بھی ان کی اکثریت ہے۔ اچھی اسی دہشت کی بنا پر وہ
بلکہ محافظ رکھنے کی بہت کم ضرورت محسوس کرتے ہیں۔“

سرینے یوسف سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔ ”اب تم جا کر آرام کرو۔“
یوسف لوٹ گیا۔ سریم اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر سیدوس کی حویلی کی طرف
آ تھا۔

ماہی گیروں کی بستی کے سامنے سمندر کنارے دور دور تک کشتیاں کھڑی تھیں
نہیں کون تھی۔ ہر طرف اندھے اور خشک کنوؤں جیسی خاموشی تھی۔ کبھی کبھی کسی ننھی
لڑکے کا بوسہ کی نکل جاتی اور دم دم دھکا سا ارتعاش پیدا ہو جاتا۔ کائنات کی ہر شے
موت کے ایک کرب کے زیر و بم میں غلطان تھی۔ بحیرہ باسفورس کا وہ کنارہ
وہ وقت غلغلے کی طرح آداس اور کبھی بیوہ کے شباب کی طرح آہٹا آہٹا سا تھا۔
یوسف ہمدی رات کے اس وقت اپنی کشتی میں بیٹھا ہوا تھا۔ وہ پوری طرح
آ تھا اور کشتی کے اندر پھیلے ہوئے وہ اپنے جال کو درست کر رہا تھا۔ اتنے میں ماہی
دل کی کشتی کی طرف سے ساحل پر سریم نمودار ہوا۔ وہ بھی پوری طرح مسلح تھا۔ اس کی
بگڑا ہوا دل سے بھرا ترش اور کندھے پر کمان تھی جب کہ اس کے دوسرے کندھے سے

دو کندیں لٹک رہی تھیں اور پیٹھ پر ترکش سے نیچے اس کی ڈھال لٹک رہی تھی۔
یوسف کی کشتی میں داخل ہوتے ہوئے سریر نے بڑی رازداری کے ساتھ
نے بڑی رازداری کے ساتھ یوسف سے پوچھا۔ ”کیا تم تیار ہو؟“
یوسف نے کشتی میں پھیلے جال کو سمیٹ کر ایک طرف رکھتے ہوئے کہا
پوری طرح تیار ہوں۔“

سریر نے کہا۔ ”تو کشتی کو حرکت میں لاؤ۔ ہوا موافق نہیں ہے۔
دونوں چوپہ چلا کر کشتی کو شمال کی طرف لے جاتے ہیں۔“ یوسف نے چوپہ اچانک
جائے پھر وہ دونوں کشتی کو شمال کی طرف لے جا رہے تھے۔

ایک جگہ سمندر کنارے سیاہ چٹانوں کے پاس پہنچ کر سریر نے رازداری
”یوسف! یوسف! یہاں کشتی روک دو۔ یہ بہت مناسب جگہ ہے۔ یہاں
کی حویلی صرف چند گز کے فاصلے پر ہے۔ تم یہیں کشتی میں رُک کر میرا انتظار کرو
تم یہاں پانی میں اپنا جال ڈال دو۔ خطرے کی صورت میں تمہارے بچنے کے امکان
گئے۔ ویسے تم فکر مند نہ ہونا۔ میں کوئی اندیشہ نہ کھڑا ہونے دوں گا۔“

جب پہلی بار میری تمہاری ملاقات شہر سے باہر صحیے میں ہوئی تھی تو تم نے
تھا رواج بن جعفر کے قاتلوں نے اس کے گلے میں جکڑ کا پاٹ باندھ کر اسے سمندر میں ڈال
میں کسریم کو بھی ویسی ہی موت مامول گا۔ میں اسے اس کی حویلی سے باہر اٹھا لاؤں گا
ساتھ ایسا ہی سلوک کروں گا جیسا اس کمین نے رواج بن جعفر کے ساتھ کیا تھا۔“

یوسف نے کشتی چٹانوں کے ساتھ لگا دی۔ سریر کشتی سے اُڑ کر کنارے پر
پتھر پر بیٹھ گیا۔ یوسف نے قریب آ کر پوچھا۔ ”آپ تو یہاں بیٹھ گئے۔ کیا آپ جا
نہیں؟“ سریر نے مغرب میں غروب ہونے کو جھکے چاند کی طرف اشارہ کرتے ہوئے
چاند غروب ہو جائے تو میں اپنی مہم کا آغاز کروں گا۔ چاند نی میں دیکھو اور پھر
کا خطرہ زیادہ ہوتا ہے۔

یوسف بھی اس کے قریب ایک دوسرے پتھر پر بیٹھ گیا۔ ان کے ملتے

میں گرجا نہی نظر سے قطرے کو سُرَت کا ایک پیغام ایک سنگیہ رستہ ہی تھی۔ ان کے چاروں
نایابا سکت تھا جیسے ہر شے کی سانس رُک گئی ہو یا ہر چیز تھک کا وجود اختیار کر گئی اور سوچوں
کی آواز کا شکار ہو کر رہ گئی ہو۔

دونوں خاموشی سے وہاں بیٹھے رہے۔ چاند آہستہ آہستہ منہوس سایوں کی غلاطت
بہا غروب ہونے کو خوب جھک گیا تھا۔ پھر نو بھٹنے سے سورج طلوع ہونے کا س
پیدا ہو گیا اور روشنیوں مندر کی گری سیاہ تاریکیوں میں غرق ہو کر رہ گئی تھیں۔ چاند آخر
ب ہو گیا اور اپنے پیچھے ہر چیز کو بھیا نک اندھروں کے رحم و کرم پر چھوڑ گیا تھا۔

سریر اُٹھ کھڑا ہوا اور یوسف سے اس نے کہا۔ ”یوسف! یوسف! تم اُٹھ کر اپنی
کے اندر چلے جاؤ۔ یوسف خاموشی سے اُٹھ کر کشتی میں چلا گیا۔ سریر نے اپنے ارد گرد
اپنے کپڑے کے بعد آگے بڑھنا شروع کیا۔

اندھیرے میں تیزی سے چلتا ہوا سریر کو ہتائی سیلے کے اوپر بنی ہوئی سریم کی حویلی
زرب آ نکا تھا۔ یہ حویلی اب اس کی دیکھی بھالی تھی کیوں کہ ایک بار وہ سریم کے ساتھ
رات نکھانکا چکا تھا۔ حویلی قلعہ نہ تھا اور اس کی بیرونی دیواریں بالکل کسی قلعے کی
بل کی طرح مضبوط اور بلند تھیں۔

سریر حویلی کے صدر دروازے کی مخالف سمت گیا۔ اپنے کندھے پر کشتی دو کندوں
ایک اس نے اتاری اور اسے خوب لہرا کر اس نے دیوار پر بھینکا۔ کندہ کمین بھیننے میں
بھری تھی اور دیوار کے اوپر سے ہوتی ہوئی نیچے آ گئی تھی۔ سریر نے جگہ تبدیل کی اور چند
پہلوں پر جان بھر کر اس نے پھر کندہ خوب لہرا کر بھینکی۔ اس بار کندہ دیوار کے اوپر کمین
کی تھی۔ سریر نے کندہ کو کھینچ کر دیکھا پھر بڑی تیزی سے وہ اوپر چڑھنے لگا تھا۔ دیوار
کے اوپر جا کر سریر نے اپنے کندھے سے دوسری کندہ بھی اُتاری اور اسے ایک جگہ بھینانے
کے بعد وہاں سے حویلی کے اندر بھینک دی۔ پھر وہ بڑی تیزی سے حویلی کے اندر اتر

نیچے آ کر سریر نے اپنی تلوار اور ڈھال سنبھال لی اور دیوار کے ساتھ ساتھ وہ

سریم نے کہا۔ "بکومت، اپنے محاسن میں رہ کر مجھ سے گفتگو کرو تم میں سردار
اے مخاطب ہو۔"

سریم نے ایک سخت ہاتھ سریم کی گردن پر مارتے ہوئے کہا۔ "تم گستاخ اور
زبونی ہیں یہی علم نہیں کہ کسی سے گفتگو کا آغاز کیسے کیا جاتا ہے۔" سریم کا ایک ہی
پلنے سے سریم چکرایا اور شپٹا کر رہ گیا۔ اس نے رحم طلب نگاہوں سے سریم کی طرف
ہوئے کہا۔

"تم تو ہمارے اس گروہ میں شامل ہو جس نے ملکہ آئرین کے خلاف انقلاب لانے
کیا تھا۔ کیا تم اپنے وعدے سے انحراف کر رہے ہو یا تم ملکہ آئرین سے مل گئے ہو جو
ساتھ ایسا رویہ ایسا برتاؤ کر رہے ہو۔ آخر تم کس مقصد کے تحت یہاں آتے ہو اور مجھ
باجاتے ہو؟"

سریم نے سریم کی گردن پر ایک اور ہاتھ دے مارا اور دھارتی آواز میں کہا۔
"بلکہ خاموش رہو۔ میں تمہیں لینے آیا ہوں اور اصل وجہ اور قصیدہ تمہیں تمہاری
سے باہر لے جا کر بتاؤں گا۔"

سریم کچھ اور پوچھنے والا تھا کہ سریم نے فوراً چادر کے ایک سرے سے اس کا
ناک باندھ دیا اور دوسرے سرے سے اس نے اس کے دونوں ہاتھ اس کی پشت پر
دبکے تھے۔ پھر اس نے سریم کو اپنی پیٹھ پر ڈالا اور کمرے سے باہر نکلا۔ آگ کا آلود
خانہ بوجھنے کے باعث جھٹکا جا رہا تھا اور اس کے قریب ہی مرنے والے محافظ کی
مذمتی سائیک جگہ کھڑے ہو کر سریم نے ارد گرد کا جائزہ لیا پھر وہ سریم کو حویلی
پر لے کر دیوار کی طرف لے بھاگا۔ اپنی کند کے پاس آ کر سریم نے سریم کو چادر سے اپنی
پارہ لیا۔ پھر وہ کند کے ذریعے دیوار پر چڑھ رہا تھا۔

سریم نے اپنی غراتی ہوئی آواز میں کہا۔ ابھی تو تمہارے نیچے سے صرف چادر
کھینچ رہی ہے۔ تھوڑی دیر تک وہ وقت بھی آنے والا ہے کہ میں تمہارے نیچے سے
کھینچ لوں گا۔"

بائیں طرف بڑھنے لگا تھا۔ تھوڑا سا آگے جا کر وہ زمین پر لیٹ گیا پھر اپنی کند
کے بل ریگتا ہوا وہ حویلی کے سکوتی حصے کی طرف بڑھ رہا تھا۔

سریم کی خواب گاہ کے قریب جا کر اس نے دیکھا وہاں دروازے کے
محافظ بیٹھا پھر وہ دے رہا تھا اور اس کے سامنے آگ کا آلود روشن تھا۔

سریم نے کند سے کمان اتار کر اس پر تیر چڑھایا اور ناک کس محافظ کا
محافظ کا دل چیرتا ہوا نکل گیا تھا۔ وہ پیٹھ کے بل گر گیا تھا اور قبل اس کے کہ اس کے
کی آواز بلند ہو، سریم اٹھا اور برق کے کوندے کی طرح اس نے اس محافظ کو دو بوجھ
کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا تھا۔ محافظ سریم کے ہاتھوں میں ہی پھٹک اور ٹپ کر دم توڑ گیا۔

سریم بلغاری میں سردار سریم کی خواب گاہ میں داخل ہوا تھا اور وہ ایک طرف
مہری پر گہری نیند سوتا ہوا تھا جب کہ کمرے کے اندر دائیں طرف ایک دروازہ کھلا
سریم دبے پاؤں اس دروازے کی طرف گیا اور شعلوں کی مدھم مٹیالی روشنی میں اس نے
طرف سریم کا حرم تھا۔ سریم نے وہ دروازہ بند کر کے اندر سے چوکنی لگا دی۔ پھر وہ
مہری کی طرف آیا اور ایک جھنگے کے ساتھ اس نے سریم کے اوپر سے ریشمی لحاف
اس کے نیچے سے بڑی سختی کے ساتھ چادر کھینچ لی۔

سریم ہڑبڑکا اٹھا بیٹھا اور آنکھیں ملتے ہوئے سریم کی طرف دیکھا پھر
کہ کسی قدر سخت لہجے میں اس نے پوچھا۔

"تم رات کے اس وقت یہاں۔ تم مجھ سے پوچھے بغیر میری خواب گاہ پر
داخل ہوئے۔ کسی بد نخت محافظ نے تمہیں روکا بھی نہیں اور پھر ابھی تک تو
گردن پر میرے کسی محافظ کی تلوار ہونی چاہیے تھی۔ تم نے کس بے باکی سے میرے
لحاف اتارا اور کیسی گستاخی کے ساتھ میرے نیچے سے تم نے چادر کھینچ لی۔"

سریم نے اپنی غراتی ہوئی آواز میں کہا۔ ابھی تو تمہارے نیچے سے صرف چادر
کھینچ رہی ہے۔ تھوڑی دیر تک وہ وقت بھی آنے والا ہے کہ میں تمہارے نیچے سے
کھینچ لوں گا۔"

کندر کے ذریعے نیچے اتر گیا تھا۔

پہلے سریر نے سریم کے ساتھ بندھی ہوئی کندھ کو لے کر کندھے پر اترنے کے لیے کہنے پر یوسف نے کشتی روک دی اور سریر نے سریم کے منہ پر بندھی ہوئی لکڑی ڈالی۔ سریر نے ایک نگاہ اپنی کمر سے بندھی ہوئی پتھر پر ڈالی پھر اس نے رحم سے سریر کی طرف دیکھتے ہوئے منت و سماجت کے انداز میں پوچھا۔ ”یہ تم مجھے ہاں جرم کی سزا دے رہے ہو۔“

سریر نے غصیلی آواز میں پوچھا کیا چند ماہ قبل تم نے بھی کسی کے ساتھ پتھر باندھ کر مدین پھینکا تھا۔“

سریم کانگ پیلا پڑ گیا اور اس نے اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ ”ہاں ایک جوان کو اس طرح سمندر میں پھینکا تھا۔“

سریر نے غضب ناک اور وحشی ہوتے ہوئے پوچھا۔ ”لیکن کیوں؟“

سریم نے کانپنے لڑتے ہوئے کہا۔ ”اس نے اپنے آپ کو میری نگاہوں میں مشکوک کر لیا۔ اس لیے میں نے اسے ٹھکانے لگا دیا۔ ایک روز شاہراہ اوسط پر ملکہ آئین کی سواری تھی۔ شاہراہ پر کھڑے سب لوگ اپنی گردنیں جھکا کر تعظیم و تکریم کا اظہار کر رہے تھے۔ نگاہ اس جوان پر پڑی، اس نے گردن کو خم نہ کیا تھا۔ مجھے اس پر شک ہو گیا کہ وہ یہاں کسی کا جاسوس ہے۔ میں اس کے پیچھے پڑ گیا اور اس کے بارے میں تفتیش مامور دی۔ میں نے اس سے بہت کچھ پوچھا لیکن اس نے کچھ نہ بتایا۔ اس کے اس منہ سے اور زیادہ مشکوک کر دیا۔ اس کا کہنا تھا وہ نابلس کا یہودی ہے اور مذکار نے یہاں قسطنطنیہ آ رہا ہے۔ وہ دن کے وقت ایک کوڑہ گڑ کے پاس اجرت پر برتن لٹکا کر رہا تھا۔ اور رات کے وقت اسی کوڑہ گڑ کی دکان میں ہی سو رہتا تھا۔“

سریر نے غضب ناک ہو کر پوچھا۔ ”کیا اس شخص نے تمہیں تمہاری ذات یا اس کے گروہ کی کوئی نقصان پہنچایا تھا۔“

سریم نے سچائی اپناتے ہوئے کہا۔ ”ہرگز نہیں۔ بظاہر وہ نہایت بے ضرر“

پہلے سریر نے سریم کے ساتھ بندھی ہوئی کندھ کو لے کر کندھے پر اترنے کے لیے کہنے پر یوسف نے کشتی روک دی اور سریر نے سریم کے منہ پر بندھی ہوئی لکڑی ڈالی۔ سریر نے ایک نگاہ اپنی کمر سے بندھی ہوئی پتھر پر ڈالی پھر اس نے رحم سے سریر کی طرف دیکھتے ہوئے منت و سماجت کے انداز میں پوچھا۔ ”یہ تم مجھے ہاں جرم کی سزا دے رہے ہو۔“

سریر نے غصیلی آواز میں پوچھا کیا چند ماہ قبل تم نے بھی کسی کے ساتھ پتھر باندھ کر مدین پھینکا تھا۔“

سریم کانگ پیلا پڑ گیا اور اس نے اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ ”ہاں ایک جوان کو اس طرح سمندر میں پھینکا تھا۔“

سریر نے غضب ناک اور وحشی ہوتے ہوئے پوچھا۔ ”لیکن کیوں؟“

سریم نے کانپنے لڑتے ہوئے کہا۔ ”اس نے اپنے آپ کو میری نگاہوں میں مشکوک کر لیا۔ اس لیے میں نے اسے ٹھکانے لگا دیا۔ ایک روز شاہراہ اوسط پر ملکہ آئین کی سواری تھی۔ شاہراہ پر کھڑے سب لوگ اپنی گردنیں جھکا کر تعظیم و تکریم کا اظہار کر رہے تھے۔ نگاہ اس جوان پر پڑی، اس نے گردن کو خم نہ کیا تھا۔ مجھے اس پر شک ہو گیا کہ وہ یہاں کسی کا جاسوس ہے۔ میں اس کے پیچھے پڑ گیا اور اس کے بارے میں تفتیش مامور دی۔ میں نے اس سے بہت کچھ پوچھا لیکن اس نے کچھ نہ بتایا۔ اس کے اس منہ سے اور زیادہ مشکوک کر دیا۔ اس کا کہنا تھا وہ نابلس کا یہودی ہے اور مذکار نے یہاں قسطنطنیہ آ رہا ہے۔ وہ دن کے وقت ایک کوڑہ گڑ کے پاس اجرت پر برتن لٹکا کر رہا تھا۔ اور رات کے وقت اسی کوڑہ گڑ کی دکان میں ہی سو رہتا تھا۔“

سریر نے غضب ناک ہو کر پوچھا۔ ”کیا اس شخص نے تمہیں تمہاری ذات یا اس کے گروہ کی کوئی نقصان پہنچایا تھا۔“

سریم نے سچائی اپناتے ہوئے کہا۔ ”ہرگز نہیں۔ بظاہر وہ نہایت بے ضرر“

سری نے کہا: "ہاں، میں مسلمان ہوا۔ میں اسی جوان کا انتقام لینے تمہارے لیے بغداد
مذہب بن کر غلطی میں آیا ہوں۔"
سری نے کہا: "کنا چاہتا تھا کہ سری پر اٹھ کھڑا ہوا اور اسے پتھر سمیت اٹھا کر زور سے مندر
دارا۔ جہاں پتھر سریم کو نیچے لے گیا پھر اسے سطح آب پر اُبھرا نصیب نہ ہوا اور وہ
ندرم توڑ گیا۔"

سری اور یوسف نے تھوڑی دیر وہاں انتظار کیا پھر وہ کشتی کنارے پر لے آئے۔ سری
سے باہر نکلتے ہوئے کہا: "یوسف! یوسف! کشتی کو کنارے سے ہانصا اور ڈوبیں
جہوڑو کو جا کر آیا تھا۔ میں نے اسے سریم کی مہم کے بجائے یہ کہا تھا کہ میں کسی
لیکچر کام جا رہا ہوں، جلدی آجاؤں گا۔ تم سے کوئی پوچھے تو تم بھی یہی کہنا کہ کشتی میں میرے
برے کنارے پر گئے تھے۔ میں کشتی میں ہی بیٹھا رہا جب کہ سری وادی غلط میں کہیں گیا تھا۔
یوسف نے اندیشہ ظاہر کرتے ہوئے کہا: "اگر سریم کی موت کے سلسلے میں ہی آپ
یاد آپ رات کے وقت کہاں گئے تھے تب؟"

سری نے کہا: "اسے کیونکر خبر ہوگی کہ میں رات کو باہر رہا ہوں۔"
یوسف نے کہہ دینے کے انداز میں کہا: "فرض کریں اسے کوئی بتا ہی دے پھر؟"
سری نے مطمئن انداز میں کہا: "تب میں اسے بتا دوں گا۔ میں! سفوس کے
ملک وادی میں قیدیوں کو تلاش کرنے گیا تھا۔ یوسف مطمئن ہو گیا پھر وہ دونوں کشتی
سے ہانصا کرکشی کی طرف جارہے تھے۔"



ہندو مذہب شام کے وقت جب کہ سورج غروب ہو چکا تھا۔ سری چند اسم بیعات
بچنے کے لیے یوسف یہودی کو دے کر سیدوس کی حویلی میں داخل ہو کر ابھی اصطبل
میں داخل ہونے ہی لگا تھا کہ حویلی کے دروازے پر دستک ہوئی۔ قیدیوں اور
ان وقت اصطبل کی طرف کھنسنے والے حویلی کے برآمدے میں کھڑی سری کا انتظار
تھیں۔ دستک پر دونوں چونکیں اور بھاگ کر اصطبل میں سری کے پاس جا کھڑی

معصوم، سادہ مگر باعجب لگتا تھا۔ پوسٹہ چونکہ میری نگاہوں میں مشکوک ہو گیا تھا انداز
ٹھکانے لگا دیا۔ میں اسے سمندر کنارے لے آیا اور اس کے گلے سے پتھر مارا
سمندر میں پھینک دیا لیکن مجھے حیرت ہوئی۔ وہ جتنا معصوم اور بھولا بھالا لگتا
نہیں۔ وہ انتہا کا سخت جان تھا کیوں کہ وہ پتھر بندھا ہونے کے باوجود کافی دور
کے اندر اُبھرنے اور اپنا آپ بچانے کی کوشش کرتا رہا تھا۔

سری نے غصے میں سریم کے منہ پر ٹانچہ مارتے ہوئے کہا: "وہ معصوم
تو کافی دیر تک اپنی زندگی کی خاطر جدوجہد کرتا رہا۔ اب میں نے یہ دیکھا ہے
اپنی شکل سے وحشت خیز اور مولک انسان لگتے تو تم چھری بندھا ہونے کے باوجود اپنی
سمندر میں کتنی دیر تک کوشش و سعی کرتے ہو۔"

سری نے اپنا منہ سری کے پاؤں پر دگھڑتے ہوئے کہا: "خداوند خدا کے
ساتھ ایسا سلوک نہ کرو۔ تم یہودی ہو تمہیں موسیٰ و داؤد، تمہیں عزیر و یو
میرے ساتھ ایسا سلوک نہ کرو مجھے اس قدر سخت مجھے اس قدر عبرت خیز اور
نمارو مجھے چھوڑ دو، میں ساری عمر تمہارا غلام بن کر رہنے کو تیار ہوں۔"

سری نے اس کے کندھے پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا: "اے ابلیس کے گنا
خیز پرکے فرزند! اس جوان پر ظلم کرتے وقت تم نے یہ نہ سوچا کہ اس کا انتقام
میں وارد ہوگا۔ اے ذالالت کے فرزند! تم نے اسے اس لیے مشکوک جانا کہ اس نے
سلسلے اپنی گردن خم نہ کی۔ اس ملک کے سامنے جس سے تم لوگ غلامی کر کے اس
انقلاب لانے والے ہو۔"

سنو! وہ اپنی گردن تمہاری ملک کے جاہ و جلال کے سامنے خم کیوں کرتا
لوگ کسی کو اپنا مالک نہجہ خدا کے نہیں ملتے۔ ہم ایک خدا کو ملتے ہیں۔
کہ ہم نعرہ لگاتے ہیں اسی سے ہم مدد و معاونت کے طلب کار ہوتے ہیں
سری نے حیرت، پریشانی اور تعجب سے سری کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا:
"تم مسلمان ہو۔"

ہوئیں۔ سیوس نے دھواڑہ کھولا۔ تھوڑی دیر وہ کسی سے بات چیت کرتا رہا۔
دورازہ بند کر کے وہ اطمینان میں آیا اور سر پر سے کہا۔
”باہر نسی فورس کا ایک آدمی آیا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ نسی فورس نے
آپ کو طلب کیا ہے۔“

سر پر کے بولنے سے قبل ہی تھیوڈور انسنس اندیشوں اور سوچوں میں ڈوب
میں سر پر سے کہا۔ ”نسی فورس کا یہ بار بار اور زیادہ آپ کو بلانا بھی آپ کے لیے خطرناک
سکدے۔ وہ بظاہر بڑا معصوم اور سادہ لگتا ہے لیکن باطن وہ انتہائی چالاک اور
انسان ہے۔ میری ماں کو میرے اور میرے بھائی کے خلاف آگسٹے والا ایسی شیطانی
سے محتاط رہیں۔ اگر یہ آپ کو بھی دھوکا دینے میں کامیاب ہو گیا تو میں
جذبات میں ڈوب کر کچھ کہہ دینا چاہتی تھی کہ اس نے اپنے آپ کو مستحیال لیا اور رگ
سر پر نے اپنے گھوڑے کی لگام تھامی اور دورازہ کی طرف بڑھے
فکر مند نہ ہو۔ جہاں محافظ ایسا نہیں کہ اسے آسانی سے دھوکا دے کر اپنے جا
جلے۔ میں خود یہاں اوروں کے لیے جال پھیلائے کو آیا ہوں۔“

تھیوڈور خاموش رہی اور بڑی نرمی اور پرآواز امید چہرے سے سر
سر پر جو علی کے دروازے پر آیا۔ دروازہ کھول کر جب وہ باہر نکلا تو باہر کھڑے
کے آدمی نے فوراً اپنے گھوڑے کی باگ چھوڑ دی اور سر پر سے قریب ہو کر اس
سے کہا۔

”جلدی کیجئے، نسی فورس ہسپتال پر پہنچنے سے پہلے باہر بڑی بے چینی سے آپ
میں۔“ سر پر نے اسے کوئی جواب نہ دیا۔ دونوں اپنے گھوڑوں پر سوار ہوئے
ہسپتال کی طرف بھاگنے لگے تھے۔

موت کے اس میدان سے باہر سر پر اس جگہ جا کر اپنے گھوڑے
جہاں نسی فورس اپنے داماد پرولس کے ساتھ کھڑا تھا۔ سر پر جب ان کے
فورس نے نہایت راز داری سے کہا۔ ”تھریس! تھریس! ملکہ آئی ہے۔“

نسی فورس کی موت نے ہم میں ایک غلا ڈال دیا ہے۔ پھر بھی ہم اپنا
بدلیا لیں گے۔ جس طرح تھیوڈور اقسطنطینیہ میں پراسرار طور پر کہیں غائب ہو گئی ہے۔
ہم سر پر کا قاتل بھی کہیں روپوش ہو گیا ہے۔ سر پر کا قاتل کوئی انتہائی دلیر شخص ہے وہ
ہم کو ہی میں نہ جانے کیسے داخل ہوا، اس کے محافظ کو قتل کر دیا اور سر پر کو وہاں سے
لے گیا۔ یقیناً اب تک وہ اسے موت کے گھاٹ اتار چکا ہوگا۔

سر پر نے قتل دینے کے انداز میں کہا۔ ”آئیں سے نمٹ کر ہم سر پر کے قانون کو بھی
نہ کر دیں گے؟“

نسی فورس نے سر پر کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ ”میرا بیٹا کرو پولس اور
یہاں سردار مالہ مستقر جا چکے ہیں اور وہ یقیناً لشکر کے سرکردہ جرنیلوں کو اپنے حق میں
کرنے پر آمادہ کر لیں گے۔“

نسی فورس اور پرولس ابھی اور اسی وقت یہاں سے قصر بلاشون کی طرف روانہ ہوں
ہیں۔ آدھے لشکر کے ساتھ قصر سے باہر نگرانی کروں گا۔ تم اور پرولس دوسرے آدھے
لشکر کے ساتھ قصر کے اندر جانا اور ملکہ کے تمام محافظ دستوں کو تہ تیغ کر کے آئیں کو رسیوں
بلا کر قصر کے کسی کمرے میں بند کر دینا۔ میں نے آئیں سے سر پر کے قانون کو تلاش کرنے
کے لیے میں لشکر کا ایک حصہ حرکت میں لانے کی اجازت لے لی تھی۔ اس وقت ہسپتال میں
میں ساتھ پولشکری جمع ہیں وہ سب میرے جان نثار ہیں۔ آؤ اب اپنے کام کی ابتداء کریں۔“
نسی فورس رکا پھر اس نے پرولس سے کہا۔ ”پرولس! پرولس! لشکر کو قصر کی طرف
لے آؤ۔“

نسی فورس، سر پر اور پرولس اپنے گھوڑوں پر سوار ہوئے پھر وہ لشکر کو لے کر قصر
کی طرف جانے لگے۔

لشکر میں شاہراہ اوسط پر جاتے ہی لشکر دو حصوں میں تقسیم کر لیا گیا۔ قصر
کی طرف پہنچنے ہی نسی فورس آدھے لشکر کے ساتھ احتیاط اور نگہداشت کے طور پر قصر کا
ملا کر کھڑا ہو گیا۔ جب کہ دوسرے آدھے لشکر کے ساتھ سر پر اور پرولس قصر میں

داخل ہوئے۔ انہوں نے آن کی آن میں ملکہ کے سارے محافظ دستوں کو تہ تیغ کر دیا اور
کرے میں ملکہ آئرین کو بند کر کے اس پر پھونکا دیا۔

رات ہی رات اپنے لشکروں کی مدد سے قسطنطنیہ شہر میں بیٹھ کر لایا
تاج و تخت سے محروم کر دی گئی ہے۔ اسی فوری نیا بادشاہ بن کر سامنے آیا ہے۔
نے بھی اس انقلاب پر کسی رد عمل کا اظہار نہ کیا جس کا مطلب تھا لوگوں نے فی
نئے بادشاہ کی حیثیت سے قبول کر لیا ہے۔

دوسرے روز نسی فوری قسطنطنیہ کے شہری تخت پر بیٹھا اور ملکہ آئرین
اپنے سامنے لانے کا حکم دیا۔

تھوڑی ہی دیر بعد دو محافظوں نے ملکہ آئرین کو نسی فوری کے سامنے
نسی فوری کو دیکھتے ہی آئرین اسے مخاطب کرتے ہوئے بریں پڑی۔

”تم غلط، بدعہد اور مجرم انسان ہو۔ تم نے ریاکاری، محن کشی اور
ثبوت دیا ہے۔ کاش مجھے تمہارے ان عجیب کی پہلے خبر ہوتی تو اب تک میں تمہیں
ہوتی۔“ نسی فوری نے بڑی ٹھٹھانی سے کہا۔ ”تم ایک کمزور اور ناقابل
مسلمانوں کو خراج دیتی رہی ہو جب کہ میں ان سے خراج وصول کرنا چاہتا ہوں۔
کے سامنے یونانی قوم کو کمتر اور سبک کر کے پیش کیا ہے۔ لوگ تمہاری معزلی اور
نشتینی پر خوش ہیں۔ میں مسلمانوں کو نیچا دکھا کر یونانیوں کی خدمت کو دل کا
بڑانے و فساد کو بحال کر دوں گا۔“

ملکہ آئرین نے پھر اولوں کی طرح برتے ہوئے کہا۔ ”تم ہرنیکی سے ملدی
کے لیے تم میں کوئی اعلیٰ جوہر بھی موجود نہیں ہے۔ تمام جوہروں سے معز ہونے
تم میں کوئی پسندیدہ خصوصیت بھی نہیں ہے۔ تم حریص، بزدل اور بدعہد ہو۔“

سنو! میں نے اپنے بیٹے کے ساتھ بدعہدی کی اور اس کی سزا مجھے تمہارے
صورت میں ملی۔ تم نے مجھ سے بدعہدی کی ہے۔ یاد رکھو عنقریب تمہارا انجام مجھ سے
عبرت خیز اور ہولناک ہوگا۔ مجھے اب حکمرانی کی خواہش بھی نہیں ہے کیوں کہ میں اپنے

میں عزم ہو چکی ہوں اور یہ بھی تمہاری وجہ سے ہوا۔ میں اب اس کے سوا کچھ نہیں چاہتی کہ کسی
میں بائیسوں اور عورت و آرام کی زندگی بسر کروں۔“

نسی فوری نے اپنے ایک جرنیل کی طرف دیکھتے ہوئے حکیمانہ انداز میں کہا۔ ”آئرین
ریا پس ہوس میں بھیج دیا جائے۔ وہاں اسے چرخہ اور گپاس مہیا کر دی جائے تاکہ یہ اپنی
زندگی اس الگ تھلک جزیرے میں سوٹ کات کر گزارے۔ اس کی نگرانی کی جائے اور
وہی اس سے ملنے اور گفتگو کرنے کی اجازت نہ دی جائے۔ میں اسے قتل بھی کر سکتا ہوں
بال یہ میری عین رہی ہے۔“

وہ یونانی جرنیل کھڑا ہو گیا اور چند محافظوں کے ساتھ وہ آئرین کو وہاں سے
لے گیا۔



امور سلطنت کو پوری طرح اپنی گرفت میں کر لینے کے بعد نسی فوری نے اپنے
مقتدر کی طرف رجوع کیا۔ اس نے بلغاریہ اور بلقان کی ریاستوں سے بڑے بڑے
یونان کے لشکر قسطنطنیہ میں بلائے۔ یونان سے رزم گاہ کے آزمودہ کار عساکر بلائے
لے بغانی جنگجوؤں کو اپنے پاس جمع کیا۔

جب اس نے اندازہ لگا لیا کہ میرے پاس اس قدر طاقت و قوت جمع ہو گئی ہے کہ
میں آسانی سے مسلمانوں کو شکست دے کر انہیں اپنے سامنے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر سکتا
ہوں تو اس نے خلیفہ ہارون الرشید کو ایک خط تحریر کیا۔ جس میں شطرنج کے استعارے
مثال کرتے ہوئے نسی فوری نے لکھا:

”ملکہ آئرین نے تمہیں مرنے اور اپنے آپ کو پیادہ سمجھا۔ وہ بزدل
قوت تمہیں خراج ادا کرنے پر آمادہ ہو گئی۔ حالاں کہ اسے تم جیسے
وٹیلوں سے دگنا خراج وصول کرنا چاہیے تھا۔ تم نے دھوکہ دہی اور
بلے انصافی سے آج تک جو کچھ ملکہ آئرین سے وصول کیا وہاں کہ دو۔ میں
نسی فوری اب عظیم بزنطینی سلطنت کا شہنشاہ ہوں۔ اگر تم نے انکار

رکھا تو پھر تلوار کے فیصلے کے لیے تیار ہو جاؤ۔“

نسی فورس نے اپنے ایک جرنیل ساریوس کو یہ خط اور عمدہ قسم کی تلواریں کا ایک گتھ دے کر خلیفہ ہارون الرشید کی طرف روانہ کیا۔ ساریوس کے لیے اس کے ساتھ نسی فورس نے دس آدمیوں کا ایک وفد بھی کر دیا تھا۔

ساریوس کی سرکردگی میں جس روز نسی فورس کا وفد بغداد پہنچا اس روز ہارون الرشید کے حاجب بشیر بن مامون سے بلا جس نے انہیں اگلے روز ہارون خدمت میں پیش کرنے کا وعدہ کیا۔

دوہرے روز ساریوس کو حسب وعدہ بشیر بن مامون نے خلیفہ ہارون کے سامنے پیش کیا۔ اس وقت ہارون الرشید کے پاس بغداد کے قاضی علی ابن وزیر یحییٰ اور جعفر بھی بیٹھے ہوئے تھے۔

ہارون الرشید نے چند ثانیوں تک ساریوس کو بے حد دیکھا پھر انہوں نے حمل، بزدلی اور نرمی سے پوچھا، ”تمہارے بادشاہ نسی فورس نے تمہیں کئی میرے پاس بھیجا ہے۔“

ساریوس آگے بڑھا۔ ہاتھ میں پکڑا ہوا یونانی تلواروں کا گتھا اس نے ہارون کے سامنے رکھتے ہوئے کہا، ”نسی فورس نے یہ تلواں آپ کی طرف روانہ کی ہیں تاکہ اور سختی کو نگاہ میں رکھ کر آپ اس کے خط کا مناسب جواب دے سکیں۔“ ساتھ ہی ہارون الرشید کو نسی فورس کا خط بھی تھا دیا۔

ہارون الرشید نے نسی فورس کا خط پڑھا۔ جوں جوں وہ خط پڑھتے جا ان کے چہرے کا تغیر ہوتا جا رہا تھا۔

نسی فورس کا خط پڑھنے کے بعد خلیفہ ہارون الرشید نے چھڑک کر دیا۔ پھر انہوں نے ساریوس کی طرف دیکھتے ہوئے تلخ لہجے اور دھکتی آواز میں کہا، ”کیا نسی فورس کا ذہنی توازن پکڑ گیا ہے۔ یا اس نے ہمیں اپنا بیجوک ایسا خط لکھا ہے۔ کیا وہ سمجھتا ہے تاریخ کے وہ سنہری اوراق جو ہمارے ہاں

ہم نے، ہم ان کی حفاظت نہ کر سکیں گے۔ کیا ہماری تاریخ کے اوراق خال کی بے باکی کے عزم، ایمان، قہم کی جوان فکری، قہم بن مسلم کی شجاعت اور موسیٰ بن نصیر کی جان نثاری کی یاد تازہ نہیں ہیں۔ کیا ہم اسی جلیل قوم کے فرزند نہیں ہیں جس نے اپنے گھوڑوں کے منہ بندوں میں ڈال دیا تھا۔ نسی فورس جوں جوں رہا ہے، ہم آپ اپنی ملت اور زمانہ کے منہ بندوں میں ڈال دیا تھا۔ ہماری سرتیں جڈا تم لوگوں کی جدا۔ جب ہمیں ہمارا زادہ الگ تم لوگوں کا الگ، ہماری سرتیں جڈا تم لوگوں کی جدا۔ جب ہمیں ہمارا وفا عباد اپنے بازوئے شیر زن کے ساتھ اٹھیں گے تو تمہارے ملک کی ایک بٹ اور ایک ایک پتھر پر اپنی فتح و شجاعت کی سرخیوں کے اندر تمہارے لیے بدترین کی الٹا داستان بھی رقم کریں گے۔ ہماری چمکیلی تلواریں اور لچک دار نیزے جب انہیں گئے تو نسل و نسل، قرن و قرن اور عہد بہ عہد تمہارے آنے والے لوگ ہمارے ہماری آگ و خون اور آشوب سے بھر پور داستانیں پڑھیں گے۔“

”اے ساریوس! جس قدر تم لوگوں کو زندہ رہنے کی خواہش ہوتی ہے اس سے کہیں اے عبادوں کو جان دینے کی تمنا ہوتی ہے۔ عزت کی موت ہمارے منہ کو کھینچتی ہو کہنا، ہمارا جس جگہ ہماری تمہاری جنگ ہوگی۔ وہاں کا ذرہ ذرہ ہماری شجاعت کی تاریخ کی گواہی دے گا۔“

ہارون الرشید کے اپنی مشہور زمانہ شیر صمصام انہوں نے بے نیام کی اور ایک ہی اپنے سامنے پڑی یونانی تلواروں کے گتھے کو کاٹ کر ٹکڑے ٹکڑے کر لیا پھر انہوں نے اپنی یونانی تلواروں کو پاؤں کی ٹھوک مار کر مہا میں اڑاتے ہوئے کہا، ”نسی فورس اب ہمیں وحشی بنا ہی ہو گا۔“

پھر ہارون الرشید نے کاغذ، قلم اور دعوات طلب کی۔ جب یہ چیزیں انہیں پیش

کافر نے اپنے خط میں مسلمانوں کو وحشی لکھا تھا۔ حالانکہ مشہور مورخ میرالدیلم متعصب ہوتے کے باوجود کہتے ہیں کہ کم از کم ہر عباس کا تمدن اتنا بلند تھا کہ شاید آج کا یورپی تمدن بھی اس کے مقابلے میں فوقیت کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔

کی گئیں تو انہوں نے نسی فورس کو وہ تاریخی خط لکھا جو اختصار، جامعیت اور قائلوں اعتبار سے اپنی مثال آپ ہے اور صدیوں سے اُسے ایک عالم گیر شہرت حاصل ہونے لکھا۔

امیر المؤمنین ہارون الرشید کی طرف سے رومی کہتے نسی فورس کے نام! او کا فرماں کے بیٹے! میں نے تیرا خط پڑھا۔ اس کا جواب تو نے گاہ نہیں بلکہ اپنی آنکھوں سے دیکھے گا۔

خط لکھ کر تہہ کرتے ہوئے ہارون الرشید نے اپنے وزیر بیکجا کی طرف دیکھ کر کہا۔ ”شکر کے کوچ کی تیاری کرو۔ کل صبح مسجد کے میناروں پر سورج کی پہلی کرن نور ہی ہم اپنے لشکر کے ساتھ قسطنطنیہ کی طرف کوچ کریں گے اور سنو! اپنے بھائی پر حکم دو کہ وہ نسی فورس کی مملکت کے جنوبی اور مغربی سمندروں کا محاصرہ کرے۔ ایسا کہو کہ کسی جہاز کو قسطنطنیہ کی طرف نہ جانے دو اور نہ ہی کسی کو قسطنطنیہ سے باہر جانا اجازت دے۔“

ہارون الرشید نے خط تہہ کرنے کے بعد ساریوس کو تھمانے کے بعد کھٹکتی پھری آواز میں کہا۔ ”جاؤ لوٹ جاؤ۔ نسی فورس کو میرا یہ خط دینا اور اسے کہنا۔ ہم جا رہے ہیں اور اسے اس کے خط کا عملی جواب دینے کے لیے کل ہم یہاں سے کوچ کرتے ہیں تاکہ اسے اس کی بد اعمالیوں کی سزا دیں۔“ ساریوس ہارون الرشید کے اس قصصہ نکل گیا۔

ہارون الرشید نے خط لکھ کر نسی فورس کو صرف دھمکی ہی نہ دی تھی بلکہ وہ اپنی خون آشامی کے ساتھ رومی شہنشاہ نسی فورس کی سرکوبی کو روانہ ہو گئے۔

نسی فورس کو اُمید ہی نہ تھی کہ ہارون الرشید اتنی تیزی اور سرعت سے کام لے لہذا اس نے اپنی پوری تیاری کے ساتھ قسطنطنیہ سے ایشیائے کوچک کی پرانی اور قدیم فرجیا کی طرف کوچ کیا۔

فرجیا کی وادیوں کو میدانی جنگ بنانے میں نسی فورس نے اپنے سامنے دو فوجیں

ایک تو یہ کہ میدان جنگ قسطنطنیہ سے بہت دور تھا اور نسی فورس ہارون الرشید کی روکنا چاہتا تھا تاکہ خطرے کی صورت میں قسطنطنیہ شہر کو کوئی نقصان نہ اٹھانا پڑے۔ یہ ان میدانوں کے قریب ہی عموریہ شہر تھا جہاں سے وہ اپنے لشکر کے لیے ضرورت چیز حاصل کر سکتا تھا۔

نسی فورس نے فرجیا کے میدانوں میں خیمہ زن ہونے میں پہل کر لی تھی اور جب ہارون الرشید اپنے لشکر کے ساتھ وہاں پہنچے تو نسی فورس نے انہیں خیمہ زن ہونے یا آرام کا موقع دینے بغیر ان پر حملہ کر دیا۔

لیکن اس وقت نسی فورس کی پریشانی اور حیرت کی کوئی انتہا نہ تھی جب اس نے بارے مسلمانوں کو اپنے تازہ دم اور ستائے ہوئے لشکریوں سے بھی کہیں بہتر اور ریت سے جنگ کرتے دیکھا۔ مسلمان ہارون الرشید کی سرکردگی میں بار بار نعرہ کٹان ہو رہے ہوئے تھے۔

فرجیا کی ساری وادی اللہ اکبر کی بلند صلاؤں سے گونج اٹھی تھی۔ اسلام کے کوہ فرزد نسی فورس کے آشوب و وحشت کو مٹانے اور اس کی تباہی کو روکنے کے لیے لے کوزے کی طرح ایک انقلاب، ایک روشنی کی خاطر ادھر ادھر بھٹ رہے تھے۔ طاقت انہیں زمین پر زین کسے اور آسمان پر کندھ لٹنے کو پید کیا ہو۔

ان کے حملوں سے یوں لگتا تھا جیسے اسلام کے ان شیر دل فرزندوں نے صدیوں غرور و تکبر کے، زمین کو اپنے سامنے سمیٹنے اور اپنے رب کی راہ میں قربان ہونے کا نعرہ لگایا ہو۔

عجیب سی طلعات و شگیری میں مسلمان مجاہدین صد ہزار پھیلتی سمٹی لہروں کی با زین پر اپنے رب کی کبریائی رقم کرتے ہوئے آفاق کی رفعتوں پر محیط ہو جانے کا عطاوارہ دکھاتے تھے۔

فرجیا کی دنگ گاہ میں ایک طوفان اُٹھ کھڑا ہوا تھا۔ گھوڑوں کے منہ بنانے، تلواروں کے لٹکانے اور الساقی جینوں نے ارد گرد کے ماحول کو پر مہول بنا کر رکھ دیا تھا۔

نسی فورس شروع میں خوش تھا کیونکہ اس کے لشکر کی تعداد ہارون الرشید سے کہیں زیادہ تھی لیکن جب مسلمان مجاہدین نے وقت کی نوابن کو اس کے لشکر کیلئے کادش و تلاش کو مقررہ اور ناکام بنا کر رکھ دیا تو نسی فورس کی حالت بدل گئی اور وہ ہونے لگا جیسے وہ اپنی بکریاں گنوا بیٹھا ہو۔

اچانک اسلامی لشکر میں جنگی طبل اور دفین بجنے لگیں اور اس کے لشکر میں اللہ اکبر کی صدائیں پہلے کی نسبت تیزی سے بلند ہونے لگیں۔ جنگی آوازیں اور اللہ اکبر کی صدائیں مسلمانوں پر ایک انوکھا وجدان طاری کرنے لگی اور وہ پہاڑوں کا سیاہ انتقام بن کر اپنے دشمنوں پر نزول کرنے لگے تھے۔ نسی فورس کے لشکر میں اب واضح طور پر ہزیمت کے آثار دکھائی دینے لگے اور اس کے لشکر کی اگلی صفوں کے یونانی اور ہن مسلمانوں کا مقابلہ کرنے سے کتراتے دکھائی دے رہے تھے۔ پھر اچانک ایک جھلپ اور افزائش کا عالم برپا ہو گیا۔

ہارون الرشید کے اشارے پر مسلمانوں نے اللہ اکبر کی صدائیں بلند کرتے ایک زوردار حملہ کیا۔ اور نسی فورس کے لشکر کی اگلی کئی صفیں الٹ گئیں اور دم ہو کر اس کے سپاہی واپس بھاگے اور اپنی پھٹی صفوں کے نظم کو بھی بگاڑتے چلے گئے۔ نسی فورس اپنے لشکر کے وسط میں یہ سارا منظر بڑی بے بسی اور اُداسی سے دیکھ رہی تھی۔ جب نسی فورس کے لشکر میں ایک عام بھگدڑ مچ گئی تو اس کے لشکر سامنے کچھ ایسے لوگ نمودار ہوئے جن کے ہاتھوں میں سفید علم تھے اور ان کے آگے قسطنطنیہ کا اسقف اعظم تھا۔

نسی فورس کا سارا لشکر بھاگ کر قسطنطنیہ کا رخ کر گیا تھا۔ مسلمانوں نے ہارون الرشید کے حکم پر اپنے ہاتھوں کو لیے تھے۔ میدان میں اب صرف سفید علم نصرائی رہ گئے تھے جن کی تعداد دس بارہ کے قریب ہو گئی۔

اسقف کی سرکردگی میں یہ صلح کے علم بلند کرنے والے میدان جنگ میں ہارون الرشید کے سامنے حاضر ہوئے۔ ان کے آگے آگے جو اسقف تھا اس کے آگے

لہذا ایک صلح منع نہ تھا جو اس نے اپنے سامنے بلند کر رکھا تھا۔

ہارون الرشید کے سامنے آ کر علم جھک گئے اور اسقف نے انجیل کو نیچا کرتے ہوئے ہارون الرشید کے عظیم شہنشاہ میں نسی فورس کی طرف سے صلح، امن اور معافی کی درخواست کر لیا۔ وہ اپنی شکست تسلیم کرتا ہے۔

ہارون الرشید نے اسقف کی طرف دیکھتے ہوئے نرمی اور دھیمے پن میں کہا۔ ”وہ گمراہ ہے کہ شرائط پر صلح اور معافی چاہتا ہے۔ اس نے تو ہم سے بڑا دشمن ملک آفرین کا ادا باخراج طلب کیا تھا۔ ہم نے اس کے ابھی سے کہا نہ تھا۔ ہم اپنے آباء کی سنہری تاریخ ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ تم نے دیکھا فریبچیا کے اس میدان میں ہم نے اپنی قوم کی عظمت طوت کو قائم و بلند رکھا۔“

اسقف نے منت و سماجت کرنے کے انداز میں کہا۔ ”اے بادشاہ! نسی فورس بے معافی کا خواست گار ہے۔ وہ ملک آفرین سے دگنا خراج دینے اور زندہ آپ کو دربارِ نابردار رہنے کا پختہ عہد کرتا ہے۔“

ہارون الرشید نے فراخ دلی کا ثبوت دیتے ہوئے اسقف سے کہا۔ ”جاؤ اپنے لشکر کے ساتھ اور نسی فورس سے کہو۔ اس کی گت نامی، اس کی لاف زنی کے باوجود ہم نے معاف کیا۔“

قسطنطنیہ کا اسقف اعظم اپنے ساتھیوں کے ساتھ واپس چلا گیا۔ صلح کی درخواست کرنے والے ہی نسی فورس نے اپنے لشکر کو جمع کیا اور واپس روانہ ہو گیا۔ ہارون الرشید اب دلدردِ حال قیام کر کے اپنے لشکر کو آرام کرنے کا موقع دیا پھر وہ فریبچیا کی ولادی کو گئے تھے۔



نسی فورس جس قدر بزدل اور حریص تھا۔ اس سے کہیں زیادہ لالچی اور بدعہد تھا۔ اس کے لیے کہ وہ میدانوں میں شکست کے بعد ہارون الرشید سے دگنا خراج ادا کرنے اور دلدردِ نابردار رہنے کے وعدے پر اپنی جان چھڑا لی تھی لیکن قسطنطنیہ میں واپس آتے

ہی اس نے دوبارہ جنگ کی تیاریاں شروع کر دیں۔ جنگ کے ماہر نائٹوں کے دستے اور
یونان سے طلب کیے۔ بلغاریہ اور ہنگری سے ان گنت ہتھیاروں کو کرایا کیا۔ انہیں قسطنطنیہ
کیا اور اپنے لشکر میں شامل کر لیا۔ پھر اس نے ہارون الرشید سے کیا معاہدہ توڑ دیا
دیشے سے انکار کر دیا۔ اس وقت موسم سرما اپنے عروج پر تھا اور سردی برفانی ہوا میں
چلتی رہتی تھیں۔
نسی فورس نے سوچا اس قدر سخت سردی میں ہارون الرشید قسطنطنیہ کا
کرے گا اس طرح اسے مزید تیل کی کا موقع مل جائے گا اور وہ اپنی گزشتہ شکست
لے سکے گا۔

پہلی جنگ سے فارغ ہو کر بغداد کی طرف جلتے ہوئے ہارون الرشید اس
دربائے فرات کے کنارے رتہ شہر میں مقیم تھا۔ سریر بن مسلم کی طرف سے جب اسے نسی فورس
اس بد عہدی کی اطلاع ہوئی تو وہ سردی اور برف کی پرواہ کیے بغیر نسی فورس کو اس کی بد
سزا دینے کے لیے دوبارہ قسطنطنیہ کی طرف بڑھا۔
ہارون الرشید اس بار آندھی اور طوفان کی طرح آیا۔ فرجیہ کے میدانوں کا رخ
کے بجائے وہ لیدھا قسطنطنیہ کی طرف بڑھا۔ اس مقصد کے لیے اس نے ایک لہا پکڑ
نسی فورس کی سلطنت میں شامل ایشیائے کوچک کے ایک وسیع علاقے کو پامال کرنا
قسطنطنیہ کی طرف بڑھا اور اپنے بحری بیڑے کو بھی اس نے حملہ آور ہونے کا حکم دیا
فرجیہ کے میدانوں کے مغرب میں ایک بار پھر دونوں لشکر ایک دوسرے
آہستہ آہستہ جھڑپیں ہوئے۔ نسی فورس نے اس بار پہلے کی طرح اچانک حملہ نہ کیا۔ بلکہ اس
اس نے مسلمانوں کو پراڈ کرنے اور خیمہ زن ہونے کا موقع دیا۔ شاید اس بار وہ جنگ کا
کرنے میں ہچکچا رہا تھا۔

دو پہرے قریب لشکر اس میدان میں صفیں درست کر کے جنگ کو تیار ہوئے
اور پھر انڈی دشمنوں کی طرح وہ ایک دوسرے پر ڈٹ پڑے۔ اس بار جنگ کا فہم
جلدی ہو گیا۔ شاید مسلمان تازہ دم تھے اس لیے۔
ہی اس نے دوبارہ جنگ کی تیاریاں شروع کر دیں۔ جنگ کے ماہر نائٹوں کے دستے اور
یونان سے طلب کیے۔ بلغاریہ اور ہنگری سے ان گنت ہتھیاروں کو کرایا کیا۔ انہیں قسطنطنیہ
کیا اور اپنے لشکر میں شامل کر لیا۔ پھر اس نے ہارون الرشید سے کیا معاہدہ توڑ دیا
دیشے سے انکار کر دیا۔ اس وقت موسم سرما اپنے عروج پر تھا اور سردی برفانی ہوا میں
چلتی رہتی تھیں۔
نسی فورس نے سوچا اس قدر سخت سردی میں ہارون الرشید قسطنطنیہ کا
کرے گا اس طرح اسے مزید تیل کی کا موقع مل جائے گا اور وہ اپنی گزشتہ شکست
لے سکے گا۔
پہلی جنگ سے فارغ ہو کر بغداد کی طرف جلتے ہوئے ہارون الرشید اس
دربائے فرات کے کنارے رتہ شہر میں مقیم تھا۔ سریر بن مسلم کی طرف سے جب اسے نسی فورس
اس بد عہدی کی اطلاع ہوئی تو وہ سردی اور برف کی پرواہ کیے بغیر نسی فورس کو اس کی بد
سزا دینے کے لیے دوبارہ قسطنطنیہ کی طرف بڑھا۔
ہارون الرشید اس بار آندھی اور طوفان کی طرح آیا۔ فرجیہ کے میدانوں کا رخ
کے بجائے وہ لیدھا قسطنطنیہ کی طرف بڑھا۔ اس مقصد کے لیے اس نے ایک لہا پکڑ
نسی فورس کی سلطنت میں شامل ایشیائے کوچک کے ایک وسیع علاقے کو پامال کرنا
قسطنطنیہ کی طرف بڑھا اور اپنے بحری بیڑے کو بھی اس نے حملہ آور ہونے کا حکم دیا
فرجیہ کے میدانوں کے مغرب میں ایک بار پھر دونوں لشکر ایک دوسرے
آہستہ آہستہ جھڑپیں ہوئے۔ نسی فورس نے اس بار پہلے کی طرح اچانک حملہ نہ کیا۔ بلکہ اس
اس نے مسلمانوں کو پراڈ کرنے اور خیمہ زن ہونے کا موقع دیا۔ شاید اس بار وہ جنگ کا
کرنے میں ہچکچا رہا تھا۔
دو پہرے قریب لشکر اس میدان میں صفیں درست کر کے جنگ کو تیار ہوئے
اور پھر انڈی دشمنوں کی طرح وہ ایک دوسرے پر ڈٹ پڑے۔ اس بار جنگ کا فہم
جلدی ہو گیا۔ شاید مسلمان تازہ دم تھے اس لیے۔

کے گھروندے سمجھ کر گرا دیا۔ میرے سنگ ساخت لشکر کی ندائے وقت بن کر مٹھے اور تمہاری
شب کی چادر کو چاک کر دیا۔ کیا ان میدانوں میں انہوں نے وہ داستانیں رقم نہیں کیں جو
بدروختین، قادیہ و یرموک اور اجنادین و مصر کے معرکوں سے مشابہ ہیں۔

یاد رکھو! ہم اس نوب کی ضرورت کے محافظ ہیں جو غارِ حرا سے پھوٹا جب کہ تم نے
مکتوب میں ہمیں وحشی لکھا تم نے اپنے لوگوں میں مسلمانوں کو وحشی مشہور کر رکھا ہے۔
رکھو ایک دن یہ دھوکا ختم ہوگا۔ یہ بخول پھٹے گا۔ اس روز تمہارے عوام ہماری نسبت
زیادہ نفرت و بیزاری کا اظہار کریں گے۔ اس موقع پر اگر میں تمہاری آزادی کو تمہاری
اور تمہاری زندگی کو تمہاری موت میں بدلنا چاہوں تو بجز خدا کے کوئی ایسا نہیں ہو گا
سے باز رکھ سکے۔

میری غیر موجودگی میں تو بڑے بڑے اور بلند بانگ دعوے کرتا ہے۔ اب تیرا
گفتار اتنے لمحوں کے تقاب کی داستان اور تمہارے خیالات کی سانس رنگ کیوں رہی
بولو تم ہم جیسے دشمنوں سے اپنے متعلق کیسی اُمیدیں رکھتے ہو؟

نسی فورس نے منت و عاجزی کرنے کے انداز میں کہا۔ ”اپنے خدا اور
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صدقے میں مجھے معاف کر دیں۔ اُنہ میں باقاعدگی سے
ادا کروں گا۔ آپ کا مطیع و فرمانبردار رہوں گا اور اگر میں بغاوت کروں تو آپ پر
کاٹ دیں، اب مجھے معاف کر دیں۔“

ہارون الرشید نے نرم دلی سے کہا۔ ”میں تمہیں معاف کرتا ہوں لیکن یاد رکھو
تم نے پھر عہد شکنی کی تو یہ زمین و آسمان اور خدا کے بادل گواہ ہیں۔ میں اپنے بند کو
کو مرنگوں کرنے والے مجاہدوں کے ساتھ پھر اس طرف آؤں گا اور میرے پھرتے پرچم
روو گئے اور میری قوم کے حیا لے مسکائیں گے۔ ہم کندھوں پر کمانے لڑنے کے
گیت گاتے پھر ان میدانوں کی طرف آئیں گے۔ جان رکھنا کہ اگر ہمیں پھر آنا پڑا تو ہمارا
کی طرح تیسری بار بھی جب ہم نے اپنے رب کا نام لے کر جنگ کی ابتدا کی تو اس کا نشان
آفتاب ہمارے ہاتھ میں ہوگی۔ تمہارے وطن کا دل دکھی ہوگا اور تمہاری حالت“

بول عیسیٰ ہوگی۔“

نسی فورس نے بڑی عاجزی سے کہا۔ ”میں اور میری آنے والی نسلیں آپ کی مطیع
رہیں گی۔ جو بھی شرائط مجھے معاف کرنے پر آپ لگائیں۔ میں اُن پر سختی سے عمل کروں گا۔“
ہارون الرشید نے کہا۔ ”قسطنطنیہ کے بعد تم لوگ ہر قلعہ شہر کو سب سے زیادہ اہمیت
ہو۔ اس شہر کی آبادی کو نکال کر شہر کو آگ لگا دی جائے۔ یہ شہر ویران اور کھنڈر حالت میں
ہو۔ ہاں تم لوگوں کو میرے ساتھ کی ہوئی بدعہدی کی عبرت خیز سزا یاد دلانا رہے۔ تم حسب
ہنگامہ اس سے دگنا خرچ ادا کرو اور جو نقدی ہمیں خرچ میں دی جائے اس پر میرا اور میرے
ان بیٹوں کا چہرہ کچھ ہو۔“

نسی فورس نے کہا۔ ”مجھے یہ شرائط منظور ہیں اور میں اپنی موت پر بھی انہیں ترجیح

ہارون الرشید نے نسی فورس کو لانے والے مجاہدوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔
”مے جاؤ اور آزاد کرو۔“

وہ محافظ نسی فورس کو خیمے سے باہر لے گئے۔ نسی فورس کی ہارون الرشید سے
جا کر لے گیا لیکن اس کی قسم تھی جب وہ اپنے جاں نثاروں کے ساتھ قسطنطنیہ کے
پہنچا تو اس کے بلغاری ہن سردار مالانے اس کے خلاف بغاوت کر دی۔ اس نے
اس کا ساتھ ملا کر نسی فورس پر حملہ کر دیا۔ شہر سے باہر ہولناک جنگ ہوئی جس میں نسی
فورس لڑا گیا اور ہنوں نے اس کے صلاح مشورہ کے بعد نسی فورس کے بیٹے کو سو پولس کو
نقلیہ ہار شاہ بنالیا۔



سیر بن مسلم اپنے گھوڑے پر سوار سیوس کی حویلی میں داخل ہوا تھا۔ وہ اپنے جنگی
لڑائی تھا اس کے چہرے پر تھکاوٹ نمایاں تھی، لگتا تھا وہ کسی معرکہ کسی مہم سے لڑا
میں اس نے اپنے گھوڑے سے زین اتاری اور اسے چارہ ڈال دیا۔
اصل سے بھلی کر جب وہ حویلی کے برآمدے میں آیا تو اس نے دیکھا وہاں سیوس اور

اس کی بیٹی ویشیا کھڑے تھے۔

سریر کو دیکھتے ہی سیوس نے پوچھا۔ ”بہت دن گھر سے غائب رہے ہو۔ یہ دوسری بار ہے کہ تم اس قدر طویل عرصہ باہر رہے ہو۔“

سریر نے فوراً اپنی صفائی پیش کرتے ہوئے کہا۔ ”میں تھیوڈورا کو بتا کر سیوس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ میں نے اس سے بہت پوچھا لیکن اس نے متعلق کچھ بتایا ہی نہیں۔ بس اتنا ہی کہتی رہی کہ ایک مزدوری کام سے گئے ہوئے۔ حال ایک بات ہے، تمہارے یہاں نہ ہونے کے باعث اس نے بھی یہ دن بڑے اور مصیبت و انتظار میں کاٹے ہیں۔“

ہر روز صبح اٹھ کر کہا کرتی تھی۔ شاید آج تھریس آجائے۔ صبح تمہارا اُمید میں وہ خوشگوار ہوتی تھی لیکن شام کے وقت وہ اُداس اور نڈھال ہو جاتا تھا۔ ابھی اس نے اپنے کمرے سے تمہیں جو ملی ہیں داخل ہوتے دیکھ تھا۔ وہ تمہارے کو باہر آنے لگی تھی لیکن میں نے ہی منع کر دیا تھا۔“

سریر نے پوچھا۔ ”آپ نے کیوں منع کر دیا؟“

سیوس چند ثانیوں تک خاموش رہ کر شاید کچھ کہنے کو الفاظ درست کر رہی تھی کہ سریر کی طرف دیکھتے ہوئے اس نے بڑی سنجیدگی میں کہا۔ ”تھریس! تھریس! تم شادی کو لو اور اسے کہیں لے جاؤ جہاں تم دونوں میاں بیوی کی حیثیت میں پر سکنا اور بے خطر زندگی بسر کر سکو۔ یہاں قسطنطنیہ میں تمہارے لیے خطرات ہی خطرات غور سے سیوس کی طرف دیکھتے ہوئے سریر نے حیرت سے پوچھا۔ ”یہ آ رہے ہیں۔ آپ کے ان خیالات کا علم تھیوڈورا کو ہوا تو وہ خفا ہوگی۔“

سیوس نے کہا۔ ”تھیوڈورا کو میرے ان خیالات کا پہلے سے علم ہے اس کی اجازت ہی سے ایسی گفتگو کر رہا ہوں۔ گو یہ معاملہ اس کے چچا کو تھما چاہیے تھا لیکن گتا ہے اسے ایسی باتوں سے کوئی غرض ہی نہیں۔ بس اسے یہی نکتہ ہے کہ میرے بھائی کے شاہی غول کا سلسلہ قائم رہے۔ خواہ اس کے لیے اپنے

ذمے کے خلاف ہی کوئی کام کیوں نہ کرنا پڑے۔

سریر نے دلچسپی لینے کے انداز میں پوچھا۔ ”لیکن آپ نے یہ کیسے اندازہ لگایا کہ تھیوڈورا بہت سا تھکاؤ کرنے پر رضا مند ہو جائے گی۔“

اس بار سیوس کے بھائے ویشیا نے بدلتے ہوئے کہا۔ ”اے میرے بھائی رضامندی بہت دقت کی بات ہے۔ تھیوڈورا آپ کو چاہتی ہے، آپ کو پسند کرتی ہے۔ اس کا بار میرے پوچھنے پر وہ میرے اور بابا کے سامنے کر چکی ہے۔ اس نے اپنی زبان سے تسلیم کیا ہے کہ وہ آپ کو پسند کرتی ہے۔“

سیوس نے تائید کرنے کے انداز میں کہا۔ ”ویشیا ٹھیک کہہ رہی ہے۔ بونڈا نے میرے دو بروتم سے اپنی محبت کو تسلیم کیا ہے۔ اب وہ چاہتی ہے تم اسے شادی کے قسطنطنیہ سے نکال کر کہیں اور لے جاؤ۔“

سریر گردن جھکائے خاموش کھڑا تھا۔ سیوس نے اس کی تسلی کے لیے کہا۔ ”تھریس! بس اہم بھی کیسے ٹھنڈے انسان ہو۔ محبت و پسند کا جو اظہار تھیوڈورا نے اپنی زبان سے اسے لیے کیا ہے۔ وہ اس سے پہلے تمہیں اس سے کرنا چاہیے تھا۔ شاید وہ بھی عمر بھر اسے خاموش محبت کرتی کرتی ختم ہو جاتی لیکن ویشیا نے اسے کہید اور وہ بول پڑی۔“

سریر بن مسلم نے گدگد جھکائے ہی جھکائے کہا۔ ”میں اس کا عافظ ہوں اور میرے پاس ایک امانت ہے۔ پھر میں بھلا کیوں کرا مانت میں خیانت کر سکتا تھا۔“

عابد الجی، سنجیدہ اور عقلمند لڑکی ہے۔ اس نے ہمیشہ میرے خیالات، میرے ارادوں اور فیصلوں کی طرف سے احترام کیا ہے۔ کیا اس سلسلے میں میں براہ راست تھیوڈورا سے گفتگو کر سکتا ہوں۔“

سریر نے کہا۔ ”ضرور، میں اور ویشیا تم دونوں کے کھانے کا انتظام کرتے ہیں۔ تھیوڈورا نے بھی ابھی کھانا نہیں کھایا۔ تمہارے جانے کے بعد اس نے ہر کام میں حیا کہ کر اپنے دل میں ہسی چھوڑ دی تھی۔ تم اس کے کمرے میں جاؤ۔ تم سے تفصیل کے ساتھ گفتگو کر سکتے ہو۔“

سریر نے کہا۔ ”یہاں آ کر تمہارا استقبال کرنے کو روکا تھا۔ ورنہ وہ تم سے

ملنے تمہیں دیکھنے، تم سے بات کرنے کو بے چین تھی۔ اب تم جاؤ اور دونوں مل کر کرو مجھے بھی اس سے آگاہ کرو۔ پھر اس معاملے پر میں تھیوڈورا کے چچا پیٹر سے بھی بات کروں گا۔

سیوس اور اس کی بیٹی ویشیا دونوں مطبخ کی طرف چلے گئے۔ سریر تھیوڈورا کمرے میں داخل ہوا۔ وہ دروازے کے قریب کھڑی شاید اسی کا انتظار کر رہی تھی کہ سریر کو دیکھتے ہی تھیوڈورانے شکوہ و شکایت کرنے کے انداز میں کہا۔
”آپ نے اتنے زیادہ دن لگا دیے۔ آپ کو تو دو ہفتے پہلے یہاں ہونا تھا۔ آپ کی غیر موجودگی میں یہاں ایک بہت بڑا انقلاب آ گیا ہے۔ مہن سردار مارا کر کے کسی فورس کو موت کے گھاٹ اتار دیا ہے اور اب کسی فورس کا بٹیا کر سولہ کا شہنشاہ ہے۔“

سریر نے مطلب کی طرف آتے ہوئے کہا۔ ”تھیوڈورا! حویلی میں ما میں سیوس اور ویشیا نے مجھ پر ایک ایسا انکشاف کیا ہے۔ جو کم از کم میرے لیے عجیب ہے۔ کیا تم نے ان سے میرے ساتھ شادی کرنے کی دل چسپی اور رضامندی اظہار کیا ہے؟ خرم و حیا میں حسین تھیوڈورا کا رنگ سرخ ہو گیا اور اس کی گردن گئی تھی۔ وہ بچاری سریر کو کوئی جواب نہ دے سکی تھی۔

سریر نے پھر تنبیہ کی اور مدہم آواز میں کہا۔ ”تھیوڈورا! تھیوڈورا! میں ہم ایک دوسرے سے ملے ہیں، ان حالات میں تو تمہیں ہی تمہیں نے ہمیشہ تمہاری رفاقت تمہارے حسن سلوک پر فخر کیا ہے۔ پھر بھی میں تم متعلق آج تک کوئی فیصلہ نہیں کیا۔ سیوس اور ویشیا نے جو کچھ کہا ہے، کیا تھیوڈورانے گردن جھکائے ہی جھکائے امید خوشی اور اطمینان میں میں کہا۔ ”مجھے معلوم نہیں سیوس اور ویشیا نے آپ سے کیا کہا ہے۔ میں قدر جانتی ہوں کہ میں آپ کے بغیر ادھوری ہوں۔ آپ کی شرافت اور آپ کی عظمت میرے لیے بہت بڑا اثاثہ ہے۔ کاش میرے پاس اس سے بہتر الفاظ

دل کی بات کھل کر آپ سے کہہ سکتی۔“
چند ثانیوں تک سریر بن مسلم کی گردن جھکی رہی۔ شاید وہ اپنے ذہن میں بکھرے خیالات پر تامل پھر اس نے گہری نگاہ تھیوڈورا کے سراپا پر ڈالتے ہوئے کہا۔ ”تھیوڈورا! تھیوڈورا! لال معرا کے ایک نخلستان کا بدو اور اعرابی ہوں۔ میرا باپ، میری ماں اور میری بہن ہر بات کے کسی ٹیلے پر کھڑے ہو کر میری راہ دیکھتے ہوں گے۔ ان صحراؤں میں ان دیوانوں کی آرام و آسائش اور زندگی کی کوئی دلچسپی میسر نہ ہوگی۔ اس کے باوجود اگر تم میرا ساتھ بناؤ تو مجھے تمہاری ذات پر فخر ہوگا اور معرا کے اس نخلستان میں جہاں میرا بچپن میری جوانی، اپنی تمہیں خوش آمدید کہوں گا۔“

تھیوڈورانے روتی ہوئی آواز میں کہا۔ ”میری تمام دل چسپی اور آرام و آسائش آپ سے ہے۔ آج میں آپ کے روبرو آپ کے سامنے اسلام قبول کرتی ہوں۔ وقت اور مکے فیصلے پہلے ہی آپ کو میرا محافظ بنا چکے ہیں۔ اب میں آپ کو زندگی بھر کا رفیق ہوں۔ بخدا فیصلہ میری زندگی کا سب سے بڑا اور خوش کن فیصلہ ہے۔“

تھیوڈورا کی اس گفتگو کے جواب میں سریر کچھ کہنا چاہتا تھا کہ کمرے سے باہر کسی کی چاب سنائی دی۔ اتنے میں تھیوڈورا کا چچا پیٹروس اندر داخل ہوا۔ وہ بے حد خوش من گھائی دے رہا تھا۔ کمرے میں آتے ہی اس نے تھیوڈورا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”تھیوڈورا! تھیوڈورا! میری سچی جلدی کرو۔ میرے ساتھ چلو۔ میں کسی فورس کے اور تنظیم کے لئے شہنشاہ کو سو پولس سے تمہارے متعلق گفتگو کر کے آ رہا ہوں۔ میں تمہیں اپنے آسائش اور حفاظت کا پروانہ دلاؤں گا۔ پھر قسطنطنیہ کے اندر تم امن و بے فکر زندگی بسر کر سکو گی۔ جلدی کرو میری بیٹی! کو سو پولس نے تمہیں بلایا ہے اور آج شام کے کھانے میں دعوت بھی دی ہے۔ جلدی کرو! دیر ہو رہی ہے۔“

تھیوڈورانے اپنا خدشہ ظاہر کرتے ہوئے اے عم! کہیں ایسا نہ ہو کہ سو پولس ہم کو جبراً کمرے اور میں پھر انجانی مصیبتوں کا شکار ہو جاؤں۔“

پیٹروس نے تسلی دیتے ہوئے کہا۔ ”تم فکر مند نہ ہو، میں کو سو پولس سے تفصیل کے

سے ہندم قدم قیامت تھی۔ وہ اپنی جھکی پلکوں کے ساتھ کسی نوری موج کی طرح کرسوپولس
 قریب آئی۔

کرسوپولس نے آگے بڑھ کر اسے سلام کہا اور تھیوڈورا نے اپنی پوری نغمی و حسن ،
 بے دردی سے جواب دیا۔ کرسوپولس تھیوڈورا کے سنورتے ، نکھرتے اور بکھرنے حسن
 مورتی کو دیکھتا کا دیکھتا رہ گیا تھا۔

جلدی کرسوپولس نے اپنے آپ کو سنبھالا ، سراپسیگی سے وہ بچلا اور دونوں کو لے
 جانے میں آیا۔ تینوں آمنے سامنے بیٹھ گئے اور قصر بلاشرن کے خدام نے ان کے
 نہ کھانے چھنے شروع کر دیئے تھے۔

کھانا شروع کرنے سے پہلے کرسوپولس نے تھیوڈورا کی طرف محبت و غور سے دیکھتے
 کیا۔ اس سے پہلے میں نے آپ کو کبھی نہ دیکھا تھا لیکن اب آپ کو دیکھ کر لگتا ہے آپ
 رت کا پتھر ، جان کی ملاحات ، روح کی حلاوت ، لب کی شیرینی اور پھول کی خوشبو
 کے خواب میں اکثر دیکھا کرتا تھا۔ شادی کے بعد آپ میرے لیے خوب صورت جنت
 بگ کی اور میں زندگی بھر آپ کو خوش رکھنے کی کوشش کروں گا۔

تھیوڈورا نے سخت اور جواب طلب نگاہوں سے کرسوپولس کی طرف دیکھتے ہوئے
 میں تمہاری گفتگو کو سمجھی نہیں۔ کیا جو کچھ تم نے کہا ہے یہ سنجیدگی سے کہا ہے یا ازراہ
 ہنس؟

کرسوپولس نے سنبھلتے ہوئے کہا۔ میں پوری طرح سنجیدہ ہوں ، کیا تمہارے بچپا
 نے نہیں تفصیل سے نہیں بتایا کہ وہ میری اور تمہاری شادی کی بات پختہ کر چکا ہے
 تم نے اپنے آپ کو دیکھا نہ تھا اس وقت تک تو میں گوگوں کی حالت میں تھا لیکن اب آپ
 بولنے کے بعد میں سنجیدہ ہوں اور اب کوئی بھی مجھے آپ سے شادی کرنے سے باز
 نہ کر سکا۔ کاش میں نے اس سے پہلے آپ کو دیکھا ہوتا تو آپ کو اتنا عرصہ یوں گنما می
 نہ کرتا اور عدالت نشینی کی زندگی بسر نہ کرنا پڑتی۔ پھیروں کی بستی کے بجائے میں آپ
 نکال کر اساتذہ دارام کے ساتھ کسی محل ، کسی قصر میں رکھتا۔

ساتھ گفتگو کر کے آ رہا ہوں اور پھر تم جانتی ہو۔ میرا ہر فیصلہ پختہ ، پائیدار اور ہر خطرے سے
 ہے۔ تم جلدی میرے ساتھ چلو۔ کھانے کا وقت ہو رہا ہے۔ کرسوپولس ہم دونوں کا ہاتھ
 سے منتظر ہو گا۔

تھیوڈورا نے سر پر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "تھریس بھی ہمارے ساتھ
 پیٹروس نے اپنی گفتگو پر زور دیتے ہوئے کہا۔ "میں نہیں تھریس ابھی ہیں رہے
 اسے کرسوپولس کے سامنے نہیں لانا چاہتا۔ اس طرح میرا سارا بننا یا کھیل بگاڑ رہا
 تھیوڈورا نے کہا۔ "مجھے ان فیصلوں سے خطرے کی بو آتی ہے تم! پیٹروس
 بڑھ کر تھیوڈورا کا بازو پکڑتے ہوئے کہا۔ "جلدی میرے ساتھ چلو بیٹی! میں یہ سارا
 دور تمہاری بہتری ، بھلائی اور فلاح کے لیے کر رہا ہوں۔ میں نہیں چاہتا میرے بھائی
 ہو جائے۔"

سر پر نے بھی تھیوڈورا کو سر کے اشارے سے جانے کو کہا اور تھیوڈورا ایک
 بغیر پیٹروس کے ساتھ ہوئی۔



پیٹروس اور تھیوڈورا قصر بلاشرن میں داخل ہوئے۔ تھیوڈورا نے اپنا ہاتھ
 خوب دھانک رکھا تھا تاکہ کوئی اسے دیکھ کر پہچان نہ لے۔ دیوان خانے کے قریب ہی
 ان کے استقبال کو کھڑا تھا۔ پیٹروس نے تھیوڈورا سے کہا۔ اب اپنے چہرے کا نقاب
 بیٹی! یہاں اب کوئی نہیں۔ وہ سامنے کرسوپولس ہمارے استقبال کو کھڑا ہے۔
 نقاب نہ گرایا تو وہ سمجھے گا مجھ پر اعتبار نہیں کیا گیا۔ لہذا میری ساری محنت ساری
 اکارت اور بیکار جائے گی۔

تھیوڈورا نے پیٹروس کی طرف احتجاجاً دیکھتے ہوئے اپنا نقاب گرایا تھا۔
 کرسوپولس ، تھیوڈورا کو دیکھ کر دنگ رہ گیا تھا۔ وہ اسے یوں لگی تھی جیسے
 کی تاریکیوں میں اچانک چاند نمودار ہو گیا ہو۔
 تھیوڈورا کا حسن واقعی فریب و لالہ و گل اور طلسم ماہ و انجم تھا۔ اس کی نظر

کا ذہنیت کامرکھتا۔
تھیوڈورا رک کر ادھر ادھر دیکھ رہی تھی کہ ایک تارک کوٹنے سے اس کے
پیرس پر نور ہوا اور تھیوڈورا کا ہاتھ پکڑ کر ایک طرف بھاگتے ہوئے ہوڈروم کے پاس
لڑک گئے۔ پھر وہ جھانکا تو کمر کے تیزی سے سیوس کی حویلی کی طرف بڑھنے لگے تھے۔
تھیوڈورا نے بڑے شوق سے سر پر کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا: آپ وہاں کیسے
نکلے؟

سر پر نے کہا: ”مجھے تمہارے عم پیٹروس کی گفتگو سے ہی خطرہ محسوس ہونے لگا تھا۔
میں ان تمام دونوں کے پیچھے پیچھے ہی ادھر چلا آیا تھا۔ میں قصر بلائرن میں بھی داخل ہوا تھا،
دروپوس کی تمہارے ساتھ گفتگو بھی سن چکا ہوں۔ اب وہ ہمارے خلاف کوئی بڑا قدم
اٹائیں گے لیکن تم فکر مند نہ ہو تمہارا محافظ تمہارے ساتھ ہے۔“

تھیوڈورا نے احتجاج کرتے ہوئے کہا: اب آپ میرے محافظ نہیں ہیں۔ میرے
ادراپ کے درمیان اب زندگی بھر کی رفاقت کا رشتہ ہے اور تم مجھے رب عظیم کی مجھے اس
دشمن پریشانی سے محفوظ رکھ رہے گا۔“

سیوس کی حویلی آگئی تھی لہذا تھیوڈورا خاموش ہو گئی۔ دونوں حویلی میں داخل
ہو گئے تھے۔

پیٹروس اسی طرح قصر بلائرن کے دیوان خانے میں گردن جھکائے کھڑا تھا کہ درو
پوس دروازہ دیوان خانے میں داخل ہوا۔ اس کے ساتھ چار مسلح جوان تھے پھر اس نے پیٹروس
کو نائب کر کے کہا: ”میرے ان مسلح جوانوں کو ساتھ لے جاؤ پہلے تھیوڈورا کو آرام
پیارے سمجھاؤ۔ اگر وہ میرے ساتھ شادی کرنے پر رضا مند ہو جائے تو اس سے کوئی تعرض نہ
کرنا۔ اگر وہ اپنی ضد پر قائم رہے اور انکار کرے تو ان مسلح جوانوں کی مدد سے تم اسے
زبردستی اٹھا کر میرے پاس لے آؤ پھر میں دیکھوں گا وہ اپنی ہٹ دھرمی سے کہاں تک
لے جاتا ہے۔“

پیٹروس ان آدمیوں کے ساتھ باہر نکلتے ہی لگا تھا کہ دیوان خانے میں کرسو پولس کا ہنسنی

تھیوڈورا غصے اور غصہ میں زخمی سانپ کی طرح اٹھ کھڑی ہوئی اور کون
طرف دیکھتے ہوئے کہا: ”میں ایسی بیوہ دے باک گفتگو سننے کی عادی نہیں ہوں۔ میں
جانتی میرے عم نے تمہارے ساتھ کیسی گفتگو اور کیا وعدے کر رکھے ہیں لیکن میں تمہارے
شادی کرنے کو ہرگز تیار نہیں ہوں۔ میں موت سے بغل گیر ہو جاؤں گی لیکن تم سے شادی
نہ کروں گی۔“

تھیوڈورا غصے اور خفگی کی حالت میں پاؤں پٹختی ہوئی تیزی سے اس دیوان
سے باہر نکل گئی تھی۔ کرسو پولس نے آتش مزاحی سے پیٹروس کی طرف دیکھتے ہوئے
”کیا تم نے میرے ساتھ شادی کے سلسلے میں تھیوڈورا سے گفتگو تک نہیں
تک میں نے اسے دیکھا نہ تھا اس وقت تک تو میں جذباتی نہ تھا۔ لیکن اب اسے
کے بعد میں ہر حال میں اس سے شادی کروں گا خواہ یہ رضا مندی سے ہو یا زبردستی
پیٹروس نے اپنی صفائی پیش کرنے اور کرسو پولس کو ٹھنڈا کرنے کی غرض سے
فکر نہ کریں میں نے تو اس نیت سے اسے سارے حالات نہ بتائے تھے کہ وہ اچانک
ساتھ شادی اور قسطنطنیہ کے اندر ایک ملکہ کی حیثیت سے آزاد اور پر جلال زندگی
کا پیغام سن کر بے حد خوش ہوگی لیکن وہ نادان اور احمق لڑکی بغیر سوچے سمجھے اورو
میں ابھی جا کر اس سے بات کرتا ہوں۔“

پیٹروس نے دیوان خانے سے باہر نکل جانا چاہا لیکن کرسو پولس نے کڑک
میں کہا: ”ٹھہرو!“ پیٹروس وہیں رُک گیا۔ کرسو پولس نے دیوان خانے سے باہر
کہا: ”میرے لوٹنے تک یہیں رُک کر میرا انتظار کرو۔“
پیٹروس گردن جھکا کر وہیں کھڑا ہو گیا تھا۔

تھیوڈورا قصر بلائرن سے بھاگتی ہوئی مکھی اور جب وہ قصر کی طویل دیوار
ساتھ بھاگتی جا رہی تھی تو کسی نے سرگوشی کے انداز میں اسے پکارا: ”تھیوڈورا! ابھی
تھیوڈورا فوراً رُک گئی، اس کے چہرے پر مسرت و اطمینان کی لہریں بکھر گئی تھیں۔
وہ پکارنے والے کی آواز پہچان چکی تھی۔ وہ سر پر کی آواز تھی۔ سر پر جو اب اس کا

پیٹوس نے سیوس کی حویلی کے دروازے پر دستک دی۔ تھوڑی دیر بعد جب
پیٹوس نے دروازہ کھولا تو پیٹوس نے اس سے کہا۔ "ان چاروں صلح جواؤں کو اپنے دیوان
بلے میں بٹاؤ، میں ذرا تھیوڈورا سے بات کرتا ہوں۔"

پیٹوس جب تھیوڈورا کے کمرے میں داخل ہوا تو وہاں سریر، تھیوڈورا اور ویشا بیٹھے
ہیں گفتگو کر رہے تھے۔ پیٹوس تھیوڈورا کے قریب بیٹھ گیا اور سخت لہجے میں اسے مخاطب
رہے ہوئے اس نے کہا۔ "تم نے کروپولس کے ساتھ نہایت بدتمیزی سے گفتگو کی پھر
اس کے ساتھ کھانا کھانے سے پہلے ہی تم ناراض ہو کر دھڑک گئی۔"

تھیوڈورا نے ڈانٹ دینے کے انداز میں کہا۔ "آپ نے میری اجازت کے بغیر اس
بے مروتی شادی کی بات کیوں کی۔ آپ کو اس کا کوئی حق نہ تھا اور پھر آپ مجھے دھوکہ دہی
دے رہے تھے۔ اگر خاوی کی بات آپ مجھ سے یہاں کرتے تو میں ہرگز وہاں نہ جاتی۔"

پیٹوس نے کہا۔ "میں نے تمہیں اس نیت سے نہ بتایا تھا کہ شاید اس اچانک
فریتم بے حد خوش ہوگی۔ لیکن تم نے مجھے نا اُمید کر کے رکھ دیا ہے۔ میں تو چاہتا تھا کہ
کروپولس سے شادی کرنے پر رضامند ہو جاؤ گی اور یوں میرے بھائی کی نسل کشی نہ ہوگی
لیکن تم نے انتہائی جھگڑا اور غیر دانشمندانہ فیصلہ کیا ہے۔ اب بھی کچھ نہیں گیا۔ کروپولس سے
رضامندی کا اظہار کر دو۔ تمہاری جان، عزت اور آزادی سب محفوظ رہیں گے اور اپنی
مال کا طرح قسط طریقہ پر حکومت کرو گی۔"

تھیوڈورا نے سخت لہجے میں کہا۔ "میں اپنی ماں کا سا انجام نہیں چاہتی۔ اگر آپ
نہایت اچھے اور نیک تو یہاں سے چلے جائیے۔"

پیٹوس نے کہا۔ "کروپولس سے رضامندی کا اظہار کر دو ورنہ۔"

تھیوڈورا نے تیزی سے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ "ورنہ کیا کریں گے آپ؟
اسی وقت سیوس کمرے میں داخل ہوا اور وہاں آکر بیٹھ گیا۔ پیٹوس نے ایک
پہلو پر لیٹے ہوئے سریر، سیوس اور ویشا پر ڈالی۔ پھر اس نے کہا۔ "اگر
آپ اظہار کوئی تو میرے ساتھ چار صلح جواؤں کو کروپولس نے روانہ کیے ہیں۔ وہ تمہیں بروتی

اور نسی فورس کا داماد پرولس داخل ہوا اور اس نے تعجب سے کروپولس کو مخاطب
ہوئے کہا۔ "میں نے منسلک ہے تھیوڈورا یہاں آئی تھی۔ اب وہ اس وقت کہاں ہے
کروپولس نے کہا۔ "ہاں آئی تھی لیکن تھوڑی دیر ہوئی چلی گئی۔ اب
کے چچا پیٹوس کو ان صلح جواؤں کے ساتھ اسے لانے کو بھیج رہا ہوں۔"

پرولس نے کہا۔ "تم نے بہت بڑی غلطی کی جو اسے جانے دیا۔ تمہیں
فی الفور اسے مصلوب کرنے کے احکامات جاری کر دیتے۔ اب بھی کچھ نہیں گیا۔
کو فوراً بھیج کر اسے منگاؤ اور اسے وار پر چڑھا دو۔ ورنہ یاد رکھو کہ تمہارے لیے
اور ملک ثابت ہو سکتی ہے۔ وہ اگر آج بھی لوگوں کے سامنے آجائے تو لوگ اس
کو تیار ہو جائیں گے اس لیے کہ وہ ظلم رہی ہے اور پھر ان دنوں اس کی ماں ملک
کس پرسی کی زندگی گزار رہی ہے لوگ اس کے حق میں فوراً تمہارے خلاف اٹھ
گئے اسے ابھی منگاؤ اور صبح طلوع ہونے سے قبل ہی مصلوب کر کے ٹھکانے لگا دو
تمہاری بہتری اور فلاح ہوگی۔"

کروپولس نے کہا۔ "نہیں، ایسا نہیں ہو سکتا۔ اس کی محبت اب میری
میں نقصان پہنکا جو ولانیفک بن گئی ہے۔ اس سے خاوی اور رفاقت کی خواہش
دل کے راتے روح میں داخل ہو گئی ہے۔ میں اس کی جدائی کے زخم سے نہ سکون گا
نہ ملی تو اس تاج و تخت پر لات مار کر کسی خانقاہ میں جا بیٹھوں گا۔"

پرولس! پرولس! تم یہاں سے چلے جاؤ۔ تھیوڈورا کے سلسلے میں مجھے کسی
اور اصلاح کی ضرورت نہیں ہے۔ تھیوڈورا کے ساتھ مجھے بھی سلوک کرنا ہے اس
میں خود کروں گا۔"

پرولس غصے میں بھرا ہوا واپس لوٹ گیا۔ کروپولس نے پیٹوس کو مخاطب
کہا۔ "تم ان آدمیوں کے ساتھ جاؤ اور تھیوڈورا کو شادی پر رضامند کر دو۔ اپنے
آؤ۔ پیٹوس بھی ان صلح آدمیوں کے ساتھ باہر نکل گیا تھا۔"

اٹھا کر لے جائیں گے۔“

اس پر سریر نے تبیہ کرنے کے انداز میں کہا۔ ”کوئی بھی اسے اس کی مرضی یہاں سے اٹھا کر نہیں لے جاسکتا۔“

پیٹروس نے سریر کو جھڑک دینے کے انداز میں کہا۔ ”تم خاموش رہو! میں تم نہیں بول سکتے ہو۔ تھیوڈورا کے لیے میں اب تمہاری محافظت ختم کرتا ہوں۔“

سریر نے کہا۔ ”میں اب بھی تھیوڈورا کا محافظ ہوں اور تم مجھ سے چھین سکتے صرف تھیوڈورا ہی اسے ختم کر سکتی ہے۔“

پیٹروس نے گرجہ کہا۔ ”اپنی زبان کو لگام دو اور خاموش رہو۔“ جلنے ہو تم کون ہو۔ تمہارے سارے راز فاش کر دوں گا اور یہاں قسطنطنیہ میں تم ہو جائے گا۔“

تھیوڈورا نے انتہائی نفرت سے پیٹروس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ”اسے ایسا سخت رویہ اور برتاؤ نہ کرو، شاید تمہیں خبر نہیں اب یہ صرف میرے نہیں بلکہ میرے رفیق بھی ہیں اور میں اپنی زندگی کا انہیں ساتھی اور مالک ہوں۔“

پیٹروس نے غصے میں دانت پیستے ہوئے کہا۔ ”تمہارا یہ فیصلہ کوہو پلہ فیصلے سے بھی زیادہ حماقت خیز ہے۔ میں جانتا ہوں تمہیں کون ہے۔ اگر تمہاری ساری حقیقت کہہ دوں تو تم اس سے شدید نفرت کرنے لگو۔“

تھیوڈورا نے طنزاً کہا۔ ”شاید آپ یہی کہنا چاہیں گے کہ ان نہیں سریر ہے اور یہ یہودی نہیں مسلمان ہیں۔“

پیٹروس نے چونک کر پوچھا۔ ”کیا تمہیں اس کا علم ہے؟“

تھیوڈورا نے کہا۔ ”صرف اس قدر ہی نہیں بلکہ میں یہ بھی جانتی قسطنطنیہ میں ان کا قیام کس غرض سے ہے۔ اور شاید یہ خبر بھی آپ کے لیے نئی

دونوں جنگوں میں امیر المومنین مارون الرشید کے لشکر میں شامل ہو کر جنگ

پیٹروس نے کھا جانے والی لٹکا ہوں سے تھیوڈورا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ”یہ کچھ جاننے کے بعد بھی تم اس شخص کو برداشت کر رہی ہو؟“

تھیوڈورا نے بڑی بے باکی سے کہا۔ ”شاید آپ کے لیے یہ خبر انتہائی مہلک اور

مہلک ہو کہ میں مسلمان ہو چکی ہوں۔ اس کے علاوہ سیوس اور ویشیا بھی اسلام سے

پیٹروس نے کہا۔ ”تو پھر سیوس بھی مارا جائے گا کیوں کہ میں نے کر سو پولس سے کہا تھا، تھیوڈورا کو چھپا رکھا تھا اور چند دن پہلے سیوس کے ہاں لایا ہوں۔ اب میں اس سے

نفرت کہہ دوں گا پھر دیکھنا سریر کے ساتھ ساتھ سیوس کا بھی کبسا عبرت خیز حشر ہے۔“

تھیوڈورا نے کہا۔ ”آپ یہ کیوں نہیں سوچتے کہ آپ کا انجام سیوس سے بھی زیادہ

دل اور ہیبت ناک ہوگا۔“

پیٹروس نے کہا۔ ”اٹھ کر میرے ساتھ چلو ورنہ میں دیوان خانے میں بیٹھے چاروں

جانوں کو آواز دیتا ہوں پھر تمہارے ساتھ حالات کو بھگتنے کے لیے سریر اور سیوس

جاں بٹا کر لے آؤں گا۔“

ایہاں تک تھیوڈورا نے اپنے لباس کے اندر سے خنجر نکالا اور پیٹروس کے سینے میں گھونپ

پیٹروس کو ناک چنچ مارا تو اناشتہ سے نیچے گر گیا پھر تھیوڈورا نے اٹھ کر لگا تا اس

خونے لٹکا کر مار شروع کر دیے تھے۔ یہاں تک کہ پیٹروس دم توڑ گیا تھا۔

پیٹروس کی جینیں سن کر دیوان خانے میں بیٹھے ہوئے چاروں مسلح جوان اس طرف بھاگے

مگر یہ انہیں دیکھ چکا تھا اور اپنی توار اور ڈھال سنبھال کر وہ دروازے کے قریب پھب

لگا کر بھاگ گیا تھا۔ جونہی وہ اندر داخل ہوئے گئے سریر نے ان پر اپنی تلوار بر سادی اور ایک

گولہ مارا تو دو کی گز میں اڑا دیں۔ باقی دونوں اپنے ساتھیوں کے قتل ہونے پر بدحواس

اور پریشان ہو کر واپس بھاگے۔ سریر نے ان کا تعاقب کیا اور ان دونوں کو بھی اس نے

موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔

تھیوڈورا، سیدوس اور ویشا بھی بھاگتے ہوئے باہر آگئے تھے۔ سریر اور لاول کے لباس سے پونچھ کر نیام میں کرچکا تھا۔

سیدوس نے سریر کی طرف دیکھتے ہوئے پریشانی میں کہا۔ "سریر! سریر!"

بل کر ان پانچوں کی لاشوں کو حویلی کے ایک کونے میں دفن کر دیں۔ قبل اس کے

کی صورت میں کر سو پولیس پیڑوس کا پتہ کرنے کے لیے اور مسلح آدمی بھیجے ہمیں ان

دینا چاہیے۔ اس کے بعد تم تھیوڈورا کو لے کر یہاں سے نکل جاؤ۔ اب تم دونوں کا

میں رہنا انتہائی دشوار اور خطرناک ہو جائے گا۔ ان سب کو دفن کرنے کے بعد

کے لیے کشتی کا انتظام کر دوں گا جو تم دونوں کو گھوڑے سمیت بحیرہ مارمرہ

پر اتار دے گی۔ وہاں سے تم تھیوڈورا کے ساتھ اپنے گھوڑے پر بیٹھ کر اپنے گھر

سریر نے کہا۔ "آئیے پھر پہلے ان لاشوں کو دبا دیں۔ حویلی کے ایک

نے بل کر ایک گڑھا کھودا۔ اتنی دیر تک تھیوڈورا اور ویشا نے ساری لاشیں

کے پاس رکھ دی تھیں اور خون آلود کمرہ اور صحن خوب مل مل کر دونوں نے دھوا

چاروں نے بل کر لاشیں گڑھے میں ڈالیں اور مٹی ڈال کر اوپر سے خوب دبا

ہوتے کے بعد سیدوس نے سریر سے کہا۔

"سریر! سریر! تم اصطبل میں جا کر اپنے گھوڑے پر زین ڈالو۔ میں

اور ویشا یا کو لے کر ساحل کی طرف جاتا ہوں اور کشتی تیار کرتا ہوں۔ تم اپنا گھوڑا

آ جاؤ۔"

ویشا نے اعتراض کرتے ہوئے کہا۔ تھیوڈورا اور سریر بھائی کو اندر

کپڑے پہنے تھیں گے۔ پھر سریر بھائی کی ساری نقدی بھی اندر پڑی ہوئی ہے۔

آپ کو دینا ہوگی؟

سیدوس نے پریشانی میں اپنی پیشانی پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔ "میں بھی

گیا ہوں۔ ان سب باتوں کا مجھے خیال ہی نہیں رہا۔ ایک بار پھر سب اندر

بھٹا اور سریر کے کپڑے نکالے۔ گھر پر کھانے کی جو چیزیں پڑی تھیں وہ بھی ایک انگوچھے میں

دھول باقی دیر تک سیدوس نے نقدی کی وہ ساری تھیلیاں نکال لی تھیں جو سریر اور تھیوڈورا

لے گئے تھیں۔ سریر وہ ساری چیزیں لے کر حویلی کی پشت پر اصطبل کی طرف چلا گیا۔ سیدوس

دور اور ویشا حویلی کے بیرونی دروازے کی طرف چلے گئے۔

ابھی وہ دروازے کے قریب ہی گئے تھے کہ کسی نے حویلی کے دروازے پر زوردار دستک

تھیوڈورا اور ویشا ٹھٹھک کر وہیں رُک گئیں۔ سیدوس نے آگے بڑھ کر جب دروازہ

ان کے ساتھ کئی مسلح جوان حویلی میں داخل ہوئے ان میں سے کچھ نے تھیوڈورا کو اپنی

ت میں لے لیا۔ ابھی تک کئی مسلح جوان حویلی سے باہر ہی کھڑے تھے۔

ایک جوان جو شاید ان سب کا سرخیل تھا، سیدوس سے قریب ہوا اور تجسنا نما انداز

ان کے پوچھا۔ کیا تھیوڈورا کا چچا پیڑوس چار مسلح جوانوں کے ساتھ یہاں تھیوڈورا کو

دبا رہا تھا۔

سیدوس نے کہا۔ "وہ تو یہاں کوئی نہیں آیا۔"

ان جوان نے کہا۔ "گتا ہے پیڑوس نے تھیوڈورا کو بچانے کی خاطر دھوکا دیا ہے۔ وہ

بنا جان بچانے کی خاطر کہیں روپوش ہو گیا ہے۔ اگر وہ کسی وقت یہاں آئے تو اسے کہنا

لدا تھرڈ ٹرن میں آئے۔ کر سو پولس بڑی بے چینی سے اس کا انتظار کر رہا ہے۔"

وہ مسلح جوان سیدوس اور ویشا کو حیرت اور پریشانی میں چھوڑ کر تھیوڈورا کو اپنے

گولے کر پہلے گئے۔

سریر اپنے گھوڑے پر زین ڈالنے اور سارا سامان خرچین میں ڈالنے کے بعد اصطبل

میں لگا تھا کہ سیدوس اور ویشا اصطبل میں داخل ہوئے۔ سریر نے ان دونوں کی طرف

بٹھ دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "آپ لوگ گئے نہیں اور تھیوڈورا کہاں ہے۔"

سیدوس نے شرمندگی اور ندامت میں کہا۔ "میں حویلی کا دروازہ کھولنے ہی گئے تھے کہ

میں نے دستک ہوئی۔ میں نے جب دروازہ کھولا تو کئی مسلح جوان اندر داخل ہوئے اور

میں نے ان کو روک کر اپنے ساتھ لے گئے۔ وہ پیڑوس سے متعلق بھی پوچھ رہے تھے۔ میں نے

انہیں کہا۔ وہ یہاں نہیں آیا۔
سریر نے احتجاج کرتے ہوئے کہا۔ ”آپ نے مجھے تو اطلاع کی ہوتی؟“
سیوس نے کہا۔ ”تمہیں اطلاع کرنے سے کیا فائدہ بیٹے! تھیوڈورا کے
مشکوک ہو جاتے اور پکڑے جاتے۔ اب تم آزاد ہو کر تھیوڈورا کی رہائی کے لیے کچھ کرنا
تمہیں بھی اس کے ساتھ پکڑ کر لے جاتے تو پھر کون تھیوڈورا کو رہا کرنے کی کوشش کرنا
کے ساتھ ساتھ اب تم بھی ہمیں عزیز ہو۔ آؤ اندر جا کر بیٹھتے ہیں اور تفصیل سے
پر گفتگو کرتے ہیں۔“

سریر نے بے دلی سے اپنے گھوڑے کو باندھ کر اس کی زین اتار دی۔ اتنی
اور دیشیا نے چرمی فرمیں سے ساری چیزیں نکال لی تھیں پھر وہ تینوں چوہوں
جستے کی طرف جا رہے تھے۔

○

سریر نے اپنے مسلح آدمیوں سے کہا۔ ”اسے لے جاؤ اور میری خواب گاہ کے ساتھ
لے آؤ۔ یہ بند کرو۔ یہ مجھ سے شادی کرے یا مصلوب ہونے کا انتظار کرے۔“ وہ
ظہیر ڈورا کو باہر لے گئے تھے۔

○

سریر بن مسلم نے دو تین بار تھیوڈورا کو رہا کرنے کی کوشش کی تھی لیکن وہ ناکام
تھا۔ ایک تو تھیوڈورا کی وجہ سے قسطنطنیہ میں سخت پرہیزگار لگا دیا گیا تھا دوسرے تھیوڈورا
کے لیے درمیانی اور بیچ کے کمرے میں بند تھی جہاں سے اسے نکال بھاگنا بظاہر ناممکن
تھا۔ سریر اب اس انتظار میں تھا کہ تھیوڈورا کو مصلوب کرنے کے لیے قسطنطنیہ سے
بلا جائے اور وہ کسی طرح اسے لے آئے۔

ایک روز شام کے قریب سریر نے نئی فوس کے داماد پیرس کی حویلی کے دروازے
پر دستک دی۔ اس کے ساتھ بلغاریہ بن سردار مالا بھی تھا اور دونوں نے اپنے گھوڑوں
پر سوار ہو کر حویلی کی طرف

تھیوڈورا نے کزیت لہجے اور نفرت بے انداز میں کہا۔ ”میں کسی مرد سے
نہیں ہوں۔ میں تمہارے ساتھ ہرگز شادی نہیں کر سکتی۔ میں کسی اور کو اپنی زندگی
چکی ہوں اور میری ساری محبت و چاہت اور ہمدردی و شفقت اسی کے لیے ہے۔
کر سو پولس کا رنگ پیلا ہو گیا۔ لگتا تھا اس کا دل اپنی دھڑکنیں بند کرنے

دیکھتے ہوئے کہا۔ "میں اور تھریس دیوان خانے میں بیٹھتے ہیں تم فوراً پربولیں کہ وہاں پر اس سے ایک انتہائی ضروری کام ہے۔"

وہ محافظ بھاگتا ہوا واپس چلا گیا۔ سریر اور املا اندر داخل ہوئے۔ ایک بھاگتا ہوا ان کی طرف آیا اور دونوں کے گھوڑے ان سے لے کر وہ اصطبل کی طرف ہوا۔ سریر اور املا حویلی کے دیوان خانے میں جا کر بیٹھ گئے تھے۔

تھوڑی دیر بعد پربولس دیوان خانے میں داخل ہوا۔ پہلے اس نے بڑی گڑبڑ سے ان سے مصافحہ کیا پھر بڑی فراخ دلی سے اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "گناہ ہے کی غیریت نہیں جو تم دونوں اکٹھے میرے پاس آئے ہو۔"

امالانے کہا۔ "تھوڑی دیر قبل تھریس میرے پاس گیا تھا۔ اس نے مجھے کہا باتیں کیں جو پہلے سے میرے ذہن میں نہ تھیں۔ بہر حال اس نے مجھے اپنا ہم ناپالایا میں سمجھتا ہوں تھریس ٹھیک کہتا ہے۔ جو کچھ یہ جانتا ہے اسی میں ہم سب کی نہیں قسطنطنیہ اور اس کی عظیم و قدیم سلطنت کی بہتری اور بھلائی بھی مضمر ہے۔ پربولس نے کہا کھیل کر کہو۔ میں تمہاری گفتگو کا مطلب نہیں سمجھا۔"

امالانے سریر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "تم خود ہی کہو میری نسبت کو تم یہ بات بہتر طور پر سمجھا سکو گے۔"

سریر نے کہا۔ "جو گفتگو ہم تم سے کرتے آئے ہیں اس میں ہم دونوں کا کوئی اور منفعت نہیں ہے لیکن ہم عام بھلائی کے لیے ایسا سوچ رہے ہیں۔ تم نے دیکھا کہ نے تھیوڈورا کو قصر بلائرن میں اسیر بنا کر رکھا ہوا ہے۔ اس نے تھیوڈورا پر شرط لگا ہے کہ وہ اس سے شادی کرے، ورنہ اسے مصلوب کر دیا جائے گا۔ اس نے دوبارہ تھیوڈورا مصلوب کرنے کا وقت مقرر کیا اور دونوں بار اس نے اسے مصلوب نہیں کیا۔ اب شہر چرمیگوں ہونے لگی ہیں اور تھیوڈورا کے ہمہ رد اور جان نثار حکم کھلا اس کے حق میں لگے ہیں۔ میں نے خود کئی لوگوں کو علاوہ تھیوڈورا کے حق میں گفتگو کرتے سنا ہے۔ خدا شہ ہے کہ اگر اسی طرح اندر ہی اندر لاوا پکنا رہا تو ایک روز قسطنطنیہ میں ایسا ہوتا

چاکر ہم سب کا شکار ہو کر رہ جائیں گے اور پھر لوگ تھیوڈورا کو اپنی ملکہ بنالیں گے جو ایک دشمنی سے چن چن کر انتقام لے گی۔"

پربولس نے کہا۔ "میں پوری طرح سے ان باتوں میں تمہارے ساتھ اتفاق کرتا ہوں۔ ان نے کر سولپس کو اس وقت کہی تھیں۔ جب اس نے تھیوڈورا کو پہلی بار اپنے ہاں لے کر چلا پڑوس نے اسے کہیں چھپا کر رکھا تھا اور وہ کر سولپس سے اس کی پابجا تھا لیکن تھیوڈورا نے انکار کر دیا جب کہ کر سولپس نے مجھے چھڑک کر قیصر سے نکال دیا تھا اس طرح ایک لحاظ سے اس نے میری توہین کی تھی۔"

امالانے بدلتے ہوئے کہا۔ "تو پھر کر سولپس کا خاتمہ کر دیا جائے۔ جس طرح ہم اس کے ساتھ مل کر ملکہ آئرین کے خلاف حرکت میں آئے تھے ایسے ہی کر سولپس کا شکار بناتے ہیں۔"

پربولس نے بڑی بے تابی سے پوچھا۔ اور اس کی جگہ قسطنطنیہ کا شہنشاہ کون ہوگا؟ امالانے پختہ یقین دہانی کراتے ہوئے کہا۔ "تمہارے علاوہ اس منصب کا کون تھا ہے۔ اسی لیے تو ہم دونوں تمہارے پاس آئے ہیں۔ اگر ہم کسی اور کو حقدار سمجھتے ہیں تو اس کے ہوتے تمہارے پاس نہ آتے۔"

پربولس نے اپنی بے پایاں خوشی دباتے ہوئے کہا۔ "میں مکمل طور سے تم دونوں کا اتفاق کرتا ہوں۔ لیکن میری شرط یہ ہے کہ کر سولپس کو قتل نہ کیا جائے۔ اگر اتوں کی بہن جو میری بیوی ہے مجھ سے نفرت کرنے لگے گی اور اس کی طرف سے لڑاکا خطرہ رہے گا۔ بہتر ہے ہم اسے خون خرابے بغیر تخت سے محروم کر دیں۔"

امالانے کہا۔ "تم فکر مند نہ ہو۔ تھیوڈورا سے شادی کرنے کے جنون میں وہ نیم پاگل ہو جائے۔ جب وہ تخت سے اور تھیوڈورا دونوں سے محروم ہو گیا تو مکمل طور پر باختم ہو جائے گا۔ اس صورت میں بقیہ زندگی بسر کرنے کے لیے ہم اسے کسی خانقاہ میں لے کر آکر پرہیزگار لگا دیں گے اور سنو! میں تم، تھریس چند محافظوں کے ساتھ تھیوڈورا کو قتل کر کے لے جائیں گے۔ وہاں میرے آدمی پہلے سے ایک صلیب نصب کر دیں گے

کروپس نے جب سریر اور امالا کو اپنے سامنے دیکھا تو اس نے دانت پیٹے ہوئے
 اُڑنے خبر ہوتی کہ تم میرے ساتھ دھوکہ کرو گے تو میں تم دونوں کو پہلے ہی موت کے
 اندھا بناؤں گا۔

سریر نے اس کے منہ پر ایک زوردار طمانچہ دے مارا اور اسے اسی کمرے میں بند
 کیا جس کمرے سے تھیوڈورا کو نکالا گیا تھا۔ تھیوڈورا اس وقت امالا کی سزا میں تھی۔
 کروپس کو کمرے میں بند کرنے اور قصر بلا شرن میں اپنے محافظ دستے مقرر کرنے
 پریر، امالا اور پروپس نے صرف دس محافظوں کو اپنے ساتھ لیا اور تھیوڈورا کو ساتھ
 وہ پوڈروم کی طرف روانہ ہو گئے۔ جہاں تھیوڈورا کو مصلوب کیا جانا تھا اور امالا کے آدمی
 تھیوڈورا کے لیے ایک صلیب نصب کر چکے تھے۔

سریر، امالا اور پروپس اپنے دس محافظوں کے ساتھ تھیوڈورا کو لے کر پوڈروم میں داخل
 ہوئے۔ محافظ آگے آگے چل رہے تھے جب کہ دونے تھیوڈورا کو کپڑے رکھا تھا اور ان کے
 لیے سریر، امالا اور پروپس اپنے گھوڑوں پر سوار تھے۔

سریر اپنے گھوڑے کو تھیوڈورا کے قریب لے گیا۔ اس نے دیکھا تھیوڈورا چاکلے
 زخمیہ دھا، چاندنی کی لاکھا اور لہو کی اوس کی طرح اُداس اور افسردہ تھی۔ وہ حالات کے
 وحشتناکات میں گم چلی جا رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں ایک کرب اور لبوں پر ایک
 لاش کا لگا تھا وہ بھاری درد کی آگ میں جلتی خستہ ونیم جان اپنے آپ کو کھلتی طور
 پر اپنے لیے ہر درد کو بھائی ہو۔

سریر جب اپنا گھوڑا اس کے قریب لایا تو تھیوڈورا نے ایک نیم نگاہ اس پر ڈالی
 اور اسے پہچان نہ سکی کیوں کہ سریر نے اپنے چہرے پر ابھی تک خود کا نقاب گرایا
 تھا۔ اور اس گھوڑے پر وہ سوار تھا وہ اس کا پانا نہ تھا۔ تاہم چاندنی رات میں ایک شعوری
 لاش کی محنت وہ بڑے غور سے سریر کو دیکھنے لگی تھی جیسے وہ کربناک حقیقت کی تلاشی ہو۔
 پھر گویا تھیوڈورا کی سنگتی زندگی میں قرب و مسرت کی بجائے گم گئی تھی۔ سریر نے
 اپنے چہرے پر اپنے خود کا نقاب ہٹا دیا اور اشارے سے اس نے تھیوڈورا کو خاموش رہنے

اور ہم تھیوڈورا کو مصلوب کر کے یہ مشہور کر دیں گے کہ کروپس نے تخت سے غلامی
 قبل ہی شام کے وقت چپکے چپکے تھیوڈورا کو مصلوب کر دیا تھا۔

پروپس نے اطمینان کا اظہار کرتے ہوئے کہا: یہ لاش عمل نہایت مناسب
 رہے گا۔ ہم زیادہ آدمی ساتھ نہیں لیں گے اور چپکے سے تھیوڈورا کو مصلوب کر دیا
 گا۔ نام لگا دیں گے اس طرح کہ کروپس کے خلاف لوگوں کی نفرت اور بڑھ جائے
 امانتے کہا: تو پھر سنو میں اور تھریس ابھی یہاں سے چلے جائیں گے
 تیار ہو کر قصر بلا شرن سے باہر ہمارا انتظار کرو۔ میں یہاں سے جلتے ہی اپنے آزاد
 روانہ کر دوں گا تاکہ وہ لشکر یوں کو ہمارے حق میں رکھیں پھر میں اور تھریس چند
 کے ساتھ تمہارے پاس پہنچ جائیں گے اور قصر کا محاصرہ کر کے ہم اپنے کام کی ابتدا
 کروپس نے کہا: مجھے منظور ہے۔ میں ابھی تیار ہو کر وہاں پہنچتا ہوں
 امالا کھڑے ہو گئے۔ دونوں نے پروپس سے مصافحہ کیا اور دیوان خانے سے
 پروپس کا وہی محافظ بھاگ کر ان کے گھوڑے لے آیا۔ وہ دونوں سوار ہوئے ان
 گھوڑوں کو ایڑ لگا کر حویلی سے باہر نکل گئے تھے۔



دھواں دھواں چاندنی میں کڑی رات بھاگتی جا رہی تھی۔ وقت کا
 پھیلتا جا رہا تھا۔ شبنم اور چاندنی لگے مل کر ہر شے میں گہمہت و فرحت بن کر مل
 تھیں۔ سریر، امالا اور پروپس قصر بلا شرن کا محاصرہ کر چکے تھے۔ پھر پروپس اپنے
 آنے والے دستوں کے ساتھ احتیاط کی خاطر قصر سے باہر ہی رہا جب کہ سریر
 اپنے دستوں کے ساتھ قصر پر یلغار کر رہی تھی۔ تھوڑی ہی دیر کی کشمکش اور
 بعد سریر اور امالا نے قصر کے اندر متعین محافظ دستوں کو تہ تیغ کر کے رکھ دیا
 کو گرفتار کر لیا گیا تھا اور تھیوڈورا کو اسیری سے نکال کر سزا میں لے جایا
 سریر نے کسی صلوت کے تحت تھیوڈورا کا سامنا نہ کیا تھا۔ ویسے بھی
 چہرے پر اپنے خود کا نقاب گر رکھا تھا۔

کو کہا۔

یاد رہی اپنے دونوں ہاتھوں میں اٹھا کر اس نے نیچے اتار لیا تھا۔ پھر اس نے گھوڑے
پس بھاگا دیا اور خود تھوڑوڑا کا ہاتھ پکڑ کر بھاگ کھڑا ہوا۔

تھوڑوڑا اس سے کچھ پوچھے اور سوال کیے بغیر بھاگنے میں پوری طرح اس کا ساتھ
فی۔ سمندر کے کنارے آکر سریر تھوڑوڑا کا ہاتھ تھامے کنارے پر کھڑی کشتیوں کے
نچلنے لگا۔ پھر ذرا ایک جگہ وہ رکا اور کوئی فیصلہ کرنے کے بعد وہ سمندر میں اتر
نکلنے پریشان ہو کر پوچھا۔ ”کہاں جا رہے ہیں؟“

سریر نے کہا۔ ”بولویت خاموشی سے میرے ساتھ آؤ۔ مجھے اپنی نسبت تمہاری
ہے۔“

جس کشتی کے قریب سے وہ سمندر میں داخل ہوئے تھے۔ اس کشتی کے ساتھ ہی لکڑی
ب جوڑا نعرہ بجا رہا تھا اور وہ گہرے سمندر کی طرف کشتی کی اوٹ میں تیر رہا تھا۔
تھوڑوڑا کا اٹھا کر اس سختے پر بٹھاتے ہوئے کہا۔ یہاں ہم دونوں تعاقب کرنے والوں
ہے محفوظہ سکین گے اور یہاں سے بچ کر بھاگنا بھی ممکن ہوگا۔ اب مجھے یوسف
ہے وہ اُسے قہم بحیرہ ماروہ کے مشرقی کنارے کی طرف روانہ ہو جائیں گے۔
ل کے ساتھ سختہ بندھا ہوا ہے یوسف ہی کی ہے۔“

تھوڑوڑا نے پریشانی اور بے چینی میں کہا۔ ”لیکن بحیرہ ماروہ کے مشرقی کنارے
ہم اور زیادہ انجنوں کا شکار ہو جائیں گے۔ ہمارے پاس نہ کوئی سواری ہے نہ زاد راہ
کی ناکہ پڑے ہیں پھر ہم کیسے اور کیوں کو اپنی منزل کی طرف روانہ ہوں گے۔ امالا مکاری
میں زیادہ اور لومڑی ہے۔ وہ مشرقی کنارے پر بھی نگاہ رکھے گا اور کسی صورت
ہالے کا موقع نہ دے گا۔ بخدا مجھے اپنی کوئی فکر نہیں میں آپ کی سلامتی اور حفاظت
نہ زیادہ فکر مند ہوں۔“

میں اپنی مختصر سی زندگی میں تخریب کی اندھی آنکھوں اور خزاں کے طوفانوں جیسے
لانات سے گزر چکی ہوں اس وقت میں تنہا اور بے بس تھی اور مجھے کسی کی کوئی فکر نہ تھی
ناباب میرے ہمراز و دساز ہیں اور پرولس کی ان بے مہر گزرگا ہوں میں آپ کی سلامتی

تھوڑوڑا کے چہرے پر امن کی بشارت، انبساط کی لہر، تغزل کا چارچا اور طبع
بکھر گیا تھا۔ تھوڑی دیر قبل جو وہ مثال خانہ بے خانان و در بسترہ دکھائی دے رہی
اب اس کے چہرے پر حیا و قن کے تقدس کا سکون اور امرت رنگ بکھر گئے تھے۔
سریر کو دیکھے جا رہی تھی کہ سریر نے پھر اُسے اشارہ کیا جس کا مطلب اسے تیار رہ
تھوڑوڑا سریر کے سارے اشاروں کا مقوم سمجھ رہی تھی۔ اچانک سر
کوندے کی مانند حرکت میں آیا۔ اس نے اپنی تلوار کھینچ کر ان دونوں محافظوں کو مار
جو تھوڑوڑا کو پکڑے ہوئے تھے۔ پھر وہ اپنے گھوڑے پر بیٹھے ہی بیٹھے بھوکا اور
کو اچک کر یوں اپنے آگے بٹھایا جیسے شاہین کھلی فضاؤں میں پرویا کو اچک
کو اپنے آگے بٹھاتے ہی سریر نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگا دی اور اسے باب امرت
سرپرٹ دوڑا دیا تھا۔

امالا شور کرنے لگا تھا۔ ان دونوں کو پکڑ لو اور زندہ بچ کر نہ جانے باپ
نہر نہ تھی تھیں بھی ہمارے ساتھ غلاری اور بے وفائی کرے گا۔

امالا اور پرولس نے اپنے گھوڑوں کو ایڑ لگا کر تھریں کے پیچھے ڈال دیا
پچنے والے محافظ بھی ان کے پیچھے پیچھے بھاگنے لگے۔ اچانک سریر نے اپنی کمان منہال
تیر چڑھایا اور پیچھے کی طرف منہ کر کے امالا کو حد تک تیر چلا دیا۔ تیر امالا کے بازو
گزر گیا تھا۔

اس سے خاطر خواہ اثر ہوا امالا اور پرولس نے تعاقب کرنے کی رفتار
اب وہ سریر دودھ کر تعاقب کی کوشش کر رہے تھے جب کہ پیدل بھاگنے والے
انہوں نے آگے کو دیا تھا۔ تاہم وہ وعدہ ہی نہ کر یہ احتیاط ضرور رکھے ہوئے تھے کہ
کی نظروں سے اوجھل نہ ہو جائے۔

ماہی گیروں کی بستی میں داخل ہونے کے بعد سریر نے تعاقب کرنے والوں کا
دیا۔ ایک گلی کا موڑ مڑنے کے بعد اس نے اپنے گھوڑے کو روک لیا۔ چھلانگ لگا کر

مجھے اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز ہے۔ اس لیے کہ آپ کی سلامتی ہی میری سلامتی ہے۔
سریر نے تھیوڈورا کو تسلی دیتے ہوئے کہا۔ "تھیوڈورا! تھیوڈورا! ہوا میں نے یہاں سے مشرقی کنارے تک جلتے اور پھرواں سے اپنے گھر کو رازم
انتظام کر رکھے ہیں۔ جب تم اپنی آنکھوں سے دیکھو گی تو تم مطمئن ہو جاؤ گی۔"
یاد رکھو! میرے ساتھ تمہاری سلامتی بھی اتنی ہی اہم ہے۔ تمہاری سلامتی

عزیز ہے۔ شاید دستِ قسمت تقدیر کی لوح پر ہم دونوں کے نام ایک ساتھ
سریر کے ان الفاظ پر تھیوڈورا خوشی میں پھول کی طرح دھیرے دھیرے
دونوں تھوڑی دیر کے لیے خاموش ہو گئے۔

چاندنی سمندر کے قلب و جگر کی تہ میں اتری ہوئی تھی۔ تیر ہوا سمندری
قلبی، تھر د اور آتش مزاجی پر اکسا رہی تھیں۔ ویرانیاں بحیرہ مارونہ کے کنارے
سے لپٹ لپٹ کر سو رہی تھیں۔

اچانک سریر نے اپنے پہلو میں بیٹھی ہوئی تھیوڈورا کو مخاطب کرتے ہوئے
"تھیوڈورا! تھیوڈورا! یوسف آگیا ہے۔"
تھیوڈورا نے سر اٹھا کر کشتی کے اوپر سے دیکھا۔ کنارے کنارے کشتیاں
ساتھ ایک ہولہ سا ان کی طرف بڑھ رہا تھا۔ تھیوڈورا کے چہرے پر بچ بچلے کی
امیدیں اب بختگی اور یقین میں تبدیل ہونے لگی تھیں۔

سریر اور تھیوڈورا نے دم سادھ لیے تھے۔ یوسف اب کشتی کے قریب
اچانک وہ دونوں چونک پڑے۔ یوسف کی بچھلی سمت سے امالا کے دو محافظ جھل
آئے اور انہوں نے کورخت اور سخت آواز میں یوسف کو مخاطب کرتے ہوئے کہا
جاؤ! تم کون ہو اور رات کے اس وقت تم کہاں جا رہے ہو۔"

سریر فوراً لکڑی کے تختے سے پانی میں آ کر گیا اور تھیوڈورا سے اس نے
ہوئے کہا۔ "تم یہیں بیٹھو، وہ یوسف سے ضرور زیادتی کریں گے۔ شاید وہ ان
مطمئن نہ کر سکے۔ میں یوسف کی مدد کو جاتا ہوں۔ حالات خواہ کچھ بھی ہو جائیں تم

نہا۔
فیر آواز بدایا کہ سریر پانی سے نکلا اور کشتیوں کے ساتھ ساتھ جھک جھک کر وہ یوسف
رہنے بڑھے لگا تھا۔ سمندر کے اندشتی کی اوٹ میں بیٹھی ہوئی تھیوڈورا انتہائی فکر مندی
بانہ سے چاندنی رات میں سریر کو دیکھے جا رہی تھی جواب لمحہ بہ لمحہ یوسف سے نزدیک
رہا تھا۔
امالا کے محافظوں کے کہنے پر یوسف رک کر اس کا انتظار کرنے لگا تھا۔ جب
ان قریب آئے تو ان میں سے ایک نے پوچھا۔ "تم کون ہو اور رات کے اس وقت تم
اور کس غرض سے جا رہے ہو۔"

یوسف نے کہا۔ "میں ماہی گیر ہوں اور وہ سامنے میری کشتی کھڑی ہے۔ اس کے
ایک قابل مرمت جال بھول گیا تھا۔ جو میں لیتے آیا ہوں تاکہ رات کے وقت اس کی
ایکوں اور ان کے والی صبح پھیلیاں بکڑنے کے لیے اسے کام میں لاسکوں۔"

اس محافظ نے کہا۔ "تم جھوٹ کہتے ہو۔ چلو اپنی کشتی میں ہم تمہارے ساتھ چلتے ہیں
امالا کا دست نہ ہوا تو ہم تمہاری گردن کاٹ کر رکھ دیں گے۔ وہاں ہمارے ہاتھوں
سے بہتر ہے کہ تم یہیں کھڑے کھڑے ہم سے سچ کہہ دو۔ کیا تمہارا تعلق تھیوڈورا سے
ہی ہے والے تھریس اور تھیوڈورا سے تو نہیں۔"

یوسف نے خفگی میں کہا۔ "تم زیادتی کر رہے ہو میں ان دونوں کو نہیں جانتا۔
ان سیاہی نے یوسف کو دھکا دیتے ہوئے کہا۔ "اگر یہ بات ہے تو پھر چلو
نکلنا۔"

ان کے کہنے پر یوسف آگے آگے چل دیا تھا۔
سریر ایک کشتی کی اوٹ میں سمندر کے کنارے کی ریت پر لیٹ گیا تھا۔ وہ دونوں
یوسف کو لے کر جب اس کے پاس سے گزر گئے تو وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ اپنی تلوار اوڑھال
مٹل سے منبھال کر وہ دبے پاؤں ان کے تعاقب میں گیا اور قبل اس کے کہ وہ اس کے
نکلنا آٹ پکڑ پٹتے اور اس پر حملہ آور ہوتے سریر نے ان دونوں پر وار کرنے میں پہل

کردی اور دونوں کو ایک ساتھ موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔

مہاجر چنادیے۔ سارے تیر اپنے مدت پر جا کر گئے اور وہ تینوں ریت پر گر کر دم

مٹنے۔ کشتی سے نیچے پھلا گئے ہوئے کہا۔ میں ابھی آتا ہوں۔ ان تینوں کے سر پر

نہ ٹاٹوں۔ نیچا کر سر پر نے ان تینوں کی لاشوں کو اٹھا کر سمندر میں پھینک دیا اور ریت پر ارادہ کران کے خون کے دھبے غائب کر دیئے۔ پھر وہ اس جگہ آیا جہاں تھوڑی دیر

نے دوپا ہوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔ سر پر نے وہاں بھی ریت پر پاؤں مار مار کے خون کے نشانات کو مٹا دیا۔ پھر وہ کشتی میں آکر بیٹھ گیا۔ یوسف کے ساتھ اس

پہلے اور کشتی پہلے آہستہ آہستہ پھر تیزی کے ساتھ بحیرہ مارمودہ کے مشرقی کنارے کی

دینے لگی تھی۔ جب یوسف نے بحیرہ مارمودہ کے دوسرے کنارے جا کر کشتی روکی تو تھیوڈورا دنگ

وہاں اس کنارے پر سیوس اور ویشیا دو گھوڑوں کے ساتھ پہلے سے کھڑے ان کا

لڑ رہے تھے۔ سر پر نے مسکراتے ہوئے تھیوڈورا سے کہا۔ تم فکر مند نہ ہو۔ میں نے تمہیں پہلے نہ

ناکر میں نے یہاں سے فرار کے سب انتظامات کر رکھے ہیں۔ سیوس اور ویشیا بھی ہمارے

سر پر نے کہا۔ یوسف! یوسف! جلدی کرو کشتی کے بادبان کھول دو اور یہاں سے دونوں بھاگ کر کشتی میں داخل ہوئے۔ یوسف نے کہا۔ ہوا ناموافق ہے بادبان کھولنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہم چپ چلا کر کشتی کو مشرقی کنارے لے جائیں گے۔ سر پر نے کہا۔ یہ زیادہ بہتر اور سودمند ہے اس لیے کہ واپسی پر تم اکیلا ہوا موافق ہوگی اور ہم آسانی سے اس طرف پہنچ جاؤ گے۔

سر پر نے تختے پر بیٹھی ہوئی تھیوڈورا کو اٹھا کر کشتی میں بٹھالیا اور یوسف کے ساتھ بندھا ہوا وہ لکڑی کا تختہ کھول کر کشتی کے اندر رکھ لیا۔ پھر جس وقت سر پر کشتی کو حرکت میں لانے کے لیے چپ چلائے ہی لگے تھے کہ ساحل پر تین سپاہی اور دو اور انہوں نے زور زور سے چلاتے ہوئے کہا۔ ٹھہرو! ٹھہرو! تم لوگ ہوا دار رہے ہو۔

یوسف نے بدحواسی میں کہا۔ ہمیں فوراً چپ چلا کر کشتی کو گہرے پانی میں چاہیے اور یہاں سے بھاگ جانا چاہیے۔ ورنہ اور سپاہی آجائیں گے اور ہمارا ہر کام و محال ہو جائے گا۔

سر پر نے کہا۔ اس طرح بھاگنا حماقت ہوگی۔ یہ لوگ کسی دوسری کشتی میں ہمارے کہیں گے اور ہمیں پکڑ کر ہمارا خاتمہ کر دیں گے۔ تم فکر مند نہ ہواں سپاہیوں کی کا تو ہے۔ ان میں سے دو کو میں نے پہلے روم میں ٹھکانے لگا چکا ہوں۔ دو تھوڑی دیر جا چکے ہیں اور تین یہ آگے ہیں۔ باقی تین اور نہجتے ہیں انہیں پوروس اور مالک نے حفاظت کے لیے اپنے ساتھ رکھا ہوگا اور وہ مجھے تلاش کرنے کسی دوسری سمت لگے۔ ان تینوں کو ٹھکانے لگانا نہایت ضروری ہے۔

سر پر نے کمر پر بندھے ہوئے اپنے ترکش سے تیر نکال کر اپنے پاس رکھ لیا۔ تیر اس نے چلا کر پڑھا کر تیار کر لیا تھا۔ جب وہ مناسب فاصلہ پر آئے تو سر پر نے

سیدس نے آگے بڑھ کر یوسف سے مصافحہ کیا۔ سیدس ایک گھوڑے پر سوار ہوا اور
اس نے اپنے پیچھے بٹھالیا۔

سریر نے یوسف کی پٹیتھ تھپتھیاتے ہوئے کہا۔ ”اب تم جاؤ ملکائیکہ
کہتا ہوں۔“

یوسف اپنی کشتی میں سوار ہوا اور بادبان کھول دیئے کشتی بڑی تیز رفتاری
کی طرف بڑھنے لگی تھی۔ سریر دوسرے گھوڑے پر سوار ہو گیا جس کا اپنا تھاغصہ
کہ اس نے تھیوڈورا کو اپنے پیچھے بٹھالیا اور پھر اپنے گھوڑے کو ایڑے لگا کر نہرو
سرپٹ دوڑا دیا تھا۔

تھوڑی دیر بعد وہ اس شاہراہ پر اپنے گھوڑے سرپٹ دوڑا رہے تھے
، بیکھو ایجیپٹ کے کنارے کنارے جانے کے بعد طرسوس ، انطاکیہ اور قہ شہر
سے ہوتی ہوئی دریائے فرات کو پار کر کے بغداد کی طرف چلی گئی تھی۔



اکلم راہی ایہ
☆

اٹھتا۔ اس جوان نے بھاگ کر اپنے گھوڑے کی غریب سے بنیاں نکالیں اور اس بوڑھے چالنے کی خاطر اس نے زخموں پر کس کسٹیاں باندھ دیں تاکہ خون نکلنا بند ہو جائے پھر اس دیکھنے مرغاب سے پانی لے کر اس کے منہ پر چھینٹے دینے شروع کر دیئے تھے۔

بوڑھے نے آنکھیں کھولیں اور حیرت و استعجاب سے اس نے اس جوان کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ ”تم کون ہو؟ کس جگہ سے آئے اور کس نگر کو جانا ہے؟“

اس جوان نے کہا۔ ”میرا نام خلید بن حمدون ہے، میں مرو شہر کی طرف جا رہا ہوں۔ آپ کو یہاں زخمی پڑا دیکھ کر مرگ گیا۔ میں نے آپ کے زخموں پر پٹیاں باندھ دی ہیں تاکہ مرگ نہ لے۔“

بوڑھے نے مایوسی اور ناامیدی میں کہا۔ ”اب خون مرگ بھی جلے تو کیا حاصل ہوا اپنا بیکس ہے اور میں چند گھڑیوں کا مہمان ہوں۔“

خلید بن حمدون نے بڑی نرمی اور ہمدردی کا اظہار کرتے ہوئے پوچھا۔ آپ کا نام کیا ہے؟ آپ کہاں جا رہے تھے اور کس نے آپ کو زخمی کیا؟“

اس بوڑھے نے کہا۔ ”میرا نام ابی حزام ہے۔ میں مرو شہر کا رہنے والا ہوں۔ آہ! بہت شہر پر منگولوں نے حملہ کیا انہوں نے بچوں کو ماؤں کی چھاتیوں پر قتل کیا۔ عورتوں بٹ چاک کیے۔ پانی سمجھ کر مسلمانوں کا خون بہایا۔ اس شہر پر جنگیز خان کے بیٹے تلی نے حملہ کیا۔ اکیس دن تک محاصرہ رہا جس میں جنگیز خان کے اپنے محافظ دستے میں ہزار منگول مارے گئے۔“

تلی بڑا مکار و فریب کار انسان تھا اس نے جب دیکھا کہ وہ مرو شہر کو فتح نہیں کر سکا اس نے صبح کی گفتگو کے لیے شہر کے ایک امام کو طلب کیا۔ وہ امام اس کے شکر میں گیا۔ امامان نے اچھا تاثر دینے کے لیے اس امام کی خوب خاطر تواضع کر کے واپس بھیج دیا۔ اس واقعہ کا اٹھنا ان کے ایک اعزازی خلعت شہر کے قلعہ دار مجیر الملک کے لیے بھیجی اور اُسے ملال کہ وہ صبح کی آخری شرائط طے کرنے کے لیے اپنے ساتھیوں کے ساتھ اس کے خیمے کے ارد گرد سے خدمت کا موقع دے۔

دریائے مرغاب کے کنارے کنارے ایک سوار اپنے گھوڑے کو اس شاہراہ دوڑا رہا تھا جو نیشاپور اور طوس شہروں کی طرف سے آتی ہوئی شمال میں مرو شہر کے پاس گزر کر دریائے آموں کو پار کر کے بخارا اور سمرقند کی طرف چل گئی تھی۔

وہ سوار پوری طرح مسلح تھا۔ اس کے سر پر آہنی خود اور جسم پر مضبوط پڑا زبرد چمک رہی تھی۔ اس کے بازوؤں پر آہنی خوشن اور کندھوں پر فولادی خول تھے۔ مرغاب کے کنارے کنارے اپنے گھوڑے کو آدھی اور طوفان کی طرح بھگاتے بھگاتے سوار نے ایک دم اپنے گھوڑے کی باگیں کھینچ کر اسے رک جانے پر مجبور کر دیا تھا۔ اس کا گھوڑا اس اچانک روکنے پر بری طرح سیخ پا ہوا اور اپنی دونوں اگلی آنکھوں کو بری طرح نہناتے ہوئے احتجاج کیا۔ وہ سوار چھلانگ لگا کر نیچے آگیا۔ اس پر بندھاتیروں سے بھرا ترکش درست کیا، اپنی تلوار اور ڈھال سنبھالی اور دیکھنے لگا۔ اس طرف بڑھا جہاں کوئی خون میں لت پت پڑا ہوا تھا۔

وہ جوان اپنا کھنڈار پر ٹیک کر وہاں بیٹھ گیا۔ اس نے دیکھا کہ کوئی اور شخص تھا جو بری طرح زخمی تھا۔ اس کے زخموں سے ابھی تک خون ریں رہا تھا اور اسے

ایک توہارے پاس کھانے پینے کا سامان ختم ہو گیا۔ دوسرے میں پہلے اپنی بیٹی کو نیشاپور
پہنچا تھا۔ وہاں میری بیٹی کا کنھیاں ہے۔ اس کے بعد میں کسی ایسے مسلمان امیر کے پاس
پہنچا جو مرد کے ترخانوں میں چھپے ہوئے مسلمانوں کی مدد کے لیے منگول سپاہیوں کو شاید
فرمان کی خبر ہو گئی۔

جب ہم دونوں باپ بیٹی یہاں پہنچے تو ہمارے پیچھے سے دس بارہ منگول سپاہی پہنچ
بنے اپنی بیٹی کی عزت بچانے کی خاطر اسے بھگادیا اور وہ گھوڑے کو لے کر یہ ساتھ دالی
کے اندر کہیں روپوش ہو گئی۔

منگولوں نے مجھے آکڑا - انہوں نے میری بیٹی کو بھی بھاگتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ انہوں
پر تڑپے ہی لوٹ کھسوٹ لیا۔ میری ساری نقدی اور مال چھین لیا اور مجھ پر پے در پے
اُترنے کے بعد مردہ سمجھ کر چلے گئے لیکن مجھ میں ابھی سانس اٹکی ہوئی تھی۔ وہ منگول
جن مرد کے میدانوں میں نہ گئے ہوں۔ وہ یہیں ان چٹانوں کے اندر میری بیٹی کو تلاش کر
پڑ گئے۔

میں چند گھڑیوں کا بہانہ ہوں۔ میری روح مسافر ہونے والی ہے۔ اگر ہو سکے تو میری
مدد کرنا۔ اسے ان وحشی اور بھیڑیا صفت منگولوں کے ہاتھوں سے بچانا۔ خدا تمہیں
برکے گا۔ سنو میری بیٹی کا نام مرینہ ہے۔

پھر بوڑھے ابی حزام نے چونکتے ہوئے کہا۔ "نہیں نہیں۔ میں نے تمہارے بچے
کو تلاش کیا ہے۔ منگول دس بارہ ہیں اور تم اکیلے۔ وہ ہر حال میں میری بیٹی کو تلاش
کے لیے آکر دوڑیں گے۔ بد قسمتی سے وہ انتہائی حسین بھی ہے۔ اسے اجنبی آدمی بھاگ
لانے کا جان بچاؤ۔ منگولوں نے تمہیں دیکھ لیا تو تمہیں قتل کر دیں گے۔

بوڑھے ابی حزام کی سانس اُکھڑنے لگی۔ پھر اس نے مدھم آواز اور گہری بے بسی
کے ساتھ کہا۔ "میرے قوم کو شکم گرسنگی کا شکار کر کے تشنہ جگر اور برہنہ بنادیا۔ یہ
سارے ممالک اور خاندانوں کو غلام و بدروح، آسید و چھلاہ اور دہم و شہت کی طرح میری
جگہ لے گئے۔ بقیوں کو ویرانہ، دھول، دھول اور زبرد کردا۔ مسلمان صحرا کے

بحیر الملک تولی خان کے چکر میں آگیا اور اپنے دوستوں کے ساتھ وہ تولی خان کے
گیا۔ تولی خان نے ان سے مرو کے چھ سو امیر ترین آدمیوں کی فہرست طلب کی اور
نے اپنے ساتھ قتل کی مدد سے یہ فہرست انہیں بنا دی۔ پھر تولی خان نے بحیر الملک
ساتھیوں کو ختم کر دیا اور اپنے چند افسروں کو مرو کے چھ سو امراء کی فہرست دے کر کہا
ان سب کو بلالائے۔

وہ فہرست لے کر شہر کے دروازے پر گئے اور فہرست پر سے دانوں کے
کر کے کہا کہ تمہارے قلعہ دار بحیر الملک نے صبح کی گفتگو میں شمولیت کے لیے ان لوگوں کو طلب
ہے۔ فہرست چونکہ قلعہ دار بحیر الملک کے ہاتھ کی لکھی ہوئی تھی لہذا وہ چھ سو امراء شہر
کران کے ساتھ ہو لیے۔

جن وقت یہ چھ سو آدمی شہر سے باہر جمع ہو رہے تھے تولی خان نے دھوکہ
سے کام لے کر شہر پر حملہ کر دیا اور کھلے دروازے سے اپنے لشکر کے ساتھ شہر میں داخل
منگول دستے مرو کی گلیوں میں گھس گئے اور شہر کے سارے باشندوں کو اپنے اہل و عیال
باہر میدان میں نکلنے کا حکم دیا۔ جب لوگ ان کے کہنے پر وہاں جمع ہو گئے تو منگولوں نے
قتل عام شروع کر دیا۔ وہ چھ سو امراء جن کی فہرست بنائی گئی تھی وہ بھی تر تیغ کر دیے
خود توں کو لٹائی بچوں کو غلام بنا لیا گیا۔ صرف چھ سو ایسے کاریگروں کو رکھا جن کی ملگو
ضرورت تھی۔

ابی حزام دم لینے کو رکھا پھر وہ کہہ رہا تھا۔ منگولوں نے مرو شہر کے مکانوں کو
غارت کیا اور عمارتیں گرا کر زمین کے برابر کر دیں۔ اپنے لشکر سے علیحدہ ہو کر ابھی
کے ویرانوں میں کئی منگول سپاہی رہتے ہیں۔ وہ ان مسلمانوں کی تلاش میں ہیں جو ابھی تک اپنے
میں چھپے ہوئے ہیں۔ جب بھی کوئی ترخانہ سے نکلے گا تو منگول اسے پکڑ لیں اور اپنے
لوگوں کا پتہ بھی پوچھ لیتے ہیں اور ان سے سالانہ مال و دولت چھین لیتے ہیں۔

میں بھی اپنے گھر کے ترخانہ میں چھپا ہوا تھا۔ ہمارے گھر کے دوسرے تمام افراد
گئے تھے۔ صرف ہم دونوں باپ بیٹی ہی بچے تھے۔ آج میں بہت کر کے اپنی بیٹی کے ساتھ

گولوں کی طرح سرگرداں ہیں۔ دودھ و دھن تک تاریکی میں کوئی ہلکی سی روشنی بھی دکھائی نہیں
 مراکش سے مصر اور حجاز سے سوڈان تک مسلمانوں پر جمود طاری ہے اور گولوں
 پر غم کی یلغار، غناد کی آگ، نفرت کا طوفان، دکھوں کا آسیب اور سیلِ فنا میں کرنا
 رہے ہیں۔ یہ ان دندہ صفت اور غلامِ شکمِ منگولوں کی جہالتِ مندی نہیں بلکہ فسادِ
 کے اخلاقی زوال، روحانی انحلال اور ناوی لذتوں کے باعث ہے۔ ہماری اپنی آبادی
 قابلیت اور اپنے ماضی کی تابانی اور درخشندگی سے بے نیازی کے باعث ہے۔
 و مروط ہوتے، اگر ہم بیدار اور اپنے آباء کی طرح نورِ قمر، ضیاءِ نجوم اور شعاعِ نور
 چمکتے تو پرستانِ باطل ہمارے خلاف ایسی یلغار کرنے پر ہرگز آمادہ نہ ہوتے۔
 خدائے قدوس کی قسم! اگر مغرب کا صلاح الدین اور مشرق کا محمود غزنوی
 زندہ ہوتے تو ان منگولوں کو مار مار کر ان کو صحرائے گوبی کی طرف بھگا دیتے۔ تم نے
 دونوں بیدار رہنے والوں کے بعد منگول ہم پر کیسے ٹوٹ پڑے جیسے بھیڑیے اپنے
 گدھیں مردار پر نازل ہوتی ہیں۔

بوڑھے ابی حزام کی آواز دہم ہوتی چلی گئی۔ اس کی سانس اکھڑنے لگی۔ غا
 پر نزع کا عالم طاری ہو گیا تھا۔ پھر اس کی نحیف سی آواز سنائی دی۔ خلید بن حمد
 خود سے سنا، وہ کہہ رہا تھا۔

”میری قوم کا سینہ دھواں دھواں ہے۔ اس کے پگھلنے کا عمل ابھی تک
 ہے کب کوئی دنیویں صفت مجاہد اُسٹھے گا اور اللہ اکبر بکار کر ہماری آبدستہ دہر
 سحر انگیزی، شعلوں کی بے تابی، شبنم کی آسودگی، تسلیم و رضا اور آہن کے
 کی ابتدا کرے گا۔ کب کوئی سرفروش و سرفراز اُسٹھے گا جس کے آغا زاد انجام میں
 ہوگا اور جو حصارِ محکم بن کر اپنی قلع و قلب و نظر کی تطہیر کرے گا اور اختیار کے
 اور تعصب و گھنہ کو کھیل دے گا۔ آہ۔“

ابی حزام خاموش ہو گیا۔ اس کی گردن ڈھلک گئی۔ خلید نے ٹوپ کر
 پر ہاتھ رکھا۔ وہ دم توڑ چکا تھا۔

خلید نے ابی حزام کی لاش اٹھائی اور بائیں طرف چٹانوں کی جانب چل دیا۔ اس
 دھاس کے پیچھے پیچھے آنے لگا تھا۔ چٹانوں کے قریب جا کر خلید نے کھڑے کے علاوہ
 گولے کی زین سے ایسے اوزار کھولے جو سنگتراشوں کے پاس ہوتے ہیں۔ ان اوزاروں کی
 خلید نے گڑھا کھودا اور ابی حزام کو اس نے وہاں دفن کر دیا۔

جب وہ اپنے سنگتراشی کے اوزار اور کھانا زین سے ہاتھ دھو کر اپنے گھوڑے
 پر بٹا تو چونک گیا سامنے چٹانوں کی طرف سے دس بارہ منگول وحشیانہ انداز میں اپنے
 بے ہنگام آ رہے تھے۔ ان کا رخ اس کی طرف تھا۔

خلید نے ایک نگاہ میں ہی حالات کا جائزہ لے لیا تھا۔ گھوڑے کی زین سے لپکتی ہوئی
 نہ ابی کمان نبھائی اور بھاگ کر ایک چٹان کی اوٹ میں ہو کر بیٹھ گیا۔ اپنی پیٹھ پر بندھے
 ، زرخ سے اس نے کئی تیر نکال کر اپنے پہلو میں رکھ لیے تھے۔

جب منگول اس کی زد میں آئے تو اس نے طوفانی انداز میں ان پر تیر برسانے شروع
 کیے تھے۔ اس کا ایک تیر بھی ضائع نہ کیا اور چھ منگولوں کو اس نے چھید کر رکھ دیا تھا
 بے گھوڑوں سے گر گئے تھے اور آہ و وادیا کرتے ہوئے زمین پر لوٹنے لگے تھے۔
 باقی بچنے والے چھ منگول فی الفور اپنے گھوڑوں سے اتر گئے تھے اور اپنی ڈھالیں
 سامنے رکھ کر وہ خلید کی طرف بڑھنے لگے تھے۔

خلید فوراً چٹان کے پیچھے زمین پر لیٹ گیا پھر وہ گھٹنوں اور کندھوں کے بل
 نہ کی طرح چلتا ہوا کافی بائیں طرف نکل گیا تھا۔ اب وہ ایک طرح سے ان چھ منگولوں
 سامنے سے ہٹ کر ان کی دائیں جانب آ گیا تھا۔

اب ایک بار پھر اس نے ان پر تیر اندازی کی۔ اس طرح اس نے دوا دھ منگولوں
 پر لڑ کر رکھ دیا تھا۔ کیونکہ ان کی ڈھالیں ان کے سامنے تھیں جب کہ خلید نے ان پر ان
 دائیں طرف سے تیر برسانے تھے۔

اپنے آپ کو حیات سے عجیب تر اور موت سے عمیق تر سمجھنے والے منگول بکھلا اُسٹھے
 لڑا کر اب وہ بھی زمین پر لیٹ کر اس کی طرف بڑھنے لگے تھے۔ یہ صورتِ حال خلید

کے لیے خطرناک اور نقصان دہ ثابت ہو سکتی تھی۔ اس لیے کہ رنگیتے ہوئے وہ خلید کا
اسے اپنے قابو میں کر سکتے تھے۔ اس صورت حال کے پیش نظر خلید نے اپنی کمان
کھینچے بسے لٹکالی اور اپنی تلوار ڈھال سنبھال کر وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

خلید کو کھڑا دیکھ کر منگول بھی اٹھ کھڑے ہوئے اور بیزاری و اضطراب
وہ سمجھ کی طرح اپنے منہ سے بھیانک آوازیں نکالتے ہوئے خلید کی طرف بڑھے۔
خلید ستون کی طرح ایستادہ کھڑا ان کے قریب آنے کا انتظار کرنے لگا۔

مناسب فاصلے پر آئے تو وہ آگے بڑھا اور ان چاروں پر حملہ کر دیا۔ منگولوں کا خیال
چاروں اسے محض کے اندر زیر کر کے اس کی اصلیت پوچھیں گے اور اسے جبرست
دیں گے۔ لیکن ان کا سارا فخر و غرور ایک نخیل اور سارے اقدام و بہوں اور دم
بدل کر رہ گئے تھے۔ خلید ان پر ایسے ہی ثابت ہوا تھا جیسے بارہ سنگوں کے گرنے
چیتا گھس آیا ہو۔ جیسے بھیڑوں کے ریوڑ پر کوئی خوشخوار تیندوا آنازل ہوا ہو۔

منگولوں کے جس طرح آغاز میں تحیر تھا اسی طرح اب وہ اپنے انجام میں
مایوسی محسوس کر رہے تھے۔ اچانک خلید نے اللہ اکبر کا نعرہ مارا اور اس کی تلوار
گو یا سیف لا الہ برق کے کوندے کی طرح اناہیروں میں لپک گئی ہو۔ ان پر
پر خلید کی تلوار گری اور اسے خون میں نہاتی چلی گئی تھی۔

اچانک چٹاؤں کی طرف سے لگا تار کئی تیر آئے اور ایک منگول کو
دیا۔ اب باقی دو منگول رہ گئے تھے اور وہ غلاب جان جیسے دشمن کے روبرو ہو کر
اسی بوجھلا ہٹ میں خلید فائدہ اٹھا گیا اور اس کی برق صفت تلوار ایک اند
کا مٹی ہوئی نیکل گئی تھی۔ اب مقابلے پر صرف ایک منگول رہ گیا تھا جو اپنا
ڈھال کو حقارت کی نگاہ سے اور خلید کو خوفزدہ حالت میں دیکھ رہا تھا۔

خلید نے اس تنہا منگول کی طرف تیر آ کر اودنگا ہوں سے دیکھتے ہوئے
تہارے گیارہ ساتھیوں کو موت کے گھاٹ اتار چکا ہوں پھر اودنگا کیوں کر
خود پر قابو رکھ سکے گا اور اپنے آپ میں رہ سکے گا۔ اپنی تلوار اور ڈھال ہینک

منگول پر خلید کا ایسا خوف عاری ہوا تھا کہ اس نے ایک لفظ کہے بغیر اپنی تلوار اور ڈھال
خلید نے غضب ناک آوازیں پوچھا۔ ”کیا تم مروشر کے دیوانوں اور کھنڈرات میں
منگول نے خاموشی سے اثبات میں گردن ہلا دی۔

خلید نے پھر پوچھا۔ ”وہاں تمہارے کل کتنے ساتھی ہیں؟“
منگول نے لپکائی آوازیں کہا۔ ”میں اور تمہارے ہاتھوں مرنے والے میرے سارے
اکرم کل تین افراد دکاں تھے۔“

خلید نے پھر سخت لہجے میں پوچھا۔ ”وہاں تمہارے ساتھی رات کہاں بسر کرتے ہیں؟“
منگول نے کہا۔ ”گو مروشر کو گرا کر دیوان اور کھنڈر کر دیا گیا ہے۔ لیکن شرقی جانب
رومات کا کچھ حصہ ابھی تک کھڑا ہے اور اس عمارت کے ایک کمرے میں میرے ساتھی

خلید نے اس منگول کو پھر کہہ دیا۔ ”وہاں تمہارے ساتھی کیا ننگے فرش پر بستر لگا کر سوتے ہیں؟“
منگول نے جھٹ کہا۔ ”نہیں وہاں فرش پر مروشر سے حاصل ہونے والی بھیڑوں کی اڈی پھیلا
ہے جس پر میرے ساتھی بستر لگاتے ہیں جس کی وجہ سے کمرے میں سردی محسوس نہیں ہوتی“
خلید نے ایک منگول کو دھوکہ دیا کہ وہاں پھر اس نے غراتے ہوئے کہا۔ ”تمہارا
اس وقت اپنے لشکر کے ساتھ کہاں ہے؟“

منگول نے کہا اب سردیاں اپنے خاتمے پر آگئی ہیں۔ چنگیز خان شرق کی طرف بڑھ
ہند ایک شہروں کو فتح کرنے کے بعد کوہ ہندو کش کی شجر پوش وادیوں پر گرہ میوں کی
سے گا اور دوبارہ مسلمانوں کے علاقوں پر یلغار کرے گا۔“

خلید نے کہا۔ ”کیا تم جانتے ہو مرد کے قلعہ دار حمیر الملک کے اہل خانہ پر کیا
ہے؟“

منگول نے ہلا توقف کہا۔ ”حمیر الملک کے تینوں بیٹے اور وہ خود مارے گئے۔ ان
یلا انسان کی بیوی کو چنگیز خان اپنے ساتھ لے گیا ہے۔“

خلید نے اپنی تلوار لہراتے ہوئے کہا۔ ”اب تم میرے لیے بے کار ہو۔ جو کچھ میں تم

سے چاہتا تھا حاصل کر چکا۔ اس کے ساتھ خلید نے تلوار گرانی اور منگول کو کاٹ باہر خلید اب بڑی بے چینی سے اس طرف دیکھ رہا تھا جس طرف سے اس کے والے منگولوں پر کسی نے تیر برسائے تھے اور ان میں سے ایک کو موت کے گھاٹ بھی اتار پھرا چانک خلید اس طرف متہ کر کے زور زور سے چلانے لگا۔ اسے بنت ابی حزام سے باہر آ جاؤ۔ اب تمہیں کوئی خطرہ نہیں۔ منگول ختم ہو چکے ہیں۔ میں مسلمان ہوں۔

خلید بن حمدون ہے۔ باہر آ جاؤ میری بھرتی کی آبرو! مورج غروب ہونے والے ہیں اب خطرہ ہے۔ یہاں سے اب کوچ کر جانا ہی بہتر ہے۔ خلید کے دیکھتے ہی دیکھتے کی بیٹی ایک چٹان کی اوٹ سے نکلی اور آہستہ آہستہ خلید کی طرف بڑھی۔

ابی حزام کی بیٹی مرینہ جب قریب آئی تو خلید نے دیکھا وہ ابھی نو عمر تھی۔ حسین تھی جیسے صدف میں موتی، جیسے پتھروں میں گوہر، اس کا چہرہ برگ زیتون کی طرح سرخ اور آب انگور جیسا شاداب اس کی بڑی بڑی سیاہ آنکھیں سرشار و کشش انگیز اور پرنہار و مسحور کن تھیں۔ اس کے ترشے ترشے سے ہونٹ حریر گل اور ادرت کا خزانہ لگ رہے تھے۔

وہ ریحان نفس زہرہ شامل اور شوخ ویدہ لٹکی خلید کے سامنے آکھڑی، گی گردن جھکی ہوئی تھی اور حیا آلود پلکیں نیم لبتہ تھیں۔ خلید نے بڑی نرمی میں کہا۔ تم تھوڑی دیر یہیں رکو، میں ان مرنے والے منگولوں کے گھوڑوں کو ہوں۔ پھر ہم یہاں سے کوچ کرتے ہیں۔

مرینہ نے بڑی آہستگی و تمکین میں چوڑیوں کی جلت رنگ جیسی اپنی آواز میں اس کام میں آپ کی مدد کرتی ہوں۔

خلید خاموش رہا۔ دونوں نے مل کر سارے گھوڑوں کو پکڑ لیا۔ خلید نے کی لگام میں ایک دوسرے سے باندھ کر انہیں آپس میں جکڑ لیا اور ایک گھوڑا اس نے لیے رکھ لیا تھا۔ خلید جب اپنے گھوڑے کے پاس آیا تو وہاں مرینہ اپنے باپ کی قبر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ خلید نے اسے کھل کر رونے اور اپنا جی بکا کرنے دیا۔

خلید نے ایک عزم میں کہا۔ اس کا میں نے سارا انتظام کر لیا ہے۔ تم دیکھو گی گولوں کو عبرت ناک سزا دل گا اور وہاں تہ خانوں میں اسیر مسلمانوں کو رہا کر لوں گا۔ مرینہ نے کچھ بے تکلف ہوتے ہوئے کہا۔ میں آپ کی مشکور ہوں۔ آپ نے میری نادار عزت بچائی میں آپ کی احسان مند ہوں کہ آپ نے میرے باپ کو عزت و احترام سے پکڑ لیا ہے۔ بابا آپ کو تاجکے ہوں گے کہ جب منگولوں نے ہمارا تعاقب کیا تو میں بھاگ کر پہاڑوں میں روپوش ہوئی تھی۔ میری خوش قسمتی کہ چٹانوں کی اوٹ میں جا کر میں نے اپنے گھوڑے کو مار کر بھگا دیا اور دوبارہ میں دایں طرف کراس پہاڑ پر چڑھ گئی جس کے پاس سے ایک گھوڑا بھی وہاں مجھے ایک غار مل گئی اور میں اس میں گھس گئی۔ وہاں سے میں اپنے باپ کی گیارہ گھوڑا رکھ سکتی تھی۔ منگول مجھے ادھر ادھر تلاش کرتے رہے لیکن قریب ترین پہاڑ انہوں نے جائزہ نہ لیا۔ اس غار کے اندر میں اپنی قیمتی ہیر و رہی تھی اور اپنی حماقت پر

تاسف کہ رہی تھی کہ میں نے گھوڑے کو بھگا دیا ہے۔ اب بچ جانے کی صورت ملنا پڑے۔
 یا مروتہ باپ کے ساتھ میں کیونکہ سفر کر سکوں گی لیکن مہربان قدرت میری مدد فرمادی
 آگاہ تھی۔ اتنی دیر میں آپ آگئے اور میرے بابا کو سنبھالنے گئے۔

پہلے میں آپ کو بھی منگولوں کا ساتھی سمجھی تھی اور مجھے یقین ہو گیا تھا کہ میرے
 بھائی کے منگول دھوکہ دہی سے کام لے کر مجھے چٹانوں سے باہر آنے پر مجبور کر دیں
 لیکن میں اس غار میں پڑی رہی پھر جب منگولوں کی آپ سے جنگ شروع ہو گئی تو
 گواہی دے رہا تھا کہ آپ منگول نہیں ہیں۔ لہذا میں غار سے نکل کر نزدیک ہو گئی اور
 کے مطابق منگولوں پر تیر اندازی کی۔ میری خوش قسمتی کہ میں ایک منگول کو گرانے میں
 ہو گئی۔

میں بڑی احتیاط سے ڈر ڈر کر تیر چلا رہی تھی مجھے خطرہ تھا کہ میرا تیر
 کو نہ لگ جائے۔ پھر جب آپ نے مجھے بہت ابی حرام کہہ کر بھارتیہ سارے
 دفع ہو گئے تھے اور میں بے دھڑک اپنی کین گاہ سے نکل کر آپ کی طرف چل دی تھی۔
 نے ابھی تک اپنے متعلق کچھ نہیں بتایا۔ آپ کو ان میں، کہہ دے اے میں اور دیا ہے
 کے کنارے شمال کی طرف جاتے ہوئے آپ کی منزل کیا تھی؟

”خلید! اس ہو گیا اور مجھے کبھی سی آواز میں کہا۔“ میں بخارا کا رہنے والا
 میرا خیال سمرقند میں تھا لہذا میں ایک عرصہ سمرقند میں بھی رہا ہوں۔ چنگیز خاں کے حملوں
 میرے مال باپ اور بہن بھائی سب مارے گئے۔ میں بہت اکیلا بیچ بکلا تھا۔“

مرینہ کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئی تھیں۔ خلید کہتا رہا۔ ”میں جلال الدین خاں
 کے لشکر کا ایک سالار ہوں۔ جلال الدین کا نام و جرنیل امین الملک مروتہ کے مروجہ قلعہ دار
 کا رشتہ دار ہے اور اس کے کہنے پر جلال الدین نے مجھے مروتہ سے مجیر الملک کے یوں بھول کر
 کے لیے روانہ کیا ہے۔“

میں مشرقی سرزمینوں کی طرف سے آ رہا ہوں لیکن آخری منگول سے مجھے پتہ چلا کہ
 اپنے لوگوں کے ساتھ مارا جا چکا ہے اور اس کی بیوی اور دو بیٹیوں کو چنگیز خاں کے

ہوئے۔ مسلمانوں کو رہا کرانے کے بعد میں تمہیں نیشاپور چھوڑ کر چنگیز خاں کے لشکر کا رخ
 کیا اور وہاں مجیر الملک کی بیوی اور بیٹیوں کو تلاش کر کے امین الملک کے پاس پہنچاؤں گا۔
 مرینہ نے ہلکے بہ جواسی میں پوچھا۔ ”آپ چنگیز خاں کے لشکر میں داخل ہو کر کیونکر
 گئے جب کہ وہ مسلمانوں سے سخت بیزار ہے۔“

خلید نے کہا۔ ”میں مجاہد کے علاوہ ایک سنگتراش بھی ہوں اور ایک سنگتراش کی
 ت سے ہی میں چنگیز خاں کے لشکر میں داخل ہو کر اپنا کام شروع کروں گا۔ چنگیز خاں
 ان بچوں، عورتوں اور جوانوں کو بے دریغ قتل کرنے کا عادی ہے لیکن کاریگروں کو
 نہیں ہلاکتا ہے اور انہیں خوب معاوضہ دیتا ہے۔“

چشم سائر، نور بخش سحر اور غفرہ عبودیت کی طرح حسین مرینہ نے اجنبیت کی اور
 ی گراتے ہوئے کسی قدر بے باکی سے پوچھا۔ ”میں حیران ہوں کہ جب میری قوم میں آپ
 دہائی صفت اور اکیر خاک آدم جیسے جوان موجود ہیں پھر ہم نے کیونکر منگولوں سے
 ت اور شکست اٹھائی۔ کیا ہم اس قابل نہ تھے کہ اس وحشی اور جاہل قوم کو واپس
 لے کر اپنی طرف بھاگنے پر مجبور کر دیتے۔“

کاش ہم اپنے شہروں کی حفاظت کر سکتے اور چنگیز خاں کے ارادوں کو خانہ مام بنا
 ناکامیوں سے اس کا چہرہ عرق عرق کر دیتے اور اسے اپنے سامنے بھاگنے پر مجبور کرتے
 ہوتے تو کچھ بھی نہیں کیا۔ بلکہ ہم نے نافذین کر سکتے والی اپنی جہت و سطوت کو داغدار
 اور اپنی قوم کو ناکامیوں کے سوزِ نہاں کا شکار کیا۔“

مرینہ کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں اور وہ سلسلہ کلام جاری کر دیا۔
 نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔ ”منگول نہیں ہم خود اپنی شکست کا باعث بنے
 ہم دینی یک جہتی کے بجائے نسلی اور لسانی یک جہتی کا شکار ہو گئے ہیں۔ اپنا باپ
 اہلک و لغات، رفعت اور ان کے فکر و کردار کی تربیت کو پس پشت ڈال کر ہم ظاہر
 دہا اور قتال کے دوسروں کا شکار ہیں۔“

خلید نے فرار کر غمزہ آواز میں کہا۔ ”میری قوم کی راہ کی تہ تلے اب بھی

چنگاریاں ہیں، کوئی انہیں بھڑکانے والا نہیں۔ اس کے کہہ دار میں اب بھی کوئی
فصیح پوشیدہ ہیں۔ ہر کوئی انہیں اپنے والا نہیں ہے۔ اس قوم کی آنکھوں میں
رازیں ہندیاں ہیں لیکن کوئی ان میں لہریں اور ارتعاش پیدا کرنے والا نہیں ہے
اجتماعی طور پر گمراہی کا شکار ہوتی ہے، کارکنان قدرت اسے معاف نہیں کرتے
ہے کہ ہم ادبار کی لامتناہی پر چھائیوں کا شکار ہیں اور اغیار بے دھڑلے ہو کر
جسموں کو ریزہ ریزہ کرتے جا رہے ہیں۔

خلید خاموش ہو گیا۔ پھر اس نے مرینہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا: ”ہاں
میں دیر ہو گئی ہے۔ آپ ہمیں یہاں سے کوچ کر جانا چاہیے۔“
دونوں اپنے گھوڑوں پر سوار ہو گئے اور وہاں سے کوچ کر گئے۔ غار
آگے منگولوں کے حکمران سے ہوئے گھوڑوں کو بھی ہانکتا چلا جا رہا تھا جب کہ مرینہ
میں اس کی مدد کر رہی تھی۔

آخری سہرائی ملگجی شام، ٹوٹے دل کی آس رات میں بدل چکی تھی۔ چہ
خاموشی اور سکوت تھا۔ گنا تھا کسی نے جاوے بابل اور سحر سامری چھوڑ
کو سحرائے وحشت کی طرح بھیا نک اور پڑپہل بنا کر رکھ دیا ہو۔

خلید اور مرینہ عشق کے قریب مرو شہر کے کھنڈرات سے قریب چٹانوں
طویل سلسلے کے پاس آ پہنچے۔ خلید نے وہاں منگولوں کے حکمران سے ہوئے گھوڑوں
روک لیا اور مرینہ کو مخاطب کرتے ہوئے اس نے بڑی راز داری سے کہا۔

”مرینہ! مرینہ! تم ان گھوڑوں کے ساتھ یہاں رُک جاؤ۔ میں مرو
کھنڈرات میں داخل ہو کر اپنے کام کی ابتدا کرتا ہوں۔ مجھے اُمید ہے میں کامیاب
مرینہ نے اس بات کا متے ہوئے ہمیں آواز میں کہا۔ ”کیا میں اس کام
کوئی مدد کر سکوں گی۔ آپ اکیلے اس قدر منگولوں سے کیسے اور کیوں کر نمٹ
یاہوں کیجئے شہر کے کھنڈرات کے اندر میں دو تین ترخانوں کو جانتی ہوں۔ وہ لوگ
جلتے ولے ہیں۔ میں انہیں ترخانے سے باہر نکلواتی ہوں۔ پھر سب مل کر اس

کہتے ہیں۔“

خلید نے کہا۔ ”ایسا ممکن نہیں۔ تم اپنے سامنے مرو شہر کے کھنڈرات کی طرف دیکھو۔“

جنوب اور مشرق میں روشنی ہو رہی ہے۔ اس کا مطلب ہے وہاں منگولوں کے آگ

اور دشمن کر رہے ہیں اور وہ بیٹھ کر پہرہ دے رہے ہیں تاکہ ترخانوں سے بچ کر بھاگنے

ایاب نہ ہو۔ اگر تم میرے ساتھ ان کھنڈرات میں داخل ہوئی تو کوئی ترخانہ کھلانے سے قبل

آدم دونوں پکڑے جائیں گے اور منگول ہم دونوں کو تخت لخت کر کے رکھ دیں گے اور پھر

آدم ساتھ ہونے سے مجھے منگولوں سے نمٹنے کے ساتھ ساتھ تمہاری حفاظت کا دوسرا فرض

پڑا پڑے گا۔“

خلید نے کہا۔ ”میں تمہیں زیادہ دیر تک انتظار کے کرب میں نہ رکھوں گا منگولوں

بھاننے لگا کہ میں بہت جلد تمہارے پاس آؤں گا پھر ہم مل کر ترخانوں کے اندر اسیر

بے سلمان بہن بھائیوں کو نکال سکیں گے۔“

سنو! سنو! مرینہ! اگر تیں واپس نہ آسکو اور تم محسوس کرو کہ منگول مجھ کو غالب

کے ہیں تو فوراً میرے گھوڑے پر سوار ہو کر نیشا پور کی طرف روانہ ہو جانا۔ میرے گھوڑے

ناظر میں کسی روز کی خوراک ہے۔ اس کی زین سے پانی کا مشکیزہ بند چاہیے اور خرچین

بیمار فقی کی ایک بڑی تھیلی بھی ہے۔ سو ریانے مرغاب کے کنارے جس شاہراہ پر میں آیا ہوں،

ای شاہراہ پر تم پہلے طوس شہر کی طرف جانا۔ وہاں سے بائیں ہاتھ یہ شاہراہ مڑتی ہے اور

بیمار فقی کی طرف چلی جاتی ہے۔ میرا گھوڑا ان سب راہوں سے خوب واقف اور شناسا

ہے۔ بہت جلد تمہیں نیشا پور پہنچا دے گا۔“

مرینہ نے روتی ہوئی بین کرتی آواز میں کہا۔ ”آپ میری قوم کے درد شناس اور

لڑوٹ مجاہد ہیں۔ میرا رب ان ویرانوں میں مجھے تنہا اور سسک سسک کر مرنے کو نہ چھوڑے گا

میں اُٹھتی ہوں کہ چٹانوں، جبل صفا کی پر نور وادیوں اور بدر کے مقدس میدانوں کے طفیل آپ

کامیاب کام میں کامیاب کرے گا۔ کاش۔“

خلید نے محسوس کیا کہ اس سے آگے حسین مرینہ کی آواز ہچکچوں میں ڈوب گئی تھی اور

مرینہ نے روتی ہوئی بین کرتی آواز میں کہا۔ ”آپ میری قوم کے درد شناس اور
لڑوٹ مجاہد ہیں۔ میرا رب ان ویرانوں میں مجھے تنہا اور سسک سسک کر مرنے کو نہ چھوڑے گا
میں اُٹھتی ہوں کہ چٹانوں، جبل صفا کی پر نور وادیوں اور بدر کے مقدس میدانوں کے طفیل آپ
کامیاب کام میں کامیاب کرے گا۔ کاش۔“
خلید نے محسوس کیا کہ اس سے آگے حسین مرینہ کی آواز ہچکچوں میں ڈوب گئی تھی اور

وہ کچھ کہہ نہ پائی تھی۔ خلید نے چپ چاپ اپنے کندھوں پر اپنی کمان لٹکانی منگولوں کو
ہوئے گھوڑوں کو اس نے ایک چٹان کے ساتھ بامدہ دیا اور مرد کے کھٹکات کر
گیا تھا۔

خلید مرد شہر کے کھٹکات میں داخل ہوا۔ ایک گسے ہوئے مکان کے پاس
ہو کر کچھ سوچتا رہا پھر کوئی فیصلہ کر کے وہ مشرقی حصے کی طرف بڑھنے لگا۔ اس کی تاملات
اس کے ہاتھ میں تھیں اور کوئی کھٹکائیے بغیر وہ مشرقی طرف بڑھتا رہا جب وہ ایک گلی
عمارت کے کچھ نیچے ہوئے حصے کے پاس گیا جس کے سامنے دو منگول آگ کا لالہ
تھے تو وہ رک گیا اور زمین پر لیٹ کر آگے بڑھنے لگا۔ نزدیک جا کر اس نے دیکھا
بڑے بڑے کمرے انہی صحیح حالت میں موجود تھے۔ ایک میں منگول سو رہے تھے اور
میں ان کے گھوڑے بندھے ہوئے تھے۔

لیٹے ہی لیٹے دیوار کے ساتھ ساتھ ہوتا ہوا وہ اس کمرے کے دروازے پر آیا
منگول سوئے ہوئے تھے۔ خلید نے سانس روک لی اور حالات کا جائزہ لیا۔ اس سے
آگ کا لالہ روشن تھا۔ وہاں دو منگول آگ پر اپنے ہاتھ پھیلائے بیٹھے تھے اور
ان کے قریب ہی زمین میں دو روشن شعلیں گڑی تھیں۔ لیٹے ہی لیٹے خلید نے اپنا
ریا اور اس دروازے کو اس نے زنجیر لگا دی۔ دوبارہ وہ رینگتا ہوا اس کمرے کے
کونے میں آکر بیٹھ گیا تھا۔

ایک بار پھر خلید نے اپنے اطراف کا جائزہ لیا اور جس کمرے کا دروازہ اس نے
سے بند کیا تھا اس کے روشن دان پر نظر پڑتے ہی اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ کھیل گئی
کمرے کے تارک کو نے میں خلید دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ پھر اس نے اپنی کمان
سے تیر نکالے اور آگ کے لالہ کے پاس بیٹھے دونوں منگولوں کو حدت بنا کر اس نے خبر
دیے۔ اس کے تیران دونوں کو چھید کر رکھ گئے تھے۔ ان کے منہ سے ہلکی جھپٹ نکلی تھی
لیکن ان سے کمرے کے اندر کوئی ہل نہ ہوئی تھی۔

خلید اٹھ کھڑا ہوا۔ اپنی تلوار ڈھل اس نے سنبھالی اور آگ کے لالہ کی طرف

منگول ختم ہو چکے تھے۔ خلید نے دونوں کو پاؤں کی ایک ایک ٹوکھا کر ان کا جائزہ لیا پھر
اپنی مڑی دونوں شعلیں اس نے لیں۔ بھاگ کر وہ کمرے کے پاس آیا اور روشن دان سے
نے دونوں شعلیں کمرے کے اندر پھینک دیں۔ پھر وہ دروازے کے پاس آکھڑا ہوا اور
برکے لگا۔

کمرے میں بچھائی ہوئی آون فوراً آگ پکڑ گئی اور پھر خلید کو کمرے کے اندر سے شور و
کارنے کی آوازیں سنائی دینے لگی تھیں۔ پھر ایک ساتھ کئی منگول اندر سے دروازہ پیٹنے
لے۔ دروازہ نہ کھلنے کی صورت میں ایک منگول نے جینے کے اندر میں کہا۔ دروازہ
دو دنہ ہم سب جل کر راکھ ہو جائیں گے۔

اب منگول دروازے کو دھکے دے دے کر توڑنے کی کوشش کرنے لگے تھے۔ خلید
اہرے دروازے کو مضبوطی سے سہارا دے لیا تھا۔ تاکہ دروازہ ٹوٹنے میں بھی کچھ دیر لگے۔
اب منگول آگ کا شکار ہو جائیں۔ اب کمرے کے اندر سے ایک ساتھ کئی منگولوں کے
ہانے کی آوازیں سنائی دینے لگی تھیں۔ شاید انہیں آگ لگ گئی تھی۔

خلید اسی طرح دروازے کو اندر کی طرف دباؤ کھڑا تھا کہ اچانک وہ ایک جھٹ
ایک طرف ہٹ گیا کیوں کہ دروازہ اندر سے منگولوں کے زور لگانے کے باعث اکھڑ
آگ لگنے لگا تھا۔ تاہم خلید مستعد تھا اور تلوار سونت کر کھڑا ہو گیا تھا۔

دروازہ اندر کی طرف گر پڑا اور کچھ منگول گھبراہٹ اور بدحاشی میں باہر نکلے لیکن
تلاب بن کر ان پر نازل ہو گیا اور جو بھی دروازے سے باہر نکلا اس کا اس نے سر قلم
ریت کر دیا تھا۔ اس طرح کچھ منگول کمرے کے اندر چل گئے اور جو بچ کر باہر نکلے وہ
تلوار کا شکار ہو گئے۔

اچانک خلید سمجھ کر کھڑا ہو گیا۔ جنوب کی طرف سے تین منگول بھاگتے ہوئے اس کمرے
نہایت تیزی سے آتے ہوئے تھے۔ آگ لگ گئی تھی اور آگ کے شعلے اب خوب بلند ہونے لگے تھے۔

ان کا منہ کمرے سے آتا کر اس پر تیر چڑھا لیا۔ وہ ان تینوں منگولوں سے جلد نمٹ لیا
ان کا منہ کہ یہ وہ منگول تھے جو جنوب کی طرف آگ روشن کر کے پہرہ دے رہے تھے اور

دیکھتے ہوئے کہا۔

بلند کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔
 ”میں منگولوں پر اس طرح تنہا قابو پانے پر آپ کو مبارک باد دیتی ہوں۔ خدا کی قسم!
 مجھے سب فرزند آپ جیسے ہو جائیں، دنیا کی کوئی طاقت انہیں زیر نہیں کر سکتی۔
 غلبدنے بھی مسکراتے ہوئے کہا۔ ”جس قوم میں تم جیسی بیٹیاں بھی ہوں۔ وہ بھی
 درخت کا شکار نہیں ہو سکتی۔“

مرینہ نے فوراً اپنی صفائی پیش کرنے کے انداز میں کہا۔ ”آپ نے مجھے گھوڑوں
 پر بٹھایا تھا لیکن میں وہاں بیٹھ نہ سکی تھی۔ میں آپ کے پیچھے پیچھے ادھر آگئی تھی۔
 تھی آپ اکیلے اس قدر منگولوں کے اندر کہیں بچھن نہ جائیں۔ میں اسی لیے یہاں ایک
 اوٹ میں ہو کر بیٹھ گئی تھی۔ میں نے ارادہ کر لیا تھا کہ جو بھی آپ پر حملہ آور ہوگا اسے
 تیروں سے پھینک کر دوں گی۔“

غلبدنے کہا۔ ”میں تمہارا شکر گزار ہوں، تمہارے میرا اس قدر خیال رکھا۔“

مرینہ نے ایک اپنائیت میں کہا۔ ”آپ میرا شکریہ کیوں ادا کرتے ہیں یہ میرا
 فاجو میں نے ادا کیا۔ کیا اب ہمیں لوگوں کو تہ خانوں سے نکالنے کا کام نہ شروع کرنا
 ۔ ایسا نہ ہو لوٹ کھسوٹ کی خاطر کہیں سے اور منگول آجائیں اور ہماری ساری محنت
 برباد ہو جائے۔ میں ایک ایسے شخص کے تہ خانے کو جانتی ہوں جو ہمارا ہمسایہ اور کپڑے کا
 ماہ۔ وہ اپنے اہل خانہ سمیت تہ خانے میں بند ہے۔ پہلے ہم انہیں نکالتے ہیں۔ پھر وہ
 لوگوں کو نکالنے میں ہماری مدد کریں گے۔“

غلبدنے نے کہا۔ ”آؤ پہلے اپنے گھوڑے یہاں لے آئیں پھر لوگوں کو تہ خانوں سے
 ”ام شروع کرتے ہیں۔“ دونوں اس طرف چل دیے جہاں ان کے گھوڑے تھے۔
 دونوں کمرے جن میں سے ایک میں منگول بند تھے اور دوسرے میں انہوں نے
 کمرے باندھے تھے، چل گئے تھے۔ غلبد اور مرینہ نے سارے گھوڑوں کو ایک جگہ
 لڑکے باندھ دیا۔ پھر مرینہ غلبد کو شمال کے کھنڈرات کی طرف لے گئی۔ وہاں ایک
 کھنڈرات میں وہ کچھ دیر غور سے جائزہ لیتی ہوئی اپنے ہمسایوں کے تہ خانے کو تلاش

ان منگولوں کے آجانے کا بھی اندیشہ تھا جو مغرب کی طرف الوداع کیے ہوئے
 اچانک غلبد ایک بار پھر چونک پڑا۔ اس کے قریب ہی دائیں اوتار
 کے اندر سے کسی نے تیر برساتے اور جنوب کی طرف سے آنے والے منگولوں میں
 چھید کر رکھ دیا تھا۔ اتنی دیر تک غلبد نے بھی تیر چلا کر دوسرے منگول کو قتل کر
 خوشخبرہ ہو کر واپس بھاگا لیکن غلبد اپنی تلوار سونٹ کر اس کے پیچھے بھاگا۔ قتل
 نے اسے جالیا اور اسے بھی قتل کر دیا

پھر وہ اپنی ڈھال سامنے رکھ کر اس طرف بھاگا جہاں سے کسی نے منگول
 تھے لیکن قریب جا کر وہ رگ گیا کیوں کہ مغرب کی طرف پہرہ دینے والے تیروں
 بھاگتے ہوئے اس طرف آ رہے تھے۔ غلبد پھر ایک چھک کی اوٹ میں بیٹھ گیا اور
 اس کے تیروں کی زد میں آئے تو اس نے ان پر تیروں کی بوچھاڑ کر دی۔ غلبد
 کھنڈرات کے اندر سے کوئی اور بھی ان پر تیر برساتے لگا تھا۔ اس طرح دوسرے
 ہاتھوں اور ایک کھنڈرات میں پچھے کسی اجنبی کے ہاتھوں مارا گیا تھا۔

سارے منگولوں کے غلبد پر اچانک غلبد پلٹا اور اس کمرے کی طرف
 میں منگولوں کے گھوڑے بندھے ہوئے تھے۔ کیوں کہ آگ اب بڑی تیزی سے
 طرف بڑھنے لگی تھی۔

غلبد نے کمرے کا دروازہ کھولا اور سارے گھوڑوں کو اس نے باہر
 کمرے کو آگ لگنے کے باعث باہر کی فضا چونکہ کچھ گرم ہو گئی تھی اس لیے منگولوں
 گھوڑے ایک طرف ہٹ کر کھڑے ہو گئے تھے۔ غلبد بڑی تیزی سے اس
 سے گھوڑوں کی زمینیں اور دوسرا ضروری سامان نکال نکال کر باہر کھینچ لگا
 اب خوب بلند ہو کر پھینکتی جا رہی تھی۔

کمرے سے سارا سامان نکال کر غلبد جب پیچھے ہٹ کر کھڑا ہوا تو
 سامنے کھنڈرات میں سے دیکھتے ہی دیکھتے حسین مرینہ نمودار ہوئی اور منگول
 طرف بڑھ رہی تھی۔ قریب آ کر مرینہ غلبد کے سامنے رگ کی اور گہری دلفریب

کرتی رہی۔ پھر ایک گول پتھر تلاش کرنے میں وہ کامیاب ہو گئی اداس پرندہ نے
ہاتھ مارتے ہوئے اس نے چلا چلا کر کہا۔ "میں مرینہ بنت ابی حزام بول رہی ہوں۔
سے باہر آ جاؤ، منگو لوں کو ختم کر دیا گیا ہے۔ اب یہاں سے بھاگنے کا بہترین موقع ہے۔
تھوڑی دیر بعد پتھر اوپر اٹھنا شروع ہوا۔ پھر ایک بوڑھے نے کہا کہ
جھانکا۔ مرینہ کو خلید کے ساتھ وہاں کھڑے دیکھ کر اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ
پھر وہ باہر نکلا اور اس کے پیچھے پیچھے اس کی بیوی اور اس کے بیٹے بیٹیاں بھی
آئے۔ مرینہ نے انہیں اپنے ساتھ پیش آنے والے حالات تفصیل سے سنائیے۔
خلید کا شکریہ ادا کرنے لگے۔

پھر اس بوڑھے نے کہا "آؤ ان کھنڈرات میں جگہ جگہ پھیل کر اذانیں دینا
میں بند لوگوں کو باہر بلاؤں گا۔"
سب کھنڈرات میں پھیل کر اذانیں دینے لگے اور لوگوں کو باہر بلانے
تھوڑی دیر کی جدوجہد کے بعد وہ سب لوگوں کو باہر نکالنے میں کامیاب ہو گئے
خلید نے ان میں منگو لوں سے ہاتھ لگنے والے گھوڑے بانٹ دیئے۔

سب لوگوں نے بڑے خلوص اور ایثار کا ثبوت دیا اور جس قدر ان کے
خوداک کا ذخیرہ تھا وہ ایک جگہ جمع کر کے انہوں نے آپس میں بانٹ لیا۔ پھر جدھر
نے جانا تھا روانہ ہو گیا۔ خلید اور مرینہ بھی اپنے گھوڑوں پر سوار ہو کر نیشاپور کی طرف
گئے تھے۔



ایک روز جب کہ رات اپنے اختتام کو پہنچ رہی تھی اور سحر کے نشیب دہانہ
ہونے لگے تھے خلید اور مرینہ نیشاپور سے تیس میل شمال میں کوہ تانی سلسلے میں سفر کر
ہر طرف فوسل ساز چاندنی رقص کناں تھی۔ ایک چشمے کے کنارے خلید نے اپنے گھوڑے
لیا اور نیچے اترتے ہوئے اس نے کہا۔ "مرینہ! مرینہ! آؤ یہاں فجر کی نماز ادا کر لیں
دم ہو کر اپنے سفر کا آغاز کریں۔ نیشاپور اب کوئی زیادہ دور نہیں آنے والی تھا۔"

مرینہ نے کہا۔ "میں ایک عاجز و گنگنا رہندہ تیرے حضور دست برد
ہوں۔ تم اگر نرم کی نگاہ کر۔ دیدہ و بین وحشی اور ہوس کے سوداگر
میرے قوم پر خدا کا آنچل، عقوبت کا سمندر، زوال و فنا،

مرینہ نے اپنے تیسرا در کمان سنبھالتے ہوئے کہا۔ "آپ نماز ادا کریں۔ میں آپ
کر دوں گی۔ ابھی کافی وقت ہے۔ سورج طلوع ہونے سے پہلے پہلے ہم دونوں
نماز پڑھ سکتے ہیں۔"
خلید شاید مرینہ کی بات مان گیا۔ چشمے سے ہٹ کر جنوب کی طرف وہ ایک پتھر
لیا اور اذان دینے لگا۔ سنسان و بے خواب رات میں اذان کی آواز سنہری گھنٹیوں
جھلکی گونجتی رہی۔ مرینہ ایک پتھر کی اوٹ میں ہو کر بیٹھ گئی تھی۔ اذان کے بعد
رانا لگی۔ پھر وہ گھاس پر کھڑا ہو کر فجر کی نماز ادا کر رہا تھا۔
نماز کے بعد خلید نے جب مڑ کر دیکھا تو دو اور جوان بھی اس کے پیچھے کھڑے
رہے تھے۔ ان کے کپڑے خون آلود تھے جیسے ابھی ابھی کسی رزم گاہ سے نکلے۔
انہوں نے اوٹ میں مرینہ کی طرف دیکھا۔ وہ بھی نماز ادا کر رہی تھی۔ جب وہ دونوں
نے فارغ ہوئے تو خلید نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے۔ مرینہ بھی نماز سے فارغ
ہوئی اور گئی۔ خلید بڑی رقت بڑی دود مندی سے کہہ رہا تھا۔

رکب نے پوچھا۔ اے امیر! آپ یہاں کہاں؟ آپ کے ساتھ ایک خاتون بھی ہیں
آپ کی بیوی ہیں؟

مریہ اپنے آپ کو سنبھال کر ان کی گفتگو غور سے سننے لگی تھی۔ خلید نے کسی قدر
مریہ کو بچھا۔ تم دونوں کون ہو مجھے کیسے جاننے ہو۔ ان میں

ان میں سے ایک نے پھر کہا۔ اے امیر! کیا آپ آقا جلال الدین کے لشکر

الار نہیں ہیں۔ ہم نے آپ اور آقا جلال الدین کے دوسرے جرنیل امین الملک

دلکین اسغان کے اس معرکے میں بھی حصہ لیا تھا جس میں ہم نے چنگیز خان کو پاپا

پہنچا کر دیا تھا۔

کاش ہم آپس کی نا اتفاقیوں اب تک ترک کر چکے ہوتے۔ اگر ہم اتحاد و عمل سے

تو تم مجھے خداوند کریم کی اب تک ہم خوشخوار و وحشی منگولوں کو مار مار کر صحرائے

لاوطن بھگا دیتے۔ انہوں نے اپنی جرات سے ہمیں ذلیل و رسوا نہیں کیا انہوں

ماری نا اتفاقی اور باہمی عدم تعاون سے فائدہ اٹھایا ہے۔ کاش ہم جاگ جاتے۔

خلید نے بڑی ہمدردی سے پوچھا۔ اگر تم جلال الدین کے لشکر کے مجاہد ہو

دقت تم دونوں کہاں سے آرہے ہو۔

اس نے بڑی افسردگی سے کہا۔ آپ کو خبر ہوگی کہ آقا جلال الدین ان دنوں

پڑتے فصلہ کن معرکے کی خاطر مشرق میں ایک لشکر کو ترتیب دے رہے ہیں۔

اب جو ان بغلوں کی ایک نواحی بستی کے رہنے والے آکھے اس جہاد میں شامل ہوئے۔

ان کی نصیحت پر ہم اپنے گھروں کو آئے تھے۔ پر ہلے بدقسمتی جب ہم واپس جا رہے

تو ان سے چند میل مغرب میں ہمیں کچھ منگول سوار دکھائی دیئے۔ وہ تعداد میں سینتیس

میل کے قریب ہوں گے۔ ہم ان سے پہلو تہی کر کے اور اپنا آپ بچا کر نکل جاتا

تھوٹے لیکن حالات نے ایسا نہ ہونے دیا۔

ان منگولوں کے پاس دو مسلمان لڑکیاں تھیں جنہیں وہ کہیں سے اٹھا کر لا رہے

تھیں کہ جتانوں کے ان دیوالوں میں ان لڑکیوں نے پہچان لیا کہ ہم مسلمان ہیں۔

جابر و قاسم، کبرا بیسی اور تیز و تند ہنگامہ خیز طوفان بن کر نازل ہوئے

میں۔ ان بدن پرستوں کی حیلہ گردی، قہر مذلت اور حرص و تمہ سے بڑا

رہبت کو بچا۔ ان کا کردار خوشخواری و وحشت ہے۔ ان کا انجام ازلت

و خوشواری کر۔

الہی! تو فکر و دانش کا سرعتر عظیم ہے۔ ہماری پرانی اور آبائی عزیمت

و استقامت اور جرات و بہمت عطا فرما۔ ہمیں اسلام کے فیہد

اصول پر چلنے کی توفیق دے۔ ہمیں اتحاد و عمل عطا کر کہ ہم بے غرضی

و جفا کشی سے کام لے کر جو راغبار کے سامنے اپنی ملت کو پر شکوہ و دانا

بنائیں۔

رب عظیم! ہماری نصرت و مدد فرما کہ ان مخدوش و شکستہ حالات میں ہم

اپنی قوم کے شجر کو بار بار و اس کی سطوت کو تحمل و شوکت سے

آراستہ کر دیں۔

خلید کو تھوڑی دیر کے لیے رک جانا پڑا کیوں کہ اس کی آنکھوں سے

تھے اور اس کی ہچکیاں بندھ گئی تھیں۔ دعا میں شامل دونوں جوان اور مرید

ہچکیوں میں رو رہے تھے۔ تھوڑی دیر بعد خلید کی ٹوٹتی بکھرتی آواز پہ

اے ارحم الراحمین! ہم اپنی ہی سرزمینوں پر اجنبی اور اپنے ہی

دیسوں میں غیر ہو گئے ہیں۔ ہمدادی آنادی کو باوقار بنا، ہمیں سزا

نہاں عطا کر کہ ہم بدست و قہرمان دشمن کے غیض و برہمی سے نکلا

جائیں اور ملت کی آنادی و عظمت کی خاطر اپنی جائیں قربان کر دیں

الہی! ہماری فریاد سن، ہماری دعاؤں کو قبول فرما۔

دعا ختم کر کے خلید نے ان دونوں جوانوں کی طرف دیکھا۔ ان کی آنکھ

ابھی تک آنسو دواں تھے۔ مریہ ہچکیاں لے کر رو بھی رہی تھی اور سر پر بندہ

سے اپنے آنسو بھی پونچھتی جا رہی تھی۔ وہ دونوں جوان آٹھے پہلے انہوں نے

انہوں نے ہمیں پکارا اور خدا اور رسول کا واسطہ دے کر ہمیں اپنی مدد کو بلایا۔
اے امیر! ہم کیوں کر اپنی قوم کی بیٹیوں کی اپنی ملت کی آبدوؤں کو دشمن کر کے
چھوڑ کر اپنا آپ بچا کر بھل جاتے۔
ہم میں ہمارا ایک سرخیل بھی تھا اس کی سرکردگی میں ہم منگولوں کے
ہم اس جذبے سے حملہ آور ہوئے تھے کہ ہم نے اکثر منگولوں کو تہ تیغ کر دیا۔ ہم
ایسا کاٹا کہ ان میں سے صرف چند باقی رہ گئے تھے۔ لیکن ہائے حریف! جب ہم ان
پارہے تھے ان کو ہتھانوں کے اندر سے منگولوں کی ایک اور ٹولی نمودار ہوئی اور
ہماری پشت سے ہم پر حملہ کر دیا۔

دو فوج مسلمان لڑکیوں نے جب دیکھا کہ ہمارے مسلمان بھائی غالب
اچانک مغلوب ہو رہے ہیں تو انہوں نے ہمارے ہاتھوں مرے والے منگولوں کی تلوار
اور اپنا خاتمہ کر لیا۔ ہمارے ساتھی جنگ میں مارے گئے اور ہم دونوں بڑی شکر
جائیں بچا کر بھاگے۔ منگولوں نے ہمارا تعاقب کیا۔ انہوں نے یہاں سے تھوڑی
تک ہمارا پیچھا کیا پھر رات کی تاریکی میں کوہستانوں کے اندر ہم انہیں چمکے دے
کنے میں کامیاب ہو گئے۔ اے امیر! یہ ہماری داستان ہے۔ اب آپ اپنی قوم
سواہ میں خلید نے بھی ان سے اپنے پورے حالات کہہ ڈالے تھے۔
سے ایک نے خلید کے حالات سننے کے بعد مرینہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا: اے
بہن! مرجا! تیری ہمت قابلِ شائستگی ہے کہ تو نے مرنے کے کھنڈرات میں منگول
کرنے میں امیر کی مدد کی۔ خدا کی قسم جس قوم کی ساری بیٹیاں آپ جیسی ہو جائیں
نا قابلِ تعمیر ہو جاتی ہے۔

مرینہ نے کہا: اے میرے بھائیو! خلید نماز پڑھ رہے تھے جب کہ تو
پیچھے بیٹھ کر ان کی حفاظت کر رہی تھی۔ ہم نے فیصلہ کیا تھا کہ باری باری نماز ادا
اسی وقت تم دونوں آگئے۔ شروع میں تمہیں میں دشمن جاتی تھی اور میں نے اپنی کما
چڑھایا تھا لیکن جب تم دونوں اپنے گھوڑوں سے اتر کر چشے پر وضو کرنے لگے
مرینہ نے کہا: اے میرے بھائیو! خلید نماز پڑھ رہے تھے جب کہ تو
پیچھے بیٹھ کر ان کی حفاظت کر رہی تھی۔ ہم نے فیصلہ کیا تھا کہ باری باری نماز ادا
اسی وقت تم دونوں آگئے۔ شروع میں تمہیں میں دشمن جاتی تھی اور میں نے اپنی کما
چڑھایا تھا لیکن جب تم دونوں اپنے گھوڑوں سے اتر کر چشے پر وضو کرنے لگے

تینوں نے اپنی کمائیں، ترکش، تلوار اور ڈھالیں سنبھالیں اس ایک چٹان کی اوٹ
پر بیٹھ گئے۔ مرینہ بھی اٹھی اور اپنی کمان سنبھال کر وہ خلید کے پہلو میں آ بیٹھی تھی خلید
ان کے ساتھ منگولوں کو دیکھ رہا تھا۔

گئے۔

مگر دل لاخ اب تمہارا مدفن نہیں گئے۔
مگر دل کھڑے ہو گئے اور ان میں سے ایک نے خلید کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ”تم
بڑا جاکھڑا ہو۔ اب دیکھنا ہماری تلواریں کس طرح تم پر برستی ہیں۔ یہ سنگلاخ ہمارا
مدفن نہیں گئے۔“

مگر دل کے اس وقت اوسان خطا ہو گئے۔ جب خلید کے قریب سے مرینہ اور ان
اپشت سے خلید کے وہ دونوں ساتھی بھی اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ پھر خلید نے نرم
از میں کہا۔ ”مرینہ! میں ان منگولوں پر حملے کی ابتدا کرنے لگا ہوں۔ تم یہیں
نہ جاؤ۔ چار منگول اب ہمارا سامنا نہ کر سکیں گے۔“
مرینہ نے ہمدردی اور چاہت میں کہا۔ ”کیا اس نیک نام میں آپ کی یہ مدد نہ
ہو گی۔“

خلید نے کہا۔ ”ان چاروں کے لیے تو میں اکیلا ہی کافی تھا۔ اب تو ان کی پشت پر
دشمنوں کی ساتھی بھی کھڑے ہیں۔ تم یہاں کھڑی ہو کر دیکھو ہم ان کا کیا حشر کرتے ہیں۔“
خلید آہستہ آہستہ نیچے تلے قدموں سے آگے بڑھا۔ اس کے پاس اس کی تلوار اور
منگول کی پشت سے اس کے آدمی بھی آگے بڑھنا شروع ہو گئے تھے۔ منگول بد
لے کبھی وہ اپنے سامنے اور کبھی پشت کی طرف دیکھتے۔ پھر انہوں نے کوئی فیصلہ کیا۔
بلکہ طرف اور تین اس کے دونوں ساتھیوں کی طرف بڑھے تھے۔

خلید کے قتلے پر اپنا ایک ساتھی لاکر منگولوں نے حماقت کی تھی۔ شاہد خلید کو
ملا اس سے غلطی ہوئی تھی۔ یا وہ ان کے لیے اجنبی تھا جب کہ دوسرے دونوں سے
بہتر آزمائی کر چکے تھے۔

خلید نے آگے بڑھ کر اپنے پہلے ہی دار میں منگول کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔
منگول کی پشت پر حملہ آور ہوا اور ان میں سے ایک کو کاٹ دیا۔ دوسرے دو منگول
خلید کی موت پر سراپیمہ سے ہو گئے اور اسی سراپیمگی میں خلید کے دونوں ساتھیوں
کا فائدہ کر دیا۔

وادی سے نکل کر اب وہ اس ٹیلے پر چڑھنے لگے تھے جس کے اوپر وہ پہلے
کی اوٹ میں بیٹھے ہوئے تھے۔ خلید نے اپنے ساتھیوں کو مخاطب کر کے کہا۔ ”معاذ
جب میں اشارہ کروں تو انہیں نشانہ بنا کر ان پر لگاتار تیر برس سانا شروع کر دینا
کے ساتھ ہی اپنے چلتے پر تیر چڑھالیا تھا۔“

مرینہ کے علاوہ وہ دونوں بھی خلید کی تقلید میں تیر چڑھاکر اپنی کمانیں
چکے تھے۔ اچانک خلید نے اشارہ کیا اور چاروں نے ایک ساتھ منگولوں پر
شروع کر دی تھی۔ ہندہ میں سے آٹھ بڑی طرح چملا کر اپنے گھوڑوں سے نیچے
باقی سات اپنے گھوڑوں سے فوراً چھلانگیں لگا کر پتھروں کی اوٹ میں ہو گئے اور
کی حالت میں وہ پتھروں کی آڑ لیتے ہوئے آہستہ آہستہ اوپر چڑھنے لگے تھے۔

خلید نے بڑی تیزی سے کچھ سوچا پھر اپنے ساتھیوں کو مخاطب کر کے کہا
دونوں یہیں اوپر بیٹھو اور گاہے گاہے ان پر تیر اندازی کر کے انہیں یہاں اپنی موجود
احساس دلاتے رہو۔ میں دائیں طرف سے نیچے جاتا ہوں اور ان کی پشت سے ان
ہوتا ہوں۔ اس طرح انہیں گھیر کر ہم آسانی سے ان پر قابو پانے میں کامیاب ہو جاؤ
مرینہ نے فوراً بولتے ہوئے کہا۔ ”میں بھی آپ کے ساتھ نیچے جاؤں گی۔“
خلید نے کہا۔ ”تو پھر آؤ میرے ساتھ جلدی کرو۔“

خلید اور مرینہ پتھروں کی اوٹ میں بڑی تیزی کے ساتھ دائیں طرف کا
کر نیچے اترنے لگے۔ ایک مناسب جگہ جا کر خلید نے سرگوشی میں کہا۔ ”مرینہ! مارا
رک جاؤ۔ وہ دیکھو یہاں سے ہم منگولوں کو اوپر چڑھنے کی بات دیکھ سکتے ہیں۔“

دونوں ایک پتھر کی اوٹ میں رک کر بیٹھ گئے۔ پھر دونوں نے ایک دوسرے
اشارہ کیا اور پشت کی طرف سے منگولوں پر انہوں نے تیر برسائے جس سے تین منگول
ہو کر رہ گئے تھے۔ اب باقی چار منگول رہ گئے تھے۔ خلید اٹھ کھڑا ہوا اور ان چاروں
کو مخاطب کرتے ہوئے اس نے کہا۔

”اب تم کھڑے ہو جاؤ۔ تم ہم سے بچ کر اب بھاگنا بھی چاہو تو نہیں بھاگتے۔“

خلید اپنے دونوں ساتھیوں کے ساتھ ٹیلے کے اوپر اس جگہ آیا جہاں انہوں
اداک تھی۔ مرینہ بھی ان کے پاس آکھڑی ہوئی تھی۔ ان دو ساتھیوں میں سے ایک نے غور
کرتے ہوئے کہا۔ "اے امیر! آپ کی منزل شاید نیشاپور ہے۔ ہمیں اجازت دیں ہم آپ
سے مشرق کی جانب اپنے لشکر کو کوچ کرتے ہیں۔"

خلید نے کہا۔ "جلال الدین اور امین الملک دونوں سے میرا سلام کہنا۔ یہ
حالات انہیں سننے کے بعد انہیں خبر نہ کہ میں نیشاپور سے ہو کر عمیر الملک کی بوی اور
کی تلاش میں چنگیز خان کے لشکر میں جاؤں گا۔ اور سونچے کھڑے منگولوں کے سارے
جکڑ کر لے جاؤ۔ انہیں راستے میں بیچ کر رقم دونوں آپس میں تقسیم کر لینا۔"

ان دونوں نے باری باری خلید سے مصافحہ کیا۔ اپنے گھوڑوں پر سوار ہو کر
اُترے اور منگولوں کے سارے گھوڑوں کو ہانکتے ہوئے وہ مشرق کی طرف کوچ کر گئے۔
خلید اور مرینہ بھی اپنے گھوڑوں پر سوار ہوئے اور جنوب میں نیشاپور کی طرف روانہ
تھے۔



بھی سورج غروب نہ ہوا تھا کہ خلید اور مرینہ نیشاپور شہر سے باہر ایک
پرچا پہنچے۔ وہاں سے ایک شاہراہ دشتِ کبیر سے ہوتی ہوئی نیچے شہر اور وادی سے
لوٹ کر بھول بھلیوں کی طرف نکلی گئی تھی۔ ایک شاہراہ مغرب میں رہے، قزوین،
آذر بایجان کی طرف چلی گئی تھی۔ تیسری شاہراہ سیدھی جنوب میں صفہان کو جا رہی تھی۔
اس چوراہے پر اپنے گھوڑے کو روک دیا۔

مرینہ نے چونک کر پوچھا۔ "آپ رک کیوں گئے؟"

خلید نے کہا۔ "میں یہاں تمہیں الوداع کہتا ہوں۔ یہاں سے تم سیدھی اپنے
ہاں چلی جاؤ۔ میں یہاں سے مشرق میں ہرات شہر کا رخ کروں گا اور وہاں سے چنگیز خان
لشکر میں شامل ہو جاؤں گا۔"

چند ثانیوں تک مرینہ بڑی حسرت سے خلید کو دیکھتی رہی اور اپنے ہونٹ کانٹا

رکنا دیکھ، کتنی محرومی، لامحدود رنج اور انتہائی تکلیف دہ احساسات تھے۔ ایسا لگتا
تھا جیسے کہ ایک سنگی اور طاقتور شخص نہ رہی ہو۔ اسے نہ اپنی حرکت پر قابو نہ گویائی پر چارہ۔
ابن تابہ کہتا ہے کہ اس کی آنکھوں میں خلید کے لیے خاموش محبت اور دبی
احساسات کے پس منظر میں اس کی آنکھوں میں خلید کے لیے خاموش محبت اور دبی
احساسات کے پس منظر میں اس کی آنکھوں میں خلید کے لیے خاموش محبت اور دبی

اہت بھی تھی۔
تھوڑی دیر تک مرینہ اپنی ہستی کے اسرار و رموز سے جنگ کرتی رہی۔ اس کا رنگ
پرہیزگارانہ تھا اور اس کی پلکوں میں آنسوؤں کے قطرے چمکنے لگے تھے۔ پھر گویا اس نے
آپ کو منع کر لیا اور انتہائی غم اور دکھانگاہ خلید پر ڈالتے ہوئے اس نے بھرپور گدگدائی اور
دہش میں کہا۔

"میں آپ کو روکنے کا حق تو نہیں رکھتی لیکن آپ سے یہ التماس ضرور کروں گی کہ
میرے ساتھ میرے نانا کے گھر ضرور چلیں۔ میرے نانا اور ماموں آپ کو دیکھ کر بہت خوش
لگے۔ حالات اگر پھر کبھی آپ کو میرے نانا کے ہاں لائیں تو آپ ان کے لیے جہیز ہونہ
لگے۔ کاش میں آپ کو

خلید نے اسے نرم لہجے اور محبت میں مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "مرینہ! مرینہ!
تمہاری باتوں کا مطلب اور تمہاری گفتگو کے انداز کو سمجھتا ہوں۔ مرینہ! مرینہ! تم ندیوں
ساتھ لگنا نے اور تاروں کے ساتھ گفتگو کرنے کے لیے پیدا ہوئی ہو۔ میرے ماں باپ
بزرگوار سب مارے گئے۔ میں شب و روز کا امیر ہوں۔ میں اب کسی عظمت کی
بش نہیں کرتا۔ اس فانی دہر میں اب میری زندگی پانی کے بلبلے اور ہوا کے اس جھونکے
میں ہے جو چاہے تو طوفانِ فانی کی نظر کر دے، چاہے تو شمع کی مانند بجھا کر رکھ دے۔
غائب ہر روز آتشِ فشاں کے اس دہانے پر رہتا ہوں جو بے قابو ہو کر کسی وقت بھی تباہی
اور بربادی کا باعث بن سکتا ہے۔"

مرینہ! مرینہ! اپنے ساتھ میں تمہیں محرومِ راحت نہیں کر سکتا۔ میں تمہاری
فصل کو سمجھتا ہوں۔ میں پتھر کا بت نہیں جو خاموش پڑا رہے۔ میں تمہارے ہر جذبے کو
فصل کو سمجھتا ہوں۔ میں پتھر کا بت نہیں جو خاموش پڑا رہے۔ میں تمہارے ہر جذبے کو
فصل کو سمجھتا ہوں۔ میں پتھر کا بت نہیں جو خاموش پڑا رہے۔ میں تمہارے ہر جذبے کو

غلیڈ نے ذرا رگ کو کہا۔ "مرینہ! مرینہ! میں تنگنائے زندگی کی ایک
ہوں جو کسی منزل کی نشاندہی کرنے کے بجائے صحرا کے طوفانوں میں کھوجاتی ہے۔
ان صیغوں کی طرح ہوں جنہیں لوگ طاقی نسیاں میں رکھ کر فراموش کر دیتے ہیں۔
کسی خوش کن سحر کی امید دلاؤں۔ میں کس بنا پر تمہارے ساتھ تجدید ملاقات کا ہوا
کاش میرا کوئی گھر بڑا تو ہے تمہارے نانا سے تمہیں اپنے لیے مانگ لیتا۔ جہاں تمہیں
میں پر سکون زندگی بسر کر سکتی۔

○

ایک چوبلی کے سامنے مرینہ گھوڑے سے اتر گئی اور دروازے پر دستک دی غلیڈ
نے گھوڑے سے اتر کھڑا ہوا تھا۔ تھوڑی دیر بعد ایک بوڑھے نے دروازہ کھولا۔
جاکر اس بوڑھے سے لپٹ گئی اور وہ بوڑھا شفیقانہ انداز میں اس کا سر چوم رہا تھا۔
"ہو کر مرینہ نے غلیڈ سے کہا۔ "یہ میرے نانا ابی سلوم ہیں۔"
اتنی دیر تک دس بارہ سال کی عمر کے دو لڑکے بھی وہاں آگئے اور مرینہ انہیں لپٹا کر
رہنے لگی۔ مرینہ نے دوبارہ غلیڈ سے کہا۔ "یہ دونوں عرب اور حجاب میرے ماموں اور
بیے ماموں کا نام سلفافہ ہے۔

پھر مرینہ نے ابی سلوم کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "نانا! آپ انہیں دیوان خانے
بٹائیں۔ میں ان سے ملنے پوری تفصیل آپ کو بتاتی ہوں۔"
ابی سلوم نے اپنے دونوں پوتوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "تم میں سے ایک دونوں
دوکان کو صطل میں باندھو اور دوسرا بھائی مہمان کو دیوان خانے میں بٹھائے۔"
ابی سلوم مرینہ کو چوبلی کے اندر لے گئے۔ دونوں لڑکوں میں سے ایک گھوڑے سے صطل
بٹھائے گیا اور دوسرا لڑکا غلیڈ کو دیوان خانے میں بٹھا کر باہر بھاگ گیا تھا۔

تھوڑی دیر تک غلیڈ دیوان خانے میں اکیلا بیٹھا رہا پھر وہاں مرینہ کا نانا ابی سلوم
آگیا اور سلفافہ اور دونوں بچے عرب اور حجاب داخل ہوئے۔ پہلے ان سب نے بڑی
پیشانی کے ساتھ غلیڈ کے ساتھ مصافحہ کیا اور اس کے سامنے بیٹھ گئے۔ اتنی دیر تک رات
بازار نمونہ ہوئی اسے دیکھتے ہی اس کے ماموں سلفافہ نے بڑے پیار سے کہا۔ "امداد جادوئی!"

پت جھڑکی طرح اُداس مرینہ چند ثانیوں تک آسمان پر تیرتے مرنے والے
مکڑوں کو دیکھتی رہی۔ پھر اس نے ایک کرب اور روہانے انداز میں کہا۔ "م
گھر نہیں رہا تو کیا ہوا۔ خدا کی قسم آپ میری قوم کے ان قیمتی جوانوں اور مقدس فرزند
سے ہیں۔ جو اپنی ہمت وطن سے کوہستان کو لائی اور دُزرے کو آفتاب بنا دیں۔
جوان ہی تاروں کو بادبان بنا کر اپنی ملت اپنی قوم کو مہفت افلاک کی رفعت
ہیں۔ کاش میں ان خیالات کو الفاظ کا روپ دے سکتی جو میرے دل میں آپ کا
کاش میں بے جھجک ہو کر آپ سے سب کچھ کہہ سکتی جو میں کہنا چاہتی ہوں۔
میرے نانا کے گھر کو آپ اپنا گھر جان کر میرے ساتھ چلیے۔ وہ سب
دیکھ کر بے حد خوش ہوں گے۔ اگر آپ ان سے مجھے مانگیں بھی تو وہ ہرگز انکار
گے۔ میں آپ کی رفاقت میں جنگل، بیابان اور بول کی کسی جھوٹ پڑی یا کھلے آسمان
رہنے کو تیار ہوں۔ آپ میرے ساتھ چلیے میں وعدہ کرتی ہوں کہ ایک رات سے
آپ کو نہ دوکوں گی۔"

غلیڈ نے اپنا گھوڑا مرینہ کے قریب لاتے ہوئے کہا۔ "چلو میں تمہارے
کو تیار ہوں۔ اگر تم ایک ناتواں لڑکی ہو کر میرے لیے دھوئیں کے طوفان فرو کر سکتی
رہو ہو کر تمہارے لیے دشت اجل سے بھی سکون و طمانیت ڈھونڈ لادوں گا۔"
محویت اور تفکر میں گم مرینہ غلیڈ کے اس فیصلے پر کسی تازہ آرزو کی طرح
نڈاں کسی خیال نو کی طرح سکون آفرین اور نغمگی آبِ حیات کی طرح زمزمہ خواں ہو گئی۔

دروازے پر کیوں کھڑی ہو۔“

مرینہ مسکراتی اور باقی ہوئی کسی نیکی کی ڈال اور اٹھ کر مانی کی طرح لہرائی اندر سے اپنے نانا کے پاس بیٹھ گئی۔

ابی سلوم نے خلید کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ”مرینہ مجھے پورے حالات پر ہم سب تمہارے شکرور ہیں کہ تم نے مرینہ کی عزت اور جان کی حفاظت کی اور اے ما تم نے جو مرد شکر کے دشمنوں میں بند مسلمانوں کو نکالا اس سے تم ہماری نگاہوں میں اندر و مہربان ہو گئے ہو۔ مرینہ تمہاری شجاعت اور تیغ زنی کی بے حد تعریف کر رہی تھی۔ اب بھی تمہارے کردار سے سخت متاثر ہوئی ہے۔ وہ بھی تم سے ملے گی۔ اس وقت کلام میں مصروف ہے۔“

اسی وقت ایک ادھیڑ عمر کی عورت ایک انگوچھے سے ہاتھ پونچھتی ہوئی ہوئی اور خلید کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔ ”میں کھانا پکانے میں منور و مصروف تھی کہ اس نے پیار سے خلید کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ ”کاش میری قوم کے ما تم جیسے ہو جائیں تو اس قوم کے لیے کوئی دکھ کوئی غم نہ رہے۔“

پھر وہ باہر نکلتی ہوئی بولی۔ میرا نام مرینہ ہے۔ میں مرینہ کی ممانی ہوا کر لوں پھر اگر نہ بیٹھتی ہوں۔“

مرینہ باہر نکل گئی۔ ابی سلوم نے پھر خلید کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا کہ وہی تھی تم کل یہاں سے کوچ کر کے چنگیز خان کے لشکر میں جاؤ گے اور کے قلعہ دار مجیر الملک کی بیوی اور بچوں کو تلاش کرو گے۔“

خلید نے کہا۔ ”جی ہاں میں نہیں چنگیز خان کے لشکر میں تلافی بعد واپس اپنے لشکر میں جاؤں گا۔ جلال الدین اور امین الملک بڑی بے چینی انتظار کر رہے ہوں گے۔ میں بھی بہت جلد اپنے لشکر میں شامل ہونا چاہتا عنقریب ہم چنگیز خان کے خلاف ایک بڑی مہم کا آغاز کرنے والے ہیں۔“

اس بار مرینہ کے ماموں سلاوہ نے خدشہ ظاہر کرتے ہوئے پوچھا۔

خانی پھر بیٹے کے لشکر میں کیوں داخل ہو گئے اور پھر وہاں سے بچ کر کیسے نکل گئے۔“

خلید نے کہا۔ ”میرے لیے اس کے لشکر میں داخل ہونا آسان ہے۔ میں ایک مجاہد کے بغیر شام بھی ہوں۔ یہ کام میں نے اپنے عم سے سیکھا تھا اور چنگیز خان کے حملوں سے قبل میں اپنی کشتی کے علاوہ روزی کمانے کی خاطر گنگتراشی ہی کیا کرتا تھا۔“

چنگیز خان قتل کرنے میں عورت، مرد، بوڑھے، بچے، امسج و ضعیف کے درمیان نہیں کرتا لیکن کارہیوں کی وہ عزت کرتا ہے اور انہیں اپنے حلقہ میں جگہ دیتا ہے۔ ایک شراش کی حیثیت سے میں اس کے پاس جاؤں گا۔ اور امید ہے میں اپنا کام نکالنے میں ایاب ہو جاؤں گا۔“

ابی سلوم نے دعا دینے کے انداز میں کہا۔ خداوندِ دو عالم تمہیں تمہارے نیک مقصد و نذر کا مایاب کرے گا۔

اتنی دیر میں باہر مرینہ کی ممانی کی آواز سنائی دی اس نے مرینہ کو بلایا تھا۔ مرینہ بھاگتی ہوئی باہر نکل گئی۔ تھوڑی دیر بعد وہ کوئی اور دروازے پر کھڑے ہوتے ہوئے اس نے کہا۔

”کھانا تیار ہے۔ پہلے کھالیں پھر اپنی گفتگو مکمل کر لیں۔“

سلاوہ نے کہا۔ ”یہیں لے آؤ بیٹی! یہیں سب اکٹھے بیٹھ کر کھا لیتے ہیں۔“

مرینہ کے وہیں کھانے کے برتن لگا دیے اور سب مل کر کھانے لگے۔ کھانے کے ابی سلوم نے اٹھتے ہوئے کہا۔ ”خلید! خلید! اب تم آرام کرو بیٹے! کل صبح تمہیں اسے کوئی بھی کرنا ہے۔“

سب اٹھ کر باہر چلے گئے۔ خلید دیوان خانے میں لگے بستر پر لیٹ گیا اور تھوڑی دیر بعد گری نیند سو رہا تھا۔

دوسرے روز علی الصبح کسی نے خلید کا شانہ پرکھ کر بلایا۔ خلید اٹھ کر بیٹھ گیا۔ دیوان خانہ اندر ملنے شعل کی خبر اور خوشی میں اس نے دیکھا مرینہ اس کے پاس کھڑی مسکرا رہی تھی۔

لشکر کے اندر سے فخر کی افانیں سنائی دے رہی تھیں۔

مرینہ نے پھر پوجت اور چاہت میں کہا۔ ”اٹھیے نماز کا وقت ہو گیا ہے۔ میں

ابن الدیوب بڑے بھائی کی شادی کے لیے پہلے ہی سے بنا کر رکھ لیے تھے۔

ابن سلوم نے تھیلی کھول کر دیکھی۔ اس میں ڈھیر سارے زیورات کے اندر دو بھاری بیجان تھیں۔ ابن سلوم نے ایک انگوٹھی نکال کر مرنیہ کی انگلی میں پہنا دی۔ مرنیہ بھاری اسے دوسری ہو گئی اور اس کی گردن جھک گئی تھی۔ ابن سلوم نے زیورات کی تھیلی بھی مرنیہ ہاتھ پر لے کر کہا۔ "یہ رکھ لو بیٹی! اب تم ہی ان کی امین ہو۔"

پھر غلیہ نے نقدی کی ایک تھیلی نکالی اور براہ راست اس نے مرنیہ کو تھمتے ہوئے کہا۔ "یہ بھی رکھ لو۔ اس میں سنہری سکے ہیں جو تمہاری ساری زندگی کے اخراجات پورے کرنے کو کافی ہیں۔"

مرنیہ نے چپ چاپ نقدی کی تھیلی غلیہ سے لے لی۔ غلیہ نے ابن سلوم اور سلاطہ سے معاف کیا اور اپنے گھوڑے پر سوار ہو گیا۔ ایک گہری نگاہ اس نے باری باری سب پر دوڑا اور دروازے کی طرف چل دیا۔ ابن سلوم، سلاطہ، مرنیہ اور مریانہ بھی دروازے تک اس کے ساتھ آئے۔

غلیہ نے اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر اسے اڑ لگا دی تھی۔ مرنیہ بھاری دروازے پر اسی اپنی نگاہوں سے اوجھل ہوتے دیکھ رہی تھی۔



گرمیاں گزارنے کی خاطر چنگیز خان اپنے لشکر کے ساتھ کوہستان ہندوکش کی شجر اہل بندویوں پر خمیر زن ہوا تھا۔ چوٹیوں سے نیچے وادیوں تک اس کے لشکر کے جیسے صوبے تھے۔ ان وادیوں کے اندر چنگیز خان نے قیدیوں کو گندم کی کاشت پر لگا دیا۔

ان قیدیوں میں امیر، فقیر، قاضی اور غلام سب ہی طرح کے لوگ شامل تھے۔ اس میں ایک پامال دباہوں کے ریشمی شامیانوں میں آرام کرتے تھے جب کہ ترک، تاتاریاں، امرا کے بیٹے ان کی ساتی گدی کرتے تھے۔ دنیائے اسلام کی مظلوم و بے سہارا قیدیوں کے پڑاؤ میں بے نقاب ماری ماری پھرتی تھیں۔

گھوڑوں کے کھیتوں میں کام کرنے والے مسلمان مزدور و شست زدہ آنکھوں سے

نے آپ کی تیاری مکمل کر دی ہے۔ آپ کے گھوڑے پر زین ڈالی جا چکی ہے۔ آپ کی خرچین میں آپ کے لیے میں نے زاد راہ بھی ڈال دیا ہے۔ آپ انٹھیں میں آپ کے لیے پانی رکھا رکھی ہوں۔"

غلیہ اٹھ کھڑا ہوا۔ مرنیہ کی راہنمائی میں اس نے مناکر فجر کی نماز ادا کی پھر اسے سلاطہ، مرنیہ اور اس کی ممانی کے ساتھ اس نے ناشتہ کیا پھر وہ سب اس کے ساتھ اسٹبل آئے۔ غلیہ نے جب اپنے گھوڑے کی باگ تھامی تو ابن سلوم نے انتہائی شفقت سے کہا۔ "غلیہ! غلیہ! میں نہیں جانتا مرنیہ سے متعلق تمہارے خیالات اور احسان ہیں لیکن جو کچھ مرنیہ نے اپنی ممانی سے کہا ہے اس کی روشنی میں ہم سب نے مل کر ایک کیلئے بیٹے! اگر تمہارا کوئی گھر اور ٹھکانہ نہیں رہا تو کیا تمہارے اہل خانہ کے کا سخت صدمہ ہے۔ آج سے یہ گھر تمہارا ہے اور مرنیہ اس گھر میں تمہاری امانت ہے جب چاہو اس سے شادی کر سکتے ہو۔"

غلیہ نے بڑی ممنونیت سے کہا۔ "میں آپ لوگوں کا احسان مند ہوں۔ مرنیہ رفاقت یقیناً میرے لیے سکھ کا پیغام اور میری تاریک زندگی میں روشنی کی ایک شعلہ بن گئی۔ میں ایسی رفیقہ پر ہمیشہ فخر کروں گا۔ منگولوں کے لشکر میں نہ جانے میرے لیے حالہ ہوں۔ اب جب کہ آپ سب لوگ مرنیہ کو میرا ساتھی بنا چکے ہیں، میرے پاس کچھ اناج کیا میں اسے مرنیہ کے حملے کو سکتا ہوں۔ اس طرح اسے یہ احساس نہ ہونے پائے گا کہ وہ اپنے ماں باپ کے گھر کے بجائے نیشاپور میں اپنے نانا کے ہاں رہتی ہے۔"

اس بار مرنیہ کے ماحول سلاطہ نے کہا۔ "تمہیں اس کی اجازت ہے بیٹے مرنیہ تمہاری امانت ہے تم ایک دوسرے پر مکمل بھروسہ اور اعتماد کر سکتے ہو۔ میں تو حق میں تھا کہ تم کچھ دن اور دیکھتے تو ہم تم دونوں کی شادی کر دیتے لیکن بابا کا خیال۔ شادی تمہاری واپسی پر انجام ہو۔"

غلیہ نے اپنے گھوڑے کی خرچین میں ہاتھ ڈالا اور ایک بڑی چرمی تھیلی نکالی اس نے ابن سلوم کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔ "اس میں زیورات ہیں۔ یہ میری مال

الہود توں کو دیکھتے۔ ان کا شت کرنے والوں کے پاس ستر پوشی بھر کے چھوٹے بچے رہ گئے تھے اور اپنے منگول آقاؤں کو کھانا کھلانے کے بعد وہ کتوں کے ساتھ بچے کے لیے چھین چھپٹ کرتے تھے۔

سرخ بالوں والا چنگیز خان اپنے بڑے خیمے میں بیٹھا تھا۔ اس کے ہاتھ میں سے مرصع جریب تھا۔ اس جریب کی شکل ایک چھوٹے سے عصا کی تھی۔ وہ اس رتن کے عظیم حکمران محمد خوارزم شاہ کے اس نہری تخت پر بیٹھا تھا جو وہ سرفرد سے اپنے ساتھ لے گیا تھا۔ اس تخت پر خوارزم شاہ کا تاج اور شاہی عصا بھی رکھا ہوا تھا۔

اس کے خیمے میں اس کے بیٹے چغتائی، اوغلٹی اور توہوٹی اور اس کے جرنیل بیٹھے تھے اور خیمے کے وسط میں دبیز قالین پر ایک مغنیہ بیٹھی گارہی تھی۔ پیٹھ دروازے کی طرف تھی۔

وہ مغنیہ مستی سحر کی طرح حسین، خمار شام کی طرح پرکشش، تانگی صبح کی طرح اور حسین چاندنی رات کی طرح سحر انگیز تھی۔ وہ بربط بجاتے ہوئے گارہی تھی۔ اور تھا اور وہ دھیمی دھیمی مدی کے سے انداز میں کوئی گیت گارہی تھی۔ اس کی آواز اور دادیوں میں بجتی جلتی رنگ کی طرح ابھر ڈوب رہی تھی۔ اس کے گانے کے کی آواز کی شیرینی اور اس کے جسم سے اٹھتی ہوئی خوشبودار شمیم، ملک اور بال سے ہو کر غم دل کا تریاق بن رہی تھی۔

وہ گارہی تھی لیکن خود انتہائی اُکاس اور اس قدر تھی جیسے وہ منگول ہر ہلانے کی خاطر نہیں بلکہ اپنے دل کے معبود کا نغمہ گارہی ہو اور اپنی روح کے بجا رہی ہو۔

ایک گیت ختم کر کے جب وہ حسین مغنیہ خاموش ہوئی اور دوسرے گے کرنے لگی تو چنگیز خان کے بیٹوں کے پاس بیٹھا ڈھلی ہوئی عمر کا ایک باریش آدیا چنگیز خان نے فوراً اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ ”حکیم غمندان کاہ“

چاہتے ہو؟

اس حکیم غمندان نے مودب ہو کر کہا۔ ”اے زمین پر خدا کی قوت! کیا میں نے آپ کی خدمت کی ہے اور وہ آپ کی نگاہوں میں قابلِ ستائش ہے۔“

چنگیز خان نے کہا۔ ”ہاں! تم نے میری آنکھوں کا علاج کیا اور میں اچھا ہو گیا۔ اب تک میں اندھا ہو چکا ہوں اور حالات کی اس شیرینی اور وقت کی اس خوشبو سے اندوز نہ ہو سکتا۔ اگر تم کوئی چیز طلب کرنا چاہتے ہو تو بلا جھجک کہو۔“

حکیم غمندان نے کہا۔ ”اے آقاؤں کے آقا! یہ مغنیہ مجھے سوچ دی جائے۔ میں اپنی بوی بناؤں گا۔“

اس نوجوان مغنیہ نے کھا جانے والی نگاہوں سے حکیم غمندان کی طرف دیکھتے ہوئے اسے احتجاج کیا۔

چنگیز خان نے اپنا فیصلہ سنا دیا۔ ”تمہاری خدمات کے صلے میں یہ بنے تمہیں سونپی۔ سنو! میرے لشکر میں ابھی تک اسے کسی نے ہاتھ نہیں لگایا ہے۔ دلی ہے اس لیے کہ اس کی آواز میں شہد و خوشبو ہے اور میں اس کے جسم کی نسبت آزاد کی طرف زیادہ مائل رہا ہوں۔ اسے تمہیں سوچنے جلنے کے ساتھ ایک شرط بھی ہے۔ تم اپنے ساتھ اپنے خیمے میں رکھو۔ ایک ہفتے کے اندر اندر اسے تم اپنی طرف مائل میں کامیاب ہو گئے تو اس سے تمہاری شادی کر دی جائے گی اور اگر تم اسے اپنی طرف نہ کر سکتے تو اس سے تم شادی نہ کر سکو گے اور سنو! یہ تمہاری بیوی بن جائے یا نہ بن سکے ہر معمول کے مطابق ہر روز میرے خیمے میں اگر گاتی رہے گی۔ اس پر کوئی سختی اور تادیب نہ کرواؤں گا۔“

چنگیز خان کہتے کہتے خاموش ہو گیا۔ کیوں کہ اس شامیانہ نما بڑے خیمے کے اندر اس کا ایک محافظ نمودار ہوا تھا۔ چنگیز خان نے سوالیہ انداز میں اپنے غلام لڑکے کو دیکھا۔

جب اس میں وہ محافظ چنگیز خان کی طرف دیکھتے ہوئے کمان کی طرح جھکا اور ڈوب کر نماں نے کہا۔ ”اے تاجدارِ زرین نہیں! باہر ایک سنگتراش کھڑا ہے۔ وہ

نیشا پور سے آیا ہے اور آپ سے ملنے کی خواہش رکھتا ہے۔

چنگیز خان نے تیزی سے پہلو بدلتے اور اپنا عصا فرش پر بچھے دیکھ کر قائل ہو جاتے ہوئے کہا۔ اے اندر بھیجا کرو وہ اچھا سنگتراش ہے تو ہم اس سے کام لیں گے۔ وہ محافظ مڑا اور مودب ہوتا ہوا باہر نکل گیا۔

تھوڑی دیر بعد خیمے میں خلید داخل ہوا۔ اس کے موٹے سوت کے کپڑے دھوڑے سے اٹے ہوئے تھے۔ اور اس کے سر پر رکھے آہنی خود پر بھی گرد کی تر جمی تھی۔

چنگیز خان چند ثانیوں تک بڑے انہماک اور غور سے خلید کو دیکھتا رہا۔ پھر اس نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔ تم مجھے سنگتراش کم اور تیغ زن زیادہ لگتے ہو۔

خلید نے کہا۔ ایک اچھا سنگتراش ہونے کے علاوہ میں ایک عمدہ تیغ زن ہوں۔ اس لیے کہ تلوار زنی میرا آبائی پیشہ ہے اور سنگتراشی میری روزی کا ذریعہ رہا ہے۔ نام خلید ہے۔ میں دونوں میں کمال و مکمل دسترس رکھتا ہوں۔

چنگیز خان نے ذرا سخت لہجے میں پوچھا۔ کیا تم دونوں کا امتحان دینا بھی پسند خلید نے کہا۔ جب آپ چاہیں، میں اس امتحان میں پورا اتروں گا۔ چنگیز خان نے پھر پوچھا۔ اپنے سنگتراش ہونے کا ثبوت کب تک دے سکتے خلید نے بڑے اطمینان اور سکون سے کہا۔ آنے والی صبح تک اور تیغ زنی آپ چاہیں۔

چنگیز خان نے کہا۔ اگر میں ابھی اور اسی وقت چاہوں، تب؟ خلید نے کہا۔ میں تیار ہوں۔

چنگیز خان نے کہا۔ میں اپنے محافظوں میں سے جو سب سے کم تر ہے اُسے چوں۔ اگر تم اس سے بھی جیت لگے تو میں سمجھوں گا تم ایک اچھے اور خطرناک تیغ زن خلید نے کہا۔ یہ میری توہین ہے۔ آپ اپنے محافظوں یا اپنے شکریہ بلایے جو سب سے عمدہ داعی تیغ زن ہو۔ چنگیز خان نے فیصلہ انداز میں خلید کی طرف دیکھا۔ پھر اس نے اپنے قریب

کے مضرب سے پتیل کے ایک طشت پر ضرب لگائی۔ ہوا خیمہ آواز کی گہری گونج سے اٹھا۔ اسی وقت دروازے پر ایک محافظ نمودار ہوا اور چنگیز خان نے اس سے کہا۔ باہر کو بھیج دو، اسے کہو پوری طرح مسلح ہو کر آئے ایک اجنبی و نووارد سے اس کا تیغ زنی کا بدلہ لے گا۔ وہ محافظ سر جھکا کر لوٹ گیا۔

تھوڑی دیر بعد خیمے میں ایک خوب مسلح منگول جوان داخل ہوا۔ چنگیز خان نے اس کا اشارہ کرتے ہوئے اس جوان کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ اے اوتائی! یہ بنیادی طرز پر ایک سنگتراش ہے لیکن تمہیں تیغ زنی میں مقابلے کی دعوت دیتا ہے۔ مقابلے میں اسے کوئی نقصان نہ پہنچانا۔ اس لیے کہ ایک سنگتراش کی حیثیت سے یہیں اہمیت ہے۔ بہتر ہو گا کہ اس کی تلوار کاٹ کر اسے زیر کر لو۔

اوتائی جھکا اور اثبات میں اس نے گردن خم کر دی۔ حسین مغیبا اپنی جگہ سے اٹھ کر اس طرف کی نشستوں پر بوٹھی تھی اور پھر چنگیز خان کے اشارہ کرنے پر مقابلہ شروع شروع میں دونوں ہی ایک دوسرے پر بڑھیلے اور سست روی سے وار کرتے رہے۔ ابھی وہ دونوں طوفانی شکل اختیار کر گئے تھے اور ایک دوسرے پر مدافعت نہ اند بھر پور حملے شروع کر دیئے تھے۔

اوتائی نے کئی بار اپنی انتہائی کوشش کی کہ خلید کو کسی اچھے زاویے پر لاکر اس کاٹ دے لیکن خلید نے اسے کامیاب نہ ہونے دیا تھا۔ وہ خلید کو زیر کرنا چاہتا تھا۔ پھر دراصلت میں ایک پر تلاطم دریا اور کسی نقش گرد کی طرح اس پر غالب آتا رہا تھا۔

ابناک چنگیز خان کے خیمے میں خلید نے ایک وحشی نعرہ مارا اور اس کے ساتھ بے ہینزا بدلا اور اپنی تلوار ذرا بائیں طرف کا خم دے کر اسے پوری قوت سے ہاتھ لگایا اور اس کے ساتھ ہی اس نے اوتائی کی تلوار کو کاٹ کر رکھ دیا تھا۔ اب ایک سحر آفرین خاموش طاری ہو گئی تھی۔ اوتائی اپنی کٹی ہوئی تلوار کا دستہ اٹھالے بے بسی کی حالت میں کھڑا تھا۔

جنگیز خان کی حالت ایسی ہو گئی تھی جیسے بھونچال کے جھٹکوں سے منہ مار کر رہ گیا ہو۔ اپنے سر کو ایک جھٹکا دے کر اور چونکنے کے سے انداز میں جنگیز خان نے غصہ سے فریاد کیا۔

توصیفی انداز میں اس نے غلیہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ”تم نے جو دعویٰ کیا ہے کیا یہ سچ ہے؟“ متعلق میرا فیصلہ بھی درست ہے کہ تم سنگتراش کے بجائے ایک غمخیز تیغ زن لگتے ہو۔ غلیہ نے کہا۔ ”آپ بے فکر رہیں۔ میں سنگتراشی میں بھی ایسا ہی ثابت ہوں گا۔“

جنگیز خان نے کہا۔ ”اے تمہیں اس کی اجازت ہے۔“ پھر اس نے خود ہی غمخیز طروب سے کہا۔ ”جاؤ تم بھی اس حکیم غمدان کے ساتھ جاؤ۔“ حکیم غمدان کے چہرے پر مسرت، کامیابی اور فتح مندی کے آثار تھے۔ وہ غلیہ اور غمخیز بے دودل کو لے کر جنگیز خان کے خیمے سے باہر نکل گیا تھا۔



حکیم غمدان کا خیمہ کافی بڑا تھا جو گھوڑے اور اونٹ کی کھالوں سے بنا تھا اور اسے بے کمرہ نما محتعل میں تقسیم کر دیا گیا تھا۔ ایک حصے میں ادویات تھیں اور اسے تو شک کے طور پر بھی استعمال کیا گیا تھا۔ دوسرا حصہ حکیم غمدان کی خواب گاہ تھا اور تیسرا دیوان کے طور پر استعمال ہوا تھا۔ حکیم غمدان غلیہ اور طروب کو لے کر اسی دیوان خانے میں آیا۔ دیوان خانے کی نشستوں پر بیٹھتے ہی غلیہ نے حکیم غمدان سے پوچھا۔ ”آپ کون ہیں اور بلے میں جنگیز خان کے لشکر میں مقیم ہیں؟“

حکیم غمدان نے کہا۔ ”میں سمرقند کا رہنے والا ہوں۔ شہر کی فتح کے بعد میں لوگوں کو بل لگ گیا۔ ایک حکیم کی حیثیت سے انہوں نے میری عزت افزائی کی۔ کچھ عرصہ کے لشکر میں کام کرتا رہا۔ یہاں تک کہ جنگیز خان آشوب چشم کا شکار ہو گیا۔ میں نے اطلاع کیا اور وہ ٹھیک ہو گیا۔ اس خدمت کے صلے میں اس سے میں نے آج اس غمخیز کو اسلحہ کی بخشش اسے میرے حوالے کر دیا۔“

اس غمخیز نے بیچ میں بولتے ہوئے کہا۔ ”اے بزرگ حکیم! تم غلط بیانی اور لکنت سے بھرے ہو، اس نے مجھے تمہارے حوالے نہیں کیا۔ اس شرط پر تمہارے ساتھ روانہ کیا ہے۔“

جوان تمہارے ہی خیمے میں قیام کرے گا۔“ حکیم غمدان نے خوشی اور مسرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ ”میرا خیمہ بہت بڑا ہے اور اس سنگتراش اور تیغ زن کی موجودگی میرے لیے اطمینان اور دل جمعی کا باعث ہے۔ چند ثانیوں تک خیمے میں خاموشی رہی جسے جنگیز خان نے ہی توڑتے ہوئے غلیہ کو مخاطب کر کے کہا۔ ”اے ستودہ صفات جوان! لوگ میرا نام سن کر خوفزدہ ہیں۔ تمہاری یہی بیباکی میرے لیے اطمینان اور خوشی کا باعث ہے کہ تم ایک لمبی سا کر کے میرے پاس آئے ہو۔“

پھر جنگیز خان نے اپنے پہلو میں رکھی نقدی کی تھیلیوں میں سے دو تھیلیاں اور انہیں غلیہ کے قدموں میں پھینکتے ہوئے کہا۔ ”یہ دونوں تھیلیاں تمہارا مال ہیں اس لیے ہے کہ تم نے اتنی کوتاہی عیبانہ انداز میں زیر کر کے مقابلہ جیتا اور دوسری تہ مرہ کے گزار کے لیے ہے۔“

غلیہ نے دونوں تھیلیاں اٹھا کر اپنی چرمی بیٹی سے باندھ لیں۔ جنگیز خان اس بار خیمے میں کھڑے اتنا ہی سے کہا۔ ”تم جاسکتے ہو۔“

اتنا ہی خاموشی سے باہر نکل گیا۔ پھر جنگیز خان نے حکیم غمدان کی طرف

کہ اگر تم ایک ہفتہ کے اندر اندر مجھے اپنی طرف مائل کر سکتے تو میری تمہارے ساتھ
کر دی جائے گی اور اگر تم ایسا نہ کر سکتے تو ایک ہفتہ بعد میرا تمہارا کوئی تعلق نہ ہوگا۔

خلید کچھ کہنے والا تھا کہ خیمے سے باہر کھٹکا ہوا پھر ایک جوان جو منگول تھا
خلنے کے دروازے پر نمودار ہوا اور حکیم غمدان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ”ہم تم
کے لیے نیا خیمہ اور مغنیہ طروب کا خیمہ اکھاڑ کر یہاں لائے ہیں۔ یہ کہاں نصب ہونے
حکیم غمدان نے کہا۔ ”یہ دونوں میرے ہی خیمے میں رہ لیتے دوسرے غمبول
ضرورت تھی؟“

منگول نے حقارت سے کہا۔ ”ایسا خانِ اعظم کے حکم سے کیا جا رہا ہے۔“
حکیم غمدان خاموش ہو گیا۔ خلید آٹھ کر باہر آیا۔ اس کے پیچھے پیچھے طروب
خلنے سے نکلی۔ خلید نے ایک سرخ رنگ کی چٹان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ”ہر
اس چٹان کے قریب نصب کر دو لیکن یہ خیال رکھنا بارش کی صورت میں چٹان کا پانی میر
میں داخل نہ ہو۔ ایک چھتر میرے گھوڑے کے لیے بھی بنا دینا۔“

خلید جب خاموش ہوا تو طروب نے کہا۔ ”میرا خیمہ بھی اس فوجوان منگول
خیمے سے متصل نصب کر دو۔“

خلید اور طروب دوبارہ خیمے کے اندر چلے گئے تھے اور وہ منگول مسلمان
سے ان دونوں کے خیمے نصب کرانے لگے تھے۔

دوبارہ اپنی نشست پر بیٹھتے ہوئے خلید نے طروب سے پوچھا۔ ”اے مغنیہ
کون ہو؟ کس غرض سے اور کیوں چنگیز خان کے لشکر میں داخل ہوئی ہو؟“

طروب چند ثانیوں تک خلید کو غور سے دیکھتی رہی پھر اس کی آنکھوں میں
آئے اور بھرائی ہوئی آواز میں اس نے کہا۔ ”میں دریائے آمون کے کنارے ایک شہر
والی ہوں اور مسلمان ہوں۔ آہ! ان منگولوں نے میرے شہر پر حملہ کیا۔ میری قوم کے بہ
نے ایک عرصہ تک مزاحمت کی اور شہر کی حفاظت کی۔ کئی بار شہر کے لشکر نے باہر
کو شکست دی لیکن شہر کا محاصرہ طویل ہونے کی صورت میں وہ نڈھال ہونے لگے۔“

منگول نے ان سے مزاحمت اور اپنی شکستوں کا ایسا انتقام لیا کہ بچوں اور بڑوں
کو انہوں نے ذبح کر دیا۔ پھر دریائے آمون کا رخ بدل کر انہوں نے اور گنج کی طرف کر
یہ شہر کو مغنیہ ہستی سے ہی مٹا دیا۔ مجھے اور چند کاریگروں کو زندہ چھوڑا گیا اور شہر کی کل
میں کو خون میں نہلا دیا گیا۔ مجھے خسر ہے کہ میں نے بھی اس جنگ میں حصہ لیا۔ میں اگر گا
تا ہوں۔ جنگ درباب بجا سکتی ہوں تو اللہ اکبر کی صدائیں بلند کر کے میدانِ جنگ
ماں اور تلوار بھی چلا سکتی ہوں۔“

طروب خاموش ہو کر خلید سے کچھ پوچھنا چاہتی تھی کہ وہی منگول ایک بار پھر دروازے
دور ہوا اور خلید کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ”دونوں خیمے نصب ہو گئے ہیں اور ان میں
نے کئی یوم کی خوراک بھی ڈلوادی ہے۔“

وہ منگول جوان جب چلا گیا تو خلید نے حکیم غمدان کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔
”یہ قوم کے بزرگ! چنگیز خان کی آنکھیں ٹھیک کرنے کے بعد آپ نے مانگا بھی تو
! اچھی ہی قوم کی ایک بیٹی کو اس سے مانگ لیا۔ کاش آپ کوئی ایسی چیز مانگتے، کوئی
مطالبہ کرتے جس میں قوم کی بہتری، ملک کی فلاح ہو تو جس قوم کے بزرگوں کی یہ
تہراس قوم پر کیوں عذاب نازل نہ ہوگا۔ سچا منگولوں نے مسلمانوں کو زیر نہیں
کیا کیونکہ گامی، نا عاقبت اندیشی اور بے پروائی سے خود مسلمانوں نے مسلمانوں کو
زیر کیا ہے۔“

کاش یہ قوم سنبھلتی، کاش اس آوارہ ریوڑ جیسی قوم کی کوئی گڈریا حفاظت و
نفاذ لاشیں مرنے کی سزا نہ ہے۔ خنٹا سے اصفہاں اور اناطولیہ سے ہندو گجرات تک
میں جا ہی پھیل گئی ہے۔ پھر بھی ہم خاموش ہیں اور ایک تماشا بن کر رہ گئے ہیں۔ کاش اس قوم نے جلال الدین ہی کا ساتھ دیا ہوتا تو وہ ان بھڑائیوں
بال سے نکال باہر کرتا۔“

خلید جب خاموش ہوا تو طروب نے بڑی ہمدردی سے روانے انگلیں لگا کر کہا: "آپ نے ہم سے تو پوچھ لیا لیکن آپ نے اپنے متعلق کچھ نہیں بتایا کہ آپ کو ان میں سے آئے ہیں اور اس لشکر میں آنے کی کیا غرض و غایت ہے۔"

خلید وقتی طور پر جذباتی ہو گیا تھا لیکن وہ سنبھل گیا اور اپنی جگہ پر کھڑے ہوتے ہوئے نے کہا: "میں ایک سنگتراش کے علاوہ کچھ نہیں۔ بس میں صرف معذرت تلاش میں آ رہا ہوں۔ میں ان گھسا ہوں۔ اس کے علاوہ یہاں آنے کا میرا کوئی مقصد نہیں ہے۔"

حکیم عثمان نے کہا: "تم کھڑے کیوں ہو گئے ہو بیٹھو، میں تمہارے لیے کمرتا ہوں۔"

خلید نے کہا: "نہیں میرا خیمہ نصب ہو چکا ہے اور اس میں وہ کھانے پینے رکھ گئے ہیں۔ میں اپنا کھانا خود تیار کر سکتا ہوں۔"

خلید کے ساتھ جب طروب بھی آٹھ کھڑی ہوئی تو حکیم عثمان نے سختی سے کہا: "تم کہاں جا رہی ہو تمہیں تو اسی خیمے میں رہنا ہے۔"

طروب نے سختی سے کہا: "اپنی زبان کو لگام دو۔ میں تمہاری بیوی نہیں خیمے میں تمہارے ساتھ رہوں۔ خان کے حکم سے میرا اپنا خیمہ نصب ہو چکا ہے۔ میں رہوں گی۔ تم مجھے اپنی طرف مائل کر سکتے ہو تو کر دکھانا، پر ایک بات ذہن میں رکھو کہ مرضی کے خلاف اگر تم نے حد سے تجاوز کرنے کی کوشش کی تو یاد رکھنا میں اس قدر وجہ است رکھتی ہوں کہ تمہاری گردن کاٹ دوں۔" خلید اور طروب خیمے سے باہر نکلتے ہوئے غمناک نظر آ رہے تھے۔

شام ہونے والی تھی۔ خلید اپنے خیمے میں آیا۔ خیمے میں ضرورت کی ہر شے علاوہ اس کے لیے بہتر بھی لگا ہوا تھا۔ قریب ہی چمڑے کی چاندیوں کا ایک چھپرہ جس کے نیچے اس کا گھوڑا بندھا تھا اور اس کے آگے لکڑی کی ایک چھوٹی سی ٹانہ چارہ ڈال دیا گیا تھا۔ گھوڑے کی زین اتار کر ایک طرف رکھ دی گئی تھی۔

خلید اپنے گھوڑے کے پاس آکھڑا ہوا اس کی گردن پر ہاتھ پھیرنے لگا۔

خلید جب خاموش ہوا تو طروب نے بڑی ہمدردی سے روانے انگلیں لگا کر کہا: "آپ نے ہم سے تو پوچھ لیا لیکن آپ نے اپنے متعلق کچھ نہیں بتایا کہ آپ کو ان میں سے آئے ہیں اور اس لشکر میں آنے کی کیا غرض و غایت ہے۔"

خلید وقتی طور پر جذباتی ہو گیا تھا لیکن وہ سنبھل گیا اور اپنی جگہ پر کھڑے ہوتے ہوئے نے کہا: "میں ایک سنگتراش کے علاوہ کچھ نہیں۔ بس میں صرف معذرت تلاش میں آ رہا ہوں۔ میں ان گھسا ہوں۔ اس کے علاوہ یہاں آنے کا میرا کوئی مقصد نہیں ہے۔"

حکیم عثمان نے کہا: "تم کھڑے کیوں ہو گئے ہو بیٹھو، میں تمہارے لیے کمرتا ہوں۔"

خلید نے کہا: "نہیں میرا خیمہ نصب ہو چکا ہے اور اس میں وہ کھانے پینے رکھ گئے ہیں۔ میں اپنا کھانا خود تیار کر سکتا ہوں۔"

خلید کے ساتھ جب طروب بھی آٹھ کھڑی ہوئی تو حکیم عثمان نے سختی سے کہا: "تم کہاں جا رہی ہو تمہیں تو اسی خیمے میں رہنا ہے۔"

طروب نے سختی سے کہا: "اپنی زبان کو لگام دو۔ میں تمہاری بیوی نہیں خیمے میں تمہارے ساتھ رہوں۔ خان کے حکم سے میرا اپنا خیمہ نصب ہو چکا ہے۔ میں رہوں گی۔ تم مجھے اپنی طرف مائل کر سکتے ہو تو کر دکھانا، پر ایک بات ذہن میں رکھو کہ مرضی کے خلاف اگر تم نے حد سے تجاوز کرنے کی کوشش کی تو یاد رکھنا میں اس قدر وجہ است رکھتی ہوں کہ تمہاری گردن کاٹ دوں۔" خلید اور طروب خیمے سے باہر نکلتے ہوئے غمناک نظر آ رہے تھے۔

شام ہونے والی تھی۔ خلید اپنے خیمے میں آیا۔ خیمے میں ضرورت کی ہر شے علاوہ اس کے لیے بہتر بھی لگا ہوا تھا۔ قریب ہی چمڑے کی چاندیوں کا ایک چھپرہ جس کے نیچے اس کا گھوڑا بندھا تھا اور اس کے آگے لکڑی کی ایک چھوٹی سی ٹانہ چارہ ڈال دیا گیا تھا۔ گھوڑے کی زین اتار کر ایک طرف رکھ دی گئی تھی۔

خلید اپنے گھوڑے کے پاس آکھڑا ہوا اس کی گردن پر ہاتھ پھیرنے لگا۔

اچانک بربط بچنا بند ہو گیا اور طروب کے گیت کی آواز بھی ڈوب گئی۔ پھر خلید

نے صاف محسوس کیا کہ طروب سسکیاں اور ہچکیاں لے لے کر رو رہی تھی۔ اس سفر کے اپنے احباب سے ہمیشہ کے لیے بچھڑ رہا ہو۔

خلید اپنا تیشہ رکھ کر قریب ہی پتھر پر بیٹھی طروب سے کچھ کہنا چاہتا تھا کہ اس کی انگلیاں پھر ربط سے کھینچنے لگیں اور وہ دوبارہ تیشہ سنبھال کر کام کرنے لگا۔

طروب دوبارہ گاد ہی تھی اس کی آواز میں پھر خطرانی اور غم و غصہ کی آواز۔ دل شکستہ کی غماز آواز میں اپنی قوم کی سزائیت و کمزوری اور شکست و ریخت کا ہم کھینچ رہی تھی۔ اس کی پرسوز آوازیں کے سکون اور خاموشی میں یوں بکھر رہی تھیں کہ زندگی کی تلاطم نیز موجوں میں طمانیت سے عاری روحیں جھج چلا رہی ہوں۔

طروب کافی دیر تک گاتی رہی پھر وہ اپنا ربط اٹھائے خلید کے پاس آ کر کمرہ گری ہوئی تھی۔ طروب چند ثانیوں ان نقوش کو دیکھتی رہی جو سرخ چٹان پر خلید نے تھے۔ پھر اس نے بڑی ہمدردی سے پوچھا۔ "اے سنگتراش! اس سرخ چٹان پر جنگیز خوش کرنے کی خاطر تم کیا بناؤ گے؟"

"خلید نے کہا۔ "اے میری قوم کی بیٹی! صبح تک جب میں اس کام کو مکمل کروں تو تم میرے اس کام کو دیکھ کر خود ہی حیران رہ جاؤ گی۔"

طروب نے حیرت و تعجب سے پوچھا۔ "اس بار تم نے مجھے پہلے کی طرح متنبہ نہیں کیا؟"

خلید نے کہا۔ "جو لوگ اپنی قوم کے لیے پُر غلوص و فکر مند اور اس کے متعلق احساسات و جذبات محبت و جان نثاری پر مبنی ہوں ایسی لڑکی کو مغنیہ کہہ کر پکارنا اس کا ہے۔ طروب! طروب! تم مسلم قوم کے لیے درمند دل کھتی ہو تم عظیم و قابل عزت و طروب نے ایک آہ بھرتے ہوئے کہا۔ "کاش میں اپنی قوم کے لیے کچھ کر سکتا"

میں ان مجاہدوں کی ہی خدمت کر سکتی جو رزم گاہوں میں اپنا خون بہا کر اپنی قوم کی عظمت و ملت کی سطوت کو بلند و ارفع رکھنے کی سعی و جدوجہد کر رہے ہیں۔ خلید! خلید! تم کہتا ہے، آپ بھی بھیڑیوں کے اس لشکر میں یوں ہی داخل نہیں ہوئے۔ آپ مجھے

سنگتراش زیادہ گتے ہیں۔ مجھے خبر ہے آپ مجھے نہیں بتائیں گے کہ آپ کی قصہ کے تحت انہیں داخل ہونے میں اس کے باوجود میرا کیا حصہ ہے کہ آپ کامیاب رہیں۔

خلید نے بڑی ہمدردی سے کہا۔ "تم اٹھ کر جاؤ۔"

طروب نے کھینچنے کے انداز میں پوچھا۔ "کیا میں جان سکتی ہوں۔ بھیڑیوں کے اس لشکر میں آپ کا کیا سبب ہے۔ کاش میں اس قابل ہوتی کہ آپ کی کھڑدو کر سکتی۔ آپ مجھ پر مکمل اعتماد پروردہ کر سکتے ہیں۔"

خلید نے کہا۔ "تم سو جاؤ۔ میں تم سے وعدہ کرتا ہوں صبح میں تمہیں انچھوڑاں تک کے سارے واقعات کہہ دوں گا۔ تم ایسی لڑکی ہو جس پر اعتبار کیا جاسکتا ہے۔"

طروب نے کہا۔ "تو کیا آپ نہیں سوئیں گے؟"

خلید نے کہا۔ "میں جنگیز خان سے وعدہ کر چکا ہوں۔ صبح تک مجھے اپنے اس کام کو مکمل کرنا ہے۔"

طروب اٹھ کر سونے کے لیے اپنے خیمے میں چلی گئی۔ خلید پھر اپنے کام میں لگ

بھا۔



دھوپ کافی چڑھ آئی تھی۔ سرخ رنگ کی جس چٹان پر خلید نے نقش و نگار کھودے تھے اسی سے ٹیک لگا کر وہ سو گیا ہوا تھا۔ ساری رات جاگنے کے باعث وہ گری نیند سویا ہوا تھا۔ سرخ چٹان پر جو اس نے نقش و نگار بنائے تھے۔ اس میں اس نے جنگیز خان کو اللہ شاہ کے تخت پر بیٹھے دکھایا تھا اور اس کے سامنے اس نے طروب کو ربط بجاتے دکھائے دکھایا تھا۔

طروب اور جنگیز خان دونوں کی شبیہ خلید نے بڑی محنت اور جانفشانی سے بنائی تھی اور وہ کسی سنگتراش کے ہنر و کسب اور ریاضت کا بہترین شاہکار لگتا تھا۔

خلید اسی طرح چٹان کے سامنے میں سویا ہوا تھا کہ طروب اپنے خیمے سے نکلی۔ خلید بالکل کھڑے ہو کر وہ چٹان پر کھڑے اپنے حسین و خدو خال بڑے شوق و انہماک سے دیکھتی

رہی پھر اس نے خلید کا شانہ کپڑے گھنچھوڑا۔ خلید اٹھ کھڑا ہوا اور آنکھیں ملنے لگا پھر طروب کی طرف دیکھا جو اسے دیکھتے ہوئے مسکرا رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں اس سے مراد پرتریاق لگتا تھا۔

خلید نے اٹھتے ہوئے کہا: "شاید میں نے زیادہ دیر نیند کر لی ہے۔"

طروب نے پھولوں پر پھوڑا برساتی آواز میں کہا: "آپ ساری رات جاگتے رہے اس لحاظ سے تو آپ کچھ بھی نہیں سوئے۔"

خلید نے چٹان پر کھدے نقش و نگار کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا: "میرا یہ کام طروب نے خوشی و طرب میں کہا: "دشنت و کسار میں ایک سنگتراش کا بیڑا ثمرہ ریاضت ہے۔ میں آپ کو مبارک باد دیتی ہوں۔ آپ خوش قسمت ہیں کہ آپ کا آپ اس محنت و سعی کا صلہ و انعام بھی مل گیا ہے۔"

خلید نے حیرت سے پوچھا: "کیسا انعام اور صلہ؟"

طروب نے کہا: "صبح جب سورج طلوع ہوا تھا تو چنگیز خان اُدھر آیا تھا۔ یہی دیکھنے آیا تھا کہ سنگتراش نے کیا کیا ہے۔ وہ سرخ چٹان پر کھدے ان نقش و نگار کو با بے حد خوش ہوا تھا۔ اس کے ساتھ اس کے بیٹے اور جرنیل بھی تھے۔"

پھر طروب نے اپنی کمر سے بندھی نقدی کی ایک وزنی پھیلی کھولی اور خلید کی طرف ہوئے کہا: "نقدی کی یہ پھیلی چنگیز خان آپ کے لیے انعام دے گیا تھا۔ وہ کافی دینار کے بنائے ہوئے اس شاہکار کو غور و تعجب اور خوشی سے دیکھتا رہا۔ اس کے ایک جرنیل آپ کو جگانا چاہا لیکن چنگیز خان نے منع کر دیا۔ اس نے کہا تھا۔ شاید یہ رات پھر جاگ کر تار رہے۔ لہذا اسے سونے دو۔"

خلید نے نقدی کی پھیلی طروب کو واپس لوٹاتے ہوئے کہا: "نقدی کی یہ پھیلی پاس ہی رکھو، جب مجھے ضرورت ہوئی میں تم سے لے لیا کروں گا۔"

طروب نے پھیلی سنبھالی اور چپکتے ہوئے اس نے کہا: "اگر آپ مجھ پر اس اعتماد ہی کر رہے ہیں تو اپنا وعدہ بھی پورا کیجئے جو رات آپ نے میرے ساتھ کیا تھا۔"

خلید نے حیرت سے پوچھا: "کیسا وعدہ؟"

طروب نے یاد دلانے کے انداز میں کہا: "وہی جو آپ نے کہا۔ آپ مجھے اپنے حالات بتائیں گے۔"

خلید نے ایک پتھر پر بیٹھتے ہوئے کہا: "بیٹھو میں تمہیں اپنے پورے حالات بتاؤں۔"

طروب اس کے کہنے پر ایک دوسرے پتھر پر بیٹھ گئی پھر خلید نے جلال الدین کے رے اپنا تعلق، مرو شہر کی طرف اپنا سفر، مرینہ سے ملاقات اور چنگیز خان کے لشکر میں لہرنے کی غرض و غایت کے پورے حالات طروب کو کہہ ڈالے تھے۔

خلید کے حالات سن کر طروب چند شانہ کیوں تک خاموش اور آداس بیٹھی رہی۔ اتنے بلند اس سے پوچھا: "کیا مرو کے قلعہ دار بھی الملک کی بیوی اور بیٹیوں کو اس لشکر کے نشان کرنے میں میری مدد کر دی؟"

طروب نے بختہ عزم میں کہا: "آپ بے فکر رہیں۔ میں آج ہی سے ان سے متعلق پوچھ رہا ہوں۔ اس سلسلہ شروع کر دوں گی۔ چنگیز خان آپ کو ایک اور کام سونپ گیا ہے۔ اس نے کہا تھا: اس سنگتراش سے کہنا کہ ہرے رنگ کے سنگ مرمر سے میرا ایک ایسا مجسمہ بنائے جس اپنے گھوڑے پر میں سوار ہوں۔ میرے بائیں ہاتھ میں گھوڑے کی باگیں ہوں اور دائیں ہاتھ انوار اور کی طرف بلند ہو۔ تھوڑی دیر ہوئی مسلمان غلاموں کی مدد سے کچھ ننگول جوان مرزاں کے کہنے پر ہرے رنگ کے سنگ مرمر کی ایک بڑی سِل بھی رکھ گئے ہیں۔ چنگیز خان کا تھا ایک ہفتہ بعد وہ پھر اُدھر آئے۔ لہذا اس وقت تک اس کا مجسمہ بنا ہونا چاہیے۔ ان مسلمان سے بھی کہہ گیا تھا کہ ایک ہفتہ بعد آکر یہ بھی دیکھے گا کہ تم مغیہ کو اپنی طرف مائل کرنے کا میاب ہوئے ہو یا نہیں۔"

خلید چند شانہ کیوں تک گدوں جھکائے سوچتا رہا پھر غور سے اس نے طروب کی طرف پوچھنے لگا: "کیا تم چنگیز خان کے لشکر میں اپنی حالت پر خوش ہو؟"

طروب نے دھکھ اور تاسف میں نفی میں گردن ہلاتے ہوئے کہا: "بھیر یوں کے

دوب نے کہا۔ میں مجیر الملک کی بیوی اور بیٹیوں سے متعلق تفصیل حاصل کرنے میں ہوئی۔ ایک منگول سردار نے اس کی دونوں بیٹیوں کو بے ابرو کرنا چاہا لیکن ان دونوں نے اپنے اپنے خجے سے خودکشی کر کے اپنے آپ کو بے ابرو ہونے سے بچا لیا۔ ان کی ماں نے بعد اگلوں کی سہ حالت میں چند روز گزارے پھر وہ بھی بیٹیوں کے غم میں مر گئی۔ اس کے بعد باقیوں کی سہ حالت میں شاید وہ بھی آپ بکے لیے دل چسپی کا باعث ہو۔

دوب کہتے کہتے رگ گئی۔ کیوں کہ خیمے کے دروازے پر ایک منگول نمودار ہوا اور اس نے ان کے انداز میں کہا۔ "مستعد ہو جاؤ، خان زریں خیل تمہارے خیمے میں اپنا مجسمہ دیکھنے میں۔"

خلید اور طروب اٹھ کھڑے ہوئے اور خیمے سے باہر نکل آئے۔ ان کے دیکھتے ہی دیکھتے ان اپنے گھوڑے سے اتر آئے، اس بار اس کے ساتھ صرف اس کے محافظ ہی تھے اس باہر نکل اس کے ساتھ نہ تھا۔

خلید کے خیمے میں داخل ہو کر جنگیز خان کچھ دیر تک اپنے اس عجیبے کو بڑے انماک لاشی کے عالم میں دیکھتا رہا۔ پھر اس نے خلید کو نقدی کی ایک تھیلی دیتے ہوئے کہا۔ "ندان آسمان کی قسم اس عجیبے کے جو نقوش میں نے اپنے ذہن میں تیار کر رکھے تھے تم نے انہیں خوب مورت انداز میں اسے تیار کیا ہے۔"

جنگیز خان نے اپنے محافظوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "اس مجھے کو لے جا کر میرے لگو۔ احتیاط سے کہیں گر کر ٹوٹ نہ جائے۔"

"محافظ مجھ کو اٹھا کر لے گئے۔ جنگیز خان خیمے سے باہر آیا اور حکیم غمدان کے خیمے کی آگے اسے پکارا۔ "حکیم غمدان تیز چلنا ہوا اس کے سامنے آکھڑا ہوا۔ جنگیز خان نے کہا تم اس لڑکی طروب کو اپنی طرف مائل کرنے میں کامیاب ہوئے ہو۔"

حکیم غمدان نے بڑی بے بسی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ "مجھے بڑا صدمہ ہے کہ طروب نے اہل ہونا تو دور کی بات مجھ سے گفتگو تک کو ناپسند نہیں کرتی۔"

جنگیز خان نے غصے کی حالت میں کہا۔ "میں ایسے لوگوں کو پسند نہیں کرتا جو اوروں کو

اس لشکر میں میری حالت قفس میں بند پرندے جیسی ہے لیکن رب عظیم کا صد شکر کہ ہمارا خان کی مطہرہ اور مغنیہ ہونے کی وجہ سے میری عزت محفوظ ہے۔ میں آج تک اس ہوں کہ اپنے تقدس کی قسم کھا سکوں۔"

خلید نے پوچھا۔ "اگر میں تمہیں بھیڑیوں کے اس لشکر سے نکال لے جاؤں کہاں جانا پسند کرو گی؟"

طروب کی گردن جھک گئی اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں تھیں اور اس بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "میرا شہر جو دریائے آموں کے کنارے تھا تباہ و برباد ہو گیا کہ میرا رشتہ دار بھی نہیں، نہ ہی کوئی ٹھکانہ ہے۔ میں کہاں جاؤں گی۔ بتر ہے میں جنگیز خان لشکر میں پڑی رہوں اور اپنی موت کا انتظار کروں۔ میرا کوئی ٹھکانہ نہیں جس کی میرا نشانہ ہی کر سکوں۔"

خلید کی گردن بھی جھک گئی تھی اور وہ گری سوچوں میں کھو گیا تھا۔ طروب چونکاتے ہوئے کہا۔ "باتوں ہی باتوں میں مجھے خیال ہی نہیں رہا، میں آپ کے لیے کھانا کے آپ کو جگانے آئی تھی۔ میں آپ کے لیے بانی بھی بھر کے رکھ آئی ہوں۔ اٹھیں نہ کھالیں۔" خلید اٹھ کھڑا ہوا اور خاموشی سے طروب کے ساتھ اس کے خیمے کی طرف دیا تھا۔

○

ایک ہفتہ گزر چکا تھا۔ خلید اپنے خیمے میں بیٹھا تھا، اس کے سامنے ہرے کے سنگ مرمر سے جنگیز خان کا مجسمہ رکھا ہوا تھا جس میں اپنے گھوڑے پر سوار ہاتھ میں اس نے گھوڑے کی لگام تھام رکھی تھی اور دائیں ہاتھ میں تلوار مضامین بنا تھی۔ مجسمہ انتہائی خوب صورت تھا اور اس میں خوب صفائی اور چمک پیدا کی گئی تھی بڑی محویت سے مجسمے کو دیکھ رہا تھا کہ طروب بھاگتی ہوئی خیمے میں داخل ہوئی اور قریب بیٹھتے ہوئے اس نے کہا۔ "میں آپ کے لیے ایک بڑی خبر لائی ہوں۔"

خلید نے چونک کر پوچھا۔ "کیسی بڑی خبر؟"

محب ساتھ جانا پسند کرو گی۔

طروب نے دبی دبی سکراہٹ میں کہا۔ ”میں آپ کے ساتھ جانے سے کیسے اور کیز کر

باتی ہوں؟

غلیڈ نے اسے تسلی دینے کے انداز میں کہا۔ ”طروب! طروب! تم فکر مند اور غم گین
ہی تمہیں تنہا چھوڑوں گا۔ میں تم سے شادی کر لوں گا اور تمہیں ایک پڑ سکوں اور
نہرا ماحول بہا کر لوں گا۔“

خوشی سے طروب کی آنکھوں میں آنسو آگئے تھے۔ اس نے بھیگی پلکوں میں اور لرزرتے
اسے کہا۔ ”آپ کی رفیقہ حیات کی حیثیت سے میں ہمیشہ اپنی فات پر فخر کروں گی۔ بخدا
یہ مجاہد کی رفقت اور خدمت بھی ایک عبادت ہے لیکن پہلے مرینے آپ کی شادی ہوگی،
بعد میں آپ کے بھاج میں آؤں گی۔ اس لیے کہ میری نسبت وہ آپ کی زیادہ حق دار ہے“
غلیڈ نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔ ”تو پھر کھڑو جلدی کو یہاں سے کوچ کریں۔ میں گھوڑے
اٹا ہوں تم ضروری اشیاء کسی کپڑے میں باندھ کر گھوڑی بناؤ۔“

طروب نے فکر مندی سے کہا۔ ”بھیرٹیوں کے اس لشکر میں داخل ہونا آسان ہے
بال سے ٹکنا انتہائی مشکل اور دشوار ہے۔ لشکر کے زیادہ تر منگول اب آپ کو اور
وہل کو پہچانتے ہیں۔ نہ بھی پہچانتے ہوں تب بھی وہ ہراس شخص سے سخت پوچھ گچھ کرتے
شکرے باہر نکل رہا ہو۔ کیوں کہ لشکر میں ان گنت مسلمان غلام ہیں جن کی طرف سے
لوگوں کو جاسوسی کا خطرہ ہے لہذا چنگیز خان نے اپنے لشکر کے چاروں اطراف میں محافظ
لگائے ہیں جو ہر آنے جانے والے پر گہری نظر رکھتے ہیں۔ آپ انہیں مطمئن کرنے کے
بہتر ہیں۔“

غلیڈ نے کہا ”مجھے خبر ہے لشکر کے چاروں طرف سخت پہرہ ہے۔ اگر ہم میں سے کسی نے
نہیں انہیں کہیں گا کہ میں چنگیز خان کا شکر اس ہوں اور اس کا کوئی بے مثل عہدہ بنانے کے لیے
ناچے اور مدد قسم کے تپھر کی تلاش میں ہوں۔ ایسی صورت میں وہ ہم دونوں سے کوئی تعزیر
نہیں کرے گا۔ تم بھی یہی بات کہنا بلکہ یہ اضافہ بھی کرنا کہ میں چنگیز خان کی مغنیہ طروب ہوں، اور

تغیر نہ کر سکیں۔ اس کے ساتھ ہی چنگیز خان نے اپنے ایک محافظ کو مخصوص اقلہ کی
محافظ حکیم غملاں کو پکڑ کر ایک طرف لے گیا اور تلوار مار کر اس کی گردن کاٹ دی۔
چنگیز خان کے سامنے آتے ہوئے کہا۔ ”اے خان زریں خیل! مجھے اجازت
میں اس سنگتراش جوان کے ساتھ رہ سکوں۔“

چنگیز خان نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ”تمہیں اس کی اجازت ہے چنگیز خان
محافظوں کے ساتھ چلا گیا۔“

خلید اور طروب خیمے میں داخل ہوئے۔ خلید نے پھر اپنی نشست پر بیٹھ
”تم کوئی اور خبر کہتے کہتے خاموش ہو گئی تھی کہوں کہ چنگیز خان آگیا تھا۔“
طروب نے بڑی راز داری سے کہا۔ ”منگول آنے والی رات یا کل دن کو یہاں
کرنے والے ہیں۔“

خلید نے گفتگو میں پوچھا۔ ”کیوں؟“

طروب نے کہا۔ ”چنگیز خان کے جاسوس خبر لائے ہیں کہ ہرات میں بغاوت
اور وہاں مسلمان مجاہدین نے ہرات کی حفاظت پر مقرر منگول لشکر کو تہ تیغ کر دیا ہے۔
علاوہ کوہستان ہندو کش کے مشرق میں جلال الدین خوارزم شاہ ایک بہت بڑا لشکر جمع کر
اب وہ کسی بھی وقت منگولوں پر تباہ کن ضرب لگا سکتا ہے۔ چنگیز خان اپنے بیٹے تلیغا
کی بغاوت فرو کرنے کے لیے روانہ کر رہا ہے جب کہ خود چنگیز خان اپنے دوسرے بڑے
برہنوں کے ساتھ جلال الدین کے استیصال کو روانہ ہو گا۔“

غلیڈ نے کہا۔ ”میں ابھی اور اسی وقت یہاں سے کوچ کر رہا ہوں۔ اب
لشکر میں واپس جانا انتہائی اہم ہو گیا ہے۔ اس کے علاوہ جس کام کے لیے مجھے روانہ
بھی ہو گیا ہے۔ مجیر الملک کی بیوی اور بیٹیاں مر چکی ہیں۔ اب میرا یہاں رہنا نفع
کے علاوہ میں جلال الدین سے جا کر چنگیز خان کے کوچ کی خبر کہوں گا۔ پہلے میرا مان
مرینے مل کر اپنے لشکر میں جاؤں گا لیکن اب میں سیدھا اپنے لشکر کو روانہ ہوں گا
طروب پریشان ہو گئی اور اس کا رنگ زرد پڑ گیا تھا۔ غلیڈ نے راز داری

مے بڑھ گیا۔

خلید اور طرب بڑی تیزی سے مشرق کی طرف سفر کرتے رہے۔ شام سے تھوڑی دیر کے بعد وہ کہتا ہوں سے گھری ہوئی ایک وادی میں سفر کر رہے تھے ان کے پیچھے سے دن منگول نمودار ہوئے جنہوں نے اپنے لشکر سے باہر ان سے پوچھ گچھ کی تھی۔ دونوں نے سر پٹ دوڑاتے ہوئے جب قریب آئے تو خلید نے اپنے گھوڑے کو روک دیا اور کہتا ہوں گیا۔

قریب آکر منگولوں نے اپنے گھوڑوں کو روکا پھر ایک نے قمر برساتی لگا ہوں سے کہہ دیا کہ تم تو یہ کہہ کر لشکر سے نکلے تھے کہ تم بوگدو کے عیسے کے لیے تھر کی تلاش میں نکلے ہو جب کہ تم لگا تار بڑی تیزی سے مشرق کی طرف سفر کرتے ہو۔ ہمیں دھوکہ دے کر اور بچ کر نکل جائے، یہ ممکن نہیں۔ ہم نے بڑی رازداری سے پتہ کیا اور آخر ہمیں آگیا۔ ہم جانتے ہیں تم دونوں سلمان ہو اور تم دونوں کا رخ بھی بنو اور ہم شاہ کے لشکر کی طرف ہے اور اب ہم تمہیں اس طرف جانے نہ دیں گے۔

طرب نے فوراً اپنی تلوار سنبھال لی۔ خلید پہلے ہی اپنی تلوار اور ڈھال سنبھال کر روادی کے اندر خلید کی قمر برساتی آواز بلند ہوئی۔ واللہ! تم تو صرف دو ہو، بے چارے منگول اور ہوئی تو بھی وہ میری راہ نہیں روک سکتے، مجھے جلال الدین کا ہر حال ہر صورت میں جانا ہے۔ واپس لوٹ جاؤ اور مجھے جانے دو ورنہ یاد لوہتاؤں، ان وادیوں کے اندر تمہاری رگوں سے سارا خون اور تمہاری ہڈیوں سے نکال باہر پھینک دوں گا۔

ایک منگول نے مضحکہ خیز انداز میں کہا۔ "سنگتراش ہو کر گھگھو تو ایسے کرتے ہو جیسے اسی عمر تیغ زنی اور جنگ میں گور گئی ہو۔ جب ہم دونوں کی تلواریں تم پر برسیں گی سنگتراشی، ساری صنایع بھول جاؤ گے۔"

خلید نے کہا۔ "اے دشت کے بھیڑیو! یہ تمہاری بھول ہے، یاد رکھو، جب تم سنگتراش بنو تو تم اپنے دفاع کا ہر حربہ اپنی مزاحمت کی ہزیمت پر بھول

چنگیز خان مجھے اس سنگتراش کے حوالے کر چکا ہے۔ طرب نے خوشی اور مسرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ "ہاں ایسا کہنے سے ہم ضرور ان کے ہاتھوں سے بچ کر نکلنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔" خلید نے باہر نکلنے ہوئے کہا۔ "میں اپنے گھوڑے پر سوار ہوں گا اور تم میرے پیچھے رہو۔"

خلید چھتر تلے بندھے اپنے گھوڑے کے پاس آیا۔ جلدی جلدی اس پر سوار ہو کر تورا بھر کر زمین سے باندھ لیا۔ اتنی دیر تک طرب بھی ضروری سامان ایک گھٹری میں لے کر باہر آگئی۔ خلید نے اس سے گھٹری لے کر خرچین میں ڈال دی۔ پہلے وہ خود گھوڑے پر سوار ہوا پھر اس نے طرب کا ہاتھ پکڑ کر اپنے پیچھے بٹھا لیا اور گھوڑے کو اس نے اپنا مشرق کی طرف ہانک دیا تھا۔

مشرق کی طرف جہاں چنگیز خان کے لشکر کے آخری خیمے تھے ان سے تقریباً ایک سو باہر کسی نے لدا کر خلید اور طرب کو روکا۔ خلید نے کسی گھبراہٹ، کسی پریشانی کے اپنے گھوڑے کو روک لیا۔

کوہستانی سلسلے کے پتھروں کے پیچھے سے دو منگول نمودار ہوئے وہ گھوڑے کے سامنے آکر روکے اور خلید کو غیاب کر کے کہا۔ "تم کون ہو اور اس لڑکی کو لے کر جا رہے ہو۔"

دوسرے نے کہا۔ "اس لڑکی کو تو میں جانتا ہوں، یہ بوگدو چنگیز خان کی مغنیہ ہے۔"

خلید نے کہا۔ "اور میں تمہارے بوگدو کا سنگتراش ہوں، میرا نام خلید ہے۔" خان اس مغنیہ کو میرے حوالے کر چکا ہے۔ میں اس مغنیہ کو لے کر نکلا ہوں تاکہ کوئی تمہیں نہ روکے اور اس سے تمہارے بوگدو کا مجسمہ بنائیں۔ اگر تمہیں کوئی شک ہو تو تم مجھے چنگیز کے پاس لے جا سکتے ہو۔"

پہلے منگول نے فیصلہ دیتے ہوئے کہا۔ "مغنیہ طرب کی خاموشی اس امر کی گواہی دیتی ہے کہ تم سچ کہتے ہو، لہذا تم جا سکتے ہو۔" خلید نے پہلے سے اطمینان کے ساتھ گھوڑے کا

جاؤ گے۔ اس کے ساتھ ہی خلید نے اپنے گھوڑے کی بڑ لگا کر گے بڑھایا تھا۔ ایک لہر ایک ترنگ میں خلید نے آگے بڑھ کر دونوں منگولوں پر حملہ کر دیا۔ ان دونوں سے ٹکراتے ہوئے وہ یوں لگ رہا تھا جیسے تیز باطل میں کوئی سفیر کی بجائے دونوں منگولوں نے انتہائی کوشش کی کہ وہ خلید پر قابو پا کر اسے زیر کر لیں لیکن انہیں ہار کا کامی ہوئی تھی۔

خلید ان کے وار روکنے کے بعد جارحانہ حملے کرتے ہوئے کسی غول دہیز، مظلم، فٹکے نقوش کی نمونہ آدھی اور شیعہ گر کی طرح اپنی چمکتی اور موت پکارتی تلواریں ساتھ ان پر نازل ہو رہا تھا۔ اچانک خلید کی تلوار ان میں سے ایک کی پسلیوں پر لگی اور چیرتی کاٹتی بھل گئی تھی۔ دوسرے نے جو نہی چونک کر اسے بدحواس ہو کر اپنے منہ کی ساتھی کی طرف دیکھا، خلید کی تلوار دوبارہ ابھر کر ہلک جھپکتے میں گرئی اور دوسرے کی بین کاٹتی چلی گئی تھی۔

خلید اور طروب دونوں اپنے گھوڑے سے اترے۔ پہلے انہوں نے الگ سے ہندھے ہوئے سارے سامان کی تلاشی لی پھر خلید نے ان دونوں منگولوں کے گھوڑے سے ایک پر سوار ہو گیا اور دوسرے گھوڑے کی نگاہ زمین سے باندھ لی۔

طروب اس موقع پر خلید سے کچھ کہنا چاہتی تھی کہ خلید نے اسے مخاطب نہ کہا۔ طروب! طروب! فوراً میرے گھوڑے پر سوار ہو جاؤ اور یہاں سے کوچ کر۔ طروب جلدی جلدی خلید کے گھوڑے پر سوار ہو گئی۔ پھر دونوں نے اپنے گھوڑوں کی لگا کر بانگ دیا تھا۔



ایک روز خلید طروب کے ساتھ جلال الدین خوارزم شاہ کے لشکر میں داخل اپنے گھوڑے کو اس نے جلال الدین کے خیمے سے باہر روکا۔ ابھی وہ اپنے گھوڑے کی درخت کے ساتھ باندھ ہی رہا تھا کہ خیمے کے اندر سے اسلام کا شیر دل فرزند جلال الدین اور اس کا جرنیل امین الملک بچلے اور مسکراتے ہوئے وہ خلید کی طرف

نے جلدی جلدی گھوڑا باندھا اور ان دونوں کی طرف بڑھا۔ طروب اپنے گھوڑے کے پاس بڑی رہی۔

خلید نے آگے بڑھ کر دونوں سے مصافحہ کیا۔ جلال الدین نے ایک جھکی جھکی نگاہ گھوڑے کی کھڑی طروب پر ڈالی پھر اس نے خلید سے پوچھا۔ یہ لڑکی کون ہے اور جس مہم پر تم گئے اس کا کیا بنا؟

ان دونوں کے سامنے کھڑے ہی کھڑے خلید نے مرتبہ سے ملاقات، مرو کے ترخانوں، سامان کی رہائی، نیشاپور تک کا سفر، وہاں سے مجیر الملک کی بیوی اور بیٹیوں کی ماہیں چنگیز خان کے لشکر میں دخول، چنگیز خان سے گفتگو، طروب سے ملاقات، مجیر الملک کی بیوی اور بیٹیوں کی مرگ، حکیم عہد ان کی موت، چنگیز خان کے بیٹے تولی کی مہارت اور چنگیز خان لالہ الدین کی طرف دعا گوئی کی تیاری اور طروب کے ساتھ چنگیز خان کے لشکر سے فرار کی پوری ماں تفصیل سے سنا ڈالی تھی۔

مجیر الملک کی بیوی اور بیٹیوں کی موت کا سن کر چند ثانیوں تک امین الملک آنکھیں پونے اپنے ہونٹ کاٹتا رہا جب کہ جلال الدین بڑی بے بسی اور ترم کے جذبے سے اس کی مدد دیکھتا رہا پھر اس نے امین الملک کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے ہمدردی سے بھرپور زبان کہا۔

”میرا امین الملک صبر! افراط و تفریط اور پُرا شوب اس دور میں صبر اور قناعت ہی ہمیں اپنے پاؤں پر کھڑا کر سکتے ہیں۔ تم نے دیکھا نہیں میرا شہنشاہ باپ بحیرہ زر کے ایک انجان سے جزیہ سے بین گناہی کی موت مارا گیا اور میری ماں چنگیز خان کی قید ماہ صبر امین الملک صبر!“

امین الملک نے فوراً اپنے آپ کو سنبھال لیا اور جلال الدین کی طرف دیکھتے ہوئے کہہ دیا۔ اے آقا! میں ہر حال میں آپ کے ساتھ ہوں۔ کوئی بھی صدمہ مجھے اپنے فرائض میں بند کرنے پر مجبور نہیں کر سکتا۔

جلال الدین نے کہا۔ اگر چنگیز خان ہماری طرف بڑھا تو راستے میں کو جتان بابا کے

تقسیم کیا۔

شکر کا قلب اس نے اپنے پاس رکھا۔ میمنہ کا کماندار امین الملک کو بنایا اور میسرہ
 ایک بڑے عرب جرنیل کی کمان میں تھا۔ قلب اور میمنہ کو جمال الدین نے چنگیز خان
 کے لیے تیار کیا گیا جو اس کے ایک انخول کی سرکردگی میں اس کی طرف بڑھ رہا تھا۔
 اس نے اپنے عرب جرنیل کی سرکردگی میں چنگیز خان کے مقابلے میں بامیان کے شہروں
 کی مدد کو روانہ کر دیا۔ خلیلہ اور طوب بھی اسی میسرہ میں شامل تھے۔

جلیگز خان کے وہ ارغون اپنے ٹڈی دل لشکر کے ساتھ بڑی تیزی سے حلال الدین
نہ جاس کا ارادہ تھا کہ وہ حلال الدین کو عبرت خیز شکست دینے کے بعد بمیان کے
بین جلیگز خان سے آئے گا۔ اس کی امیدوں کے برخلاف حلال الدین نہت پہلے اس
لئے نمودار ہوا۔ حالانکہ ارغون کا اندازہ تھا کہ تیس میل اور شرق کی طرف جا کر اس کی بڑھ
جلال الدین سے ہوگی لیکن شیر دل حلال الدین برق رفتاری سے تیس میل کی یہ مسافت طے
ہوا کہ جنانوں سے گھری ایک کھٹی وادی میں اس کے سامنے نمودار ہوا تھا۔ دونوں لشکر
دو دھے کود کھتے ہی حملہ آور ہو گئے۔

جلال الدین کے لشکر میں اکثریت ترکوں اور افغانوں کی تھی۔ منگول بڑی تیزی سے
آئے تھے۔ ان کا ارادہ تھا کہ وہ بہت جلد جلال الدین کو میدان جنگ سے بھگان کر بامیان شہر کی
لاٹ جائیں گے تاکہ شہران کی موجودگی میں فتح ہو اور وہ لوٹ کھسوٹ میں شامل ہو سکیں۔
لیکن یہاں معاملہ کچھ اُلٹ تھا اور ایک کہنا کہ حقیقت سامنے آئی تھی۔ جلال الدین
کرمانی میں افغان اور ترک جماعت کے منظر اور رموز رب کے محرم بن کر مزاحم ہوئے تھے وہ
مسلحہ مذبول کے شہید بن کر آگے بڑھے تھے اور ایک ایک لشکر کی کئی کئی منگولوں کو ساتھ
لے کر مارتا تھا۔

مسلمان ظلمتوں کے رہبر منگولوں کو اپنی تلوار کی نوک سے دوسرے آدمیت دے رہے تھے۔ انہوں نے منگولوں کے ولولوں کو لہو لہا دیا۔ انکھوں میں زندگی کی بے بسی پھیلا کر رکھ دی تھی۔ رگتھا لذت بے خودی میں وہ منگولوں پر زندگی بھر کی اذیت اتار لینا چاہتے تھے۔ اچانک

اندر ہمارا شہر بامیان پڑے گا، لہذا ہمیں اس شہر کی حفاظت کا انتظام کرنا چاہیے۔ اگر ہم اس سے باہر دشمن کے ساتھ ہمیں چھاپہ مار جنگ کی تیاری کرنا ہوگی۔ مجھے امید ہے ہم جلد کوان کو ہتافوں کے اندر ذلت آمیز شکست دیں گے۔“

جلال الدین خاموش رہا پھر خلید کی طرف دیکھتے ہوئے کہا: ”طروب کے متعلق کیا خیال ہے؟“

خلید نے کہا۔ ”یہ میرے ساتھ رہ کر جنگوں میں حصّہ لے گی۔“
جلال الدین نے امین الملک سے کہا۔ ”ان دونوں کے آرام کا بندوبست
امین الملک، تعلیم اور طروب دونوں کو خمیوں کے شہر میں ایک طرف لے گیا تھا۔“



اس موسم خزاں میں چنگیز خان نے اپنے بیٹے تولی کو ہرات کی بغاوت فرو کرنے لیے مغرب کی طرف روانہ کیا اور خود اس نے ایک ہزار لشکر کے ساتھ جلال الدین کو کوچ کیا۔

مشرق کی طرف سفر کرتے ہوئے، کوہستان بابائے بیچوں بیچ گزرتے ہوئے چل
بامیان شہر کے سامنے آنودار ہوا۔ اس نے اس شہر کی وسعت اور اس کی مضبوط صا
ستھری فصیلوں کو لمبا ٹی ہوئی نظروں سے دیکھا۔ یہاں اس کے جاسوسوں نے ات
دی کہ حلال الدین بھی کوچ کر کے یہاں سے چند میل مشرق میں خمیہ زن ہے۔

اپنے لشکر کی آن گزشت تعداد کو دیکھتے ہوئے چنگیز خان نے یہاں اپنے لشکر کا حصول میں تقسیم کیا۔ ایک حصہ اس نے اپنے ایک انخول کی سرکردگی میں اس نے جلال کی سرکوبی کو روانہ کیا اور خود اس نے بامیان شہر کا محاصرہ کر لیا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ جلال کی طرف بڑھنے کے لیے راستے میں پڑنے والے اس شہر کو فتح کیا جائے تاکہ جلال الدین کے راستے بے خطر ہو جائیں۔

دوسری طرف جلال الدین بھی چنگیز خان کی ایک ایک حرکت سے آگاہ تھا۔
کے جاسوس ساری خبریں دن رات اس تک پہنچا رہے تھے۔ جلال الدین نے بھی اپنے

اسلامی لشکر میں ایک ساتھ اللہ اکبر کی محو کن صدا میں بلند ہونا شروع ہو گئیں اور اس کے
ہی جلال الدین کی سرکردگی میں مسلمان لشکر کی دلوں کے قائد بن کر اپنے حملوں کی مجلسوں
اور شکست و شہرت میں منگولوں کو گناہ کی کھیتی سمجھ کر کاٹنے لگے تھے۔

مسلمان پتھر کی طرح بے اثر ہو کر منگول صفوں میں گھٹے چلے گئے تھے بہر حال
سمت منگولوں کی آہ و فغاں اور چیخ و پکار بلند ہونے لگی لیکن مسلمانوں کا یہ جگر موڑنا
جان لیوا حملہ تھوڑی دیر تک ہی جاری رہ سکا کیونکہ منگولوں کی اکثریت اس جنگ میں
گھٹی اور جو زندہ بچے وہ اپنی شکست تسلیم کرتے ہوئے ارغون کی سرکردگی میں واپس چلی
کی طرف بھاگ کھڑے ہوئے تھے۔

چنگیز خان کو دوزخ تک با میان شہر کے محاصرے میں تقویت پیدا کرنا ہوا اور
کے میسرہ کا عرب جرینل اس سے قریب ہی کو ہتھانوں میں چھپا ان پر گہری نظر کرتے تھے۔ میر
روز جب چنگیز خان نے شہر پر عام حملے کا حکم دیا اور منگول با میان شہر پہنچ کر گھوڑوں
ٹوٹ پڑے تو میسرہ کا وہ عرب جرینل اپنی گھات سے نکلا اور اس جگہ حملہ آور ہوا جہاں چنگیز
اپنے ایک پوتے کے ساتھ حملے کی نگرانی کر رہا تھا۔

میسرہ کا سالار بے صلہ سمندر کی طرح حملہ آور ہوا۔ وہ اپنے لشکر کے آگے آگے تھے
رہتے میں آتے والے منگولوں کو کاٹتا چلا جا رہا تھا۔ اس کے حملوں میں شعلوں کی بیابانی اور
کا اضطراب تھا۔ لگتا تھا قدرت نے اسے زمین کو زخم زخم، آسمان کو ٹوٹ ٹوٹ، صاعق
کو موتی اور پتھر کو گور کر کے لیے پیدا کیا ہو۔ اس کے ساتھی بھی راکھ کو جنگاری اور
کو لہو میں بدل دینے کا فرض ادا کر رہے تھے۔ ان کے حملوں میں عظمت و شکہ کی ترجمان
شبنم کی آسودگی تھی۔

ایک بار اس عرب جرینل نے چلا کر کہا۔ "اے جان نثارانِ ملت اور چنگیز
کی صفوں کو اٹ کر تاریخ کے نئے اوراق کو جنم دیں۔ اسلام کی سر بلندی اور قوم کی سر بلندی
لیے سب سے پہلے میں اپنے آپ کو موت کے لیے پیش کرتا ہوں۔"
اپنے سالار کے ان الفاظ سے میسرہ میں اوراک و وجہان سے ایک آگ

ایک عام لشکر بھی ایسی سعادت مندی اور خلوص سے حملہ آور ہونے لگا تھا جیسے وہ
بلوچ و قلم اور انجمن کن فیکون کے سارے رازوں پر محیط ہو جانے کو بھل کھڑے ہوئے
ہو یا زوردار حملہ تھا کہ منگولوں کی صفیں کی صفیں ہل گئیں اور ایسی افرائقی کا عالم طاری
ہو گیا کہ چنگیز خان اپنی جگہ چھوڑ کر دوسری طرف بھاگ جانے پر مجبور ہو گیا۔

اس جگہ دو اور افرائقی میں چنگیز خان اپنے پوتے سے بچھڑ گیا اور میسرہ کا عرب
یہاں کے سر پر جا پہنچا۔ اس نے اپنی تلوار مار کر چنگیز خان کے پوتے کی گردن کاٹی پھر اس کا
لے اپنے نیزے کی مدد سے ہوا میں اچھال دیا تھا۔

قبل اس کے کہ چنگیز خان سنبھلتا اور اپنی منتشر صفوں کو درست کر کے وہ حملہ آور کے
بکھڑا کر تاجلال الدین کا میسرہ اپنا کام مکمل کر کے مڑا اور اپنی کامیابی پر وہ زمزمہ بوج
ج تراز ملکوتی اور غنائے لاهوتی گاتے اپنی کمین گاہ کی طرف واپس لوٹ گئے تھے۔

چنگیز خان راز پر داں بن کر نازل ہونے والے اس لشکر کو انتہائی بے بسی اور لاچارگی
بیتا رہ گیا تھا لیکن تھوڑی دیر بعد جب اسے خبر ہوئی کہ حملہ آوروں کا سالار اس کے
کو کاٹ کر رکھ گیا ہے، تو اپنے حملوں سے دنیا کے ایک بڑے حصے کو ہلا دینے والے
زخان نے اپنے بال نوچ لیے اور سر پیٹ لیا۔ چنگیز خان ابھی اپنے پوتے کا نام ہی
باتا تھا کہ اس کے تیز رفتار جاسوس خبر لائے کہ ان کے ارغون کو جلال الدین نے عبرت خیز
ذلت آمیز شکست دی ہے۔ اس خبر سے چنگیز خان بے روغن چراغ کی طرح بجھ گیا اور
لا طرح بکھر کر رہ گیا۔

چنگیز خان ارغون کے شکست دینے کے بعد جلال الدین چاہتا تھا کہ مغرب
رہا ہوا قدمی کرے اور چنگیز خان کو پیش کر رکھ دے۔ اسے چنگیز خان کے مقابلے
اپنے میسرہ کے سالار کی کامیابی کی بھی خبریں پہنچ گئی تھیں۔ لہذا اس کے حوصلے اور
ہو گئے تھے۔ لیکن اس موقع پر جلال الدین کے جاسوس ایسی خبریں لائے کہ جلال الدین
ہالاکو عمل کیسر تبدیل کرنا پڑ گیا تھا اور وہ ایسی جگہ ایسی گھات اور کمین گاہ سے متعلق
پتہ لگا تھا جہاں وہ منگولوں کے ساتھ آخری اور کامیاب معرکہ لڑ سکے۔ لہذا اس نے

میسرہ کے سالار نے منگول پر ثبات کر دیا کہ وہ ناقابلِ تغیر نہیں اور ہم جی چاہیں انہیں کے روکتے ہیں۔ خدا کرے ایک آخری معرکے میں ہم پھر فتح یاب ہوں اور چنگیز خان کو بے گوی کی طرف بھاگنے پر مجبور کر دیں۔ پھر ہمارے شہروں، قصبوں اور قریوں میں امن لائے اور سلامتی کی صدا میں بلند ہونے لگیں گی۔

خلید نے دعائیہ انداز میں کہا۔ ”اللہ کرے تمہاری یہ خواہش پوری ہو جائے اور میں ان لوگوں کے بھٹ کی طرف بھاگنے پر مجبور نہ رہوں۔“

طروب نے جاہت اور محبت آمیز آواز میں کہا۔ ایسی صورت میں جنگ سے غافل ہو کر ہم نیشاپور کا رخ کریں گے اور وہاں مرنیہ کے ساتھ پرسکون زندگی کی ابتدا کریں گے۔

خلید نے کہا۔ ”پہلی جنگ کی نسبت کچھ رات کے شب خون میں تمہاری کارکردگی بہتر تھی۔ میں نے تم پر کڑی نگاہ رکھی تھی۔ بخدا میں نے تمہارے جنگ کرنے کے انداز سے دلچسپی لی تھی۔“

طروب جواب میں کچھ کہنے والی تھی کہ نیچے وادی میں ان کے لشکر کے اندر کوچ لہلہ اور نقارے بجنے لگے تھے۔ طروب نے خلید کی طرف دیکھتے ہوئے پریشانی میں پوچھا نیچے لشکر میں کوچ کے نقارے کیوں بجنے لگے ہیں۔ ہمارا لشکر کدھر روانہ ہونے لگا ہے۔ انہیں حملہ ہونے لگا ہے۔

خلید نے اپنی لاعلمی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ ”خبر نہیں یہ کوچ کس لیے اور کس سمت سے ہو رہا ہے۔“

اتنی دیر میں ایک سپاہی بھاگتا ہوا ان کے پاس آیا اور کہا۔ ”لشکر واپس کوچ کر رہا ہے۔ چنگیز خان کا بیٹا تولی خان اور اس کے جرنیل سوہر وائی اور جی نویان اپنے لاکھوں لشکروں کے ساتھ اس طرف بڑھ رہے ہیں۔ اپنے لشکر کی ساری قوت مجتمع کرنے کے لیے آقا جلال الدین نے میسرہ کو واپس بلا لیا ہے لہذا لشکر ابھی آقا کی طرف کوچ کر گیا۔“

خلید اور طروب دونوں اٹھ کر نیچے اترنے لگے۔ وہ سپاہی کو ہتھکڑیوں کے اوپر

فیصلہ کیا کہ اپنے لشکر کو ایک جگہ جمع کرے گا اور کوہستانوں سے اتر کر وہ دیباہ کی وادی میں داخل ہو جائے گا۔ اس کا نظریہ تھا کہ اگر فتح ہوئی تو وہ صحرائے گوبی تک چنگیز خان اور اس کے عساکر کا تعاقب کرتا چلا جائے گا اور شکست کی صورت میں دیباہ سندھ کو پار کر کے دہلی کے سلطان کی حدود میں داخل ہو جائے گا۔

یہ ایک تکلیف دہ اور کربناک فیصلہ تھا جو جلال الدین نے انتہائی مجبور حالت میں کیا تھا۔ اس لیے کہ اس کے جاسوس خبر لائے تھے کہ چنگیز خان کا بیٹا تولیہ ہرات کی ہم سے فارغ ہو کر اور چنگیز خان کے عظیم جرنیل سوہر وائی اور جی نویان انہیں نیشا کر با میان کے قریب پہنچنے والے ہیں۔

ان جاسوسوں نے یہ خبر بھی دی کہ ان لشکروں کی تعداد لاکھوں تک پہنچی اور وہ موج در موج بڑھتے چلے آ رہے ہیں۔ کچھ جاسوسوں نے یہ خبر بھی دی کہ ان کا ایک لشکر غزنی کی طرف سے بھی اس کی طرف بڑھ رہا ہے۔

خلید اور طروب با میان شہر کے فوج میں کوہستانوں کی ایک چوٹی پر بیٹھے ہوئے تھے اور نیچے وادی میں ان کا لشکر آرام کر رہا تھا۔ پہاڑ کے اوپر جگہ جگہ پہاڑ بیٹھے ہوئے خان کے لشکر پر گہری نظر رکھے پہرہ دے رہے تھے تاکہ ان کا لشکر آرام کر سکے اور چنگیز کے حملے کی صورت میں پیشگی اطلاع بھی دی جاسکے۔

طروب نے میٹھی میٹھی نگاہوں سے خلید کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ”میں منگول سے بہت خوفزدہ رہتی تھی۔ میں واقعی یہ سمجھتی تھی کہ یہ ہم پر عذابِ الہی ہیں اور جنگ میں ان کا مقابلہ نہیں کیا جاسکتا۔ لیکن پچھلے روز کی جنگ نے اور گذشتہ رات کے کاٹا

شب خون نے میرے خیالات کا رخ موڑ دیا ہے۔ بخدا زندگی میں پہلی بار جہاد میں جیت لینے کا اس قدر سرور آیا ہے اور پھر پچھلے روز کے حملے میں اپنے میسرہ کے سالار کی اور عمدہ کردار نے میرے حوصلوں اور دلوں کو اور تاب و جلا بخشی ہے۔ بخدا میں اتنا دیکھ رہی تھی کہ کسی جھوٹے شاہین اور خونخوار عقاب کی طرح چنگیز خان کے پوتے ہوئے اس کی گردن کاٹی اور پھر اپنے نیزے کی آبی پر اس نے ہوا میں اچھال دیا تھا۔“

پھر دینے والے دوسرے جوانوں کو واپسی کی اطلاع کرنے لگے بڑھ گیا تھا۔

تھوڑی دیر بعد سارا لشکر داری میں جمع ہو گیا پھر وہ اپنے عرب سالار کے پیچھے مشرق کی طرف ان کوستانوں اور وادیوں کی طرف کوچ کر رہا تھا۔ جہاں جلال الدین بے چینی سے اپنے میسرہ کی واپسی کا منتظر تھا۔

جلال الدین کے میسرہ کے چلے جانے سے گو بامیان شہر کے مسلمانوں کا دل دلدگار نہ رہا تھا تاہم شہر میں تقسیم شکر نے بڑی جانفشانی سے کئی روز تک چنگیز خانہ کیا۔ چنگیز خان محاصرے کے طول پر جھلا اٹھا تھا۔ اس لیے کہ قلعے کی فصیل کو توڑنے لیے منگولوں نے منجنیقیں اور برج بنائے تھے وہ جب سنگ باری کے لیے نزدیک تو شہر کا محافظ شکر روغن نفت میں ڈوبے آتش گیر تیروں کی بوچھاڑ کر دیتا جس کے منجنیقوں اور لکڑی کے برجوں کو آگ لگ جاتی تھی اور چنگیز خان کا ہر حملہ اور ہرجا ناکام ہو جاتی تھی۔

اپنی اس بے درپے ناکامیوں پر چنگیز خان نے اپنے لشکر کے مویشیوں کو کاڑ ان کی بھیگی ہوئی کھالوں کو اس نے منجنیقوں اور لکڑی کے برجوں پر منڈھوا دیا اور روغن نفت کی آگ سے بچا جاسکتا تھا۔ پھر اس نے شہر پر آخری حملے کا حکم دیا۔ مویشیوں کی کھالیں استعمال ہونے پر شہر کے محافظ دستوں کے آتش تیر بکاڑا ہونے لگے تھے اور شہر کے مسلمان اب چنگیز خان کے سامنے مجبور و بے بس دکھائی دے رہے تھے۔ اس لیے کہ شہر کے اندر موجود چھوٹے سے ایک محافظ کے علاوہ شہر سے باہر دوز و نزدیک کوئی ایسا شکر کوئی ایسی قوت نہ تھی جو اس مصیبت و اجل کے ان کی مدد کو پہنچتی۔

اپنے اس آخری حملے کو کامیاب بنانے کے لیے چنگیز خان اپنے سر سے خود ان منگولوں کی صفوں میں جا گھسا منجنیقوں سے شہر کی فصیل پر سنگ باری کر رہے تھے آخر کار ایک جگہ سے شہر کی فصیل ٹوٹ گئی۔ شہر کے محافظ شکر نے فصیل کے ٹپ کی حفاظت کرنے کی انتہائی کوشش کی لیکن منگول شہر میں داخل ہونے میں کامیاب ہو

نہیں دی کچھ ہوا جو منگولوں کا شہر تھا۔ شہر کے اندر ہر جاندار تہ تیغ کر دیا گیا مسجدوں اور گرجوں کو مسمار کر دیا گیا۔

اس شہر میں منگولوں کے اس قدر تباہی چمائی کہ وہ خود بھی اس شہر کو موبلیغ و غم کا گنہگار سمجھتے تھے۔ چنگیز خان نے چند روز یہاں قیام کیا۔ اتنی دیر تک اس کا بیٹا اور دونوں بیٹیاں اپنے لشکروں کے ساتھ وہاں پہنچ گئے تھے پھر اس متحدہ لشکر کے ساتھ اس نے مشرقی جلال الدین کی طرف کوچ کیا تھا۔



اس تلخ حقیقت کے باوجود کہ افغان لشکر مال غنیمت کی تقسیم کے سلسلے میں جھگڑا نے کی وجہ سے جلال الدین سے علیحدہ ہو کر چلا گیا تھا۔ جلال الدین نے ہمت نہ ہاری چنگیز خان پر آخری ضرب لگانے کو تیار ہو گیا۔ اب اس کے پاس صرف تیس ہزار کا رتاجب کہ چنگیز خان کی معیت میں لاکھوں کا لشکر تھا۔ اپنے تیس ہزار لشکر کے جلال الدین دریائے سندھ کی وادی میں داخل ہو گیا۔ جلال الدین نے اپنے لیے ایک میدان کو چنا جس کی پشت پر موجیں مارتا ہوا دریائے سندھ تھا اور یہاں دریا کا بہاؤ اور ٹھہراؤ تھا کہ تیر کر اسے پار نہ کیا جاسکتا تھا۔

اس کا بابا یا پہلوا ایک یلدا اور ناقابلِ عبور کوستان سے محفوظ تھا۔ دائیں طرف کی سمت کو دریائے سندھ ایک لمبا لکھا کر محفوظ کرتا تھا اور باقی حصے میں بلند ترین کوستان تھا جس کے اندر گزرنے کے لیے ایک ہی درہ تھا اور اس درے پر جلال الدین نے ایک ہزار تیر انداز مقرر کر کے اپنی دائیں طرف کو بھی محفوظ تسخیر بنالیا تھا۔ اس موقع پر جلال الدین نے اپنے دل میں میدان سے منہ موڑ کر دریا کے اس پار بھاگ نکلنے کا خیال پیدا کیا۔ اس طرح اپنے لیے میدان جنگ کا انتخاب کرنے اور اپنے لشکر کو پار کرنے کے بعد جلال الدین چنگیز خان کا انتظار کرنے لگا تھا۔

ایک روز صبح سویرے چنگیز خان اپنے ٹپ کی طرف لشکر کے ساتھ اس میدان کے

سامنے نمودار ہوا اور اتنے ہی اس نے مقصود سے شروع کر دیں۔ چنگیز خان اپنے
کے سامنے وسط میں اپنے جنگی نشان کے ساتھ اپنے دس ہزار ذاتی محافظوں کے اندر
نہا۔ آخر جنگ کی ابتدا ہوئی۔ جلال الدین نے اپنے مہینے کو امین الملک کی سرکردگی
چنگیز خان کے میسرہ کے مقابلے کے لیے آگے بڑھایا۔

جلال الدین کا مہینہ چنگیز خان کے میسرہ سے کئی گنا کم تھا لیکن امین الملک نے
ہونے کے باوجود دست اجل اور غم و دکھ کی یلغار بن کر ایسا زوردار حملہ کیا کہ مغل
و فنا پذیر ہو کر پیچھے ہٹنے پر مجبور ہو گئے تھے۔ اپنے میسرہ کی پسپائی پر جو تو لی خان کو
میں تھا چنگیز خان کو انتہائی غصہ آیا اور اس نے مسلمانوں پر عام حملے کا حکم دے دیا
بہب جلال الدین اپنے قلب اور عرب جرنیل اپنے میسرہ کو لے کر آگے بڑھے تھے۔

عرب جرنیل کے میسرہ کے حوصلے پہلے ہی بلند تھے۔ جب اس عرب جرنیل
لکا مار اشد ابر کے نعرے مارتے ہوئے حملہ آور ہونے کی ابتداء کی تو اس کے لشکر کا
کے مہینے کو اپنا مدد بنائے ہوئے ایک مجاہد انداز میں اپنے قلب و نظر کی تلوار
کو دار کی ترتیب کا ثبوت دینے لگے تھے۔ فرزند ان توحید نفرت کا طوفان اور خدا کی
بن کر پرستان باطل کی ہولناک یلغار پر چھانے لگے تھے۔

مسلمان مجاہدین عقابوں کی پیڑ پھڑا ہٹ اور شیروں کی دھماکی طرح اور
کی ٹاپوں سے ہم آہنگ ہو کر تکبیریں بلند کرتے ہوئے سرکش آدھی، موت کی بے امل
سیل وقت کی طرح آگے بڑھتے رہے اور کمر کو دھندرا اور رعد سے مشابہ آوازوں کی
وہ منگولوں پر چھلتے رہے۔

چنگیز خان اب بھی مطمئن تھا کیوں کہ اس نے اپنے لشکر کو قلب کے طور پر
کے لشکر کو میسرہ اور غزنی سے آنے والے لشکر کو مہینہ کے طور پر استعمال کیا۔ ابھی اس کے
عمدہ جرنیل سو بورائی اور جہی تو یان اپنے لشکروں کے ساتھ محفوظ عساکر کے طور پر
ابھی انہوں نے جنگ میں حصہ لینا شروع نہ کیا تھا اور دائیں طرف گھاٹ میں کھڑے تھے
جلال الدین کا عرب سالار اپنے میسرہ کے ساتھ چنگیز خان کے مہینہ کو

میں آفاصل ہوا اور اس طرف آیا جہاں خود چنگیز خان جنگ کر رہا تھا۔

خلید جو میسرہ کے ایک محفوظ جرنیل کی حیثیت سے تھا طروب کے ساتھ اپنے سالار
یوہیلو دشمن سے برسر پیکار تھا۔ عرب جرنیل دشمن کے قلب میں گھسنا ہوا اس جگہ جہاں
چنگیز خان تھا۔ میسرہ کے اس عرب سالار نے چنگیز خان پر حملہ کر دیا۔ چنگیز خان
ان چاروں طرف سے امداد کو اس کی حفاظت کر رہے تھے لیکن میسرہ کے مجاہدین
میں اپنی تلواروں پر رکھ لیا تھا۔

عرب جرنیل نے جب چنگیز خان پر اپنی تلوار برساتی تو چنگیز خان ایک طرف
اگر اپنا آپ بچا گیا لیکن عرب سالار کی تلوار اس کے گھوڑے کی پیٹھ پر گری اور ایسے
ہ گری کہ اسے کاٹتی چل گئی۔

چنگیز خان کا گھوڑا گر کر مر گیا۔ جب کہ چنگیز خان ایک طرف بھاگ کھڑا ہوا۔ اس
بر جلال الدین بھی یلغار کرتا ہوا چنگیز خان کے سر پر جا پہنچا تھا۔ لیکن چنگیز خان کی
اچھی تھی جو وہ بھاگ کر اپنے محفوظ لشکروں میں چلا گیا تھا۔

اس موقع پر جب کہ منگولوں میں شکست کے آثار واضح ہونے لگے اور مسلمان اپنی فتح
میں آگے ہی آگے بڑھتے جا رہے تھے خلید نے اچانک اپنے قریب دشمن سے جنگ
ہل طروب کی کرنک چیخ سنائی دی خلید نے جب مرکز دیکھا تو طروب اپنے گھوڑے
پر تھریل زمین پر پڑی تھی اور اس کے جسم سے خون بہہ رہا تھا۔

خلید نے اپنے گھوڑے سے اتر کر اسے دیکھا وہ دم توڑ چکی تھی۔ جنگ اپنے عروج
پر پہنچا ہونے لگا تھا لہذا خلید پھر اپنے گھوڑے پر سوار ہوا اور اپنے سالار کے
نہایت برسر پیکار ہو گیا تھا۔

میں اس وقت جب منگول جنگ سے منہ موڑ کر رزم کاہ سے بھاگنے لگے تھے منگولوں
نظر کیا کاری سے کام لیا اور وہ درے کے محافظ ایک ہزار مسلمان تیر اندازوں کو
اڑکنے لگے۔ منگولوں کو شکست ہو گئی ہے۔ آداب سب مل کر ان کا تعاقب
درے کے محافظوں نے وہی غلطی کی جو جنگ احد کے درے کے محافظوں نے کی

ایک روز مرینہ کے نانا ابی سلوم کی حویلی کے دروازے پر کسی نے دستک دی اور ماموں گھر پر نہ تھا لہذا اس کا نانا لاکھٹی ٹیکتا ہوا گیا اور دروازہ کھولا۔ باہر وہی دھڑلے کھڑے تھے جنہوں نے خلید کو دفن کیا تھا۔

ابی سلوم نے پوچھا: تم کون ہو اور کیا چاہتے ہو؟
ان میں سے ایک نے کہا: ”ہم میدان جنگ سے آئے ہیں اور ہمارے بہن کے لیے امیر خلید کا ایک پیغام ہے۔“

صحرا کے سرفروش

ابی سلوم نے پوچھا: ”جنگ کا کیا ہوا؟“
اس جوان نے کہا: ”ہم مار چکے ہیں۔ ہم یہاں سے کوچ کرنا چاہتے ہیں۔ بہن کو بلائیں تاکہ ہم اسے پیغام پہنچا کر اور سکدوش ہو کر روانہ ہو جائیں۔“
مرینہ بھی ان کی گفتگو سن چکی تھی لہذا وہ ابی سلوم کے بلانے سے قبل ہی ان کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔ ان میں سے ایک نے مرینہ کو مخاطب کر کے کہا: ”اے ہمیں دکھ ہے ہم تمہارے لیے بُری خبر لائے ہیں۔ ہمیں شکست ہوئی ہے اور افیم میں کام آچکے ہیں۔“ اس کے ساتھ ہی وہ دونوں اپنے گھوڑوں پر سوار ہوئے اور سے کوچ کر گئے۔“

مرینہ بچاری گرتے گرتے بھی پہلے وہ سکی پھر دھاڑیں مار مار کر رونے لگی۔ ابی سلوم پریشان اور غمزدہ ہو گیا تھا۔ شام کی سیاہی پھیلنے لگی تھی، ابی سلوم مرے دے کہ اندر لے جا رہا تھا۔ مرینہ بلند آواز میں اور دھاڑیں مار مار کر رو رہی تھی اس کی آنکھوں سے آنسو یوں جاری تھے جیسے بھاؤں میں ندیاں جل جھل ہو گئی

اسلم راہی
ایم۔ اے



رہے تھے۔ اس کے چہرے پر لطافت و سطوت، نزاکت و تمکین، حجاب و عصمت اور پاکیزگی کی گہری چمک دکھائی دیتی تھی۔

گھوڑے پر سوار وہ لڑکی اچانک اپنے دائیں طرف دیکھتے ہوئے ایک بھیاںک چیخ کر ہولی گھوڑے سے گر گئی۔ اس کے ساتھ بیٹھی دوسری خاتون نے گھوڑے کو روک کر بچے اور اس نے اس حسین و جمیل لڑکی کو اپنی گود میں سمیٹتے ہوئے پیار سے پوچھا۔
 "اروٹہ! کیا ہوا میری بیٹی!" وہ معمر خاتون شاید اس لڑکی کی ماں تھی جس کا نام اروٹہ کہہ کر پکارا تھا۔

اس بوڑھے نے بھی جلدے اونٹ کو روک دیا اور اس لڑکی کی طرف بھاگا۔ اس کے ہاتھ لڑکا اس کے ساتھ لڑکی کی طرف گھبراہٹ اور پریشانی میں بھاگا تھا۔ اس نے بھی آکر لڑکی کے سر پر پیار سے ہاتھ رکھتے ہوئے پوچھا "اروٹہ! میری بیٹی! کیا ہوا؟" وہ بوڑھا اس لڑکی کا باپ اور وہ لڑکا اس کا بھائی تھا۔ لڑکی نے ہاتھ کے اشارے سے دائیں جانب اشارہ کرتے ہوئے بوکھلاہٹ اور دہشت زدگی میں کہا۔ "وہ دھڑکیو بابا!" اس بوڑھے نے جب اس طرف دیکھا تو وہ بھی پریشان ہو گیا۔ لڑکی اور بھائی کے چہرے پر بھی خوف برسنے لگا تھا۔

دہاں کسی جوان آدمی کی لاش پڑی تھی اور اس کے جسم پر جبکہ جبکہ خون بہہ کر جم گیا تھا۔ وہ سر کنڈوں کے جھنڈ میں یوں دبکا لیٹا تھا جیسے کسی سے بھاگ کر وہاں آچھپا ہو توڑ گیا ہو۔ لڑکی کے باپ نے آگے بڑھ کر لاش کا جائزہ لیا پھر اس کے دل پر ہاتھ کے بعد اس نے کسی قدر سکون اور اطمینان میں کہا۔

یہ مردہ نہیں زندہ ہے۔ اس کے دل کی حرکت قائم اور سانس چل رہی ہے۔ اپنے ساتھ لے چلیں، اس کی تیمارداری کریں کہ شاید یہ اچھا ہو جائے۔ شاید اس نول نے اس پر حملہ کیا ہوگا اور یہ زخمی حالت میں یہاں آچھپا ہوگا اور بے ہوش ہو جائے گا۔

اس کی بیوی نے فوراً اس کی تائید کرتے ہوئے کہا۔ "ہاں آؤ اسے اپنے ساتھ لے

سورج کی ترچھی کرنیں دم توڑنے کے قریب تھیں۔ آسمان کی امن بدھ نیلا مہوں پر شفق کی سرخی غالب آ رہی تھی۔ زمین وقت اور تقدیر کی دسترس سے گدا سورج کی آخری جھلکیاں دیکھ رہی تھی۔ اپنے آشیانوں کو جلتے صحرائے پندے اپنی آوازوں میں رب ارض و سموات کی حمد کے گیت گاتے جا رہے تھے۔

زیریں سینڈی گال کے جزیرہ نما ناٹجیریا کے مغرب میں وادی الاربعہ کے چار نفوس ایک قریبی بستی القرش کی طرف بڑھ رہے تھے۔ ان کے پاس ایک ایک گھوڑا تھا۔ اونٹ پر انہوں نے جو کاٹ کر لادے ہوئے تھے۔ شاید انہوں نے القرش کے رہنے والے تھے اور اپنی فصل کاٹ کر اپنی بستی کی طرف جا رہے تھے۔

ان چاروں میں ایک گھوڑا تھا جس کے ہاتھ میں چھڑی تھی اور اس اونٹ کی نکیل پکڑ رکھی تھی۔ اس کے ساتھ ساتھ ایک چودہ پندرہ سال کا لڑکا تھا۔ جب کہ گھوڑے پر ایک بوڑھی عورت اور ایک جوان اور نوجوان لڑکی سوار تھیں۔ لڑکی کتاب زندگی کے عمیل و منتقش اوراق کی طرح حسین تھی۔ اس کی جوانی کا ایک اُبلتا سر شہمہ تھی۔ اس کے عارض کی لالہ کاری، اس کی آنکھوں کی تابکاری

روٹہ اور اس کی ماں کھانا تیار کر کے اس کمرے میں لے آئیں اور ابھی وہ کھانا کھانے
 رہی ہیں تھے کہ وہ جوان ہوش میں آگیا اور اپنے قریب بیٹھے اس بوڑھے کی طرف دیکھتے ہوئے

پوچھا "میں کہاں ہوں اور آپ لوگ کون ہیں؟"

بوڑھے نے شفقت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا "میرا نام دیون ہے

ناون میری بیوی سیتاس ہے، یہ میری بیٹی روٹہ اور یہ لڑکا میرا بیٹا جھوک ہے۔ ہم

ہاں ہیں اور یہ ہماری بستی القرش ہے۔ تم اس کے باہر بے ہوش پڑے تھے۔ میں، میری بیوی

اور بیٹا اپنے بچہ کی فصل کاٹ کر گھر لوٹ رہے تھے کہ تم پر ہماری نظر پڑی اور ہم تمہیں اٹھا لے

ے۔ تم ان گزٹ اور گسے میں۔ تم بہت سخت جان ہو جیسے زخم برداشت کر گئے ہو۔

اور ہوتا قلاب تک گزر گیا ہوتا۔ تم فکر مند نہ ہو میں نے تمہارے زخم دھو کر اور ان میں

بھر کر بیٹیاں باندھ دی ہیں۔ تم اپنے متعلق کو تمہارا نام کیا ہے، تم کون ہو اور کس نے

انجی کیا ہے؟"

وہ جوان چند ثانیوں تک خاموش کمرے کے اندر جلّتی شعل کی روشنی میں چھت کی

دیکھتے ہوئے شاید اپنی یادداشتوں کو جمع کرتا رہا پھر اس نے دم خف آواز میں کہا۔

ایا نام ابی مائل ہے۔ میرا تعلق بربر قبیلہ لمطونہ سے ہے اور اب ہم مرا بطون میں شامل

ہے ہیں۔"

بوڑھے دیون نے دل چسپی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ "کیا قبیلہ لمطونہ وہی ہے جس

کا اپنے چہروں پر ڈھانٹا باندھ کر رکھتے ہیں۔"

ابی مائل نے کہا۔ "ہاں وہی قبیلہ لمطونہ ہے۔"

دیون کی لڑکی روٹہ نے دل چسپی ظاہر کرتے ہوئے پوچھا۔ "لیکن اس قبیلے کے مرد

بہروں پر کیوں ڈھانٹا باندھتے ہیں۔"

ابی مائل نے ہلکی ہلکی مگر مایوس مسکراہٹ میں کہا۔ "سنو! میری بہن! ہمارے قبیلے

کے دشمن اکثر چھاپے مارا کرتے تھے اور ہماری غیر موجودگی میں ہماری عورتیں اور

چلیں اس کا علاج کریں کہ شاید بچ جائے۔ پر احتیاط کے ساتھ کہ کسی اور کو خبر نہ ہو اس بار

کہ اگر یہ مر گیا تو ہمیں اس کی مرگ کا ذمہ دار ٹھہرایا جائے گا۔"

اس بوڑھے نے پیچھے ہٹتے ہوئے کہا۔ "تم فکر نہ کرو۔ میں احتیاط برتوں گا۔"

اس بوڑھے نے بھاگ کر اپنے اونٹ کے گھٹنے پر نکمیل کا سرا مار کر اسے بٹھایا پھر اس زخمی

کو اس نے اونٹ پر لے کر سوار کے اندر چھپا دیا۔ لڑکی اور اس کی ماں پہلے کی طرح گھوڑے

سوار ہو گئیں اور وہ دوبارہ اپنی بستی کی طرف روانہ ہو گئے تھے۔

جب وہ بستی میں داخل ہوئے تو سورج کی دھکتی پشیمانی نگاہوں سے اوجھل ہوئے

تھی۔ دن کے پردوں کو چاک کرتی ہوئی شام نائل ہوئی تھی۔ شفق کو آہستہ آہستہ شام

دھندلے ٹپکنے لگے تھے۔ اندھیرے کے بحر میں الیس اور اس کے گماشتے بندی کے بل دودھ

بجانے کی تیاریاں کرنے لگے تھے۔ فضاؤں میں کہر کا دامن بدر رنج پھیلنا اور بھڑنا شروع

کیا تھا۔

ایک مکان کے سامنے اس بوڑھے نے اپنے اونٹ کو روک دیا اور قفل دروازہ

کو کھولا۔ روٹہ اور اس کی ماں بھی گھوڑے سے اتر کھڑی ہوئی تھیں۔ اپنے مکان کے اندر

ہونے کے بعد انہوں نے دروازہ اندر سے بند کر لیا پھر اس بوڑھے نے جلدی جلدی اونٹ

گھٹنے پر نکمیل کی بستی مارتے ہوئے اسے بٹھایا اور اس زخمی جوان کو سوار کے اندر سے نکالتے

اس نے کہا۔ "میں اسے اندر کمرے میں لے جاتا ہوں اور اسے ہوش میں لانے کا جتن کرتا ہوں

تم تین دن بل کر پہلے اونٹ کے اوپر سے سوار آنا۔ اونٹ اور گھوڑے کو چھپتے

کران کے آگے چارہ ڈالو پھر تم دونوں مال بیٹی بل کر کھانا تیار کرو۔"

روٹہ، اس کی ماں اور بھائی نے جو کی گھٹیاں اونٹ سے اتاریں پھر اونٹ اور گھوڑے

کو کھجوروں کے چھپتے باندھ کر انہوں نے انہیں چارہ ڈال دیا پھر روٹہ اور اس کی ماں کھانا

کرنے لگی تھیں جب کہ لڑکا اپنے باپ کی طرف چلا گیا تھا۔

اس بوڑھے احساس کے بیٹے نے اس بے ہوش جوان کے سارے زخم دھو کر

پر بیٹیاں باندھ دیں پھر دونوں باپ بیٹا اسے ہوش میں لانے کی کوشش کرنے لگے تھے۔

قبیلہ والوں نے اپنی عورتوں کو مردانہ لباس پہنا کر کام کاج کے لیے باہر بھیج دیا اور سب بڑے مردوزانہ کپڑے پہن کر اور اپنے چہرے چھپا کر اپنے گھروں میں بیٹھے رہے۔ دشمن اپنے معمول کے مطابق آمد ہوا تو ہمارے جنگجو جوانوں نے انہیں اپنے تماموں پر رکھ لیا اور سب کو تہ تیغ کر دیا۔ اس دن کے بعد کسی کو ہماری غیر ملکی زمین ہمارے گھروں پر چھاپے مارنے کی جرأت نہ ہوئی اور پھر یوں ہوا کہ اس دن سے میرے قبیلہ والوں نے اپنے ہر دھڑے پر ڈھلٹے باندھنے شروع کر دیئے اور اب یہ ایک معتق رستم بن گیا۔ بوٹھے دیوؤں نے ابی مائیل کی گفتگو میں گہری دل چسپی لیتے ہوئے کہا: ہم کہہ رہے تھے اب تم لوگ مرابطوں ہو گئے ہو۔ کیا تم بتاؤ گے یہ مرابطین کون ہیں؟

ابی مائیل نے اپنے ہونٹوں پر زبان پھیری پھر اس نے کنا شروع کیا: سنا کہ عرصہ قبل سینکال میں ایک عرب عبداللہ بن یاسین داخل ہوا۔ وہ ایک عظیم مصلح اور جہاد ہمارے قبیلے کے ساتھ ایک اور قبیلہ ہے جس کا نام جدالہ ہے وہ بھی بربر ہیں۔ دونوں قبیلوں کے درمیان ایک قلعہ نما خانقاہ تھی جس کے اندر نصرانی راہب رہتے تھے جو ان محارک کے اندر نصرانیت کی تبلیغ کرتے تھے۔ یہاں تک قبائل چونکہ زمانہ قدیم سے بت پرست تھے لہذا کسی نے بھی ان راہبوں کی تبلیغ کا اثر نہ لیا۔ بظاہر وہ خانقاہ تھی لیکن وہاں رہنے والے راہبوں، پادریوں اور ان کے کاندوں نے اپنی حفاظت کے لیے اس خانقاہ کو ایک مضبوط اور وسیع قلعے کی شکل دے دی تھی۔

وہ عرب عبداللہ بن یاسین جو بربر زبان کا بھی ماہر تھا اسی خانقاہ میں پہلے داخل ہوا اور خانقاہ میں رہنے والوں کو اس نے اسلام کی تبلیغ دینا شروع کی۔ اس کی زبان اور الفاظ میں ایسی تاثیر ہے کہ سب خانقاہ والے مسلمان ہو گئے پھر عبداللہ بن یاسین نے خانقاہ سے باہر اپنی تبلیغ کا سلسلہ شروع کر دیا۔ جس کے نتیجے میں میرا قبیلہ ملو نہ اللہ قبیلہ حدابہ کے سب لوگوں نے اسلام قبول کر لیا۔ اس کے بعد عبداللہ بن یاسین نے خانقاہ کے اندر فوجوں کو جنگی تربیت کے علاوہ مذہب کی درس و تدریس کا سلسلہ شروع کر دیا۔

بقول عرب ادیب سعید اعراب ابن یاسین کی رباط مینارہ فور تھی۔ زبان اور اخلاق تبلیغ کے لیے جو نماز باجماعت نہ پڑھتا اسے میں کوٹوں کی مرزادی جاتی جس کی ایک رکعت ضائع ہوتی اسے دس کوڑے مارے جاتے۔ سعید اعراب لکھتا ہے ابن یاسین اسلام کا ایک تپا اور مخلص پرکا اور مصلح تھا۔ انہوں نے اپنا لشکر تیار کیا اور جہاد بالسیف بھی شروع کیا۔ لشکریوں کو نماز باجماعت پڑھنے کا حکم تھا۔ جو نماز باجماعت نہ پڑھتا اسے میں کوٹوں کی مرزادی جاتی جس کی ایک رکعت ضائع ہوتی اسے دس کوڑے مارے جاتے۔ سعید اعراب لکھتا ہے ابن یاسین اسلام کا ایک تپا اور مخلص پرکا اور مصلح تھا۔ انہوں نے اپنا لشکر تیار کیا اور جہاد بالسیف بھی شروع کیا۔ لشکریوں کو نماز باجماعت پڑھنے کا حکم تھا۔ جو نماز باجماعت نہ پڑھتا اسے میں کوٹوں کی مرزادی جاتی جس کی ایک رکعت ضائع ہوتی اسے دس کوڑے مارے جاتے۔ سعید اعراب لکھتا ہے ابن یاسین اسلام کا ایک تپا اور مخلص پرکا اور مصلح تھا۔

یہاں سے تین فرسنگ مشرق کی طرف مہر کے اندر قفصہ نام کی ایک سڑک ہے۔

ابی مائیل نے اپنے ہونٹوں پر زبان پھیری پھر اس نے کنا شروع کیا: سنا کہ عرصہ قبل سینکال میں ایک عرب عبداللہ بن یاسین داخل ہوا۔ وہ ایک عظیم مصلح اور جہاد ہمارے قبیلے کے ساتھ ایک اور قبیلہ ہے جس کا نام جدالہ ہے وہ بھی بربر ہیں۔ دونوں قبیلوں کے درمیان ایک قلعہ نما خانقاہ تھی جس کے اندر نصرانی راہب رہتے تھے جو ان محارک کے اندر نصرانیت کی تبلیغ کرتے تھے۔ یہاں تک قبائل چونکہ زمانہ قدیم سے بت پرست تھے لہذا کسی نے بھی ان راہبوں کی تبلیغ کا اثر نہ لیا۔ بظاہر وہ خانقاہ تھی لیکن وہاں رہنے والے راہبوں، پادریوں اور ان کے کاندوں نے اپنی حفاظت کے لیے اس خانقاہ کو ایک مضبوط اور وسیع قلعے کی شکل دے دی تھی۔

وہ عرب عبداللہ بن یاسین جو بربر زبان کا بھی ماہر تھا اسی خانقاہ میں پہلے داخل ہوا اور خانقاہ میں رہنے والوں کو اس نے اسلام کی تبلیغ دینا شروع کی۔ اس کی زبان اور الفاظ میں ایسی تاثیر ہے کہ سب خانقاہ والے مسلمان ہو گئے پھر عبداللہ بن یاسین نے خانقاہ سے باہر اپنی تبلیغ کا سلسلہ شروع کر دیا۔ جس کے نتیجے میں میرا قبیلہ ملو نہ اللہ قبیلہ حدابہ کے سب لوگوں نے اسلام قبول کر لیا۔ اس کے بعد عبداللہ بن یاسین نے خانقاہ کے اندر فوجوں کو جنگی تربیت کے علاوہ مذہب کی درس و تدریس کا سلسلہ شروع کر دیا۔

بقول عرب ادیب سعید اعراب ابن یاسین کی رباط مینارہ فور تھی۔ زبان اور اخلاق تبلیغ کے لیے جو نماز باجماعت نہ پڑھتا اسے میں کوٹوں کی مرزادی جاتی جس کی ایک رکعت ضائع ہوتی اسے دس کوڑے مارے جاتے۔ سعید اعراب لکھتا ہے ابن یاسین اسلام کا ایک تپا اور مخلص پرکا اور مصلح تھا۔ انہوں نے اپنا لشکر تیار کیا اور جہاد بالسیف بھی شروع کیا۔ لشکریوں کو نماز باجماعت پڑھنے کا حکم تھا۔ جو نماز باجماعت نہ پڑھتا اسے میں کوٹوں کی مرزادی جاتی جس کی ایک رکعت ضائع ہوتی اسے دس کوڑے مارے جاتے۔ سعید اعراب لکھتا ہے ابن یاسین اسلام کا ایک تپا اور مخلص پرکا اور مصلح تھا۔

یہاں سے تین فرسنگ مشرق کی طرف مہر کے اندر قفصہ نام کی ایک سڑک ہے۔

کے اندر انفرادی شجاعت میں وہ روشنی کا ایک مینار ہیں وہ ایسے جوان ہیں جو مثال کے دھانے پر بھی کھڑے ہو کر آندھیوں اور طوفانوں سے لڑنے کی ہمت اور کر سکتے ہیں۔

ابی مائیل نے اچانک کہتے کہتے چپ سادھ لی کیوں کہ بوڑھے دیون کے بیرونی یہ پردہ تنگ ہوئی تھی۔ ابی مائیل نے دیون کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ کیا تمہارے آدمی نے باہر سے آنا تھا جو یہ تمہارے دروازے پر دستک ہوئی ہے۔

دیون نے گھبراہٹ میں کہا۔ "نہیں میرے تو کسی بھی آدمی نے باہر سے نہیں ہم لوگ صرف چار ہی افراد ہیں، اس کے علاوہ یہاں کوئی اور نہیں رہتا۔ نہ ہی اس کے اندر ہمارا کوئی رشتہ دار ہے۔"

ابی مائیل نے کہا۔ "تو پھر سنو، ابن دانود کے سپاہی شاید میرا کھوج لگاتے ہوئے آئے ہیں۔ آہ میں کیسا بد قسمت ہوں۔ سنو! میرے بزرگ سنو! واللہ! مجھے اپنی تدمرگ کا کوئی غم و اندیشہ نہیں ہے۔ میں اپنے رب کی راہ میں کام کرتے ہوئے آیا تو میرے لیے ایک سعادت و خوش بختی کی علامت ہوگی لیکن مجھے اس بات کا دکھ کہ میرے ساتھ کہیں وہ آپ لوگوں پر بھی ہاتھ نہ اٹھائیں۔" وہ انتہائی جیس اور دل لوگ ہیں۔

دروازے پر پھر زوردار دستک ہوئی۔ اس بار دیون نے ابی مائیل کی طرف بٹے ہوئے کہا۔ "میرے اجنبی مہمان! مجھے مشورہ دو کہ اس موقع پر مجھے کیا کرنا چاہیے۔"

کسی توقف کے بغیر ابی مائیل نے کہا۔ "وہ بھیڑیے شاید تم دونوں میاں بیوی کو بوڑھا جان کر کچھ نہ کہیں لیکن تمہاری بیٹی اور بیٹے کو یا تو مجھے پناہ دینے کے جرم میں آویں گے یا اپنے ساتھ لے جائیں گے۔ آہ تمہاری بیٹی انتہائی خوب صورت ہے۔ وہ غلیظ بیڑی ہے، وہ سوتلوں کے باڑے کی نگہ لانی کرنے والے ابلیس کے گمشتے اس معصوم کو اپنی لٹکا گاہوں کا نشانہ بنائیں گے۔ تم ایسا کرو اپنے بیٹے اور بیٹی کو اصطبل میں بھیج دو جب پھر یہ اندر داخل ہوں تو یہ دونوں بہن بھائی آؤٹ یا گھوڑے پر سوار ہو کر گھر سے باہر

آج شام سے پہلے پہلے ہم سب کو اس سرائے میں پہنچنا تھا کیوں کہ شام تک امیر سنعار بن ہمارے لئے بھی وہاں اسی سرائے میں پہنچنا تھا اس کے بعد ہم سب نے اٹھ کر اپنی رباط کی طرف واپس جانا تھا۔"

ابی مائیل نے ایک دو بھری آہ بھرتے ہوئے کہا۔ "ہائے حیف! میں یہاں زخمی اور مجبور پڑا ہوا ہوں۔ امیر سنعار سرائے میں پہنچ چکے ہوں گے۔ وہ مجھے اور میرے مرنے والے ساتھیوں کو سرائے میں نہ دیکھ کر پریشان ہوں گے۔"

بوڑھے دیون نے پھر پوچھا۔ "اگر تمہارے امیر سنعار بن عیرام کو جو قبیلہ حدابہ کے سردار بھی ہیں تمہارے ساتھیوں کے قتل کی خبر ہو گئی تو کیا وہ تمہیں تلاش کرنے نہ آئیں گے؟ ابی مائیل نے کہا۔ "وہ ضرور ہمیں تلاش کرنے اس طرف آئیں گے۔"

دیون نے کہا۔ "کہیں ایسا تو نہیں کہ وادی سلجما سردار کے حاکم ابن دانود ان پر بھی سختی کی ہو۔"

ابی مائیل نے کہا۔ "ایسا ممکن نہیں، تم جانتے ہو، بربروں کے صحرائی اصول پر کسی قبیلے کے سردار پر ہاتھ نہیں ڈالا جاتا اور سب جانتے ہیں کہ امیر سنعار بن عیرام تبا حدابہ کے سردار ہیں۔"

دیون نے دل چسپی لیتے ہوئے کہا۔ "کیا تمہارے امیر سنعار بن عیرام بڑی بڑی اور بوڑھے ہیں۔"

زخموں میں اٹھتی ٹیپوں کے باعث ابی مائیل بے بڑی تکلیف کا اظہار کرتے ہوئے بڑے اعتماد و اشتیاق میں کہا۔

"نہیں امیر سنعار ابھی نوجوان ہیں۔ دو سال ہوئے اپنے باپ کی موت پر اپنے قبیلے کے سردار بنے ہیں۔ وہ کوہستانی پتھروں کی طرح مضبوط اور سنگی نوجوان کی طرح تناور ہیں۔ انہوں نے وہ بھنگے فافلوں کے ناخدا ہیں اور دشمن کو ہنکار جانے کی طرح اس کا شکار کرنے کا فن وہ خوب جانتے ہیں۔ جب وہ کسی پر حملہ آور ہوتے ہیں سوختہ جان موت، تقدیر کا نوشتہ بن کر بیا بانوں کے وحشیوں کی طرح اس پر چا جاتے ہیں۔"

ہم اس کے خون کے نشانات دیکھتے ہوئے یہاں سے تھوڑی دوسرے کٹوں کے
بندھے پاس پہنچے تھے، وہاں سے کچھ انسانی، گھوڑے اور اڈنٹ کے پاؤں کے نشانات
کی طرف آئے ہیں۔

ان چھ میں سے دو نے جلتی ہوئی شعلیں اٹھا رکھی تھیں اور وہ اپنی شعلیں اونچی اونچی
ذیوں کے گھر کا جائزہ لینے لگے تھے۔

ذیوں نے کہا۔ "میں جھوٹ نہ بولوں گا۔ میں ان سرکٹوں کے جھنڈے سے ایک
ان کو لایا ہوں۔ وہ ایک مسلمان مبلغ ہے۔ میں مطمئن ہوں کہ میں نے اس کی خدمت
بات کی ہے بسنا اتم میرے ساتھ جو چاہے سلوک کرو لیکن میرا ضمیر مطمئن ہے کہ میں نے
جی کی خدمت کی ہے۔ پھر وہ مسلمان ہے، ہماری طرح اہل کتاب ہے اور ہماری طرح
جی نڈے واحد پر ایمان ہے۔"

ان میں سے ایک ذیوں کی اس گفتگو پر ایسا برہم ہوا کہ اس نے اپنی تلوار مار کر ذیوں
کاٹ دی اور طنز اگما۔ اس صحرا کے اندر جو مسلمان کو پناہ دے اس کا انجام ایسا ہی ہونا چاہیے
ذیوں کی لاش کو گھسیٹتے ہوئے آگے بڑھ گئے جب وہ مکان کے اندر چلے گئے تو روطہ اور
دونوں بہن بھائی روتے ہوئے اپنے اڈنٹ کو لے کر گھر سے باہر نکل گئے تھے۔

ان دشمنوں نے ذیوں کی لاش کو برآمدے میں ہی چھوڑ دیا۔ پھر وہ اس کمرے میں
بہنے جس کے اندر روشنی ہو رہی تھی۔ انہوں نے دیکھا وہاں ایک سری پرانی مائیل لیٹا
والد دوسری سری پر ذیوں کی بیوی سیتاں بیٹھی ہوئی تھی جب کہ ان کے قریب ہی
ایک مٹیالے رنگ کی چاند پر کھانے کے برتن رکھے ہوئے تھے۔

ان چھ میں سے ایک نے اپنی مائیل کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "تم نے دیکھا تم ہمارے
مٹنگ کر بھاگ نہ سکے۔ اگر تم سچے ہوتے تو تمہارا وہ واحد خدا جس کی تم لوگ تبلیغ کرتے ہو
خود ہمارے ہاتھ سے بچا لیتا۔"

ایلی مائیل نے جرات مندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔ "موت تو میرے رب کے
سائے میں جس کے سامنے ہر انسان عاجز و مجبور ہے۔"

نکل جائیں اور ففصہ نام کی اس سرائے میں چلے جائیں جس کے اندر اس وقت امیر
بن عیرام ٹھہرے ہوں گے۔ انہیں جا کر یہ سارے حالات سنائیں گے۔ اس طرح
نہیں تو تم دونوں میاں بیوی کی جان ضرور بچ جائے گی کیوں کہ مجھے تو وہ اندازتے ہی
دیں گے۔ اور رات چونکہ گری ہو گئی ہے۔ لہذا رات کا بقیہ حصہ وہ یہیں بسر کریں
شاید اس گھر میں تم دونوں کو کیلا دیکھ کر اور اپنی کھانے پینے کی ضروریات پورا
کے لیے شاید تم دونوں کو قتل نہ کریں۔ پر جلدی کرو، ورنہ وہ مددوازہ تو کر
جائیں گے۔"

ذیوں اٹھ کھڑا ہوا اور اپنی بیٹی اور بیٹے کی طرف دیکھتے ہوئے اس
"روٹہ احنوک اتم دونوں بہن بھائی میرے ساتھ آؤ۔ جلدی کرو میرے بچو
اس گھر میں کوئی بھی نہ بچے گا۔"

روٹہ اور حفوک دونوں بہن بھائی اپنے باپ کے ساتھ ہو لیے۔ کمرے
باہر نکل کر ذیوں نے اپنی بیٹی اور بیٹے سے کہا۔ "اب تم دونوں بھاگ کر اما
طرف چلے جاؤ اور جب میں مددوازہ کھولوں اور وہ دستک دینے والے
تو تم دونوں بہن بھائی اڈنٹ پر بیٹھ کر یہاں سے بھاگ جانا، گھوڑے پر نہ
اس کے بھاگنے سے اس کی ٹاپوں کی آواز رات کے وقت دوسرے دور تک سنائی
اڈنٹ پر بیٹھنا اور تم دونوں بہن بھائی جانتے ہو کہ ہمارا اڈنٹ خوب توانا ہے اور
میں تیز ہے۔ روطہ! روطہ! میری بیٹی! احنوک چھوٹا ہے اس کا خیال رکھو
دروازے پر پھر زوردار دستک ہوئی۔ روطہ نے روتی ہوئی آواز پر
"حفوک میرا عزیز بھائی ہے بابا! آپ بے فکر رہیں، میں آپ کو مایوس نہ
گی۔" پھر روطہ حفوک کا ہاتھ پکڑتے ہوئے اسے اپنے ساتھ لے کر اصرار
بھاگ گئی تھی۔

ذیوں نے آگے بڑھ کر صدر دروازہ کھولا۔ اس نے دیکھا چھ
گھر میں داخل ہوئے تھے۔ ان میں سے ایک نے پوچھا۔ "کیا اس گھر میں کوئی

روط بچاری روڑنے والی تھی۔ اس بچاری کو بڑی طرح اپنے مرنے والا عزیز باپ یاد رہا۔ اس نے سنبھلتے ہوئے کہا: ”ہم دونوں بہن بھائی ہیں۔ ہم سرائے میں قیام نہیں کرنا چاہتے۔ ہم سرائے میں قبیلہ حجاب کے سردار سنعار بن عیرام ٹھہرے ہوئے ہیں تو امن نہیں ملے گا۔ ہمارے پاس ان کے لیے ایک بہت ضروری اور اہم پیغام ہے۔ اگر وہ یہاں آئے تو ہم بھی ہمیں بتائیں کہ ہم ان کے قبیلے یا ان کی رباط کا رخ کریں۔“

اس شخص نے کہا: ”تم دونوں بہن بھائی اندر آ جاؤ۔ قبیلہ حجاب کے سردار سنعار سرائے میں موجود ہیں۔“

روٹ نے کہا: ”ہم دونوں بہن بھائی سرائے کے اندر نہ آئیں گے۔ ہم امیر سنعار کو باہر دیکھو دیر نہ کرو، ہمیں ان سے انتہائی اہم کام ہے۔“

وہ شخص کچھ کہے بغیر مڑا اور سرائے کے اندر چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ شخص مگر لوٹا تو دیکھا کہ وہ شخص اب بھی اسی جگہ پر تھا۔

روٹ نے دیکھا کہ وہ جوان بوڑھ کی طرح دراز قامت اور خوب بھرے ہوئے جسم کا تھا۔ ٹوک کے قریب آکر وہ رکا پھر اس نے بڑی ہمدردی کا اظہار کرتے ہوئے کہا: ”بر حجاب کا سردار سنعار بن عیرام ہوں۔ تم دونوں بہن بھائی مجھ سے کیوں ملنا چاہتے ہو؟ ایک بار غور سے سنعار کی طرف دیکھا اور اس کے سراپا کا جائزہ لیا۔ اس نے مجھ سے پوچھا کہ تم سادگی اور متانت تھی اور اس کی نگاہوں کے تحت جس کے پس منظر میں اسیدب کی درختیں تھیں۔ پھر روٹ نے اپنے آپ کو سنبھالتے ہوئے کہا: ”میرا نام روط ہے اور یہ میرا چھوٹا بھائی جنوک ہے۔“ اس کے بعد روٹ نے اپنی

گواہی میں ابی مائل کے زخمی حالت میں ملنے، اسے اپنے گھر لے جانے، اس کی دیکھ بھال کرنے، اس کی موت کے سارے حالات تفصیل سے امیر سنعار بن عیرام کو سنا دئے۔ یہ خاموش ہوئی اور اس نے امیر سنعار کی طرف دیکھا تو اسے یوں لگا گویا وہ حالات سننے والے کے جسم میں آگ سی لگ گئی ہو۔

اس کے اعزاز و اعراض سے بے نیاز چہرے پر جہاں تھوڑی دیر قبل صرف سادگی

ان میں سے ایک تلوار سونت کر ابی مائل کی طرف بڑھا۔ دیوول کی بیوی سیتاس ابی مائل کو بچانا چاہا لیکن ان وڈیوں نے ابی مائل کے ساتھ سیتاس کو بھی موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔

اس کے بعد انمول نے پورے گھر کی تلاشی لی۔ جب انہیں گھر میں کوئی اور فرد نہ ملا تو وہ دوبارہ اس کمرے میں آئے پھر ان میں سے ایک نے جو شاید ان کا سرخیل ہو گا، کہا: ”یہ تینوں مل کر کھانا کھانے والے تھے کہ ہم نے دروازے پر دستک دے دی۔“ اور پہلے کی رات آرام سے یہیں بسر کریں گے اور صبح یہیں سے کچھ کھانے کی پروانہ ہو جائیں گے۔“

پھر وہ سب فرشتے پر پچھی اس چادر پر بیٹھ گئے اور کھانا کھا لے گئے۔ ان کے قریب آئے اور سیتاس کی لاشیں خون میں لت پٹ پڑی ہوئی تھیں۔



شیطان کی طرح سیاہ رات اپنے انچل میں شبیر گرم سکون، زندگی کا رسیلا کو بنا کر دروازہ کمر کی پھیلی دھند کی طرح بھاگتی جا رہی تھی۔ آسمان پر کھربے بن چڑھ چڑھ اور خاموش تھے اور زمین پر سیاہ پوش رات کے اندر قدرت کے عناصر اپنے تہہ نحر ہی کاموں میں مصروف عمل تھے۔

صحرا کے اندر روط اپنے چھوٹے بھائی جنوک کو اپنے پیچھے بٹھائے اونٹ کو تیزی سے بھگاتی رہی یہاں تک کہ وہ ایک صحرائی بستی کے سامنے جہاں ایک شاہراہ شترخوار آ جاؤ۔ قفسہ نام کی سرائے کے سامنے رُک گئے۔ اونٹ کو روط نے روک دیا اور اسے بٹھا دیا۔ بجائے وہ اس کی گردن سے لپٹ کر نیچے اتری پھر جنوک کو بھی سہارا دے کہ اس نے اتار لیا پھر وہ آگے بڑھی اور سرائے کے بند دروازے پر اس نے دستک دی۔

تھوڑی دیر بعد ایک مگر شخص نے دروازہ کھولا۔ اپنے سامنے کھڑے روط نے کو غور سے دیکھا پھر اس نے پوچھا: ”کیا تم دونوں مسافر ہو اور سرائے میں قیام کرنا چاہو؟“ تم دونوں اپنی شکل و شبہات سے بہن بھائی لگتے ہو، تمہارے چہرے جلتے ہیں، دونوں خوفزدہ اور غمگین ہو، کہو کیا بات ہے؟“

سنار نے اپنے اونٹ کی نکیلیں چھوڑتے ہوئے کہا۔ ”تو پھر تم دونوں اپنے اونٹ پر یہاں سے کوچ کریں۔“ سنار نے اپنے جنوک کو اٹھا کر اس کے اونٹ پر اس نے اپنے دونوں ہاتھ اپنے سامنے پھیلاتے ہوئے روطہ سے کہا۔ ”تم اپنی پاؤں میرے ہاتھوں پر رکھو اور اونٹ پر بیٹھ جاؤ۔“

روطہ بچکا چلائی، سنار نے کہا۔ ”دیکھئے پیش و پنج میں پڑ کر وقت ضائع نہ ہوں۔ جلد اپنے اونٹ پر بیٹھو اور یہاں سے کوچ کریں۔“

روطہ نے ہمت کر کے سنار کے دونوں ہاتھوں کی پتھیلیوں پر کھڑی ہو گئی اور اسے اٹھا کر اونٹ پر بیٹھا دیا پھر سنار بھی ایک زقند لگا کر گردن کی طرف سے لے کر سوار ہو گیا۔ اس معمر شخص نے سرے کا دروازہ بند کیا جب کہ سنار اور اپنے اونٹوں کو ایڑ لگا کر سر پٹ دھنسا دیا تھا۔ ان کا رخ اب مغرب میں القرش ان تھا۔



مرا اور دیوانے سنسان تھے سنگین رات کے گہرے اندھیرے اپنی آخری حدود تھے، سحر طلوع ہونے کے قریب تھی۔ پچھلے پہر کے چاند کی روشنی تاریکیوں کے اندھا جنگ میں مصروف تھی۔ روطہ اور جنوک کے ساتھ سنار القرش میں اپنے گھر کے سامنے اپنے اونٹ کو روکتے ہوئے روطہ نے سنار سے کہا۔ اے امیر!

سنار نے کہا۔ ”میرا دل کتا ہے، وہ قابل ابھی تک نہیں ہمارے گھر میں ہوں گے۔ میرا دل کتا ہے وہ رات دیں بسر کریں گے ہمارے گھر میں سے کچھ نہ کہیں اور رات وہاں بسر کر کے صبح ہوتے ہی وہ ابی ہائے کہ واپس لوٹ جائیں۔“

اونٹان تھی وہاں اب وقت کی آمد حیاں، بگولوں کے اندر اونٹ کی ریت کا سلطان کی ٹوپی، سیلاب کے ریلے میسی سختی اور محروم جیسی گدائی و گیارائی اثر آتی تھی۔ اس کی بگولوں کا گہوارہ بن گئی تھیں اور وہاں اب طوفان کو بٹیں لے رہے تھے۔

امیر سنار خاموش کھڑا رہا اور روطہ اور جنوک اس کی طرف دیکھتے رہے۔ وہاں سے کسی نصیحت اور رد عمل کے منتظر تھے لیکن اس کا چہرہ ابھی تک ایسا ہی تھا جیسے وہ اپنی زمین میں کالی آنکھوں کے اندر سرخ شعلوں کا قص شروع ہو گیا ہو لیکن جلد ہی سنار اپنی دھات کی غصیلی آواز میں کہا۔ ”تم دونوں بہن بھائی یہیں رکو! میں ابھی آہوں۔“

روطہ اور جنوک دونوں بہن بھائی سرانے کے دروازے پر کھڑے ہو کر پھر لگے لیکن یہ انتظار بالکل غفیر تھا کیونکہ جلد ہی سنار وہاں آ گیا تھا۔ وہ اب پوری مسیح مٹھا اور اس نے اپنے اونٹ کی نکیلیں پکڑ رکھی تھی۔ روطہ نے بھی سنار کرتے ہوئے کہا۔

”اے امیر! وادی سلجما سر اور وادی درعہ کے حاکم ابن دانوں کے ہاں تک ہمارے گھر میں ہوں گے۔ میرا دل کتا ہے وہ رات دیں بسر کریں گے ہمارے گھر میں سے کچھ نہ کہیں اور رات وہاں بسر کر کے صبح ہوتے ہی وہ ابی ہائے کہ واپس لوٹ جائیں۔“

سنار نے کہا۔ ”میرا دل کتا ہے، وہ قابل ابھی تک نہیں ہمارے گھر میں ہوں گے۔ میرا دل کتا ہے وہ رات دیں بسر کریں گے ہمارے گھر میں سے کچھ نہ کہیں اور رات وہاں بسر کر کے صبح ہوتے ہی وہ ابی ہائے کہ واپس لوٹ جائیں۔“

روطہ نے حجام اور پر عزم جوئن کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ اے امیر! پریشانی اور تھکاوٹ کا خیال نہ کریں۔ ہم دونوں بہن بھائی آپ کا ساتھ دیں گے۔

پھر سنعار نے روطہ سے سرگوشی کرتے ہوئے کہا۔
 سنعار دروازے سے ہٹ کر دیوار کے ساتھ لگا کھڑا تھا۔

جب کوئی دروازہ کھولے اور آواز دے کہ پچھے حوتم بولنا اور کنا میں
 کی بیٹی روطہ ہوں میرے ساتھ میرا بھائی جھونک ہے۔ ہم دونوں ساتھ والی بستی میں اپنے
 کے ہاں گئے ہوئے تھے اور اب وہاں سے لوٹے ہیں۔

روطہ نے احتیاطاً پوچھا۔ اگر وہ مجھ سے یہ پوچھ پڑیں کہ تم دونوں رات کے
 ماموں کے ہاں سے کیوں نکلے پھر میں کیا جواب دوں گی؟

سنعار نے کہا۔ وہ ہرگز نہ پوچھیں گے۔ وہ خوش ہوں گے کہ رات کے
 ایک لڑکی کی رفاقت مل رہی ہے۔ وہ فوراً دروازہ کھول دیں گے۔ پھر میں ان سے نہرا
 اگر وہ پوچھیں بھی تو کہہ دینا کہ میرے ماموں کی بستی پر صحرائی ڈاکوؤں نے حملہ کر دیا
 لیے ہم دونوں بہن بھائی وہاں سے بھاگ آئے ہیں۔

سنعار فوراً کہتے کہتے خاموش ہو گیا کیوں کہ مکان کے صحن میں کسی کے دہرا
 آواز سنائی دی تھی۔ سنعار نے اندازہ لگایا کہ قدموں کی چاپ دواڑھوں کی تھی۔ پھر
 کے قریب ہی کسی کی آواز سنائی دی۔ تم لوگ کون ہو اور رات کے وقت اس مکان کے
 پر کیوں دستک دی ہے؟

سنعار نے روطہ کو جواب دینے کا اشارہ کیا۔ روطہ نے اچھی ہمت کو
 ہوئے کہا۔ پہلے تم بتاؤ تم کون ہو؟

اندر سے پھر آواز آئی۔ ہم اس گھر کے مہمان ہیں۔
 روطہ نے کہا۔ دروازہ کھولو، میں اس گھر کے مالک دیوں کی بیٹی روطہ
 میرے ساتھ میرا گیارہ سالہ بھائی جھونک ہے۔ ہم ساتھ والی بستی میں اپنے ماموں کے
 ہوئے تھے وہاں سے لوٹ کر آ رہے ہیں۔

وہ دونوں جو دروازہ کھولنے آئے تھے شاید چاند کی روشنی میں دروازے
 روزوں سے باہر بھاگنے لگے تھے۔ پھر وہ مٹیں ہو کر دروازے کی زنجیر کھلے
 تھے۔ کیوں کہ دروازے کی روزن میں سے سائے انہیں روطہ اور کنا ہی نظر آئے۔

صحن کے اندر مرنے والوں کی جب جھنجھیں بلند ہوئیں تو اندر سوتے ہوئے چاروں
 بال کر باہر آئے۔ روطہ کے ہمسایوں نے ایک بار دیواروں سے جھانکا لیکن انہوں
 نہ دیکھا کہ وہاں تلواریں چل رہی ہیں تو وہ خاموشی سے اپنے گھروں میں دُکب گئے کسی
 مد کرنے کی کوشش نہ کی تھی۔

چاروں اپنی تلواریں سوتے اور بھل گئے ہوئے باہر آئے تو ان میں سے ایک نے
 اس کے طرح غراتے ہوئے سنعار سے پوچھا۔ تم کون ہو اور کیوں تم نے ہمارے
 ماقبیل کو قتل کیا ہے۔ کیا تم نے یہ نہیں جانا کہ ہم ان وادیوں کے حاکم ابن
 کے پاس ہیں اور اسے جب خبر ہوگی کہ اس القرش نام کی بستی میں اس کے دو سپاہی
 بے گئے ہیں تو وہ اس پودی بستی کے مکینوں کو تہ تیغ کرنے کا حکم دے دیگا۔

سنعار نے اپنی تلوار کھڑے ہوئے کہا۔ تم چاروں کی موت تو اس گھر کے صحن
 باہر ہی ہے پھر کون تمہاری مرگ کی اطلاع ابن دانوں کو کرے گا اور سنو! اب
 لے کے اندر ابن دانوں کے دن بھی گئے جا چکے ہیں اور عنقریب ہماری تلواریں قضا
 کے سر پر بھی گریں گی۔

وہاں ہی جواب میں کچھ کہنا چاہتے تھے کہ سنعار نے آگے بڑھ کر ان پر حملہ کر دیا۔ وہ
 بڑھ کر ان پر ٹوٹا تھا گویا موت کی وادی میں کُن فیکسوں کے سایوں میں مرگ
 ہونے لگا ہو۔ سنعار عجیب طرح سے ہم گفت و ہم عنان ہو کر حملہ آور ہوا،
 تلوار چھٹی جھانی اور شور قیامت کی طرح ان چاروں کو نفرت اور بدی کی قوت

مل گیا تھا۔ کاش میں اپنے ان چھ ساتھیوں کی جان بچا سکتا، کاش میں ابی مائل پاسکتا۔

اپنے اونٹ کا گھٹنا کھولنے کے بعد سنعار نے روطہ کے اونٹ کا گھٹنا کھولا۔ پھر روطہ کی طرف دیکھتے ہوئے انتہائی ہمدردی میں پہلی بار اس کا نام لے کر اسے مخاطب کرنے لگا۔ ”روٹھ! روطہ! مجھے تمہارے ماں باپ کے مرنے کا انتہائی افسوس ہے۔ اب بروقت پہنچ کر ابی مائل کے ساتھ آن کو بھی بچا سکتا، پر خدا کو ایسا ہی منظور تھا۔ پندتاہوں تک خاموش رہنے کے بعد دوبارہ بولا۔ ”کیا تمہارا کوئی رشتہ دار ہے جہاں دونوں بہن بھائیوں کو پہنچا دوں یا تم دونوں میرے ساتھ جانا پسند کرو گے۔“

روٹھ نے کہا۔ ”اگر ہم دونوں بہن بھائی آپ پر بوجھ نہ ہوں تو قسم مجھے اسراہل کے میں آپ کے ساتھ رہنے پر فخر محسوس کر دوں گی۔“

سنعار نے کہا ”روٹھ! روطہ! میرے گھر میں رہتے ہوئے تمہیں کچھ دشواریوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔ میرے ماں باپ مر چکے ہیں۔ میرا کوئی بھائی بہن نہیں۔ حویلی کے اندر میں ایک بوڑھی ملازمہ رہتے ہیں، وہ مجھے اپنی ماں کی طرح عزیز ہے اور وہ مجھے اپنا بیٹا سمجھتی ہے۔ وہ میرے دادا کے وقت سے جب کہ وہ ابھی بچی تھی ہماری حویلی میں کام کرتی آئی ہے۔ وہ بوڑھی ہے زیادہ کام نہیں کر سکتی۔ اس لیے گھر کے اکثر کام تمہیں خود ہی کرنا پڑیں گے۔“

روٹھ نے کہا۔ ”آپ بے فکر رہیں، میں کام کرتے ہوئے اپنی ذات پر فخر محسوس کرتی ہوں۔“

سنعار نے کوئی جواب نہ دیا۔ سورج چونکہ طلوع ہونے والا تھا لہذا وہ اپنے اونٹوں کے ساتھ اور وہاں سے کوچ کر گئے تھے۔



سپر کے قریب سنعار روطہ اور روتھ کے ساتھ سینید گال کے ایک بلند کوہستانی کے پاس جا پہنچے جس کے حامن میں دور دور تک بستیاں آباد تھیں۔ حدنگاہ تک

جان کر کاٹنے لگا تھا۔ اپنے پہلے ہی حملے میں اس نے دو کو کاٹ دیا اور دوسرے کو زخمی بھی صرف تھوڑی دیر ہی اس کا مقابلہ کرنے کے بعد اس کی تلوار کا شکار ہو گئے تھے۔ روطہ اور روتھ بھاگ کر کمرے میں داخل ہوئے لیکن اس کمرے میں داخل ہونے ہی وہ چونک کر رہ گئے۔ کمرے میں جگہ جگہ کھانے کے خالی برتن بکھرے پڑے تھے اور کونے میں خون میں لت پت دیسوں، سیتاس اور ابی مائل کی لاشیں پڑی تھیں۔ شاید دیسوں کی لاش کو بھی برآمدے سے گھسیٹ کر اندر لے گئے تھے۔ روطہ اور روتھ دونوں اپنی ماں اور باپ کی لاشوں سے لپٹ لپٹ کر رونے لگے تھے۔

تھوڑی دیر تک سنعار بھی کمرے میں داخل ہوا۔ ابی مائل کے علاوہ روتھ اور سیتاس کی لاشوں کو دیکھ کر وہ ٹھٹھک کر رہ گیا۔ چند ثانیوں تک غم و اندھینہ سر جھکائے خاموش کھڑا رہا۔ پھر وہ آگے بڑھا اور تسلی دے کر روتھ کو وہاں سے اٹھانے کے لیے کہنے پر روتھ سنبھل گیا اور اپنی آنکھیں اس نے خشک کر لیں پھر سنعار نے اسے کہا۔ ”اب اپنی بہن کو چپ کرادو۔ سنو روتھ! اس سب میں بہاؤ زیادہ دیکھنا خطرات کا پیش خیمہ ہے۔ بہتر ہے ہم جتنی جلدی ممکن ہو ان تینوں لاشوں کو جیل کے میں دفن کر کے یہاں سے کوچ کر جائیں۔“

روٹھ بچاری سنعار کے گفتگو سن کر خود بھی سنبھل کر اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ تینوں نے لاشوں کو صحن کے اندر دفن کر دیا۔ پھر روطہ نے اپنے گھر کا قیمتی اثاثہ زیورات نکال لیے اور مکان سے باہر وہ اپنے اونٹوں کے پاس آئے۔

سنعار صبح وقت اپنے اونٹ کی نکیلیں کھول رہا تھا تو روطہ نے پوچھا۔ ”امیر! ایک بات میں آپ سے پوچھنا چاہتی تھی لیکن سرائے سے باہر جلدی کی وہ میں پوچھ نہ سکی۔ جب سرائے میں آپ کے ساتھ آپ کے ادا ساتھی بھی تھے پھر تنہا اپنے آپ کو خطرے میں ڈالتے ہوئے ادھر کا رخ کیوں کیا۔“

سنعار نے کہا۔ ”سرائے میں میرے ساتھ کوئی بھی نہ تھا۔ میں اکیلا تھا۔ ساتھیوں کو میں نے واپس بھیج دیا تھا اور خود میں ابی مائل اور اس کے ساتھیوں کے

نام قبول کیا۔ اب مرابطین کے امیر ابو بکر بن عمر اور نائب امیر یوسف بن تاشفین ہیں۔ بیت الان دونوں کے نائب کی سی ہے لیکن اب اس کے باوجود امارت کے اصل اختیارات اللہ بن یاسین کے پاس ہی ہیں کیونکہ ہم لوگ کوئی بھی کام ان کی اجازت اور صلاح کے بغیر نہیں کرتے۔

اتنے میں ایک جوان بھاگتا ہوا آیا۔ پہلے اس نے سنعار کو سلام کیا پھر مذی کنارے دونوں اونٹوں کو پکڑ کر وہ کوہستان کی طرف چلتے ریوڑ کی طرف لے گیا تھا۔ سنعار کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”اس جوان کا نام یقطان ہے۔ یہ اور اس کا چھوٹا بھائی قادس میرے ریوڑ کی دیکھ بھال کرتے ہیں۔ میرے ریوڑ میں اس وقت دس ہزار سے کچھ زائد کبیریاں، دو ہزار سے زیادہ گھوڑے، ہزار اونٹ ہیں۔ ان دونوں بھائیوں کے گھرانے خاندان کے سب افراد کے اخراجات یوں کے دودھ سے پورے ہوتے ہیں۔ قبیلے کے وہ سارے نادار و مسکین لوگ جن پر آمدنی نہیں انہیں میرے ریوڑ کا دودھ مفت مہیا کیا جاتا ہے۔ میری ضرورت پر گھیرے دونوں بھائی پہنچا دیتے ہیں۔“

میرے قبیلے کے بیس گھرانے میرے باغات اور زمینوں کے نگراں ہیں۔ ان سے ہوتا ہے ان کے چھ حصے کیے جاتے ہیں۔ ایک حصہ میرا، دو حصے ان میں خاندانوں دو حصے قبیلے کے مسکینوں کے اور ایک حصہ مہربان کے اخراجات پورے کرنے کے لیا جاتا ہے۔ ابو بکر بن عمر اور یوسف بن تاشفین کے باغات، زمین اور ریوڑ انہیں زیادہ ہیں۔ انہوں نے اپنی ان املاک کی آمدنی میری ہی طرح تقسیم کر رکھی۔ اراکے اس حصے میں ایسی اسلامی مساوات اور انصاف ہے کہ یہاں کوئی شخص مل جاتا۔ سب لوگ ایک دوسرے کا کام مل جاتا ہے۔ زیادہ تر ذرائع بڑے باغات اور کھیتی باڑی ہیں۔ اب تم دونوں بہن بھائی میرے ساتھ آؤ۔ میں تم کو دکھاتا ہوں۔“ روطہ اور حنوک چپ چاپ اس کے ساتھ ہوئے۔ سنعار مذی کے بائیں طرف دکھائی دیتی بستی کی طرف روانہ ہو گیا تھا۔

بے بھرے کھیت پھیلے ہوئے تھے اور کوہستانی سلسلے سے چٹھوں کا پانی چھوٹی سی ایک مذی شکل اختیار کرتا ہوا باغات اور کھیتوں کو سیراب کرنے کے بعد اس حصے کی طرف چلا گیا تھا۔ ماں سے محراب شروع ہوتا تھا۔ مذی کے کنارے بے شمار ریوڑ اپنی پیاس بجھا رہے تھے۔ سنعار کے ساتھ روطہ جب اس مذی کے کنارے پہنچی تو اس نے دیکھا اس مذی کے کنارے ان گنت کونٹیں کھدے ہوئے تھے جن کے اندر مذی کا پانی بھرتا تھا اور پھر اونٹ جوت کر انہیں اونٹوں سے باغات اور کھیتوں کو سیراب کیا جاتا تھا۔ سنعار کو دیکھتے ہی کونٹوں پر کام کرنے والے کسان اور ریوڑ چرانے والے چرواہے وہاں جمع ہو گئے اور سنعار کو سلام کرتے لگے۔

سنعار اپنے اونٹ سے اتر اور اسے مذی سے پانی پینے کے لیے کھلا چھوڑ دیا۔ روطہ حنوک بھی اتر گئے اور ان کا اونٹ بھی پانی پینے لگا۔ سنعار نے روطہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا: ”اس طرف جتنی بشتیاں، باغات اور کھیت ہیں یہ سب میرے قبیلہ حلابہ کے ہیں۔ سنعار اس پار جو بشتیاں، باغات اور کھیت ہیں وہ قبیلہ لوطونہ کے ہیں۔“

قبیلہ لوطونہ کا سردار ابو بکر بن عمر اور نائب سردار یوسف بن تاشفین ہے۔ دوا ہی انتہائی نیک دل، صالح، ہزرت مناد و شجاع انسان ہیں۔ لوگ ان دونوں کا احترام کرتے ہیں۔ دونوں عم نہ بھائی ہیں لیکن ان کا آپس کا پیار سگے بھائیوں سے بھی بڑھ کر ہے۔ ان دونوں کے تعلقات میرے ساتھ بھی سگے بھائیوں جیسے ہیں۔ دونوں قبائل کے درمیان میں رشتہ داریاں ہیں۔ لہذا ایک دوسرے کے ہاں خوب آنا جاتا ہے۔ دونوں قبائل کے لوگ مسلمان ہیں۔ یوسف بن تاشفین کی ابھی شادی نہیں ہوئی تاہم ابو بکر بن عمر شادی شدہ ہے۔ پہلے ہی برس اس کی شادی ہوئی اس کی بیوی زینب کا تعلق میرے ہی قبیلے سے ہے۔ سنعار دربار کا پھر مذی کے اس پار اس نے ایک بہت بڑے خانقاہ نما قلعے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ”یہی وہ رابطہ ہے جس کی وجہ سے اب یہ دونوں قبیلے مرابطین ہیں۔ اب ہم نے لوطونہ اور حلابہ کی حیثیت سے اپنی پہچان ختم کر دی ہے۔ اسی بنا پر اندر عبداللہ بن یاسین رہے ہیں۔ وہ عرب ہیں لیکن بربری زبان اور ثقافت پر خوب رکھتے ہیں۔ وہ ایک عظیم مصلح اور مجاہد ہیں۔ ان ہی کی کوششوں سے ان دونوں

نذر دودھ درکار ہوگا، یہ تم نانان اور روطہ سے پوچھ لینا اور سنو! تم دونوں بھائی جنوک
بھلے جانا آج کے بعد ریوڑ، باغات اور کھیتوں کی نگرانی اس کے ذمہ ہوگی۔ میں اب
ماری توجہ رباط کی طرف دوں گا۔ سنعار مڑا اور رباط جانے کے لیے وہ حویلی سے
ل گیا تھا۔



سنعار جو نہی رباط میں داخل ہوا سامنے سے ابن یاسین، ابوبکر بن عمر اور یوسف
نہیں آتے دکھائی دیے۔ ابن یاسین دھلتی عمر مگر کڑیل اور سخت عرب تھا اس
ماٹھ اس کے دونوں عم زاد بھائی ابوبکر اور یوسف تھے۔ وہ دونوں خوب توانا خداؤ
ہاں تھے۔ سنعار کو دیکھتے ہی ان تینوں کے چروں پر مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔ آگے بڑھ
یہ ان تینوں نے سنعار سے مصافحہ کیا پھر ابن یاسین نے اس کے شلے پر ہاتھ رکھتے
ہاں شفقت پدرا نہ میں کہا۔

”تمہارے آنے کی خبر ہم تک پہنچ گئی تھی۔ ہم تمہارے متعلق فکر مند تھے تم اپنے
بول کو بھیج کر پیچھے کیوں رہ گئے تھے، میں ابوبکر اور یوسف ابھی تمہاری طرف ہی جا
تھے۔“

سنعار نے مغوم آواز میں کہا۔ ”میں کوئی اچھی خبر لے کر نہیں آیا۔“
ابن یاسین نے کہا۔ ”آؤ میرے ساتھ۔“

پھر وہ چاروں اس قلعہ نما رباط کے ایک کمرے میں داخل ہو گئے تھے۔ قلعے ہی
اس خانقاہ کے برج تھے جن پر مسلح محافظ کھڑے ہوئے تھے۔ رباط کے صدر و قاع
بہر پر بار تھے۔

چاروں اس نشست گاہ میں آ بیٹھے جہاں ابن یاسین لوگوں سے ملتے اور ان
ساتھ میٹھ کر گفتگو کیا کرتے تھے۔ وہ ایک کافی بڑا کمرہ تھا جس کے فرش پر گھوم کی چٹائیاں
لا کر ان پر سفید صاف دھلی چادریں ڈال دی گئی تھیں اور میٹھنے کے لیے
اعمال کے ساتھ سفید تکیے رکھا دیئے گئے تھے۔

سنعار ان دونوں بہن بھائیوں کے کمرے کی ایک وسیع و عریض حویلی میں
ہوا۔ روطہ نے دیکھا سامنے سے ایک بوڑھی خاتون آتی دکھائی دی تھی۔ سنعار نے کہا۔
”روطہ! روطہ! یہی وہ قدیم ملازمہ ہے جس کا میں نے تم دونوں بہن بھائیوں
کو ذکر کیا تھا۔ اس کا نام نانان ہے۔ یہ انتہائی ہمدرد اور رحم دل خاتون ہے۔ اس حویلی
اس کی حیثیت ایک ماں اور مالک کی سی ہے۔“

اتنی دیر تک نانان قریب آگئی اور اس نے آگے بڑھ کر سنعار کی پیشانی
ہٹے کہا۔ ”تمہ نے بہت دیر کی بیٹا! تمہارے ساتھ والے تو کل شام کے یہاں پہنچے
ہیں۔“ سنعار نے کہا۔ ”ہاں نانان! میں ایک کام سے رک گیا تھا۔“

نانان نے اس بار روطہ اور جنوک کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ”یہ کون ہیں؟“
سنعار نے کہا۔ ”ان کے نام روطہ اور جنوک ہیں۔ یہ دونوں بہن بھائی ہیں۔“
دونوں اب اسی حویلی میں رہیں گے۔ ان دونوں کو اپنی بیٹی اور بیٹا بنا کر رکھو۔“

نے ان دونوں کے ماں باپ کو قتل کر دیا ہے۔ یہ دونوں بڑے دکھی ہیں، روطہ بڑی
لڑکی ہے۔ یہ تمہارا خیال رکھے گی۔ یہ اب خود ہی تمہیں اپنے حالات سننا دے گی۔
رباط جاتا ہوں۔ وہاں میں اپنی کارگزاری پیش کروں گا۔ ان دونوں بہن بھائی کو

کے اندر علیحدہ علیحدہ کمرے دو تاکہ حویلی کچھ آباد دکھائی دے اور اس میں کچھ زندگی
میری غیر موجودگی میں اگر یقطان یا اس کا چھوٹا بھائی قادس آئے تو انہیں کتنا کہ جنوک
لے جا کر اپنے باغات اور زمینیں دکھاوے آج کے بعد باغات اور کھیتوں کی نگرانی

کے ذمے ہوگی۔ یہ ابھی چھوٹا فرد ہے لیکن آہستہ آہستہ تجربہ کار ہو جائے گا۔
رباط جانے کے لیے سنعار حویلی سے نکلنے ہی لگا تھا کہ یقطان اداس اس کا
بھائی قادس آگئے۔ یقطان نے سنعار سے پوچھا۔ ”مالک! کیا یہ دونوں حویلی کے

ہیں اور ان کی وجہ سے حویلی کا دودھ بڑھا دیا جائے۔“
سنعار نے کہا۔ ”یہ دونوں جہان نہیں ہیں۔ اس حویلی کے مالک ہیں۔
کے لیے یہیں رہیں گے۔ یہ روطہ اور جنوک دونوں بہن بھائی ہیں۔ گھر کی مزدور

جب وہ چاروں آٹنے سامنے بیٹھ گئے تو ابن یاسین نے پوچھا: "اب کون بڑی خبر لائے ہو؟"

سنا کرنے کہا: "ابن دانودن کے سپاہیوں نے ہمارے چھ مبلغوں کو روز گھاٹ اُتار دیا ہے۔ میں وادی سلجما سہ اور الدردہ کے حاکم ابن دانودن سے باہر ہم سے انتہائی برہم ہے اور ہم پر حملہ آور ہونے کی تیاریاں کر رہا ہے۔"

ان صحراؤں کے اندام ایک اور مصیبت اور طوفان اُٹھ کھڑا ہوا۔ شہر کے شخص صالح بن طریف نے نبوت کا دعویٰ کر دیا تھا، اس کے پیروؤں نے پکڑ لیا ہے اور بغا طہ شہر کے علاوہ انہوں نے بحر اوقیانوس تک سارے شہروں پر قبضہ کر لیا ہے۔ وادی سلجما سہ اور الدردہ کا حاکم ابن دانودن اس جھڑپے صالح بن طریف کے جانشین ابو حفص عبد اللہ سے ہمارے خلاف جنگ کرنے مدد حاصل کر رہا ہے۔

صالح بن طریف ایک یہودی الاصل شخص تھا۔ وہ پہلی صدی ہجری کے اواخر میں اندا ہوا۔ جوانی میں مشرق کا رخ کیا اور عید اللہ معتزلی کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیا اور شعبہ بازی میں دستگاہ حاصل کی اور مغرب اقصیٰ میں مسند کے کنارے نشاۃ ہو گیا۔ وہاں کے جنگجو بربری باشندے سخت جاہل اور سادہ لوح تھے صالح کا انسان تھا۔ وہ ان میں گھل مل گیا اور ان کی زبان پر عبور حاصل کر کے اپنی شعبہ انہیں اپنا گرویدہ بنالیا۔ ۱۲۵ھ میں اس بخت نے نبوت کا دعویٰ کیا اور اپنا کیا قرآن بھی لوگوں کے سامنے اس نے پیش کیا۔

اس قرآن میں اس نے اسی سورتیں رکھیں۔ ان میں سے چند مشہور کے نام یہ ہیں سورہ غرائب الدنیا، سورہ ہاروت و ماروت، سورہ دیک، سورہ عجی، سورہ املیں، سورہ آدم، سورہ حجر اور سورہ فزول۔ ان نام نہاد سورتوں کے بے دھنگی اور مضحکہ خیز تھی۔ وہ اپنے آپ کو نبی اکبر اور بار بار (خاتم النبیین)

ابن یاسین نے کچھ سوچتے ہوئے کہا: "تمہاری غیر موجودگی میں سوڈان سے کچھ لوگ آئے۔ وہاں اسلام پھیلانے اور تبلیغ کے زبردست مواقع ہیں۔ پہلے میں نے ارادہ کیا تھا کہ بڑی عمر یا یوسف بن تاشفین میں سے کسی ایک کو ایک جمعیت کے ساتھ سوڈان کی طرف باز کردوں گا لیکن تمہاری گفتگو نے مجھے عطا کر دیا ہے۔ اب میں زبانی تبلیغ کے ساتھ ساتھ بارہی اٹھ میں لینا ہوگی۔ کفار اسی طرح اگر ہمارے مبلغوں کو ختم کرتے رہے تو ایک روز اسب ختم ہو کر رہ جائیں گے۔ ہم ابن دانودن سے اپنے چھ شہیدوں کا انتقام لیں گے۔ تاکہ انہوں کو معلوم ہو کہ ان مبلغوں کا کوئی محافظ اور نگران بھی ہے اور یہ کہ وہ یہی صحراؤں کا اندھ غولوں کی طرح نہیں اُٹھ رہے۔ جلد ہی ان صحراؤں کے اندر شرکین اور بت پرستوں معلوم ہو جائے گا کہ ہمارے مجاہدین ان کی سازی عسکری قوتوں کو ناکام بنا کر رکھ دیں گے۔" ابن یاسین چند ثانیوں تک خاموش رہ کر کچھ سوچتے رہے پھر کوئی فیصلہ کرنے کے مدد دوبارہ بولے۔ اب تک ہم نے انتہائی نرمی اور ضبط سے کام لیا ہے اور ہر جگہ لہسہ کر رہے ہیں اپنے مذہب کی تبلیغ اپنی زبان اور اخلاق سے کی ہے لیکن ابن دانودن علاقے میں ہمارے چھ مبلغوں کا قتل کوئی معمولی اور قابل برداشت حادثہ نہیں ہے۔

قریہ تاریخ صفحہ ۴۰۶ اس نے ایک عجیب شریعت اپنے پیروؤں میں نافذ کر دی۔ اس شریعت کی رو سے چمکی بیٹی کے سوا ہر عورت سے نکاح جائز تھا۔ بیویوں کی تعداد پر کوئی قید نہ تھی۔ نماز اشاروں سے پڑھی جاتی۔ البتہ آخری رکعت میں پانچ سجدے رکھے گئے تھے۔ نمازوں کی تعداد دس تھی۔ پانچ دن کو پانچ رات کو مرغ کا گوشت حرام تھا۔ چوری کی سزا موت تھی۔ اکلیں محرم کو ہر شخص پر قربانی واجب تھی۔

اس شخص نے چند ہی سالوں میں بڑی قوت حاصل کر لی اور بربروں کا دینی و دنیاوی فرمان روا بن گیا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا ایاس اس کا جانشین بنا۔ ایاس کے بعد یونس پھر ابو غنیمہ بن معاویہ پھر ابوالانصار عبداللہ۔ اس کے بعد ابو منصور عیسیٰ اور اب ابو حفص عبداللہ اس نے مذہب کا فرمانہ دیا تھا۔ انہوں نے دنیا بھر کی خرافات اسے مذہب میں جمع کر رکھیں۔

ان کے اپنے لشکر کی جنگی تربیت کرو۔ رباط کے اندر جن قلعہ بھٹیاں ہیں ان میں آگ لادادہ مناعہ سے کہو دن رات ایک کر کے جنگی سامان تیار کریں۔ اپنے سارے مسلحہ کواں رباط کے اندر جمع کرو۔ اب یہی رباط ہمارا قلعہ اور مستقر ہے اسی میں مجاہدین آئے اور یہیں ان کی خدا کا اور آرام کا بندوبست ہوگا۔ مجھے امید ہے جب تم تینوں اپنی جہاد کا اعلان کرو تو لوگ دل کھول کر اس کے لیے مالی امداد دیں گے۔ یاد اسلام کی خدمت کا یہ ایک نہری موقع ہے جو ہمارے ہاتھ لگ رہا ہے۔ ورنہ قدرت مہذب قوم کو ایسے مواقع فراہم نہیں کرتی۔ میں تم تینوں کی کامیابی کی دعا کرتا ہوں۔

ہمارا اور اپنے کام کی ابتدا کرو۔ ابوبکر، یوسف اور سنعار اٹھیں اور ابن یاسین سادہ سی نشست گاہ سے باہر نکل گئے۔



جن کو سنعار کی حویلی میں آکر ایسا مطمئن اور خوش ہوا تھا کہ وہ اسی وقت سنعار کے دربار کی حکمت دیکھنے یقطان انداس کے چھوٹے بھائی کا وٹس کے ساتھ چلا گیا تھا۔ انان نے روطہ کو پہلے ساری حویلی دکھائی پھر اس نے روطہ اور جن کو کے لیے دو علیحدہ کمرے مختص کیے۔

روطہ جو زیورات، نقدی اور قیمتی اشیاء اپنے ساتھ لائی تھی وہ اس نے ساری اپنے کمرے میں رکھ دیں پھر وہ دونوں دیوان خانے میں آکر بیٹھ گئیں اور نانا کے کمرے پر ابیائل کے زخمی حالت میں ملنے، اپنے ماں باپ کے قتل اور سنعار سے ملاقات سے واقعات تفصیل سے سننا ہی تھی۔

روطہ جب خاموش ہوئی تو نانا نے کہا۔ میرا شوہر بھی اسی حویلی میں رہتا تھا اور نانا کی خدمت کرتا تھا۔ آہ! میں بانجھ تھی اور کوئی اولاد نہ ہوئی پر میرے کہنے کے برعکس شوہر نے دوسری شادی نہ کی۔ اب جب کہ تم اور جن کو اس حویلی میں آ گئے تو غم نہیں کہ میرے بچے نہیں، اب تم میری بیٹی اور جن کو میرا بیٹا ہے۔ گو سنعار بڑے سے بڑھ کر میرا خیال کیا ہے پر وہ اپنا زیادہ وقت رباط میں گزارتا ہے اور

میں افریقہ کی ان ساری ایسی قوتوں کے خلاف جہاد کا اعلان کرتا ہوں۔ میں خود تلوار تھام کر اپنے ساتھیوں میں سب سے آگے ہوں گا۔ اے میرے تینوں رفیقو! کیا اللہ کی راہ میں اس جہاد کے لیے تم میرا ساتھ دو گے؟

ابوبکر بن عمر نے کہا۔ اے امیر! میں، یوسف بن تاشفین اور سنعار بن عیروا کے حکم اور فیصلے کے پابند ہیں۔ میں یوسف اور سنعار کی طرف سے بھی اس لیے بول رہا ہوں کہ یہ ہر معاملے میں دونوں مجھ پر اعتماد و بھروسہ کرتے ہیں اور مجھے اپنا بڑا بھائی جان کر میرے ہر فیصلے کا احترام کرتے ہیں۔

اے امیر! کفار، شرک اور بت پرستی کے خلاف اس جہاد کے لیے میں انچی طرف جہاد میں حصہ لینے والے مجاہدوں کے لیے دو ہزار کبریاں، ایک ہزار گھوڑے، پانچ سو اونٹن جو اور گندم کی سو بوریاں اور نقدی کے دس تھیلے پیش کرتا ہوں۔

ابوبکر بن عمر جب خاموش ہوا تو یوسف بن تاشفین نے فوراً بولتے ہوئے کہا۔ اتنی ہی کبریاں، گھوڑے، اونٹن، جو، گندم کی بوریاں اور نقدی میں بھی پیش کرتا ہوں۔ یوسف بن تاشفین کے بعد سنعار نے کہا۔ اے امیر! اسی قدر گھوڑے، کبریاں، اونٹن، نقدی اور جنس دینے کا میں بھی عہد کرتا ہوں۔

ابوبکر بن عمر، یوسف بن تاشفین اور سنعار بن عیروا کے اس فیصلے پر ان کا مسکرائے پھر انہوں نے انتہائی مسرت اور مطمئن انداز میں کہا۔ بخدا مجھے تم تینوں سے ایسی ہی امید تھی۔ اب اپنی ساری بستیوں میں جہاد کا اعلان کر دو قبل اس کے کہ دشمن پر حملہ آوے ہو کہ ہمیں نقصان پہنچائے ہم اب خود آگے بڑھ کر ان کی تاریک قوتوں کا کامی ضرب لگا دیں گے۔

سنو میرنے رفیقو! اپنے لشکر کے تین حصے ہوں گے، قلب، مینہ اندھہ قلب گھوڑ سواروں پر مشتمل ہوگا۔ اس میں ابوبکر اور میں ہوں گے۔ مینہ میں بھی گھوڑ سوار ہوں گے اس کا کماندار سنعار بن عیروا ہوگا۔ میسرہ مقرر سواروں پر مشتمل ہوگا اور اس سال یوسف بن تاشفین ہوگا۔ میں تم لوگوں کو صرف ایک مہینہ دیتا ہوں۔ اس دوران

بڑھ چڑھ کر جھٹ لینے کی اشد عا کر رہے تھے۔

روطنے دیکھا لوگ اپنے جانور، جنس اور نقدی دے کر ان کی مدد کر رہے تھے وہ لوگ سٹلنے والی اسٹاڈنٹوں پر لاو رہے تھے۔ روطنے یہ بھی دیکھا جہاد کی تیاری کے لیے عورتیں اپنے زیور تک اتار کر ان منادی کرنے والوں کے حوالے کر رہی تھیں۔ روطنے ناٹان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”اے شفیق و مہربان ناٹان! امیر سنعار نہ جانے کہاں چلے گئے ہیں۔ ان منادی نے دالوں کو اگر اس حویلی سے کچھ نہ بلا تو کیسی سبکی کیسی کم ظرفی سمجھی جائے گی اس حویلی۔ لوگ کہیں گے حدابہ قبیلے کے سردار کی حویلی سے جہاد کے لیے کچھ نہ ملا۔ پھر اسے مادرِ بران! میں ایسا نہ ہونے دوں گی۔ امیر سنعار کی غیر حاضری میں اس حویلی کی سطوت پر ان حرف نہ آنے دوں گی۔“

روطنے کوئی فیصلہ کیا۔ پھر وہ مڑی اور جنگلی ہرنی کی طرح بھاگتی ہوئی اپنے کمرے کی طرف چلی گئی تھی۔ تھوڑی دیر بعد وہ لوٹی تو اس کے ہاتھ میں چڑے دارہ تھیلی تھی جس میں وہ اپنے گھر سے اپنے زیور لے کر آئی تھی۔ اتنی دیر تک منادی نے دالے حویلی کے صدر دروازے کے قریب بیٹھ گئے تھے۔ روطنے آگے بڑھ کر زیورات کی تھیلی ایک منادی کرنے والے کو تھما دی۔

اس نے تھیلی کھول کر زیورات کا جائزہ لیا پھر وہ تھیلی اس نے روطنے کو لوٹا دے کہا۔ ”اس حویلی سے جہاد کی تیاری کے لیے اب کچھ نہیں چاہیے۔ اے خاتون! زیورات کی یہ تھیلی واپس لے لو۔ امیر سنعار جہاد کے لیے پہلے ہی دو ہزار کمریاں ایک ارگھوڑے، پانچ سوارنٹ دینے کا وعدہ کیا ہے۔“

روطنے بڑی ہمدردی سے کہا۔ ”تم زیورات کی یہ تھیلی رکھ لو میرے بھائی! میری اپنی خوشی سے دے رہی ہوں۔ امیر سنعار نے جو کچھ جہاد کے لیے دیا ہے، پھر ابھی میں خوش ہوں۔ خدا! نہیں اس سے زیادہ توفیق دے۔“

اس منادی کرنے والے جوان نے ناٹان کو مخاطب کرتے ہوئے رازدارانہ پوچھا۔

”میں یہاں اکیلی اگھتھی رہتی ہوں۔ اب تمہارے اندر جنک کے آنے سے میری یہ کینہ رہے گی۔“

روطنے ناٹان کی باتوں میں دل چسپی لیتے ہوئے کہا۔ ”کیا اس قبیلہ حدابہ سنعار کا اور کوئی قریبی عزیز نہیں جو وہ اتنی بڑی حویلی میں اکیلے رہتے ہیں۔“ ناٹان نے کہا۔ ”امیر سنعار کی ماں عرب تھی اس لیے یہاں امیر کی ماں سے ان کا کوئی رشتہ دار نہیں ہے۔ وہ ایک عرب قافلے کے ساتھ ادھر آئی تھی۔ یہ قافلہ تھا جس میں اس کے ماں باپ بھی تھے۔ اس کا روانہ کو یہاں کے دشمنوں اور اکثر کو قتل کر دیا۔“

امیر سنعار کی ماں انتہائی خوب صورت تھی، ان کے باپ عیلام نے اسے پناہ دی پھر شادی کر لی۔ امیر سنعار کے باپ عیلام کا کوئی بھائی نہ تھا اس لیے باپ سے بھی ان کا کوئی قریبی رشتہ دار نہیں ہے۔ ویسے قبیلہ حدابہ کا بچہ پھر امیر سنعار کو تا ہے اور اس پر اپنی جان قربان کر دینے پر فخر محسوس کرتے ہیں۔ امیر انتہائی مہربان انسان ہیں۔ وہ قبیلے کے ہر فرد کا خیال رکھتے ہیں۔ تمہیں یہ سن کر تعجب ہوگا۔ لمطوتہ اور قبیلہ حدابہ میں ایسی اسلامی اخوت اور بھائی چارہ ہے کہ کوئی بھی بھوکا ناٹان کی پھر وہ اچانک کھڑی ہوتی ہوئی بولی۔ ”آؤ پہلے کھانا تیار کر کس باتیں کریں گے۔ امیر سنعار رباط سے لوٹنے والے ہوں گے۔“ روطنے ناٹان کے اور اس کے ساتھ حویلی کے مطبخ کی طرف چلی گئی۔

کھانا تیار کرنے کے بعد ناٹان اور روطنے دوبارہ دیوان خانے کی طرف جا کر باہر زور زور سے وقین پٹینے اور ایک ساتھ کئی جوانوں کے اللہ اکبر کے نہ کرنے کی آوازیں سنائی دیں۔ روطنے اور ناٹان تیزی سے مڑیں اور حویلی کے مد پر اکھڑی ہوئیں۔

انہوں نے دیکھا قبیلہ حدابہ کے بچپس تیس نوجوان تھے ان میں سے کچھ رہے تھے اور کچھ اونٹوں پر بیٹھ کر زور زور سے چلاتے ہوئے لوگوں کو جہاد کی

سنعار جب آگے بڑھ کر اکیلا لکڑی کے اس صندوق کو اٹھانے لگا تو روطہ نے پھرتی
جے بڑھ کر اس صندوق کو ایک طرف سے پکڑ لیا۔ حنوک بھی آگے بڑھا اور اس نے
صندوق کو سہارا دیا۔ اس طرح وہ تینوں صندوق اٹھا کر ساتھ والے کمرے میں لائے جو
اس کے لیے مختص کیا گیا تھا۔ صندوق کو کمرے کی سانے والی دیوار کے ساتھ رکھوانے
بعد سنعار نے اپنے لباس کے اندر سے ایک چابی نکالی اور اسے روطہ کو دیتے ہوئے
”روٹھ! ذرا اس صندوق کو کھولو۔“

روٹھ نے ہچکچاتے ہوئے اور کانپتے ہاتھوں سے چابی لے لی پھر اس نے صندوق
کا وہ صندوق سُتری سکوں سے بھرا ہوا تھا اور اس میں کچھ زیورات بھی پڑے ہوئے
سنعار نے کہا۔ ”یہ زیور میری ماں کے ہیں تم انہیں جب چاہو اپنے استعمال میں
لیجو۔ یہ اب تمہارے ہیں۔ یہ نقدی بھی تمہارے تصرف میں رہے گی کہ اسی میں سے
مکے اغراجات چلاؤ۔ اگر کسی چیز کی ضرورت ہو تو حنوک کو تم بازار بھیج کر منگوا سکتی ہو
لو کہ میں نے بازار اور اس سے ملحقہ ساری منڈیاں دکھا دی ہیں۔ اسے اب وہاں جانے
سودا سلف خرید کر لانے میں کوئی دقت نہ ہوگی۔“

سنعار نے ذرا سے توقف میں کہا۔ ”سنور روطہ! اگر تم دونوں بہن بھائی مستقل
جوبلی میں رہو تو اس کے لیے میں تم دونوں کو خوش آمدید کہتا ہوں اور اگر کبھی تم کہیں
اس سے بہتر جگہ جانا چاہو تو میں رکھو کوئی تم لوگوں کو زبردستی یہاں رکھنے کی جرأت
نہ کر سکتا۔ اس جوبلی کی ہر شے تم اپنے استعمال میں لا سکتی ہو۔ جوبلی میں تم جو تبدیلی
چاہا ہو کر سکتی ہو جب تک تمہارا یہاں قیام ہے تمہاری حیثیت جوبلی کی مالکہ کی سی ہو
گی تم سے باز پرس کرنے والا اور کسی کے سامنے تم جواب دہ نہ ہوگی۔“

روٹھ نے اپنی عجیب سی بے پایاں خوشی کو ضبط کرتے ہوئے کہا۔ ”اے امیر! میں
نکراس نقدی کے بھرے صندوق کا حساب رکھ سکوں گی۔ مجھے یہ بھی خبر نہیں کہ یہ نقدی
بائند ہے اور اس کا مصرت کیا گیا ہوگا۔“

سنعار نے کہا۔ ”تمہیں یہ جاننے کی ضرورت نہیں کہ نقدی کس قدر ہے میں

”اے مہربان ناٹان! کیا یہ لڑکی امیر سنعار کی بیوی ہے۔ اگر ایسا ہے تو پھر سرور سنعار نے ہم
بلائے بغیر کیسے اور کینہ کر شادی کر لی۔“

یہ سوال روطہ نے بھی سُن لیا تھا۔ تاہم ناٹان نے راز داری سے کام لیتے ہوئے
جوان سے کہا۔ ”یہ لڑکی امیر سنعار کی بیوی نہیں۔ یہ اپنے چھوٹے بھائی کے ساتھ آج
اس بستی میں داخل ہوئی ہے۔“

منادی کرنے والے آگے نکل گئے۔ روطہ ناٹان کے ساتھ اسی طرح جوبلی کے
دروازے پر کھڑی تھی کہ بائیں طرف سے سنعار آتا دکھائی دیا۔ اس کے ساتھ روطہ کا
بھائی حنوک بھی تھا۔ انہیں دیکھ کر روطہ دروازے سے ایک طرف ہٹ گئی۔ سنعار
کے ساتھ گھر میں داخل ہوا۔

ناٹان نے سنعار کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ”بیٹے تم یہاں نہ تھے کہ یہ جہاد کی
منادی کرنے والے ادھر آ گئے۔ سب لوگ انہیں سامان مہیا کر رہے تھے۔ حتیٰ کہ عورتوں
زیورات اتار کر ان کے حوالے کر رہی تھیں۔ تمہاری غیر موجودگی میں ان منادی کرنے
والوں کو روطہ نے خالی ہاتھ نہیں جانے دیا اور وہ زیورات کی پھیلی جویہ اپنے ساتھ
گھر سے لائی تھی وہ پھیلی اس نے اپنی خوشی اور رغبت سے ان منادی کرنے والوں کے
حوالے کر دی ہے۔“

حنوک بڑے پُر سکون انداز میں اپنی بہن کے اس جذبے کو سراہ رہا تھا۔ سنعار
نے کہا۔ ”روٹھ! روطہ! تم میرے ساتھ آؤ، ناٹان! تم بھی آؤ۔“

روٹھ، ناٹان اور حنوک تینوں اس کے ساتھ ہو گئے۔ وہ تینوں کو اپنے
میں لایا اور لکڑی کے ایک صندوق کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اس نے کہا۔ ”ناٹان
کیا تم نے روطہ کو جوبلی کے اندر کوئی کمرہ دیلے ہے کہ میں یہ صندوق اس کے کمرے
میں رکھوانا چاہتا ہوں۔“

ناٹان نے کہا۔ ”آپ کے دائیں طرف جو کمرہ ہے وہ روطہ کا اور بائیں طرف
کا ہے۔“

زادہوں کے پاس سے ہٹ کر سنعار افریقہ کے منہ ہاتھ دھویا پھر وہ دیوان
بارکٹ گئے۔ تھوڑی دیر بعد روطہ اور ناثان نے وہاں کھانے کے برتن لگائے
سنعار کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ”آپ دونوں کھانا کھائیں۔“
سنعار نے تعجب سے پوچھا اور تم دونوں؟“
روطہ نے کہا۔ ”ہم بعد میں کھالیں گی۔“

سنعار نے کسی قدر خفگی میں کہا۔ ”روطہ! کیا تم چاہتی ہو اس حویلی کے چاروں
علیحدہ کھانا کھائیں اور یہاں ایک گھر ایک گریسٹی کا ساما حوالہ پیدا نہ ہو۔“
روطہ بے چاری آحاس سی ہو گئی اور اس نے معذرت طلب لہجے میں کہا۔ ”ایسی
نہیں ہے۔ اگر آپ ہمیں پناہ نہ دیتے تو نہ جانے ہم دونوں بہن بھائی کا کیا
ایں آپ کی ممتوں ہوں آپ نے ہم دونوں کو اتنی اہمیت دی۔ اب یہ
نوہاری آخری آماجگاہ ہے اور میں کیونکر پسند نہ کروں گی کہ اس میں ایک
ساما حوالہ پیدا ہو۔ میں نے ایسا صرف آپ کا ادب و احترام پیش نظر رکھتے ہوئے

سنعار نے کہا۔ ”اب ہم سب اس گھر کے افراد ہیں اور سب کا ادب و احترام
ہمیں ہے۔ تم اور ناثان دونوں آؤ اور ہمارے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھاؤ۔ روطہ کے
گریسٹی مسکراہٹ بکھر گئی۔ وہ بھاگ کر ناثان کو بھی بلالائی پھر وہ چاروں اکٹھے
مانا کھا رہے تھے۔



وادی سلجما سہ اور درو کے حاکم ابن دانودن نے زور شور سے مسلمانوں کے
نک کرنے کی تیاریاں شروع کر دی تھیں۔ اس کے دوڑے شہر تھے سلجما سہ اور
رہن وادیوں کے اندر یہ شہر تھے۔ ان وادیوں کے نام بھی ان ہی شہروں سے
لگے تھے۔

ابن دانودن المغرادی نے بڑے وسیع پہانے پر اپنے جوانوں کی جنگی تربیت

نے تمہیں کہہ دیا کہ تمہاری حیثیت ایک مالک کی سی ہے۔ اس میں سے جو چاہو خرچ کر دو
ذرا رک کر سنعار پھر کہہ رہا تھا۔ ”میں جہاد کے لیے دو ہزار بکریاں، ایک ہزار
گھوڑے، پانچ سو اونٹ، سوا درگندم کی سو بوریاں اور نقدی کی دس تھیلیاں دینے کا ارادہ
کر چکا ہوں۔ تم نے ایک بیسوی لٹکی ہو کر جہاد کے لیے اپنے تمام زیورات دے کر مجھے
انتہائی متاثر کیا ہے۔ اب میں جہاد کے لیے نقدی لینے کی ابتدا بھی تم ہی سے کرنا چاہتا
ہوں۔ ان زیورات کے نیچے کپڑے کی تھیلیاں پڑی ہوئی ہیں۔ وہ دس تھیلیاں نقدی کی
بھر کر علیحدہ کر لو۔ پھر میں تمہیں ایک اور کام سونپتا ہوں۔“

زیورات کے نیچے سے روطہ نے سفید کپڑے کی سلی ہوئی تھیلیاں نکالیں اور
ان میں نقدی بھرنے لگی۔ ناثان افریقہ بھی آگے بڑھ کر اس کی مدد کرنے لگے۔ جب
دس تھیلیاں بھر چکیں اور وہ صندوق سے باہر رکھ دی گئیں تو سنعار نے کہا۔ ”اب اس
صندوق کو بند کر کے چابی اپنے پاس رکھو اور میرے ساتھ آؤ۔ ناثان افریقہ بھی آؤ۔“
روطہ صندوق بند کر کے چپ چاپ سر جھکائے سنعار کے ساتھ ہوئی۔ وہ اپنے
اندر ایک عجیب طرح کی تبدیلی محسوس کر رہی تھی۔

سنعار ان تینوں کو لے کر حویلی کے پھوٹے کی طرف آیا جہاں علیحدہ سے کئی
گودام نما کمرے بنے ہوئے تھے۔ سنعار نے اس موقع پر چابیوں کا ایک گچھا لگالاد
ان میں سے ایک چابی پکڑتے ہوئے اس نے ایک کمرے کا دروازہ کھولا۔ روطہ نے
دیکھا وہ سارا کمرہ گندم اور جو کی بودیوں سے بھرا ہوا تھا۔ سنعار نے چابیوں کا گچھا
روطہ کو کھاتے ہوئے کہا۔ ”یہ چابیوں کا گچھا بھی اپنے پاس رکھو۔ اس میں ان سب کو
کے تالوں کی چابیاں ہیں اور یہ سارے کمرے گندم، جو کی بودیوں سے بھرتے ہوئے
رابطہ کے لوگ کل یہاں سے سو بوری جو، گندم لینے آئیں گے۔ میں نے جنک کو سب کو
سمجھا دیا ہے۔ یہ انہیں سو بوری اٹھوادے گا۔“

اس موقع پر ناثان نے بولتے ہوئے کہا۔ ”سنعار! کھانا تیار ہے بیٹے! تم
جنک دیوان خانے میں جا کر بیٹھو، میں اور روطہ وہاں کھانے کے برتن لگاتی ہیں۔“

شروع کر دی تھی۔ مدعہ شہر میں وہ خود اس تربیت کی نگرانی کر رہا تھا جب کہ سلجھانہ میں اس کا ایک بہترین جرنیل اور اس کی لڑائی کا منکیر اریک اس جنگی تربیت کی نگرانی کر رہا تھا۔ اریک کے متعلق وادی سلجھانہ اور مدعہ کے لوگوں میں شہور تھا کہ ان وادیوں کے ہم بت اریک کی حمایت پر ہیں اور کوئی بھی شخص اریک کو شکست نہیں دے سکتا۔

اریک سے بنوں کی حمایت تو وہاں کے لوگوں کے صرف اپنی ضعیف الامتدادی وجہ سے کر دی تھی ورنہ اریک بلا کا طاقتور، ہار اور فہم کی حد تک جنگجو جوان تھا۔ اس لیے ابن واندون نے نہ صرف اس سے اپنی لڑائی منسوب کر دی تھی بلکہ وادی سلجھانہ کا اسے اپنی طرف سے حاکم بھی مقرر کر رکھا تھا۔ ان دونوں وادیوں کے لوگوں کو پختہ یقین تھا کہ جنگ اریک کی سرکردگی میں لڑی جائے گی اس میں انہیں یقیناً فتح ہوگی۔

ایک روز ابن واندون المدغدی مدعہ شہر سے باہر کو ہتافل کے دامن میں ایک کھلے میدان کے اندر اپنے لشکریوں کی جنگی تربیت کا جائزہ لے رہا تھا کہ اس کے محافظ نے ایک شخص کو اس کے سامنے پیش کیا۔

ابن واندون نے اس اجنبی سے پوچھا: "تم کون ہو اور کیا چاہتے ہو؟" اس اجنبی نے کہا: "اے ان دو وادیوں کے عظیم حکمران! مجھے برخلاف شہر کے اور ان صحراؤں کے اندر آخری نبی (نعموذا اللہ) صالح بن طریف کے جانشین ابو حفص نے بھیجا ہے۔ اُسے معلوم ہوا ہے کہ آپ اور مسلمانوں کے درمیان عنقریب کوئی جنگ ہو رہی ہے۔ ابو حفص نہیں چاہتا کہ اس جنگ میں مسلمانوں کو فتح ہو اور وہ زود شد سے ان قبائل میں اپنے مذہب کی تبلیغ کرنے میں کامیاب ہو جائیں۔ اس طرح ہمارے نبی صالح طریف کے نہ صرف ماننے والے بلکہ اس کی شریعت بھی خطرے میں پڑ جائے گی۔ ابو حفص یہ جاننا چاہتا ہے کہ اس جنگ میں ہم آپ کی کیا مدد کر سکتے ہیں۔ اس جنگ میں ہم سال میں آپ کو ایک فاتح کی حیثیت سے دیکھنا چاہتے ہیں۔"

اس جنگ میں آپ کو صرف ہماری نہیں بلکہ افریقہ کے سب سے بڑے دریا قندوز قبائل

سے یہ بربری قبائل کو جان اعلیٰ کے دامن میں آباد تھے۔

بھی حاصل ہوگی۔ یہ قبائل لاکھوں افراد پر مشتمل ہیں اور انہوں نے ابو حفص عبداللہ کو یقین دہا کر مسلمانوں کے خلاف جنگ میں طرح اور بھر پور قوت سے ہمارا ساتھ دیں گے ابو حفص چاہتے ہیں کہ ان علاقوں کے اندر کسی بھی صورت مسلمان پھیلنے نہ پائیں۔

ابن واندون المدغدی نے بڑی ممنونیت کا اظہار کرتے ہوئے کہا: میری طرف سے ہاشمکہ واداکرنا۔ اسے کتنا ان صحراؤں کے اندر سرزمین حجاز سے آنے والے عرب ابن نے جو تحریک شروع کی ہے اسے میں اپنے ایک ہی حملے میں جڑ سے اکھاڑ کر رکھ دوں گا ہمارے مقابلے میں مٹھی بھر ہیں۔ ان کی جمعیت صرف دو قبائل لطونہ اور حلابہ کے لوگوں ہے۔ ہم جنگ میں مسلمانوں سے دگنے سوار میدان میں لائیں گے اور اس جنگ کے بہ لطونہ اور حلابہ کی بستیوں، باغات اور زمینوں پر ہمارا قبضہ ہوگا۔ تم آنے والی رات کی آرام کر دو پھر واپس جا کر ابو حفص سے اس حمایت پر میرا شکریہ ادا کرنا۔

ابن واندون کے محافظ ابو حفص کے اس سفیر کو اپنے ساتھ لے گئے جب کہ ابن واندون اپنے لشکریوں کی جنگی تربیت اور مشق کا جائزہ لینے میں متوجہ ہو گیا تھا۔



وہ پر سوار تھیں اور کجاوول پرمان کے بیٹھنے کے لیے پردے کا نہایت عمدہ انتظام

بنا۔

شکر کے آخر میں میسرہ کے دستے تھے۔ یہ سب اونٹوں پر سوار تھے اور ان کا
ابوسف بن تاشفین تھا۔ اس حالت میں ایک عمدہ تنظیم کے ساتھ لشکر نے وادی سلجماہ
ادی درہ کی طرف کوچ کیا۔ راستے میں قبیلہ منہاجہ کے کچھ جتھے بھی لشکر میں شامل ہوئے
۔ وہ لوگ تھے جو افریقی صحرائیں آباد تھے۔ یہ مسلمان ہو چکے تھے اور صحراؤں کے اندر
ان کا بیچ و دوڑ کے لیے بڑی ہنگ و دوڑ کر رہے تھے۔

ابن یاسین اپنے لشکر کے ساتھ ابھی درہ شہر سے دس میل دُور ہی پہنچے تھے کہ انہوں
نکر کوڑک جلنے کا پٹاؤ کرنے کا حکم دیا۔ اس کے سامنے ابن دانودن اپنے لشکر کے ساتھ
نہ تھا۔ وہ ایک وسیع وادی تھی جس کے دائیں بائیں بلند کوہستانی سلیے تھے اور ان
بچ و بیچ شرفاً غریباً ایک بے کنار میدان پھیلا ہوا تھا۔

ان کی آن میں لشکر کے خیمے نصب کر دیئے گئے۔ خوراک سے لے کر اونٹوں کو بٹھا
ان کی پیٹھ سے بوجھ اتار دیا گیا۔ لشکر کی عورتوں کو خیموں میں منتقل کرنے کے بعد قبیلہ منہاجہ
بتوں کو پٹاؤ کی حفاظت پر مامور کیا گیا پھر آرام کیے بغیر ابن یاسین نے جنگ کے لیے
لشکر کی صفیں درست کرنے کا حکم دے دیا تھا۔

ابن دانودن کا خیال تھا کہ مسلمان اس کے سامنے خمیر زن ہو کر کم از کم ایک رات
اکریں گے اور اسی رات وہ ان پر شب خون مار کر انہیں بُری طرح غفلت کر کے میدان جنگ
بھاگ جانے پر مجبور کر دے گا لیکن اس کی ساری اُمیدیں اس وقت دھوئیں کی طرح تحلیل
ہو گئیں۔ ابن یاسین کی سرکردگی میں مجاہدین برق رفتاری سے اپنی صفیں درست کرنے
میں مصروف تھے۔

اس موقع پر ابن دانودن نے اپنے لشکر کو جنگ کے لیے صف آرا ہونے کا حکم
دیا تھا پھر وہ اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر اس جگہ آیا جہاں اس کا ہونے والا داماواریت
ملاقات کے لشکر کی صفیں درست کر رہا تھا۔ ابن دانودن نے اس کے لشکر کو میسرہ کے

ایک ہفتہ بعد ابن یاسین نے اپنے لشکر کے ساتھ اپنی رباط سے کوچ کیا۔ لشکر کے ساتھ
کئی عورتیں بھی ہوئی تھیں اور یہ وہ عورتیں تھیں جن کے شوہر، باپ یا بھائی لشکر میں شامل
تھے۔ ان عورتوں کی سرکردہ ابوبکر بن عمر کی بیوی زینب تھی۔ یہ نہایت حسین و جمیل و زریک
دانش مند لڑکی تھی اس کا تعلق قبیلہ حدادہ کے ایک ذیلی قبیلے انفرادہ سے تھا۔

زینب کو سیاسی اور عسکری معاملات میں بھی بڑی دسترس حاصل تھی۔ زینب نے
جنگ کے دوران پیاسوں کو پانی پلانے اور زخمیوں کی دیکھ بھال کرنے کے فرائض اپنے ذمے
لے لیے تھے۔ سنعار سے اجازت لے کر روطہ بھی لشکر میں زینب کے تحت کام کرنے والی
ان عورتوں میں شامل ہو گئی تھی۔ زینب کی چھوٹی بہن سیدت بھی اس کے ساتھ تھی۔ روطہ کو
سیدت نے اپنے ساتھ خیمے میں رکھ لیا تھا۔

شکر نے تین حصوں میں بٹ کر رباط سے کوچ کیا۔ سب سے آگے لشکر کا قلب
گھوڑوں پر سوار تھا اور قلب کے آگے آگے ابن یاسین اور ابوبکر بن عمر پورے لشکر کی رہنمائی کرتے
تھے۔ قلب کے پیچھے میمنہ تھا۔ یہ بھی گھوڑوں پر سوار تھے اور میمنہ سالار سنعار بن عیلام اپنے گھوڑے
پر سوار ان کے آگے آگے تھا۔ میمنہ کے پیچھے ان عورتوں کا دستہ تھا جو جنگ میں شامل ہوئی تھیں۔

طور پر استعمال کیا تھا۔ ابن دانودن اس کے قریب اپنے گھوڑے سے اُترا۔ ایک جھگڑا کرنے والے کے پاس آیا۔

ابن دانودن نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کمال شفقت میں کہا: "میرے فرزند عزیز! اس جنگ کے فیصلے کا انحصار تمہاری کارگزاری پر ہے۔" اس موقع پر ابن دانودن کی بیٹی اور ایک کی منگیتر سیدہ بھی اپنا گھوڑا دوڑاتی ہوئی وہاں آگئی۔ وہ جنگی لباس پہنے ہوئے تھی اور لڑنا تھا وہ پوری طرح جنگ میں حصّہ لے رہی تھی۔ وہ ایک نو عمر وحشی ترین لڑکی تھی۔ اسے پارہا فقر میں دیکھ کر ایک کے ہونٹوں پر مسکراہٹ بکھر گئی اور وہ بڑے شوق سے سیل کی طرف دیکھنے لگا تھا۔

سیلہ ایک ماہر جنگجو کی طرح ایک تیز اور بے باک جہت کے ساتھ اپنے گھوڑے سے نیچے کودی اور اپنے باپ ابن دانودن کے پہلو میں اکھڑی ہوئی۔ اس کی پیٹھ پر تیروں سے بھرا ترکش اور ڈھال لٹک رہی تھی۔ اس کے سر پر آہنی خود اور چڑے کی بیٹی سے منسلک پہلو میں تلوار تھی۔ وہ اپنے سر پائے خود بھی دو دھاری تلوار لگا رکھی تھی۔

ایک کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر ابن دانودن نے کہا: "ایک! میرے فرزند! ایک مشورہ ہے اور مجھے اُمید ہے کہ اگر تم اس پر عمل کرو تو شاید یہ ہماری فتح اور مسلمانوں کی شکست کی طرف پہلا اور جاندار اقدام ہو۔"

ایک نے بڑی اداوندی سے کہا: "آپ کہیں، میں آپ کے ہر مشورہ پر عمل کرنے کا عہد کرتا ہوں۔"

ابن دانودن نے کہا: "تو پھر تم پہلے انفرادی جنگ کی ابتداء کرو۔ میدان جنگ میں اُند اور بلند آواز میں مسلمانوں کو لکار کر کہو کہ میں وادی سلیمانہ کا حاکم ایک ہوں۔ مسلمانوں کی کوئی ایسا جرنیل ہے جو عزت و وقار میں میرے ہم پایہ ہو اور میدان میں اُتر کر میرا مقابلہ کرے۔ منو تمہاری اس دعوت پر میدان میں صرف تین ہی جوانوں کے اُترنے کا امکان ہے۔ ایک ابو بکر بن عمر قبیلہ لطفہ کا امیر، دوسرا یوسف بن تاشفین قبیلہ لطفہ کا نائب امیر اور تیسرا صفار بن عیلام قبیلہ حلابہ کا سردار۔ ان تینوں میں ایک ضرور تمہارے مقابلے کے لیے

۲۲۱
ان میں اترے گا۔ کیونکہ ابن یاسین کے پاس یہی تینوں جرنیل ہیں جو جہاد و شہادت میں تمہارے ساتھ ہیں اور ان تینوں میں سے کوئی ایک بھی تمہارے سامنے میدان جنگ میں زیادہ دیر تک ٹھہرے گا اور جب ان تینوں میں سے ایک تمہارے ہاتھوں مارا جائے گا تو ابن یاسین کی بیٹی جائے گی۔ مسلمانوں کے لشکر پر منفی اثرات مرتب ہوں گے جب کہ ہمارے لشکریوں کے لیے پہلے سے بھی بلند ہوں گے اور وہ اسے اپنی فتح کی پہلی جھلک سمجھ کر کریں گی۔

ایک نے گہری اور معنی خیز مسکراہٹ میں کہا: "آپ کی سوچ اور مشورہ ہمارے لیے کافی مدد و منفعت بخش ہے۔ صفیں درست کرنے کے بعد میں ابھی میدان میں آؤں۔ میں ابن یاسین کے ایک ہی جرنیل کو ختم کرنے پر اکتفا نہ کروں گا۔ ایک کی دکان کاٹ کر میں دوسرے کو مقابلے کی دعوت دوں گا اور اس میدان میں دونوں لشکروں سامنے میں ابن یاسین کے تینوں جرنیلوں کو خون میں نہلا کر رکھ دوں گا۔ پھر ابن یاسین کے ساتھ اکیلا کیا بگاڑ لے گا۔ اسے ہم جب اور جس وقت چاہیں گے شکست دیکر اس کی دکان کاٹ دیں گے۔ اس طرح نہ بیچ رہے گا نہ بڑا ہو کر ایک تناور درخت کی صورت میں لاجان کا غلاب بنے گا۔"

اس بار ابن دانودن کی بیٹی سیلہ نے بولتے ہوئے کہا: "ایک! ایک! اگر تم نہ دکھاؤ تو میں وعدہ کرتی ہوں، بابا تمہیں اپنا جانشین مقرر کر دیں گے اور یہ تمہارے ایک بہت بڑا اعزاز ہو گا۔"

ایک نے کچھ زیادہ ہی سعادت مندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا: "میرے لیے اہم سعادت کا مقام ہے کہ میں ان کا داماد ہونے والا ہوں۔"

ابن دانودن نے اپنے گھوڑے کی طرف بڑھتے ہوئے کہا: "میں اب واپس اپنے لشکر میں جاتا ہوں۔ تم صفیں درست کر کے میدان میں اُترو اور اپنے کام کی ابتداء کرو۔" دانودن اس کی بیٹی سیلہ اپنے گھوڑوں پر سوار ہو کر چلے گئے۔ ایک پہلے کی طرح اپنے لشکر کی صفیں درست کر رہا تھا۔

سغار اپنے گھوڑے پر سوار ہوا، اپنے سر پر اس نے اپنا خود جھایا پھر اپنے گھوڑے
ایک سخت ایڑ لگا کر میدان کے اندر مقابلے کے لیے تیار کھڑے ابن دافون کے داماد ایک
طرف بڑھا تھا۔

اریک کے سامنے آکر سغار نے اپنے گھوڑے کو روکا۔ اریک کا گھوڑا ابھی تک
لپٹ کر رہا تھا۔ اس کی گردن خوب موٹی، تنی ہوئی، ایالوں سے بھری اور نخلد ہو رہی تھی۔
یہ نے فوراً سغار کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: "اے میرے مقابل! اپنا نام کہو۔ ابن یاسین
بن جرنیلوں سے تم کون ہو؟"

سغار نے بڑے نرم لہجے میں کہا: "میں سغار بن عیرام ہوں۔"
اریک نے ایک طنز سے پوچھا: "تمہارے بعد اس میدان میں کون اترے گا؟"
سغار نے تلخ ہو کر پوچھا: "کیا کہنا چاہتے ہو تم؟"

اریک نے کہا: "میرا مطلب ہے، اے اجنبی! جب میں اس میدان میں مجھے
دہان کروں گا، تجھے رگیدوں کا تیرے اوپر شدید نا اُمیدی، اتھا غم طاری کروں گا۔
رے دفاع کے ہر ہند کو توڑ کر جب میں تیری رگوں کا سارا لہو بہا دوں گا اور تو زمین پر
جان پڑا رہ جائے گا۔ پھر اے ابن یاسین کے سالار! کون تیرے بعد میرا مقابلہ کرنے لے
بان میں اترے گا؟"

سغار نے اریک کو چیلنج دیتی ہوئی نظروں سے دیکھا۔ پھر اس نے اپنے لہجے کی
مائی سنگینی اور تلخی میں کہا: "سن اہرمن کے جلسے، اہلس کے رفیق! اس میدان میں تیری
اسی لطافت و سطوت اور نزاکت و تمکین کو میں کف اُٹاتی موجود کی طرح اُٹا دوں گا۔
سے تمہاری تلوار کے وار اور ڈھال کی ضرب کا سامنا کرے گا تو تجھ پر نفس کی تار بھی چھا جائے
مے تو قرب و بعید کے سب امتیاز بھول جائے گا اور تیری حالت واللہ! تو اپنے آپ کو
ٹہرے ہوئے خشک چول کی طرح سنان و زولیدہ پائے گا۔"

میں تجھ سے یہ نہیں پوچھتا کہ تیرے بعد اس میدان میں میرے سامنے کون آئے گا۔ لیکن
لادای میں جو موت کو اپنے سامنے توں کرتے دیکھے گا سوکھ ایں بیکار سروں کی فصل کاٹنا

اپنی صفوں کی درستگی کے بعد اریک دونوں لشکروں کے درمیانی میدان میں اُترا۔
نے نیا اور خوب چمکتا ہوا جنگی لباس پہن رکھا تھا۔ اس کے ایک ہاتھ میں ڈھال دوسرے
تلوار تھی اور اس کا گھوڑا بُری طرح کلیدیں کر رہا تھا۔ میدان کے وسط میں آکر اریک نے
تلوار بلند کی اور زور سے چلاتے ہوئے کہا: "مسلمانو! کیا تم میں تمہارا کوئی ایسا جوان
جو عورت و قمار میں میرا ہم تپہ ہو اور میدان میں اُتر کر میرا مقابلہ کرے؟"

یہ اعلان سن کر ابن یاسین کے پاس کھڑے ابو بکر بن عمر کے جسم میں آگ بھڑکی
اور اس نے ابن یاسین کی طرف دیکھتے ہوئے کہا: "آقا! اس جوان کے ساتھ مقابلہ
کے لیے میں میدان میں اُترتا ہوں۔ آپ میرے لیے دُعا کریں۔ اریک کہہ رہا تھا میں
کا حاکم اریک ہوں۔"

ابن یاسین ابو بکر بن عمر کو میدانِ جنگ میں اُترنے کی اجازت دیتا ہی جاتے تھے
انہوں نے دیکھا دائیں بائیں جانب سے یوسف بن تاشفین اور سغار بن عیرام اپنے گھوڑوں
کو اڑھ پراڑھ لگاتے اور سر پٹ دھڑاتے ہوئے ان کی طرف آ رہے تھے۔ ابن یاسین نے
"ابو بکر رک جاؤ۔ اپنے دائیں بائیں دیکھو یوسف اور سغار آ رہے ہیں۔ ان دونوں کا
دو شاید ان کی موجودگی میں کوئی بہتر فیصلہ ہو سکے۔"

یوسف اور سغار وہاں آکر رُکے، اپنے گھوڑوں سے اترے اور دونوں ایک
مقابلہ کرنے کے لیے میدانِ جنگ میں اُترنے کی اجازت طلب کرنے لگے تھے۔

ابن یاسین نے کچھ سوچتے ہوئے کہا: "تم دونوں کے آگے سے پیشتر ابو بکر جیسا
میں اُترنے کی اجازت طلب کر رہا تھا۔ میرے لیے تم تمہیں ایک سے ہو۔ میں کسی کا دل نہ
توڑنا چاہتا۔ اپنے سروں سے اپنے خود اُتار کر خوب تیرے ہو ایں اچھا۔ جس کا خود
پر سیدھا پڑے گا وہی میدان میں اُتر کر مقابلہ کرے گا۔"

ابو بکر، یوسف اور سغار نے ایک بار ایک دوسرے کو با معنی انداز میں دیکھا
پھر ایک دم انہوں نے اپنے خود اُتار کر ہوا میں اچھا دیئے۔ ابو بکر اور یوسف کے
اُٹنے پر جب کہ سغار کا خود سیدھا گرنا تھا۔ لہذا ابن یاسین نے اسے اجازت دے

خوب جانتا ہوں۔ وقت کی سمرن میں، تاریخ کے پھرتے اوراق میں میں تجھے دہملاؤں
آسیب کی طرح گنم اور خیالوں کے غفریت کی طرح بے حقیقت کردوں گا۔
گھوٹے کو آگے بڑھا کر مجھ پر حملہ کر دھرو دیکھو کیسے میں تجھے آسیائے دہر میں جیتاؤں
کس طرح تجھے پر آفاق تنگ کرتا ہوں۔

سنعار جب خاموش ہوا تو ایک نے انتہائی غصے اور غضب کی حالت میں
”کیا تو میرا نام نہ پوچھے گا کہ تجھے خبر ہو تو کس سے مخاطب ہے اور تیرا حال کیا ہے؟“
سنعار نے ایک وقار، ایک سطوت اور حین تکلم میں کہا ”مجھے یہ جاننے کی ضرورت
نہیں تو کون ہے۔ میں تجھے ایک گنم جنگلی سور جان کر اس زدم گاہ میں ماروں گا۔“
سنعار کی اس گفتگو پر ایک نے آؤ دیکھا نہ تاؤ اور وہ واقعی جنگلی سور کی طرح
وقاب کھاتا ہوا سنعار پر حملہ آور ہو گیا۔ ایک نے کئی لگا تا خطرناک وار سنعار پر
جو سنعار نے بڑی آسانی سے روک دیئے اور اپنا دفاع کر لیا تھا۔ ایک بھلا کر کہہ
تھا۔ اس کا کوئی وار بھی سنعار پر کارگر ثابت نہ ہوا تھا اور سنعار اس کے سامنے جلا آہ
اور فاتحانہ وقار کی طرح کھڑا اس کے فاروکتا رہا تھا اور ابھی تک اس نے اپنی جا
کا آغاز نہ کیا تھا۔

کوئی فیصلہ کرتے ہوئے ایک پھر حملہ آور ہوا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے اس بار
انتہائی خطرناک وار کرے گا۔ قریب آکر اچانک ایک نے اپنا رخ بدلا۔ تلوار بدک
اس نے اچانک اپنی ڈھال سنعار کے سامنے کر دی اور اپنی تلوار کا ایک بھر پورا
اس نے سنعار کے گھوٹے کی اگلی ٹانگ پر مارنا چاہا۔ شاید گھوٹے کی ٹانگ کو کا
کر اور سنعار کو نیچے گر کر وہ اپنے سامنے بے بس و مجبور کرنا چاہتا تھا۔ اس نے
ڈھال اس لیے آگے کر دی تھی کہ سنعار اپنے گھوٹے پر گرتی تلوار کو دیکھ نہ سکے لیکن ایک
کی اس وقت حیرت و تعجب کی کوئی انتہا نہ رہی جب اپنی تلوار کا دستہ مار کر سنعار نے اس کا
ڈھال کو ہٹا دیا اور اپنی ڈھال آگے کر کے اس نے اپنے گھوٹے کا دفاع کر لیا تھا۔ ایک
کی تلوار سنعار کی ڈھال سے ٹکرا کر رہ گئی تھی

ایک جو تہی نیا حملہ کرنے کے لیے پیچھے ہٹا، سنعار دفاع سے بیکل کر جارحیت پر اتر آیا۔
اپنے گھوٹے کی باگ ایک جھٹکے سے کھینچی پھرا سے سخت ممیز لگائی۔ گھوٹا ایک عجیب
دلفیانی میں اپنی دونوں ٹانگیں اٹھا کر اور فضا میں سیدھا ہوتا ہوا ہٹنا یا پھر آگے
ٹپک برق و سحاب اور موت کے تاریک میزلے کی طرح گرم و جولاں ہو کر ایک
مردستی میں سنعار حملہ آور ہوا۔ اپنی تلوار کے بجائے اس نے اپنی ڈھال ایک کے
پاؤں پر۔ جس وقت ایک اپنی ڈھال اپنے سامنے لاکر سنعار کی ڈھال سے اپنا دفاع
مارا، سنعار نے نیچے ہی نیچے اپنی تلوار کا عمل بھی شروع کیا اور ایک کے گھوٹے
ساکٹ کر رکھ دی۔ ایک کا گھوٹا لڑکھڑا کر گر گیا اور ایک دوسرا ہوتا ہوا دور جا
اور سنعار بھی اپنے گھوٹے سے نیچے کوڑ گیا تھا۔

ایک گرنے کے بعد فوراً اٹھ کھڑا ہوا۔ سنعار اپنی تلوار لہراتا ہوا اس کی طرف بڑھا
”اے خود غرض، سر میں اور قسمت آزاد انسان! میں نے تجھے کہا نہ تھا کہ میں تجھے
تلوار ایک لہرائوں گی طرح غیر آباد و غیر مستعمل کردوں گا۔ ابھی میرے عمل کی ابتدا ہوئی
ب تو دیکھتا رہ تھوڑی دیر بعد میری تلوار تیری ہڈیوں کے گودے میں بھی لڑزہ طاری
ہے گی اور تو زندگی پر قبرستان میں دفن ہونے کو ترجیح دے گا۔“

ایک نے اپنی آنکھوں میں ایک کر بناک انتقام لیے سنعار کی طرف دیکھا پھر کچھ
بھلے اس نے آگے بڑھ کر سنعار پر حملہ کر دیا تھا۔

پہلے اسے صرف سنعار کے دفاع کا سامنا تھا۔ اب جب کہ سنعار اپنی پوری
ت پر اتر ہوا تھا تو اس نے ایسی پھرتی اور وحشت ناک سے ایک پر جوابی حملہ کیا
اپنے برق رفتار حملوں سے ایک کو دور تک دھکیلتا اور گھسیٹتا چلا گیا تھا۔

وادی سلجھما سے اور درمہ کا مانا ہوا تیغ زن، سنعار کے تیز حملوں کے سامنے ایسا
مار رہا تھا تو ایسا سنعار کی شکل میں وہ کسی جلتے ویران موسمِ فطرت کی پراسرار قوتوں ہوں
تاریکی، شعلہ بیدار گہلوں کے اندھا ٹٹی ریت، اُل چٹاؤں اور قدرت کی کسی محبوب
میت قوت کا سامنا کر رہا ہو۔

ایا چانک اٹھنے والا طوفان اپنے پورے ہنگام دائروہام اور وہم وادہام کے ساتھ نازل ہونے لگا۔ ابن یاسین، ابوبکر بن عمر، یوسف بن تاشفین اور سنعار بن میرام اپنے لشکر کے آگے بڑھے اور وہ ایک وقار کے ساتھ اپنے گھوڑوں اور اونٹ پر سوار تھے۔

سب سے پہلے دونوں لشکروں کے قلب آپس میں ٹکرائے تھے۔ اس کے بعد سنعار نے اپنے لشکر کے ساتھ دشمن کے میسرہ سے حکم یا احسن کی بکمان ابن واندون کی بیٹی سیلہ کو رہی تھی پھر یوسف بن تاشفین اپنے شترسوار میسرہ کے ساتھ ابن واندون کے سینہ پر حملہ آور ہوئے۔ اس موقع پر اپنے گھوڑے پر سوار ابن یاسین کی حفاظت کے لیے مجاہدوں نے لڑتے ان کے گرد ایک مضبوط دائرہ بنالیا تھا۔

اس حفاظت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ابن یاسین نے اپنے لشکریوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: "اے صحراؤں کے فرزندان اجل! اے میرے باجبروت و ساجد! نسل انسانی کے نوابے آواز درانہ حمد گاتے گئے بڑھو اور ابن دشمنان دین کو ان کے منہم خانوں کی طرح بے ادب رکوت کر دو۔ ان کے نفس بچھو کو اخلاص و استقامت اور حرارت و حلاوت سے بھر دو۔ جذبوں سے آتشا کر دو۔ ان کے ہر او، ہر گھات سے ہوشیار رہ کر آگے بڑھو اور انہیں ٹکائی اور کھوٹی ہوئی بھیڑ بکریوں کی طرح بے منزل و بے ٹھکانہ کر دو۔ ان کے لیے سیاہ اندھی بربخ سیلاب بن کر پیش قدمی کر دو اور انہیں آوازوں کے سلسلے جان کر غفلت کے دوزخ میں ڈال دو۔"

نعرہ مارو! ہاں میرے رفیقو! اپنے رب کی تکبیر کا نعرہ مارو کہ ان سبھی سبھی مائل کے اندر ان کے رشتوں کی زنجیریں کاٹیں اور اپنے جہد عمل سے ان کی حالت کی کشتی جیسی کر دیں۔

ابن یاسین کے یہ الفاظ مجاہدین کے لیے کچھ اس طرح اشتعال طبع کے باعث بنے۔ لوگ دھن اور خستگی و بپارگی کا پیغام اور مرگ و موت کا طوفان بن کر بڑھنا شروع ہو گئے۔

ابن واندون کی بیٹی سیلہ درست طور پر اپنے میسرہ کا نظم و ضبط برقرار رکھ سکی

اریک کی اپنے مستقبل کے متعلق ساری غلط فہمیاں دور ہو گئیں تھیں اور وہ یہ کر رہا تھا گویا دشمنوں کا کوئی نجات دہندہ اس پر چڑھ دوڑا ہوا اور مقدمہ لگایا اور اسے کوئی خبیث روح جاکر زمین کی سرد پاتال میں اتار دینا چاہتا ہو۔

چانک زلزلہ کی طرح کشتی آواز میں سنعار نے اللہ اکبر کا مہول عادی کر دیا اپنا نعرہ مارا پھر اس کے حملوں میں ایک میٹھی ترپ، ستاروں کی سی روشنی، منہم گہرائی، خطر پسندی، حریفانہ کش مکش اور ایک قلندرانہ سکھوت سی لگتی تھی۔ چانک میں اریک کی سزاؤں کے طوفانی جھونکوں کی پکار جیسی چیخ بلند ہوئی۔ سنعار کی تلوار گردوں کے بائیں حصے پر گری تھی اور اسے کاٹتی چلی گئی تھی۔ اریک زمین پر گر کر رہ گیا تھا۔

سنعار نے ابن واندون کے لشکر کی طرف منہ کر کے بلند آواز میں کہا: "کیا لشکر میں اریک جیسا کوئی اور سر بھرا بھی ہے جو مقابلے کے لیے میدان میں آئے کیا تم لوگوں نے انفرادی جنگ اس قدر آسان سمجھ رکھی ہے کہ اس کے لیے بہتر لہجے میں پکارتے ہو۔ یاد رکھو ہماری ڈھالیں مضبوط اور تلواریں تیز ہیں۔ کیا تم میرے مقابلے پر خود تمہیں اترتے ہو؟"

ابن واندون یا اس کے کسی بھی جنیل یا لشکر میں نے سنعار کی پکار کا جواب دیا۔ ابن واندون کو اریک کی موت کا ایسا دکھ، ایسا صدمہ ہوا کہ انتقامی کارروا طور پر اس نے مسلمانوں پر ایک بھروسہ حملہ کرنے کا حکم دے دیا تھا۔ اریک کی بیٹی سیلہ اس کے لشکر میسرہ کی کمانداری کر رہی تھی۔ آگے بڑھتے ہوئے ابن واندون لشکر میں بڑی طرح جنگ کے طبل اور دھنیں بجنے لگی تھیں۔

ابن یاسین کے حکم پر مسلم مجاہدین بھی اللہ اکبر کی تکبیریں بلند کرتے ہوئے کے مست و شادمان قافلوں اور داستانوں سے بکھرے اوراق اکٹھے کرنے والے سپاہیانہ وقار کے ساتھ آگے بڑھتے تھے۔

دونوں لشکریوں ایک دوسرے پر ٹوٹ پڑے تھے جیسے فنا کی مری خواہ

لہٰذا طرف بھاگ گئی تھی۔

ابن یاسین نے اپنے لشکر کے ساتھ ابن دانودن کے پٹاؤ پر قبضہ کر لیا۔ مسلمانوں کے انجیل، ہتھیاروں کے بہترین، غنائم کے علاوہ ان گنت بھیڑ بکریاں، اونٹ اور گھوڑے۔ اس قدر بھیڑ بکریاں مسلمانوں کے اپنے پاس نہ تھیں جو انہیں ابن دانودن کے کیمپ پر سب بھیڑ بکریاں ابن دانودن نے اپنے لشکر کی خوراک کے لیے جمع کر رکھی تھیں۔ کوچ کر کے ابن یاسین آگے بڑھے اور بغیر کسی مزاحمت کے انہوں نے ابن دانودن کے ٹھکانے پر قبضہ کر کے انہیں اپنی عملداری میں شامل کر لیا تھا۔



ابن دانودن کے قتل اور اس کے حارے علاقوں کو اپنی عملداری میں شامل کرنے کے میں نے جھوٹے نبی صالح بن طریف کے پیروکاروں کی طرف توجہ کی۔ یہ انتہائی جنگجو

جھوٹے نبی صالح بن طریف کے پیروکار ابو حفص کو جب خبر ہوئی کہ مسلمانوں کے ابن دانودن کو شکست ہوئی ہے اور وہ خود جنگ میں مارا گیا ہے تو اس نے اپنے راتوں کو مسلمانوں کے خطرے سے آگاہ کیا۔

ان دوران جب ابن دانودن کی بیٹی سیلہ بھی اپنے بچے کھچے لشکر کے ساتھ اس کے لیے پہنچ گئی اور اس نے ابو حفص کو جب یہ بتایا کہ مسلمان اب اس طرف کا رخ کر رہے ہیں اس نے اپنے ہمسایہ حکمرانوں کو اپنی مدد کے لیے بلایا۔

ان میں دو ہمسائے نہایت اہم اور قابل ذکر تھے۔ ایک کوہتان اطلس کے قبائل کے جنگجو بربر اور دوسرے بنو حمار کا نصرانی حکمران بلوگین شامل تھے۔ ان دونوں نے ابو حفص کی پکار کا خاطر خواہ جواب دیا اور اپنے لشکر انہوں نے ابو حفص کی مدد کے لیے آگے۔

ابن یاسین دشمنوں کے اس سارے گٹھ جوڑ اور اتحاد سے باخبر مگر اپنے رب کے اپنے جذبہ ایمانی کے محنت دشمن کی اس عدوی برتری سے بے نیاز ہو کر آگے

تھی۔ سنا کرنے اپنے تیز حملوں سے اس کے میسرہ کی ساری تنظیم، ساری جمعیت غریب ہوئے کپڑے کی طرح پھاڑ کر کھ دی تھی۔

دوسری طرف یوسف بن تاشفین نے اپنے میسرہ کے ساتھ دشمن کے میسرہ کو رکھ دیا تھا اور وہ ان کے اندر گھس کر ایک طرح سے ان کا قتل عام کر چکا تھا۔ دانودن کے قلب پر بھی ابن یاسین اور ابو بکر بن عمر کے قلب کا زور اور دباؤ تیز اور سخت ہوتا جا رہا تھا۔

اچانک اپنے میسرہ کے ساتھ نعرہ ہائے اللہ اکبر کی صدا میں بلند کرتے ہوئے نے اپنے حملوں میں اور تیزی اور سختی پیدا کر دی سیلہ جو مذم گاہ کا اتنا تجربہ نہ رکھتا اس سختی اور بوجھ کو برداشت نہ کر سکی اور مایوس ہو کر میدان جنگ سے بھاگ کر فرار ہوتے دیکھ کر پورے میسرہ کی صفیں درہم برہم ہو گئیں اور سلیکے پیچھے پیچھے بھاگنے لگے تھے۔ سنا کرنے ان کا تعاقب ان کا قتل عام شروع کر دیا تھا۔

دشمن کا میسرہ پہلے بھی یوسف بن تاشفین کی طرف سے سخت دباؤ اور محسوس کر رہا تھا۔ اب جو ان کے کان میں یہ بھنگ پڑی کہ ان کے میسرہ کو شکست ہے اور ابن دانودن کی بیٹی میدان چھوڑ کر فرار ہو گئی ہے تو وہ بھی میدان موڑ کر فرار کرنے لگے۔ یوسف بن تاشفین ان کے پیچھے لگ گیا تھا۔ اپنے میسرہ کے فرار کے بعد ابن دانودن نے لڑتے لڑتے اپنے قلب کو پیچھے ہٹا کر فرار دیا تھا۔ وہ چاہتا تھا اس موقع پر اگر اس نے اپنے لشکر کو فرار کی اجازت دی تو حالت اس بکری سے مختلف نہ ہوگی جس کے پیچھے کئی بھوکے اور خونخوار بھیڑ بے گھر ہوں لیکن ابن دانودن بہت دیر کو چکا تھا۔ اب پیچھے ہٹنے کا موقع نہ رہا تھا۔ کیوں کہ ابن تاشفین اور سنا کرنے اس کے میسرہ اور میسرہ کی اکثریت کو تہ تیغ کرنے کے بعد دانودن کے قلب کو چاروں طرف سے گھیر کر مکمل طور پر اس کا صفایا کر دیا گیا۔

اس جنگ میں ابن دانودن بھی مارا گیا تاہم اس کی بیٹی اپنے بچے کھچے لشکر کے ساتھ جھوٹے نبی صالح بن طریف کے وارث ابو حفص کے پاس پناہ لینے کی خاطر اس کے

بڑھتے رہے۔

یوسف بن تاشفین اپنے شتر بانوں کے ساتھ ایک خوفناک شام، سیل بے کراں، ستودہ و سرستہ قوت اور دوسرے کی جھلسا دینے والی باؤ کی طرح چھاتا جا رہا تھا اور اپنے مہینہ کے ساتھ دشمن کے میسرہ کے سارے تئیب و پستی اور فراز و بالا کی گھمبیر خاموشی کی طرح ہموار و درست کر کے رکھ دیا تھا۔ جس طرح چپتی ریت پھیلتی ہے ایسے ہی سنعار اپنی بھرپور عقیدت و صدق اور بہالت و شجاعت کے ساتھ نازل ہو رہا تھا۔

مسلمان مجاہدین کو نیکوئی کے معجزوں کا اتباع کرتے ہوئے دشمن کی متحدہ قوتوں پر ہول نہیں لگا رہے تھے عین اس وقت جب کہ جنگ اپنے عروج پر تھی اور ابن یاسین دشمن کی جنگ کر رہے تھے، دشمن کے کسی سپاہی کا ایک نیزہ ہواؤں میں تیرتا ہوا ابن یاسین کے دل میں پیوست ہو گیا۔ ابن یاسین اپنے گھوڑے سے گر کر دم توڑ

ابن یاسین کی موت پر مسلمان مجاہدین بد دل ہونے کے بجائے انتقامی کا اردوائی کے ابو بکر بن عمر، یوسف بن تاشفین اور سنعار بن عیرام کی سرکردگی میں پہلے سے زیادہ بہرہ کمال اور ہونے لگے تھے۔ ان کے حملوں میں ان گنت صدیوں کا غضب قلعہ بیت اور آگ کے طوفان کی سی تپش و حرارت تھی۔ ابن یاسین کی مرگ کے انتقام میں ابو بکر انسانی عظمتوں کے پیکر بن کر بدیوں کی اصلاح کرنے لگے تھے۔ اپنے تیز اور اعلیٰ میں مجاہدین اپنے حیات بخش جذبیوں کے ساتھ سیلِ فود و نغمہ کی طرح دشمن کو گھس گئے تھے۔

حفظ کے متحدہ لشکر کی حالت اب اس ابر آواز جیسی ہو گئی تھی جیسے ہوا جس سمت اے جائے۔ ابو حفص کے سارے جذبے، سارے ارادے اور ساری امیدیں نالہ و مہول میں بدل گئے تھے۔ یکبارگی ابو بکر بن عمر کے اشارے پر مسلمانوں کی ٹکریوں کے ساتھ ایک دوسرے کو یہ نیا پیغام دیتے ہوئے سخت طوفانی حملے دیئے۔ دشمن کے لشکر کی حالت اب خانہ ویران کی تیرگی جیسی ہو گئی تھی۔

زبیر کے مقام پر ان کا دشمن سے سامنا ہوا۔ ابن یاسین نے اپنے لشکر کا قریب ایسی ہی جگہ جیسی ابن دانودن کے ساتھ جنگ کے دوران تھی۔ دوسری طرف ابن حفص نے اپنے لشکر کو چار حصوں میں تقسیم کیا تھا۔ قلب لشکر اس کے اپنے پاس تھا اور اس کے اس کے اپنے لشکر شامل تھے۔ میسرہ میں قبائلِ مضمورہ کے زہریلے جنگجو شامل تھے۔ مہینہ نصرانی حکمران بلوگین کے لشکر شامل تھا۔ عقب میں ابن دانودن کی بیٹی سلیمانہ شکرست خوردہ لشکر کے ساتھ شامل تھی۔ اس کے ذمے پڑاؤ کی حفاظت کے علاوہ اہل حصص کے متحدہ لشکر کے عقبی حصے کو محفوظ رکھنا تھا۔

ابن حفص نے چالاکی سے کام لیا۔ مسلمانوں کو دیکھتے ہی اس نے انہیں پڑاؤ کرنے مہلت بھی نہ دی اور اپنے لشکر کو ان پر حملہ کرنے کا حکم دے دیا۔ ابن یاسین نے فرائض و منہاجہ کے مجاہدوں کو رسد و خوراک کے سامان، لشکر کی عورتوں اور لشکر کے عقبی حصے حفاظت پر مامور کیا اور سفر کی ٹکان کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے وہ افریقہ کی اس متحدہ دین قوت کے خلاف صف آرا ہو گئے تھے۔ زبیر کے میدانوں میں دونوں متحارب گروہ کے درمیان سانس کی ڈوریاں منقطع کر دینے والی ہولناک جنگ شروع ہو گئی تھی۔

ابن حفص مسلمانوں پر اچانک حملہ کر کے اپنے لیے فوائد حاصل کرنا چاہتا تھا لیکن اسے کوئی کامیابی اور آمیت تک دکھائی نہ دی تھی۔ مسلمان مجاہدین موج کی مانند بے ہوا دشمن کے غرور و تفاخر کو بہانے لگے تھے۔

ان کے حملوں میں سفر کی ٹکان کے باوجود آسودگی و سرستی قص و جدا و ایک آنگیز طراوت تھی۔ وہ کسی ادراک مند موید و حکیم اور مزاج آشنا طبیب و داناکر اپنے مردود و مقہور دشمن کی ساری رویا ہی کا علاج کر رہے تھے۔

ابن یاسین اور ابو بکر بن عمر اپنے قلب سے ابو حفص کے قلب پر یوں چلنے لگے جیسے شفق کو شام کے دھندلے کھٹکتے ہیں۔ انہوں نے ابو حفص کے سارے جذبہ کو بھرا دیا تھا۔ جیسے برفانی و طوفانی رات ہر شے پر چھا کر اسے بے حس و

پایا۔ پھر دشمن کے پڑاؤ پر قبضہ کر لیا گیا۔ یہاں بھی ان گنت خیمے، بھیر بکریاں، اونٹ گھوڑے
دل کے انبار، نقدی کے تھیلے اور خوراک کے ڈھیر مسلمانوں کے ہاتھ لگے۔

چند دن تک اسی میدان میں رک کما بکرنے اپنے لشکریوں کو آرام کا موقع فراہم
کے علاوہ اپنے زخمیوں کی دیکھ بھال کی۔ اس کے بعد انہوں نے اس میدان سے کوچ
مغرب کی طرف بڑھے، اب ان کا رخ ابو حفص کے مرکزی شہر برغواطہ کی طرف تھا۔

ابو حفص کو جب خبر ہوئی کہ مسلمان اب اس کے مرکزی شہر برغواطہ کا رخ کر رہے ہیں
نے اپنی عمل داری کے ہر جوان شخص کو جنگ میں حصہ لینے کا حکم دیا۔ چونکہ ابو حفص جھوٹے
صلح بن طرفین کا ایک پشوا و امام سمجھا جاتا تھا اور لوگ سختی سے صلح طریف کو
لے اور اس کی شریعت پر عمل کرنے والے تھے لہذا ابو حفص کی پکار پر وہ مسلح ہو کر
شہر میں آجھ ہوئے۔ حتیٰ کہ جوان عورتیں اور لڑکیاں بھی مسلح ہو کر جنگ میں حصہ لینے
شکر میں شامل ہو گئیں۔

ابو حفص کے پاس اس قدر لشکر جمع ہو گیا تھا کہ عددی لحاظ سے پہلی جنگ کے متحدہ
بھی اسے فوقیت ہو گئی تھی۔ اس قدر لشکر دیکھ کر اپنی فتح کے زعم میں ابو حفص نے شہر
میں مسلمانوں کا مقابلہ کیا لیکن ابو بکر بن عمر، یوسف بن تاشفین اور سنعار بن عیرام
یسا ہولناک تھا کہ پہلے ہی پہلے میں ابو حفص کے لشکر ہی فرار کرنے لگے اور مسلمان
بادلوں کی مانند ان پر چھلتے گئے۔ ابو حفص کو ذلت آمیز شکست ہوئی اور خود وہ جنگ
لیا۔ شہر پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔

ابو بکر بن عمر نے اپنے لشکر کے ساتھ یہاں چند روز قیام کیا۔ اس دوران صلح طریف
ثروت قرآن کے سارے نسخے حاصل کر کے انہیں جلا دیا گیا اور لوگوں کو اسلام کی تبلیغ
کیلئے مبلغ مقرر کیے جو ابو حفص کی ساری عملداری میں پھیل کر اسلام کی تبلیغ و وعظ
کرتے تھے۔

اک دن ابو بکر بن عمر، یوسف بن تاشفین اور سنعار بن عیرام جنگ کی تیاری
کے رہے کیوں کہ اب ان کا ارادہ کوہستان اطلس کے جنگی قبائل مصمومہ پر حملہ آور

تھوڑی دیر کی اور جنگ کے بعد ابو حفص کے لشکر میں پانی کے آثار نمودار ہونے لگے
پہلے سنعار سے مقابلہ کرنے والے اس کے میسرہ کی صفیں درہم برہم ہو گئیں۔ میسرہ
حکمران بلوگین کے لشکر شہتیل تھا۔ سنعار نے بلوگین کے اس لشکر کو درہم برہم کے نحوں پر بند
کی طرح اٹکا کر رکھ دیا تھا اور ان پر اپنے لشکر کے ساتھ اپنی تلواروں سے ایک طرف
سے عمل کی ابتدا کر دی تھی۔ اپنی صفیں درہم برہم کر کے بعد آخر بلوگین کا وہ لشکر
بھاگ کھڑا ہوا۔

ابن دانودن کی لڑکی سیلہ جو لشکر کے عقبی حصہ کی حفاظت پر مامور تھی اس نے جب
بلوگین کے لشکر کو پیا ہوتے دیکھا تو اس نے بھی اپنے لشکر کو پانی کا حکم دیا اور فرار ہونے لگی
حالت دیکھ کر ابو حفص اور قبائل مصمومہ بھی پیچھے ہٹنے لگے۔ اس موقع پر ابو بکر بن عمر اور
یوسف بن تاشفین نے ان پر ایسا زور ڈالا کہ وہ بھی میدان جنگ چھوڑ کر بھاگ نکلے۔

ابو بکر بن عمر، یوسف بن تاشفین اور سنعار بن عیرام نے تھوڑی دور تک
کا تعاقب کر کے لشکر کو خوب کاٹا لیکن جب ابو حفص، بلوگین کے لشکر اور قبائل مصمومہ
بھاگتے بھاگتے تین مختلف سمتیں اختیار کیں تو ابو بکر نے تعاقب ختم کر دیا۔ کیوں کہ اس
صورت میں تعاقب جاری رکھنے کے لیے انہیں بھی اپنے لشکر کو تین حصوں میں تقسیم کرنا
اور یہ صورت حال ان کے لیے خطرناک بھی ثابت ہو سکتی تھی۔ لہذا ابو بکر کے حکم پر تعاقب
کر دیا گیا اور لشکر واپس میدان جنگ کی طرف آیا۔

ابن یاسین کو بڑے احترام و اعزاز کے ساتھ زخیر کے میدان میں ایک ٹیلے

لے زخیر کے مقام پر ابن یاسین کی سادہ سی قبر آج بھی موجود ہے۔ ابن یاسین بلاشبہ ان مصلحین میں
میں سے تھے جنہوں نے اپنے علم و عمل اور زہد کی تقویٰ کی بدولت لاکھوں ہندوؤں کا خدا کو صلہ
کی طرف گامزن کیا اور ان کی کوشش و سعی سے ایک ایسی اسلامی سلطنت کی بنیاد رکھی جس کا
مقصد اسلام کی سرپرستی، کتاب و سنت پر عمل، معاشرے کی اصلاح، فساد کا خاتمہ
نیکوئی کی ترویج اور علوم کی نشر و اشاعت تھا۔ وہ بلا مبالغہ اپنے دور کے مجدد تھے۔

ہونے کا تھا۔ یہ قابل جنگ ہوئے کے علاوہ تعداد میں بھی سب سے زیادہ تھے لہذا مسلمانوں نے ان سے ٹھنڈے کے لیے بھرپور تیاریاں شروع کر دی تھیں۔



برغواطہ شہر سے باہر اپنے پڑاؤ میں مغرب کی نماز پڑھنے کے بعد ایک روز منار پر اپنے خیمے میں داخل ہوا تو اس نے دیکھا اس کے خیمے میں روطہ اور ابو بکر بن عمر کی بیوی زینب اور اس کی چھوٹی بہن سیدت تینوں بیٹھی ہوئی تھیں خیمے کے دروازے پر ہی کھڑے ہو کر سنا رہی تھیں کہ کیا میں اندر آ سکتا ہوں؟

زینب نے خوش طبعی سے کہا۔ ”سنعار بھائی! یہ خیمہ تو آپ کا ہے اس میں آئے لیے ہم سے اجازت کیسی؟“ آپ اندر آئیں ہم آپ سے کچھ کہنے آئی ہیں۔“

سنعار خیمے میں داخل ہو کر ان کے سامنے بیٹھ گیا۔ سیدت نے روطہ کو کہنی مارنے پر کہا۔ ”چلو کہو جو کہنا چاہتی ہو ورنہ ہم اٹھ کر چلی جائیں گی اور تم دیکھتی رہ جاؤ گی۔“

روطہ نے ایک جھکی جھکی سی نگاہ سنعار پر ڈالی پھر شرماتے، بچکاتے اس نے کہا۔ ”گزشتہ جنگ میں اریک جیسے منہ زور پر آپ کی شاندار کامیابی پر آپ کو مبارکباد دیتی ہوں۔“

کے بعد زینب اور سیدت نے بھی مبارکباد دی۔ سنعار ہلکے ہلکے مسکرا رہا تھا۔ پھر سیدت نے کہا۔ ”یہ روطہ پچھلے کئی روز سے آپ کے پاس آئے کا ارادہ کر رہی تھی۔ یہ آپ کو اریک۔“

خلافت کامیابی پر مبارکباد دینا چاہتی تھی۔ میں نے اسے کہا بھی کہ جاؤ سنعار بھائی سے ان کے خیمے پر کرمل آؤ لیکن شہر نہیں یہ آپ کے پاس اکیلی آتی ہوئی کیوں شرماتی تھی جب کہ یہ آپ کے ساتھ ہی

کی سوئی میں رہتی ہے۔ ہر روز مجھے کہتی تھی تم امیر سنعار کے پاس میرے ساتھ چلو۔ آج یہ مجھ کو زبردستی بھیج کر لائی ہے۔“

روطہ کے چہرے پر حیا آمیز مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی اور کبھی کبھی وہ نظریں پھیر کر کی طرف بھی دیکھ لیتی تھی۔ اچانک زینب نے موضوع بدلتے ہوئے سنعار سے کہا۔

”میں آپ سے کچھ کہنا چاہتی ہوں۔ اس کے لیے میں آپ کو کیسے مخاطب کرو اپنے قبیلے کے سرور ہونے کی حیثیت سے امیر کہہ کر پکاروں یا ایک بھائی کہہ کر مخاطب کرو

سنعار نے کہا۔ ”اے میری بہن! مجھے بھائی کہہ کر ہی مخاطب کرو۔“

زینب نے کہا۔ ”تو پھر اے میرے بھائی سنو! آپ کی بہن پھر آپ سے پوچھتی آپ کب تک روطہ سے شادی کر لیں گے۔ یہ بچاری آپ کی چاہت میں اندھیروں میں چلنے

باغ کی چربی کی طرح پگھلتی جا رہی ہے۔“

اس اچانک گفتگو پر روطہ کا چہرہ شرم و حیا میں سرخ ہو کر رہ گیا تھا۔ اس کی گردن جھک کے ٹخنوں تک چلی گئی تھی پھر سنعار نے بھرپور شوق سے روطہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”یہ معاملہ روطہ کا ہے اور اس کی مرضی کے بغیر یہ کیوں کر طے ہو سکتا ہے۔ یہ فیصلہ اس ہا ہے کہ یہ ہمیشہ کے لیے ایک رفیقہ کی حیثیت سے میرے ساتھ رہے گی یا اپنی زندگی کا یہ

رہنے کے لیے اس کی منزل کوئی اور ہے۔ ویسے بھی اس موضوع پر کبھی میری روطہ سے گفتگو ہوئی اور اے میری بہن! نہ ہی ہم دونوں نے کوئی زندگی کا عہد و پیمان باندھا۔ روطہ

ساتھ میری حویلی میں منورہ رہ رہی ہے اور اس کی حیثیت وہاں ایک مالک کی سی بھی ہے لکے باوجود ہم نے کبھی اکٹھے بیٹھ کر اس موضوع پر کبھی گفتگو نہیں کی۔“

زینب نے کہا۔ ”اے میرے بھائی! اس سلسلے میں روطہ کے ساتھ میں تفصیل سے گفتگو

اہل۔ بخدا یہ آپ کو پسند کرتی ہے۔ آپ کے لیے بے چین رہتی ہے اور آپ سے

انے کی خواہش مند ہے اگر آپ کو یقین نہ ہو تو میں یہ باتیں آپ کی موجودگی میں روطہ

واسکتی ہوں۔“

سنعار نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ”نہیں اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔“

زینب نے زور دیتے ہوئے کہا تو پھر بتائیں کب آپ روطہ سے شادی کریں گے

آئی ہوں کہ آپ ایک دو روز میں ہی روطہ سے شادی کر لیں کیوں کہ ہو سکتا ہے کہ

نزدیک میرے شہر ابو بکر بن عمر یہاں سے صنہاجہ قبائل کی طرف روانہ ہو جائیں اور مجھے اپنے

بھائیوں اس طرح روطہ کی شادی تاخیر ہو جائے گی۔“

سنعار نے فکر مند لہجے میں پوچھا۔ ”امیر ابو بکر صنہاجہ قبائل کی طرف کیوں روانہ

ہتے ہیں۔“

سغار نے تشریش کا اظہار کرتے ہوئے پوچھا۔ ”زینب کا کیا معاملہ ہے۔ اس سے بدلت بھی مجھ سے اس معاملہ پر گفتگو کرنے والی تھی لیکن آپ کے آجانے کی وجہ سے ہانک خاموش ہو گئی جب کہ زینب گھبرائی گھبرائی سی اٹھ کر چلی گئی آخر کیا بات ہے۔“ عیسیٰ نے کہا۔ ”میری بیٹی زینب کہیں شروع ہی سے تاشفین کے بیٹے یوسف بند کرتی تھی لیکن مجھے یا میرے گھر کے کسی دوسرے فرد کو علم نہ تھا۔ یوسف بن تاشفین زینب کو چاہتا تھا اور دونوں کا ارادہ تھا کہ وہ کسی نہ کسی طرح اپنے گھر والوں پر اپنا وہ ہر کر کے شادی کر لیں گے۔ لیکن اسی دوران زینب کی خادی امیر ابو بکر بن عمر سے

ہی۔ یوسف بن تاشفین اپنے بیٹے چچا زاد بھائی کے احترام کی وجہ سے خاموش تھیں رہ گیا۔ زینب نے شرم و حیا کے باعث چپ سا دھلی لیکن اب میں نے سنا ہے میری اکثر روتی رہتی ہے، وہ امیر ابو بکر کے ساتھ خوش نہیں ہے۔ وہ ان کا احترام اور ان زت ضرور کرتی ہے لیکن وہ اپنی ذات میں خوش نہیں، چرنی کی طرح گپکھلتی جا رہی ہے۔“ عیسیٰ نے ذرا رک کر کہا۔ ”آپ نے دیکھا میری بیٹی شادی سے قبل کیسی سخت مند

اب وہ سوکھ کر خشک لکڑی کی طرح ہوتی جا رہی ہے۔ کاش میں شادی سے قبل اس نذر لیتا۔ میں تو اسی زعم میں رہا کہ امیر ابو بکر سے شادی پر وہ خوش ہوگی لیکن مجھے کیا قیام وہ اور یوسف بن تاشفین ایک دوسرے کو پسند کر چکے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں میں نے اپنی بدظلم کیا ہے۔ میں اپنے آپ کو مجرم سمجھنے لگا ہوں۔ اے امیر! آپ مشورہ دیں کہ کیسے اپنی ذات کے اندر اس ظلم، اس جرم کو مٹا سکوں۔“

سغار نے سوچتے ہوئے کہا۔ ”یوسف شروع ہی سے میرا روت اور بھائی رہا ہے لیکن اس مجھ پر بھی کبھی شکر تک نہیں ہونے دیا کہ وہ زینب کو پسند کرتا ہے۔“ عیسیٰ نے کہا۔ ”وہ انتہائی نیک نوا اور خاموش طبع انسان ہے، وہ اپنے فیصلے قدرت انجام پر چھوڑ دینے والا انسان ہے۔“

سغار نے کہا۔ ”تو پھر آپ بھی اپنے فیصلے قدرت کے انجام پر چھوڑ کر خاموش بائیں اور زینب کو امیر ابو بکر کے ساتھ گزارہ کرنے دیں۔“

زینب نے کہا۔ ”تھوڑی دیر قبل ہی منہاجہ قبائل سے کچھ لوگ آئے ہیں۔ وہ اپنے ان جوانوں کو لینے آئے ہیں جو ہمارے لشکر میں شامل ہیں وہ امیر ابو بکر سے کہہ رہے تھے منہاجہ قبائل آپس میں لڑ پڑے ہیں لہذا وہ لشکر میں شامل اپنے جوانوں کو واپس لینے آئے ہیں تاکہ وہ اپنے اپنے قبیلے کا ساتھ دیں۔ امیر ابو بکر کہہ رہے تھے منہاجہ کی یہ قبائل جنگ ان صحراؤں کے اندر مسلمانوں کی قوت کو نقصان پہنچا سکتی ہے لہذا وہ ان قبائل میں صلح کرانے کے لیے خود ان کے ہاں جائیں گے۔“

سغار نے فکر مند لہجے میں کہا۔ ”اگر منہاجہ قبائل آپس میں لڑ پڑے ہیں تو یہ بہتر رہا ہے اس طرح ان صحراؤں کے اندر مسلمانوں کی عسکری قوت کو واقعی نقصان پہنچے گا۔“ زینب کی چھوٹی بہن سیدت نے سغار سے کہا۔ ”اے امیر! آپ تو صرف اب ایک معاملہ پر ہی اس قدر فکر مند ہو گئے ہیں ابھی تو آپ کے پاس میرے بابا اس سے بڑا ایک سنگین مسئلہ کر رہے ہیں۔“

سغار نے پریشانی میں پوچھا۔ ”وہ کون سا معاملہ ہے جو تمہارے بابا میرے پاس رہے ہیں۔“

سیدت نے کہا۔ ”وہ میری بہن زینب اور امیر ابو بکر کا معاملہ ہے۔“ سغار نے اور زیادہ پریشانی میں پوچھا۔ ”ان دونوں کا کیا معاملہ ہے۔“ ان دونوں کے درمیان کوئی تنازعہ یا جھگڑا ہے۔“

سیدت نے کہا۔ ”یہ تو میرے بابا ہی آپ سے سیدت کہتے کہتے رک گئی کیوں کہ خیمے میں اس کا باپ عیسیٰ داخل ہوا تھا۔ آپ کو دیکھتے ہی زینب اٹھ کر خیمے سے باہر نکل گئی۔ شاید وہ جانتی تھی کہ اس کا باپ کو گفتگو کرنے آیا ہے تاہم روطہ اور سیدت دونوں وہیں سغار کے پاس بیٹھی رہیں۔ سید کا باپ عیسیٰ، سغار کے سامنے آکر بیٹھ گیا اور کہا۔ ”عیرام کے بیٹے! آپ ہمارے کے سردار ہیں۔ میں آپ کے پاس اپنی بیٹی زینب کا معاملہ لے کر آیا ہوں اور آپ فیصلے اور مشورے کا خواہشمند ہوں۔“

عبیل نے کہا: ”کیا آپ چاہتے ہیں کہ میری بیٹی سوکھ کر کاٹا ہو جائے؟ اگر وہ اسی حالت میں کچھ عرصہ اور رہی تو وہ بیمار ہو کر ختم ہو جائے گی۔ کاش میں اپنی عزیز بیٹی کی کوئی مدد کر سکتا۔“

عبیل نے ذرا رُک کر کہا: ”اے عیرام کے بیٹے! اے عیرام کے بیٹے! کیا ایسا ممکن نہیں کہ امیر ابو بکر زینب کو طلاق دے دیں اور اگر وہ چاہیں تو سیت کو اپنی زوجہ میں لے لیں۔ آپ دیکھتے ہیں سیت میری بیٹیوں میں سب سے زیادہ خوب سموت اور قد آور ہے۔“

سنعار نے کہا: ”میں فی الوقت آپ سے کوئی وعدہ نہیں کرتا۔ میں پہلے ابو بکر سے اس سلسلہ میں بات کروں گا۔ وہ جو فیصلہ کریں گے ہم سب کو قبول ہونا چاہیے اور جس نے ان کے فیصلے سے روگردانی کی تو یاد رکھو وہ صرف امیر ابو بکر ہی کا نہیں میرا بھی دشمن ہوگا۔ ابو بکر بن عمر ہم سب کے امیر ہیں ان کا احترام ہم سب پر ضرور ہے۔“

سنعار کہتے کہتے خاموش ہو گیا۔ کیوں کہ خیمے کے دروازے پر ایک سپاہی نمودا ہوا اور اس نے سنعار کی طرف دیکھتے ہوئے کہا: ”آپ کو امیر ابو بکر نے بلایا ہے۔“ سنعار نے پوچھا: ”میرے علاوہ بھی کسی کو انہوں نے بلایا ہے۔“ سپاہی نے کہا: ”ہاں انہوں نے امیر یوسف کو بھی بلایا ہے اور وہ اس وقت ان کے خیمے میں موجود ہیں۔“

سنعار جب اُٹھنے لگا تو عبیل نے کہا: ”امیر سنعار! میں یہیں آپ کے خیمے میں ہی بیٹھ کر آپ کا انتظار کرتا رہا ہوں۔ اب جب کہ امیر ابو بکر نے آپ کو بلایا بھی ہے تو آپ زینب کے موضوع پر بھی ان سے ضرور گفتگو کریں۔“

سنعار نے اُٹھتے ہوئے کہا: ”عبیل! عبیل! میرے آنے تک پھر یہیں بیٹھو۔ میں امیر ابو بکر سے بات کروں گا۔ روطہ اور سیت! تم دونوں بھی میرے لوٹنے تک یہیں رہو۔“ سنعار اپنے خیمے سے باہر نکل کر اس سپاہی کے ساتھ ہولیا جو اسے بلانے آیا تھا۔

امیر ابو بکر بن عمر کے خیمے میں سنعار جب داخل ہوا تو اس نے دیکھا وہاں خیمے کے اندر بکر اور یوسف بن تاشغین دونوں بیٹھے ہوئے تھے۔ سنعار خاموشی سے ان دونوں کے ہاتھ دیکھ گیا۔ امیر ابو بکر نے ان دونوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: ”میرے پاس تم دونوں کے لیے دو موضوع ہیں۔“

سنعار نے کہا: ”اے امیر! آپ سے بات کرنے کے لیے ایک موضوع میرے پاس ہے لیکن میں اس پر علیحدگی میں گفتگو کروں گا۔“

امیر ابو بکر نے کسی قدر شہیدگی میں کہا: ”تمہاری گفتگو کا موضوع اگر عبیل کی بیٹی زینب اس کا میں فیصلہ کر چکا ہوں اور اپنے بھائی یوسف کے سامنے میں تم سے اس موضوع کو کروں گا۔ سنو! میرے دونوں عزیز بھائیو! مجھے غور سے سنو! میرا پہلا فیصلہ یہ ہے آج اور ابھی صرف چند ساتھیوں کے ساتھ یہاں سے رخصت ہو جاؤں گا۔ منہاجہ قبائل دوسرے کے خلاف صف آرا ہو گئے ہیں جو افریقیہ کے اندر مسلمانوں کی قوت کے لیے ضعف ٹان بن سکتے ہیں۔ میں جا کر منہاجہ قبائل میں صلح کروں گا۔ لشکر میں جس قدر منہاجہ قبائل ان میں وہ سب میرے ساتھ یہاں سے کوچ کریں گے۔ منہاجہ قبائل میں سے جس نے بھی صلح کی اس کو تشش کو روک دینے کی کوشش کی، میں ان ہی منہاجہ جوانوں کو ان ملاں اپنے لشکر کے طور پر استعمال کروں گا۔ یہ سب حیران میرا ساتھ دینے کا عہدہ کرنا اور میں انہیں کوچ کے لیے اپنی تیاریاں مکمل کر لینے کا حکم دے چکا ہوں۔“

”اور سنو! منہاجہ قبائل کے مابین صلح کرانے اور ان کے اندر کچھ عرصہ رہنے کے بعد ان میں سے ایک شہر تیار کر کے سوڈان کی طرف بھج جاؤں گا اور وہاں میں اسلام کی تبلیغ و ناسک فراتھ انجام دوں گا۔ ابن یاسین کی یہ خواہش تھی کہ سوڈان میں بھی تبلیغ کا کام شروع لے اور میں یہ کام سرانجام دوں گا۔ میرے بعد یوسف کی حیثیت مرا بطین کے امیر کی اور سنعار! تم نائب امیر ہو گے۔ ابھی تم دونوں کے فتنے بے حد اہم کام ہیں۔ سب بے کوہستان اطلس کے مصروف قبائل کو زیر کرو اور جان رکھو ایک روز نصرانی حکمران ہمارے خلاف سر اٹھائے گا۔ مجھے یہ خبریں بھی یہاں سے گزرنے والے کچھ تاجروں

بن ڈال کر تیار کر دیا گیا ہے۔“

امیر ابو بکر نے کہا۔ ”بس میں تھوڑی دیر تک آ رہا ہوں۔“

اس موقع پر یوسف بن تاشفین نے رقت امیر آواز میں کہا۔ اے امیر! میں نے ان دونوں فیصلوں کے خلاف سخت احتجاج کرتا ہوں۔ آپ کو زینب کو طلاق نہ چاہیے تھی بلکہ میری اور اس کی ماضی کی یادوں کو ہماری کوتاہی جان کر فراموش کر دینا ہے۔ اور پھر آپ کے صنہاجہ قبائل کی جنگ منانے کے بعد ہمیشہ کے لیے سوڈان کی طرف جانے کا فیصلہ کر لیا ہے یہ بھی آپ کی زیادتی ہے۔“

ابو بکر نے اپنی جگہ پر سے اٹھتے ہوئے کہا۔ ”یہ زیادتی نہیں حالات کا تقاضہ ہے۔ میں جانتا ہوں میرے بعد میرا بھائی یوسف مرا بطین کے لیے مجھ سے کہیں اچھا میرا بہتر بہ سالار ثابت ہوگا۔ بخدا مرا بطین کو تمہارے فیصلوں کی ضرورت ہے۔ زینب بظلمت اور زبردست فہم و فراست کی لڑکی ہے وہ ان معاملات میں مشورے دے کر رہی خوب مدد کیا کرے گی۔“

یوسف بن تاشفین نے ضد کرنے کے انداز میں کہا۔ ”کچھ بھی ہو جائے میں آپ جانے دوں گا۔ اگر صنہاجہ قبائل کے جھگڑے کو آپ نمٹانا ہی چاہتے ہیں تو اس کے لیے اگر جس کے ساتھ آپ کو جھگڑنے والے ہیں میں خود روانہ ہو جاؤں گا۔“

امیر ابو بکر نے کہا ”نہیں ایسا ہرگز نہ ہوگا۔ میں خود روانگی کا فیصلہ کر چکا ہوں، بنو یوسف! جب تک میں یہاں ہوں، میں تمہارا امیر ہوں اور ایک امیر کی حیثیت میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ اس معاملے میں تم مجھ سے کوئی مزگفتگو نہ کر دو گے۔“

امیر ابو بکر اٹھے اور اپنے خیمے سے باہر نکلے گئے۔ یوسف بن تاشفین اور سنعار دونوں ہنسی ان کے اس حکم کے سامنے جھکا دی تھیں اور دونوں خاموشی سے اٹھ کر ان کے ساتھ ہو لیے۔

صنہاجہ قبائل کے سب جوان اپنے گھوڑوں پر سوار امیر ابو بکر کے خیمے کے سامنے آئے اور ان کے سامنے امیر ابو بکر کا گھوڑا کھڑا تھا۔ امیر ابو بکر باری باری یوسف اور

سے ملی ہیں کہ بلوگین نے افریقہ میں ہمارا مقابلہ کرنے کے لیے اٹلی، صقلیہ اور شمالی اندلس کے عیسائی حکمرانوں سے بھی مدد طلب کر رکھی ہے اگر وہ ان کی مدد حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائے تمہارے سامنے ایک بھاری بھجیت لاکھڑی کرے گا جب کبھی اس کے ساتھ تمہارا سامنا ہوگا کچل کر رکھ دینا۔ اس کے ساتھیوں کا تعاقب کرنا اور ایک ایک کو کاٹ کر رکھ دینا کہ وہ آئندہ کے بعد ہماری راہ میں کوئی رکاوٹ نہ بن سکے۔ اس کے بعد جو اوقیانوس تک سارے سفر کو اپنی عملداری میں شامل کر لینا اور ہوسکے تو اس کے بعد اندلس کے مسلمانوں کی مدد بھی کرو ان دونوں کمپرسی کی حالت میں ہیں۔

میرا دوسرا فیصلہ یہ ہے کہ میں اپنی بیوی زینب بنت عبیل کو طلاق دے چکا ہوں وہ تھوڑی دیر قبل سنعار کے خیمے سے اٹھ کر اس طرف آئی تھی۔ میں اسے طلاق کے اعلان کچھ اس موقع پر میرے پاس نقدی تھی وہ بھی اسے دے چکا ہوں۔ اب وہ اپنے باپ کے خیمے میں منتقل ہو گئی ہے۔ میں کچھ روز سے اس کے متعلق کچھ باتیں سن رہا تھا۔ آج جب زینب نے میرے سامنے ان باتوں کی تصدیق کی تو میں نے اسے آزاد کر دیا۔

یوسف! یوسف! میرے بھائی جب زینب کی عدت کے دن پورے ہو جائیں تم اس سے شادی کر لینا یہ میرا حکم ہے۔ مجھے اُمید ہے تم اپنے بڑے بھائی کا حکم نہ ٹالو گے۔ میں تمہیں اس کام میں مددگار مقرر کرتا ہوں۔ تم یوسف اور زینب کی شادی کراؤ گے۔ یوسف! کاش تم نے زینب کے ساتھ میری شادی سے قبل ہی مجھے بتا دیا ہوتا کہ تم زینب کو پسند کرتے تو یہ حادثہ ہرگز رونما نہ ہوتا۔ میں اسی وقت زینب سے تمہاری شادی کرا دیتا۔ پلے مجھے کی گفتگو ہے کچھ شک ہوا تھا پھر میں نے عبیل کے ساتھ بیٹھنے والے اس کے قبیلے کے سے پتہ کیا اور آج زینب نے خود ہی کھل کر اس کا اقرار کر لیا کہ تم دونوں ایک دوسرے کو کرتے ہو۔ میری دعا ہے خدا تم دونوں کو اتفاق، امن اور صلح کے ساتھ رکھے۔

اسی وقت ایک سپاہی اس خیمے کے دروازے پر نمودار ہوا اور اس نے ابو بکر کو بتاتے ہوئے کہا۔ اے امیر! جس شکر نے آپ کے ساتھ روانہ ہونا ہے، وہ کوچ کے لیے تیار ہے۔ سب لوگ آپ کے خیمے سے باہر جمع ہو گئے ہیں۔ آپ کے گھوڑے

نک شادی کے لیے ضامن مقرر کیا ہے، ایسے ہی میں تمہیں اپنے اور روطہ کے درمیان
بے علاوہ میں تمہیں روطہ کے لیے امین و محافظ مقرر کرتا ہوں۔“

سیت نے ایک عزم سے کہا: اگر آپ مجھے روطہ کے لیے ضامن کے علاوہ اس
اور محافظ مقرر کرتے ہیں تو اسے امیر! پھر ملن رہیے، آپ سے اس کی خدای ہوئے
ان کی محافظ ہوں۔ اب میں بہت جلد روطہ اور آپ کی شادی کا انتظام کروں
مگر اٹھ کر اپنے خیمے کے ایک کونے میں آیا اور وہاں کبھی ایک چرمی خرچین سے
دو تھیلیاں نکال کر روطہ کے سامنے رکھتے ہوئے کہا: ”روطہ! یہ سنبھال کر
ان دونوں تھیلیوں میں نقدی ہے اور یہ مالی غنیمت سے میرے حصے میں آئی ہیں۔
باقی میری زندگی کا ساتھی بننے کا فیصلہ کر ہی چکی ہو تو پھر میری ہر شے کی مالک تم
نقدی کی تھیلیاں پڑی رہیں اور روطہ شرماتی رہی۔“

سیت نے بڑی بے باکی سے کہا: ”یہ تھیلیاں اٹھا لو اور چلیں۔ بخدا! اگر میں تمہاری
بادشاہی سے روطہ مجھے یہ تھیلیاں دیتے تو فوراً اٹھا کر اپنی کھول میں لے لیتی۔ تم خوش قسمت
خاتونیں اپنی زندگی کا ساتھی بنا رہے ہیں۔“ روطہ نے ایک بھر پر نگاہ سنعار پر ڈالی
ان نے اٹھا لیں اور پھر سیت کے ساتھ اٹھ کر وہ خیمے سے باہر نکل گئی تھی۔

ابن حنف کی عملداری کا نظام درست کرنے، برغلاطہ شہر میں اپنا حاکم مقرر کرنے، جیوٹے
بائ طرفین کی شریعت کے خاتمے اور وہاں کے لوگوں کو راہ راست پر لانے کے بعد
شاہ اور سنعار نے برغلاطہ شہر سے کوچ کیا۔ اب مرا بطین کے امیر اور سپہ سالار یوسف
نہایت تھے جب کہ سنعار بن عیلام ناب امیر تھے۔

امیر ابو بکر کے ساتھ صنہاجہ قبائل کے جوانوں کے چلے جانے کے باعث گوشکر کی
کچھ ضعف پہنچا تھا لیکن چونکہ ابو حنف کی عملداری کے لوگوں نے سمان متغول کی وجہ
نئے نبی صالح بن طریقت کی شریعت کو چھوڑ کر اسلام قبول کر لیا تھا لہذا ان میں سے
جوانوں کو لشکر میں شامل کر کے گوشکر کی حالت پہلے سے بھی مضبوط اور مستحکم کر لی گئی

سنعار کو گلے لگا کر ملے۔ چہرہ اپنے گھوڑے پر سوار ہوئے اور صنہاجہ قبائل کے ان
لشکریوں کے ساتھ وہ وہاں سے کوچ کر گئے تھے۔



سنعار جب اپنے خیمے میں واپس آیا تو اس نے دیکھا روطہ اور سیت کے علاوہ زینب
اور سیت کا باپ علیل بھی اس کا منتظر تھا۔ سنعار نے علیل کی طرف دیکھتے ہوئے کہا:
”آپ اب اپنے خیمے میں جائیں وہاں زینب آپ کی منتظر ہوگی۔ امیر ابو بکر یہاں سے کوچ
کر گئے ہیں۔ وہ یہاں سے صنہاجہ قبائل کی طرف گئے ہیں۔ وہاں وہ قبائلی انتشار پرتا ہوا ہے
کے بعد اسلام کی تبلیغ و اشاعت کے لیے سوڈان کی طرف چلے جائیں گے۔ جانے سے قبل
کو خبر ہو گئی تھی کہ زینب اور امیر یوسف ایک دوسرے کو پسند کرتے رہے ہیں لہذا بکر
یہاں ان کے پاس نقدی تھی وہ زینب کو دینے کے بعد وہ اسے طلاق دے گئے ہیں مجھے
سے کچھ کہنے کی ضرورت ہی نہیں پڑی اور آپ کے سارے کام درست ہو گئے ہیں۔ اب
یوسف بن تاشفین مرا بطین کے امیر اور میں ناب امیر ہوں۔ عدت کے دن پورے ہونے پر
زینب کی شادی امیر یوسف سے کر دی جائے گی اور یہ شادی کرانے میں امیر ابو بکر مجھے
مقرر کر گئے ہیں۔ امیر ابو بکر بہت عظیم انسان ہیں۔ آپ لوگ انہیں سمجھ ہی نہیں پائے!
آپ اپنے خیمے میں جائیں وہاں زینب اکیلی آپ کی منتظر ہوگی۔“

علیل کے چہرے پر اب سکون اور خوشی کا اظہار تھا۔ وہ مسکراتا ہوا اٹھا
کے خیمے سے نکل گیا تھا۔

سنعار جب اپنی نشست پر بیٹھ گیا تو سیت نے پوچھا: ”اے امیر! ہم دونوں
جو اتنی دیر سے آپ کے خیمے میں بیٹھی ہیں تو ہم دونوں کے لیے کیا حکم ہے؟“
سنعار نے کہا: ”سیت! جس طرح امیر ابو بکر نے جلتے ہوئے مجھے زینب

لحہ صنہاجہ قبائل میں صلح کرانے کے بعد امیر ابو بکر سوڈان چلے گئے۔ پھر انہیں واپس آنے کا نصیب
ہوا اور وہیں سوڈان میں انہوں نے ۴۸۰ ہجری میں وفات پائی۔

ایک روز یوسف بن تاشفین اور سنعار جبل تبکال پر کھڑے اپنی نئی تعمیر ہونے والی خان چھاؤنی کا نظارہ کر رہے تھے کہ سنعار نے کہا: "اے امیر! زینب کی عدت کے ہو گئے ہیں۔ آپ آپ اس سے شادی کر لیں۔"

یوسف بن تاشفین نے مسکرا کر سنعار کی طرف دیکھا اور کہا: "سنعار! میرے امیرے بھائی! میں زینب سے شادی کے لیے ابھی تیار ہوں لیکن میری شرط یہ ہے کہ ساتھ تمہاری اور روطہ کی شادی بھی ہو جائے۔ دیکھو ادھر ادھر کی باتیں کر کے نہ جانا۔ کیوں کہ سیت مجھے تمہارے اور روطہ سے متعلق تفصیل سے بتا چکی ہے۔ کیا بڑا جب ہم دونوں بھائی ایک ساتھ شادی کریں گے۔"

سنعار نے خوش طبعی سے کہا: "اے امیر! مجھے روطہ کے ساتھ شادی کرنے سے ہے لیکن یہ شادی اس کے بھائی کی موجودگی میں ہوگی۔ میں نے اسے یہاں لانے کے لیے آدمی بستی کی طرف روانہ کر رکھا ہے۔ امید ہے چند روز تک وہ پہنچ جائے گا لیکن میں آپ کی شادی کے لیے اس کے آنے تک انتظار نہ کروں گا۔ میری خواہش ہے شادی آج ہی ہو۔ آپ جلتے ہیں، میں اس شادی میں ایک ضامن ہوں۔ امید میری خواہش رو نہ کریں گے۔"

یوسف بن تاشفین نے ہتھیار ڈالتے ہوئے کہا: "سنعار! میرے بھائی! تم جو چاہو میں تمہاری کوئی خواہش رو نہ کروں گا۔"

سنعار نے خوشی اور مسرت میں یوسف بن تاشفین کا ہاتھ تھام لیا اور پھر وہ دونوں دھچاؤنی کی طرف جا رہے تھے۔ اسی روز امیر یوسف بن تاشفین اور زینب کی شادی ہوئی۔

جبل تبکال میں یوسف بن تاشفین اور سنعار نے اپنی چھاؤنی مکمل کر لی۔ پھر نے اپنے لشکر کے ساتھ کوہستان اطلس کے دامن میں میلوں دُور تک آگیا جو بحرِ قنابل کی طرف پیش قدمی شروع کی۔ اس بار لشکر کے صرف دو ہی حصے کیے گئے تھے۔ آدھا یوسف بن تاشفین کے پاس اور آدھا سنعار بن عیرام کے پاس تھا۔ قبائلِ منصورہ

تھی۔ اس طرح اپنی حالت کو مضبوط اور درست کرنے کے بعد امیر یوسف اور سنعار نے کوہستان اطلس کے قبائلِ منصورہ کی طرف پیش قدمی کی۔

اس پیش قدمی کے دوران صحرا کے خانہ بدوش قبائل نے کئی بار مسلمانوں پر شبہ مار کر اس پیش قدمی کو روکنے کی کوشش لیکن انہیں ناکامی ہوئی۔ یہ سب صحرائی قبائل بدوش قبائل تھے۔ ابھی تک قبائلِ منصورہ مسلمانوں کے سامنے نہ آئے تھے۔

یوسف بن تاشفین اور سنعار کی سرکردگی میں مسلمان آگے بڑھتے رہے یہاں تک کہ وہ کوہستان اطلس کی ایک شاخ جبل تبکال کے پاس جا پہنچے۔ قبائلِ منصورہ ابھی تک نہ کرنے کے لیے مسلمانوں کے سامنے نہ آئے تھے حالانکہ جبل تبکال سے صرف بین میل کے فاصلے پر تھا۔ کوہستان اطلس کے دامن میں ان کی بستیاں اور شہر شروع ہو جاتے تھے۔ یہاں جبل تبکال کے دامن میں یوسف بن تاشفین اور سنعار نے پڑاؤ کیا اور یہاں یوسف بن تاشفین نے عظیم چھاؤنی تعمیر کرنے کا حکم دیا۔ یہ جگہ چونکہ مرکز میں تھی لہذا یہاں چھاؤنی قائم کرنے پر اتفاق کیا گیا۔ یہ سب صحرائی قبائل پر گرفت رکھی جاسکتی تھی۔

مسلمانوں نے اس تیزی اور جافشانی سے کام لیا کہ یہاں انہوں نے اپنی منزل ایک بہترین چھاؤنی قائم کر دی جو ۸۰ فٹ بلند جبل تبکال کے دامن میں تھی۔ چھ کے سامنے میلوں تک کھجوروں کے باغات پھیلے ہوئے تھے اور پشت پر پھیلا ہوا کوہستان اطلس اس چھاؤنی کے حسن کو دوبارہ دکھاتا تھا۔ بعد میں یہی چھاؤنی مراکش شہر کی شکل اختیار کر گئی اور جنوبی مراکش کا نگینہ کہلانے لگی۔

۱۰۔ تین سو سال بعد مراکش شہر میں تبدیل ہونے والی اس چھاؤنی میں جب ابن بطوطہ داخل ہوا تو لکھا: "یہ شہر بہت خوب صورت اور وسیع ہے۔ وہاں خیرات بہت ہوتی ہے اور صحبا ہیں۔ ایک ہزار نہایت بلند ہے کہ اس کی چوٹی پر کھڑے ہو کر تمام شہر نیچے نظر آتا ہے۔" سے مشابہ ہے۔ شہر کی رونق پہلے کی نسبت کچھ کم ہوتی جا رہی ہے۔ اس شہر میں ایک جوانی وضع اور صنعت میں بے مثال ہے۔ اس دربار کو یوسف بن تاشفین کے بعد امیر ابوالحسن

بن آموز جھکڑوں، جاڑے کے اجاڑ پن اور ایک غلاب جاودان کی طرح ان پر چھانا
غیر دیا تھا۔

صحرے کے اندر معرکہ پونہ پور شروع ہو گیا تھا۔ لگتا تھا نفع صوبہ ہو گیا ہو اور لوگ ایک
سے پر ٹوٹ پڑے ہوں۔ مسلمانوں کے حملوں میں وہی طوافِ اقصیٰ، بشارت کے لمحوں
بل اور اگلی صفوں کی طرف جانے کو بے تابی تھی۔ انہوں نے اپنے شوریلے اور غصیلے
بائیں دشمن پر سرسختی دیلایاں اور دھڑول و فراموشی طاری کرتی شروع کر دی تھی دشمن
ندھتے ہوئے وہ ایسے انداز میں اللہ اکبر کی صدائیں بلند کر رہے تھے جیسے فرازِ طوطی
الٰہی ترانی کی آوازیں ابھر ڈوب گئی ہوں۔ وہ انتہائی مبالغہ و مدبرانہ انداز میں
دشمنوں پر حیات و مرگ کا عقدہ کھول رہے تھے۔

دائیں طرف امیر یوسف نے کسی نیزنگ ساز و سحر کی طرح دشمن پر دھماکا
برداشتی اور خشکی طاری کرنی شروع کر دی تھی۔ جب کہ بائیں جانب سے سنعار
کی تقدیر کے لیے اجل قاطع طریق اور رگوں پر سنسنی طاری کر دینے والا حریف ثابت
ہوا۔ اس نے طوفانوں جیسے مہیب اور دھوئیں جیسے کثیف اپنے حملوں میں طوفانی ولات
فراحت طاری کر دیا تھا۔ امیر یوسف اور سنعار دونوں نوامیس الیہ اور قانون
نیک درخشندگی کی خاطر عزم و ایثار کی تصویریں اور وفا کے پکیروں کی طرح دشمن پر
اڑتے جارہے تھے۔

اچانک اللہ اکبر کے بلند نعروں کی صداؤں کے ساتھ مسلمانوں نے اس زور کا حملہ
نورخوار بربر قبائل کے پاؤں اکھڑ گئے اور وہ میدان چھوڑ کر بھاگ نکلے لیکن ان کی بد
نامی مسلمانوں نے انہیں بھاگنے کا موقع بھی نہ دیا۔ سنعار نے اپنے لشکر کے ساتھ آگے
لڑنے کے بجائے کی راہیں سدو کرتے ہوئے سامنے کی طرف سے ان پر حملہ کر دیا جبکہ
نیک طرف سے امیر یوسف اپنے لشکر کے ساتھ ان کا قتل عام شروع کر چکے تھے۔

مصورہ قبائل نے جب دیکھا کہ میدان جنگ سے ان کے بھاگنے کی راہیں بھی
لندہ دی گئی ہیں اور سامنے دلچسپ دونوں جانب سے ان کا قتل شروع ہو گیا ہے،

کو بھی خبر ہو گئی تھی کہ مسلمان ان کی طرف کوچ کر رہے ہیں لہذا انہوں نے اپنی تیاریاں مکمل
پانچ میل آگے پیش قدمی کی اور صحرا کے اندر ایک جگہ پٹاؤ کر کے وہ مسلمانوں کا انتظار کرنا
لگے تھے۔

قبائل مصورہ نے مسلمانوں کو جبل تبکال کے دامن میں اور اپنے بالکل قریب پہنچاؤ کی تیاری
کرنے کی ہمت دی اس کی بھی ایک وجہ تھی۔ انہوں نے مسلمانوں کے خلافت نصرانی حکمران
بلوگین سے اتحاد کر لیا تھا اور انہیں اس کی آمد کا انتظار تھا تاکہ دونوں قوتیں متحد ہو کر مسلمانوں
کے خلاف عملی اقدام شروع کریں لیکن بلوگین کو قبائل اٹلس کی طرف آنے میں دیر ہو گئی تھی
کیوں کہ وہ اس ملک اور سامان کو جمع کر رہا تھا جو امداد کی صورت میں اسے ملے، عقلیہ اور
شمالی اندلس سے مل رہی تھی۔

یوسف بن تاشفین اور سنعار کو بھی ان دونوں قوتوں کے اتحاد کا علم ہو گیا تھا
انہوں نے اپنے جاسوس بلوگین پر نظر رکھنے کے لیے روانہ کر دیے تھے اور اس کی آمد سے
پہلے ہی پہلے انہوں نے قبائل مصورہ سے ٹھٹھنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

قبائل مصورہ جانتے تھے کہ اگر مسلمانوں کو پٹاؤ کرنے، سنبھالنے اور آرام کرنے کا
موقع دیا تو وہ انہیں لمحوں کے اندر کاٹ کر ان کی ہڈیوں کا ڈھیر لگا دیں گے لہذا جو بیرون
بن تاشفین اور سنعار اپنے لشکر کے ساتھ ان کے سامنے آئے انہوں نے آگے بڑھ کر
مسلمانوں پر حملہ کر دیا۔

اسلامی لشکر دشمن کو حملہ آور ہوتے دیکھ کر یوسف بن تاشفین اور سنعار کی
سرکردگی میں فوراً دو حصوں میں بٹ گیا۔ قبائل مصورہ نے آگے بڑھ کر اسلامی لشکر کے
وسطی حصے کو اپنے حملوں کا نشانہ بنانے کی کوشش کی تھی لیکن ان کو اس وقت مایوسی ہوئی
جب اسلامی لشکر فوراً بٹ کر دو حصوں تقسیم ہو گیا۔ درمیان کی جگہ انہوں نے خالی چھوڑ
دی اور دشمن کے دائیں بائیں پہلو پر بھرپور حملہ کر دیا تھا۔ دائیں جانب سے یوسف
بن تاشفین اور بائیں جانب سے سنعار حملہ آور ہوا تھا۔ قبائل مصورہ کو وسطی حصے سے
اپنے پہلوؤں کی طرف ٹھٹھنے میں کچھ دیر لگی۔ اس وقت تک امیر یوسف اور سنعار نے ہوا

ہرٹ کو خوب جانتے ہیں۔ یہ ہمارے خلاف بغاوت کر دیں گے اور اس طرح ہم دو محاذوں پر بائیں گے۔ آپ کے یہاں رہنے سے ان کو سرکشی اور بغاوت کرنے کی ہرأت نہ ہوگی۔ امید ہے آپ فیصلے سے اتفاق کریں گے۔ امیر یوسف نے کہا: سنعار! میرے بھائی! میں تمہارے فیصلے سے ہر پر اتفاق کرتا ہوں۔ میں جانتا ہوں تمہارے فیصلے ہمیشہ جاندار افسان میں ہمیشہ ہماری بہتری نفع کا پہلو رہا ہے۔ میں اپنے لشکر کے ساتھ قبائل مصمومہ کے پاس ہی رہتا ہوں اور تم لشکر کے ساتھ یہاں سے کوچ کر جاؤ اور امداد کے وقت بلوگین کے لشکر پر شب خون مارو۔

یہ سنہ تم لمحوں کے انداس کے لشکر کو دیوان و تباہ حال کر دو گے۔ تم تھوڑی دیر تک سے کوچ کر جاؤ۔ اتنی دیر تک میں اپنے لشکر کو دو حصوں میں تقسیم کرتا ہوں۔ ایک کو مصمومہ پر نگاہ رکھنے پر مقرر کرتا ہوں اور دوسرا تیاری کی حالت میں رہے گا تاکہ اگر ضرورت پڑے بلوگین کے مقابلے میں اس حصے سے تمہاری مدد کی جاسکے۔

امیر یوسف کہتے کہتے رک گئے۔ کیوں کہ ان کی نگاہ اچانک اپنی اور سنعار کی پشت کی اٹھ گئی تھی وہاں حسین روطہ اور اس کا بھائی جنوک کھڑے تھے۔ امیر یوسف نے بڑی حقیقت بھرا روطہ! میری بہن تم! آؤ۔ یہ تمہارا بھائی جنوک کب آیا۔ روطہ کچھ کہنے والی تھی کہ سنعار بولک کہ ان دونوں کی طرف دیکھا پھر وہ گھوڑے سے کود گیا اور جنوک کو گلے لگاتے ہوئے کہتم کس وقت آئے میرے بھائی! امیر یوسف بھی گھوڑے سے اتر گئے اور جنوک سے بغلیں لے لے پھر امیر یوسف نے سنعار کے کان میں سرگوشی کرتے ہوئے کہا: میرے بھائی! تم لشکر کے ساتھ اب کوچ کر جانا۔ میں جاتا ہوں۔ شاید روطہ علیحدگی میں کچھ کہنا چاہے۔

امیر یوسف نے شاید روطہ اور جنوک کو سنانے کی خاطر بلند آواز میں کہا: سنعار! میرے ارنیوب اور سیت اب روز مجھ سے جھگڑا اور تکرار کرتی ہیں کہ بغیر کسی تاخیر کے تمہاری اور ناشادی کر دی جائے گی۔ یہ میرا آخری فیصلہ ہے اور اس میں کوئی تبدیلی نہ ہوگی۔ اب تو جنوک بھی ہے اب اس معاملے کو تاخیر دینے کی کوئی وجہ بھی نہیں ہے۔ اتنا کہنے کے بعد امیر یوسف اپنے سے پر سوار ہوئے اور چلے گئے۔

امیر یوسف کے جانے کے بعد جنوک نے کہا: سنعار بھائی! میں اس وقت یہاں پہنچا ہوں جب اپنے عروج پر تھی۔ ناٹان ٹھیک ہے اور آپ کو بہت یاد کرتی ہے۔ بکریوں سے چلنے کی نسبت بڑھ گیا ہے۔ کیوں کہ اس دوران تین سواؤد بکریوں نے بچے دیے ہیں۔

تو انہوں نے ہتھیار چھینک کر مسلمانوں کی اطاعت قبول کر لی اور ان میں سے اکثر نے وہیں کوہستان اطلس کے دامن میں امیر یوسف اور سنعار کے سامنے اسلام قبول کر لیا تھا یوسف بن تاشفیہ نے وہاں اپنے لشکر کو خمیر زن ہونے کا حکم دے دیا تھا۔ کیوں کہ مصمومہ قبائل کے لوگ گروہ درگروہ اگر ان کے پاس اسلام قبول کرنے لگے تھے۔

امیر یوسف اور سنعار دونوں اپنے گھوڑوں پر سوار اپنے لشکر کے لیے تیزی سے نصب ہوتے غنیمے اور اسلام قبول کرنے والے مصمومہ قبائل کے لوگوں کا جائزہ لے رہے تھے کہ ان کا ایک بربر سپاہی اپنے گھوڑے کو سر پٹ دوڑاتا تھا ان کے قریب آیا اور کسی قدر نشان میں اس نے کہا: اے امیرانِ مسلمین! میں ایک بُری خبر لے کر آیا ہوں۔ نصرانی حکمران بلوگین ایک زبردست لشکر کے ساتھ ہمارے قریب آگیا ہے۔ اس کے لشکر میں اٹلی، عقید اور شمال اندلس کے ان گنت باقاعدہ سپاہی اور رضا کار شامل ہیں اور وہ مسلمانوں کو افریقہ کے ان علاقوں سے نکال دینے کی قسم کھا کر اس طرف آئے ہیں۔ بلوگین یہاں سے صرف بیس میل کے فاصلے پر اپنے لشکر کے ساتھ خمیر زن ہے۔ اس کا اللہ ہے کہ وہ دو دن بعد رات کے وقت ہم پر شب خون مار کر ہمیں زیر کرنے کی کوشش کرے گا۔ میرے ساتھ میرا ایک ساتھی بھی ہے میں اسے دشمن پر نگاہ رکھنے کے لیے وہیں چھوڑ آیا ہوں۔

امیر یوسف نے کہا: تم بھی واپس لوٹ جاؤ اور دشمن کی پیش قدمی پر سخت نگرانی رکھو۔ وہ جاسوس جب چلا گیا تو امیر یوسف نے پوچھا: سنعار! میرے بھائی! اب تمہارا کیا خیال ہے۔

سنعار نے کہا: بلوگین کو غلط فہمی میں مبتلا ہے اور آج آنے والی رات ہم اس کی ساری غلط فہمیاں دور کر دیں گے۔ امیر یوسف! آپ یہیں رہیں اور میں بلوگین کی سرکوبی کے لیے اس کی طرف جاتا ہوں۔ آنے والی رات میں اس پر شب خون ماروں گا اور اسے اس کے لشکر سمیت ہلاکت میں ڈال دوں گا۔ اس وقت آپ یہیں قبائل مصمومہ کے سر پر سوار رہیں۔ انہوں نے نئی نئی اطاعت قبول کی ہے۔ اگر ہم دونوں لشکر کے کہ یہاں سے بلوگین کی طرف چلے گئے اور ان کو خبر ہو گئی کہ بلوگین ان کی مدد کے لیے آگیا ہے تو اسے امیر آپ

اس طرح بکریوں کی تعداد بھی زیادہ ہو گئی ہے۔

حنوک جب خاموش ہوا تو روطہ نے اپنے گلابی جسم میں اپنی خردبین کی طرح سرگوشیاں کرتی آواز میں سنا کر مخاطب کرتے ہوئے کہا: "میں آپ اور امیر یوسف کی پوری گفتگو سن چکی ہوں اگر آپ اجازت دیں تو بلوگین کے خلاف آپ کی اس مہم میں میں بھی آپ کے ساتھ رہوں۔"

سنار نے کہا: "روٹہ! روطہ! اگر کسی کے خلاف کوئی اتنا عہد جنگ ہوتی تو بھراؤں تمہیں ضرور اپنے ساتھ رکھتا۔ اس مہم میں کوئی عورت ہمارے ساتھ نہ ہوگی۔ یہ مہم صرف رات بھر چلنا ہے اور اسی شب خولی میں ہی بلوگین کا انجام کر کے رکھ دوں گا۔"

روٹہ نے پھر ایسی آواز میں کہا جس میں آتشاں کا ترنم۔ پھولوں کی مہک اور ادبیت کی سی گہرائی تھی: "آپ کی سلامتی اب میری زندگی کا مقصد ہے۔ میں چاہتی ہوں اس شب خون میں بھی آپ کا ساتھ دوں۔" سنار نے کہا: "نہیں روطہ! اس طرح میں حصوں میں بٹ جائی گا دشمن کے خلاف جنگ کرنے کے علاوہ مجھے تمہاری حفاظت بھی کرنا پڑے گی۔ اپنی نیل جھیل ہی

میں بکھلوں کی ایک سیڑھی نگاہ روطہ نے سنار پر ڈالی پھر اس نے پھاڑی جھرنوں کے گیت، نغمہ سحری اور زمزم مٹھن و شباب جیسے آواز میں کہا: "حنوک آج کی رات میرے ادبیت کے ساتھ رہے گا۔ پھر کل سے ہم دونوں بہن بھائی آپ کے غیمے میں منتقل ہو جائیں گے۔" سنار نے چاہت

بھری آواز میں کہا: "روٹہ! روطہ! یہ میری خوش قسمتی ہے کہ کل میری تمہارے ساتھ شادی ہو رہی ہے۔ روطہ کا خوشبو سے بو بھل جان جسم کیپکا کر رہ گیا تھا۔ وہ حجاب اور شرم کا پکیہ ہو کر رہ گئی تھی۔" اہم اس کے چہرے پر صباحت، تازگی اور لطافت تھی۔ اس کی بھیل کے پانی کی سی پریوں نکلا

میں ادارہ زمزم نے "نور شفا" بدیہ تبریک، نغموں ایسی حلاوت اور تابندہ صدف جیسے جذبے تھے۔ وہ بھرنے کی طرح معصوم کھڑی رہی اور اس کا گلابی جسم کیپکا تار ہا۔ اس، حنوک نے بولتے ہوئے کہا: "اے میرے محترم بھائی! یہ آپ کی نہیں بلکہ ہم دونوں بہن بھائی کی خوش قسمتی ہے کہ ہمارا آپ سے اس قدر گہرا تعلق ہو رہا ہے۔" سنار نے روطہ سے کہا: "روٹہ! اب تم اور حنوک جاؤ۔ میں اپنے لشکر کے ساتھ اب کوچ کرتا ہوں۔" روطہ نے اتنا بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا: "میں آپ کو خدا حافظ کہتی ہوں۔" سنار اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر چلا گیا۔ روطہ اور حنوک بھی واپس جا رہے تھے



رات آدھی کے قریب جا چکی تھی۔ روطہ، سیت اور حنوک اپنے خیمے میں گہری نیند سو

تھے کہ ایک سایہ ان کے خیمے میں داخل ہوا۔ خیمے کے اندر جلتی ہوئی شعل کی دھم روشنی میں وہ میں داخل ہونے والا ایک ہیولے کی صورت میں اس طرف بڑھا جہاں روطہ سوئی تھی۔ سرما کی ناک رات خوب ٹھٹھک رہی تھی اور ہر طرف سرد سکوت طاری تھا۔ خیمے میں داخل ہونے والا وہ ہی وہاں تاریکی کے انجیل کی مانند لہراتا ہوا روطہ پر جھکا پھر شاید وہ بھگ گیا اور ہاتھ میں کپڑے پکڑے۔ اس نے روطہ پر پے در پے وار کرنے شروع کر دیے تھے۔ روطہ کی ایک کمر ناک چیخ بلند ہوئی جس سے سیت اور حنوک چونک کر کھٹکھٹے ہوئے۔ روطہ پر حملہ آمد ہونے والا وہ ہیولہ جھاگ لہاتا، اس کے ہاتھ میں خون آلود منہر تھا۔ سیت اس کے پیچھے بھاگی۔ ہیولہ رگ گیا اور اپنا منہر مار سیت کو ڈرانا چاہیے لیکن سیت نے جرات مندی کا ثبوت دیتے ہوئے اس پر جھاگ لگا۔ حنوک نے جب اپنی بہن کو عمل میں لے کر دیکھا تو گنگے ٹوٹھ کراس ہیولے کے ساتھ منہر چھین جے سیت نے دوبارہ رکھا تھا حنوک نے اس ہیولے کے جسم میں پے در پے وار کر کے اسے چھید رکھ دیا تھا۔

سیت نے اسے چھوڑ دیا اور اسے گھسیٹ کر وہ شعل کے قریب لے گئی اور پوچھا: "تم کون ہو؟" اس نے میری بہن روطہ پر حملہ کیا ہے، سیت نے غور سے دیکھا وہ حملہ آور لڑکی تھی۔ اس لڑکی نے آپ کو سنبھالا پھر بڑی شکل سے اس نے کہا: "میں وادی سلجاس اور دروے کے حاکم ابن فوہل کی بیٹی ہوں۔ تم لوگوں کے امیر سنار نے انفرادی جنگ میں میرے سنگت راہیک کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ گیلی لکڑی کی طرح سنگتے پر مجبور کر دیا تھا۔ میں اس کا تو کچھ نہ بگاڑ سکی لیکن مجھے خبر ہو گئی کہ اس روطہ نام کی لڑکی سے سنار کی شادی ہو رہی ہے۔ لہذا میں اسے قتل کر کے اپنی طرح سنار کی لکڑی کی طرح سنگتے دیکھنا چاہتی تھی۔ میں نے یہ طرہ ختم کر دیا ہے۔ کاش میں جھاگ سکتی لیکن زندہ رہ سکتی اور سنار کو کرب، مصیبت اور دہکان میں دیکھ سکتی۔ کاش میں اسے کراہتے دیکھ اور غم میں دیکھ سکتی، کاش میں اسے سلیلا سے کچھ نہ کہہ سکی۔ اس دن ایک طرف ڈھلک گئی اور وہ ختم ہو گئی۔ سیت اور حنوک جھاگ گمر روطہ کی طرف گئے۔ بانہوں نے اسے دیکھا تو دم بخود رہ گئے۔ روطہ ختم ہو چکی تھی۔ سیت اور حنوک دونوں ہی لڑیں رونے لگے تھے۔

سیت اور حنوک کے رونے کی آوازیں سن کر ارد گرد کے خیموں کی عورتیں بھی وہاں جمع ہو گئیں۔ امیر یوسف اور زینب کا خیمہ بھی پاس ہی تھا۔ تھوڑی دیر تک وہ بھی بھاگتے ہوئے

سیت کے خیمے میں پہنچ گئے۔ روطہ کی لاش اور سیت و جنک کو دوتے دیکھ کر امیر یوسف اور زینب ڈگ رہ گئے۔ سیت بھاری بھاگ کر آگے بڑھی اور امیر یوسف کو اس نے رو رو کر ساری رو رو کر ساری امیر یوسف نے دکھ سے کہا۔ "سیت اپنے آپ کو سنبھالو میں جنک کو دھارس دیتا ہوں۔ زینب تم اور سیت دونوں مل کر روطہ کی لاش کو میرے خیمے میں لے جاؤ۔ میں جنک کو دھارس دے کر لاتا ہوں۔" زینب اور سیت روطہ کی لاش کو اٹھا کر باہر لے گئیں۔ امیر یوسف جنک کو پٹیا کر کے دے لگے تھے پھر وہ جنک کو اپنے خیمے میں لے گئے اور اسے علیحدہ جگہ پر بیٹھا دیا جب کہ روطہ کی لاش کو خیمے کے دوسرے حصے میں رکھا گیا تھا۔

امیر یوسف کا خیمہ جو کئی کمرہ نما حصوں میں تقسیم تھا۔ اس کی خوب گاہ والے حصے میں کافی دیر تک جہل قدمی کرتے رہے اور سوچتے رہے۔ شاید روطہ کی موت نے انہیں اس بات کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔ پھر وہ خیمے کے اس حصے میں آئے جس میں روطہ کی لاش رکھی گئی تھی اور وہاں زینب اور سیت لشکر کی دوسری خورتوں کے ساتھ بیٹھی مدد ہی تھیں جب کہ جنک دوسرے کمرے میں بیٹھا اپنی عزیز بہن کی اس ناگہانی مرگ پر آنسو بہا رہا تھا۔ امیر یوسف نے اشارے سے اپنی بیوی زینب اور سیت کو باہر بلایا۔ جب وہ دونوں اٹھ کر باہر گئیں تو امیر یوسف دونوں کو اپنی خواب گاہ میں لائے۔ وہ بکھرے بکھرے اور پریشان تھے۔

زینب نے پوچھا۔ "کیا بات ہے آپ کچھ کہنا چاہتے ہیں کیا؟"

امیر یوسف نے کہا۔ "روطہ کی موت نے مجھے ہلا کر رکھ دیا ہے۔ سنعار اس سے بے عزت کرتا تھا۔ اب میں کیوں کر سنعار کا سامنا کر سکوں گا۔ وہ میرا عزیز بھائی ہے کیسے میں اس کے اس غم کو برداشت کر سکوں گا۔ میں اسے کیوں کر ملوں اور پریشان دیکھ سکوں گا۔ بھلا اس غم میرے لیے بھی دائمی غم بن کر رہ جائے گا۔ کاش میں سنعار کی امانت کی حفاظت کر سکتا ہوں۔" اسے اپنے ساتھ ہی لے گیا ہوتا۔

چند ثانیوں تک خاموش رہنے کے بعد امیر یوسف نے اس بار سیت کی طرف دیکھ کر کہا۔ "سیت! اگر تمہاری مرضی ہو تو میری یہ شکل دودھ ہو سکتی ہے۔ کیا تم میرا ایک کہا مانو گی؟" سیت نے کہا۔ "آپ لشکر کے امیر اور میرے بڑے بھائی ہیں، آپ کا ہر کہا میرے لیے کادہ برکت ہے۔" امیر یوسف نے کہا۔ "کیا تم سنعار سے شادی کرنا پسند کرو گی؟" سیت نے اسے میرے بھائی! امیر سنعار بہادر و شجاع، حسین و دلدار اور شریف و نیک خصلت جوان ہے۔

نہ روطہ کی ان سے شادی کرنے کو اپنے لیے سعادت و خوش بختی خیال کرے گی۔ میرے دل سنعار کے لیے حاضر ہیں۔"

امیر یوسف نے کہا۔ "سیت! سیت! تم نے ہاں کر کے میلا بوجھ ہلا کر دیا تھا۔ بروکھین کے چند روز بعد میں سنعار سے تمہارے ساتھ شادی کر لینے کا ذکر کروں گا۔ میں اسے اس پر رضامند کر لوں گا۔ اس طرح تمہاری صورت میں سنعار کو ایک ابھی بدست بیوی اور جنک کو ایک پیار کرنے والی بہن مل جائے گی۔ اب میں مطمئن ہوں کہ یہیں عورتوں میں جا کر بیٹھو۔ زینب اور سیت واپس چلی گئیں۔ امیر یوسف اس جگہ پر گئے جہاں جنک بیٹھا ہوا تھا۔



آسمان پر چاندنی بہانا میناب مغرب کی طرف غروب ہو رہا تھا۔ رات گہری ہو گئی تھی ساری کے سائے ظلمت کے دوزخ میں ڈوب گئے تھے۔ رات کے سرد ویران اندھیروں کی لڑکی فضاؤں کے اندر لامحدود خاموشی حلقوں کر گئی تھی۔ شب کے باطن پر اندھیرا چھلنے لگا تھا۔ شب بھرائی کے مسافروں کی طرح کوچ کوچ کرنے کو تھے اور سمت الماس پر چھلنے والے بھی مغرب کی جانب کھٹک گئے تھے۔ صحرائے اندر تیز ہواؤں کے باعث جھاڑیاں ہی تھیں۔ رات سونے کا وقت قریب آ گیا تھا لہذا دامن آسمان پر تاروں کے نقش و نگار نے کی تیاریوں میں تھے۔ چاند کے غروب ہونے سے اب چاندنی رخصت ہو گئی تھی۔ رات یرلان اندھیرا ہر شے سے دست و گریبان ہو گیا تھا۔

سنعار صحرائے اندر بلوگین کے لشکر سے دور چاند غروب ہونے کا انتظار کرتا رہا تھا۔ مغرب ہوا اور آکاف عالم میں تاریکی بکھر گئی تو سنعار اپنے لشکر کے ساتھ زہریلے کا طرح صحرائے اندر فروکش بلوگین کے لشکر کی طرف بڑھا۔ چونکہ صبح ہونے کے قریب تھی، میں کے لشکر ہی ہر احتیاط کو نظر انداز کرتے ہوئے گہری نیند سوئے تھے۔ وہ مسلمانوں پر لانے کی تیت رکھے تھے۔ جب کہ خود ان پر شب مارا جا رہا تھا۔

بلوگین کے لشکر کے قریب جا کر سنعار نے اپنے لشکر سے چند دتے علیحدہ کیے اور انہیں لشکر سے مشرق کی طرف جا کر حملہ کر دینے کا حکم دیا جب کہ خود وہ تھکے لشکر کے ساتھ لاسمت چلا گیا تھا۔ سنعار کی ہدایات کے مطابق ان دستوں نے نعرہ ہائے تکیہ کرتے ہوئے

بلوگین کے لشکر پر حملہ کر دیا۔

ذوق و غریب سب کچھ قربان کر دیں۔“

سنا کر ان الفاظ نے مجاہدین میں ایک آگ سی لگا دی تھی اور وہ عالم بشریت میں رطل
اپن کر دشمن پر چھلانے لگے تھے اور سحر کے اندر بلوگین کے لشکر کا قتل عام شروع ہو گیا تھا۔

اندھیروں کے اندر بلوگین کے لشکر کا قتل عام جاری رہا۔ یہاں تک کہ رطل حبیب اپنی ساری
بریت اور تمام آرائیوں کے ساتھ کوچ کر گئی اور مشرق سے سورج نمودار ہوا تو مسلمانوں

بلوگین جنگ میں مارا جا چکا تھا اور اس کے لشکر کا کچھ حصہ دفاعی جنگ کر رہا تھا بلوگین
اے اس لشکر کو سنا کر غمگین رہا اور اس کا مکمل طور پر صفایا کر دیا۔ سحر کے اندر مسلمانوں

سُورٹ کو آنے والے شمالی اندلس، اٹلی اور صقلیہ کے نصرانی سپاہیوں کی لاشیں ڈھیروں کی
میں پڑی ہوئی تھیں۔ سنا کر نے دو پہر تک وہیں پڑاؤ کر کے اپنے زخمیوں کی دیکھ بھال کی

بل کو آرام کا موقع دیا۔ بلوگین کے پڑاؤ سے اس کے ہاتھ نقدی، سونے، نعلین اور ہتھیار
لے گئے تھے اور لشکر کی خوراک کے لیے استعمال ہونے والے بھیڑ بکریوں کے روٹوں کے علاوہ

پر کے قریب سنا کر نے ہر چیز کو سیٹھا اور کوہستان اٹلس کی طرف کوچ کر گیا تھا۔

سنا کر اپنے لشکر کے ساتھ جب اس جگہ پہنچا جہاں امیر یوسف بن تاشفین نے پڑاؤ کر رکھا
راست نے اس کا شاندار استقبال کیا۔ امیر یوسف کے ساتھ ان کی بیوی زینب اور سیت

اجن وقت امیر یوسف سنا کر کو گلے لگا کر بلوگین کے خلاف اس کی فتح پر اسے مبارکباد
تھے ایک طرف سے حوک بھاگتا تھا آیا اور سنا کر سے لپٹ کر رونے لگا۔

سنا کر نے پوشی فی میں پوچھا: حنوک! حنوک! کیا بات ہے تم روتے کیوں ہو۔ روط
امیر یوسف ادا اس ہو گئے تھے۔ زینب اور سیت کے چہرے اتر گئے تھے۔ پھر امیر

دھکے کے ساتھ روط کے مرنے کی داستان سنا ڈالی۔

روط کی موت کا سن کر سنا کر کے جسم کی گین کھچ گئی تھیں۔ چہرہ تانبا ہو گیا تھا۔ آنکھوں
اندھیروں کے اندر غصے کے شعلے رقص کرنے لگے تھے پھر اس بچارے کی جھکی دراز

بول سے بوجھل ہوئیں اور لبوں پر جھلکا ہٹ سی پکھر گئی۔

امیر یوسف غمگین و طول کھڑے اسے دیکھ رہے تھے۔ زینب کی آنکھوں سے آنسو
تھے اور سیت حنوک کو اپنے ساتھ لپٹا کر بچوں کی طرح سسک سسک کر رونے لگی

امیر یوسف نے سنا کر کو لپٹا کر روط کو دفنانے کے لیے مجھے تمہارا بی بیٹا

اس شیب خون سے بلوگین کے لشکر میں ایک جھگڑا مچی گئی اور بلوگین کے اپنے لشکر

کے علاوہ شمالی اندلس، اٹلی اور صقلیہ کے سپاہی بھی اپنی پیٹیاں باندھ باندھ کر اور صلح ہو کر مشرق

طرف بھاگنے لگے جس طرف سے ان پر شیب خون مارا جانے لگا تھا لیکن ان کی قیمت تھی کہ سنا کر نے انہیں

اپنی بہترین جنگی چال میں چھنسا دیا تھا جس وقت وہ مشرق کی طرف بھاگ رہے تھے سنا کر نے اپنے

کے ساتھ مغرب کی سمت سے ان کی پشت پر حملہ کر دیا تھا۔

ریت پر پہل صحرائیں نعرہ ہلنے لگیں بلند کرتے ہوئے سنا کر کی سرکردگی میں مسلمان مجاہدین

نوع انسانی کے کام، رہبر خاص و عام، غلامان و لبر سدرہ مقام اور قافلہ انسانیت کے رہبر

کر بلوگین کے لشکر پر نازل ہوئے تھے۔ ان کے حملوں میں آتش و انتہاب میں ڈوبے ان کی پناہ

تھے۔ ان کی تلواریں اچانک حرکت میں آکر یوں برس پڑی تھیں جیسے کسی طسماقی شخصیت نے اشارہ

کے منجمد ہونٹوں کو حرکت دے دی ہو۔ وہ اونٹوں کے حدی خواہوں اور بحریں آزاد چھٹی کی طرح حملہ

ہو کر صحرا کے اندر ایک آندھی کے بعد دوسری آندھی اور ایک طوفان کے بعد دوسرا طوفان طوفان

رہے تھے۔ ساری جہاں سوزی و تباہ کاری اب ان کی تلواروں کی نوکوں میں اتر گئی تھی۔ سحر کے

اندھیر موت کی مٹی میں زندگی کا رس بننے لگا اور جب سنا کر نے اپنے صحرائی انداز بیان

اللہ اکبر کا نعرہ مارنے کے بعد اپنے جوانوں کو لٹا کر دشمن کا خاتمہ کر دینے کو کہا تو ان صحرائی

کی طرح حملہ آور ہونے والے دیولیش صفت مجاہدوں کے جسموں میں گویا ایک آگ سی لگ گئی تھی

ان کی تلواریں گویا کین فیہ کون کے معجزوں کی پیروی کرتے ہوئے دشمن کو مدہوش وغیرہ کر کے

ان کے عصیا لول کا انبار لگانے لگی تھیں۔ سنا کر برفانی آندھیوں کی طرح چھپٹ رہا تھا اور اپنے

سمنے آنے والے ہر دشمن کو وہ موزہ ساز کی طرح چھیدتا چلا جا رہا تھا۔

اندھیرے کے اندر تلواروں کے ٹکرانے کا شور اور مرنے والوں کی چیخ و پکار کے انداز چاک

سنا کر کی خوشخوار آواز بلند ہوئی۔ وہ اپنے لشکریوں کو مخاطب کر کے کہہ رہا تھا: ”میرے بابر و

ساحق و بون کے لیے بھٹی کی طرح دھک جاؤ اور آسمان سے بہنے والی آگ بن جاؤ۔ آج دشمن کی

ہر چال کو فر و کرناشت اور نظر انداز کر کے اور اپنی قوم کے نجات دہندہ بن کر موت کی مٹی

میں اتر جاؤ۔ میرے جفاکش اور بہر مند ساحق و بون خدا کے جتن والے تمہارا حامی و ناصر اور مددگار

و معین ہے۔ رب سموت و ارض کی قسم دشمن کی عملی اصلاح کا وقت آ گیا ہے۔ آؤ اپنے رب کی

تھا۔ میں نے وہ سامنے والے پہاڑ کے اوپر اس کی قبر کھدوا ڈالی ہے اور پہلے اس کی قبر
و تکفین کا انتظام کریں۔

کوہستان تبحال کی ایک چوٹی پر روطہ کو دفن کر دیا گیا۔ جنازہ میں شریک کرنا
والے لوگ پٹاؤ کو چلے گئے۔ امیر یوسف، زینب، سیدت اور حنوک تمبر کے پاس بیٹھے تھے جب
سنعار جنگلی پھول توڑتے ہوئے قبر پر ڈال رہا تھا۔

امیر یوسف نے روتی آواز میں سنعار سے کہا۔ ”سنعار! میرے بھائی! آؤ جلیں۔“
سنعار ان کے قریب آکھڑا ہوا وہ اُداس اور بکھرا تھا۔ سیدت نے نہ جانے کہا
سے اپنے اند اتنی ہمت اور جرأت پیدا کر لی کہ اس نے اپنے ایک ہاتھ سے حنوک کا بازو پکڑ
لیا اور دوسرے ہاتھ سے اس نے سنعار کا بازو پکڑتے ہوئے کہا۔ ”امیر سنعار! آئیے جلیں۔“
سنعار چپ چاپ سیدت کے ساتھ ہو گیا۔ آگے آگے سیدت، سنعار اور حنوک کے بازو
پکڑے چل رہی تھی اُداسان کے پیچھے امیر یوسف اُداسان کی بیوی زینب گزریں جھکائے
جا رہے تھے۔ سورج غروب ہو رہا تھا۔ فضاؤں میں ایک سادی خوشبو اور جنگلی پھولوں
پُرانی مہک بکھیر رہی تھی اور وہ پانچول غم گین، اُداسان اور افسردہ کوہستان تبحال سے اُتر کر اپنے
پٹاؤ کی طرف جا رہے تھے۔



تنتِ پانچیر

